ہجرتؐ سے لے کر آج تک مدینہ منورہ میں ہونے والے
ارتقائی مراحل کے ذکر پر مشتمل جامع کتاب

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِیْ (الحدیث)

تاریخ مدینہ

بنام

رفیق المدینۃ المنورۃ
فی
احوال البلدۃ المطہرۃ

مرتب
مفتی محمد رفیق الحسنی

مہتمم
جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم
گلستان جوہر، بلاک ۱۵، کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ (الحدیث)

ہجرت سے لے کر آج تک
ہونے والے ارتقائی مراحل کے ذکر
پر مشتمل جامع کتاب

بنام

رفیق المدینہ المنورہ
فی
احوال البلدۃ المطہرہ

تالیف

مفتی محمد رفیق الحسنی

مہتمم جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، گلستانِ جوہر، بلاک ۱۵، کراچی

ناشر: جامعہ اسلامیہ مدینہ العلوم، گلستانِ جوہر، بلاک ۱۵، کراچی

نام کتاب	:	رفیق المدینہ المنوّرہ
تالیف	:	مفتی محمد رفیق حسنی (0300-9244269)
ترتیب وپروف ریڈنگ	:	محمد اویس رفیق حسنی
سنِ اشاعت	:	جون 2012ء
تعداد	:	500
صفحات	:	776
قیمت	:	-/650روپے
کمپوزنگ	:	این ڈی لاکھو (0346-2576532)
ناشر	:	جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم گلستانِ جوہر، کراچی۔

کتاب ملنے کے پتے:

- جامعہ اسلامیہ مدینۃ العلوم، گلستانِ جوہر، کراچی۔ فون: 34619190
- جامع مسجد مبارک سی ویو، ڈیفنس، کراچی۔ فون: 35842591
- ضیاء القرآن پبلی کیشنز، انفال سینٹر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 32212011
- مکتبہ غوثیہ، پرانی سبزی منڈی، یونیورسٹی روڈ، کراچی۔ فون: 34926110
- Sohail Rafique: 33 South Lea Road, Manchster, UK. Ph. 0044-161-9152916
- Dr. Aamir: House No. 181, Styal Road, Post Code SK-83-TX, Cheadle Cheshire Manchster, UK. Ph. 0044-161-4988255

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ
فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

شرفِ انتساب

میں ان مساعی حقیرہ قلیلہ کو نہایت خلوص اور ارادت کے ساتھ بطفیل سرورِ دوعالم، نور مجسم، سید العرب والعجم، صاحب الجود والکرم، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، محبوب ربّ العالمین، کعبۂ ایمان و قبلۂ دین، وسیلتنا فی الدارین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واصحابہ اجمعین اور بطفیل جملہ علماء کرام و صوفیاء عظام و خواجگان نقشبندیہ سیدی و مرشدی، خواجہ خواجگان، سلطان العابدین، شفیق المساکین، شمس العارفین، قمر الواصلین سیدی و مخدومی و مخلصی پیرِ طریقت حضرت **محمد عبداللہ المعروف پیر بارو نقشبندی مجددی** رحمۃ اللہ علیہ آستانہ عالیہ بارو یہ لیّہ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہوں، جنہوں نے دورانِ تعلّم مجھے بار بار ہمت و استقامت سے تعلیم مکمل کرنے کی ترغیب دی اور دعاؤں سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

خاک پائے نقشبندیان
محمد رفیق الحسنی عفی عنہ
مورخہ: 01.06.2012

فہرست

رفیق المدینہ المنوّرہ

رفیق المدینۃ المنوّرہ

جناب سرورِ دوعالم ﷺ کے وصال مبارک کی تفصیل 269

حجراتِ مبارکہ کا بیان 320

رفیق المدینہ المنوّرہ

باب زیارۃ النبی ﷺ 395

رفیق المدینۃ المنوّرہ

پیش لفظ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَمَّ بِجُوْدِ لُطْفِہِ الْوُجُوْدَ وَ اَبْرَزَ بِقُدْرَتِہٖ مَنْ شَاءَ مِنْ عَدْمٍ اِلَی الْوُجُوْدِ فَھُوَ الْعَلِیْمُ الْقَادِرُ الْفَرْدُ الْمُتَعَالُ الْمَعْبُوْدُ۔ وَ شَرَّفَ الطَّیْبَۃَ بِحُلُوْلِ الْمُصْطَفٰی ﷺ فَفَاقَتِ الْوُجُوْدَ شَرْقًا وَ غَرْبًا بِبَذْلِ الْفَضْلِ وَالْجُوْدِ وَ اَسْئَلُہُ التَّوْفِیْقَ فَھُوَ الْمَقْصُوْدُ الْمَوْجُوْدُ وَ اُصَلِّیْ وَ اُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْمُجْتَبٰی مُحَمَّدٍ ﷺ اُفْدِیْہِ اَنَا وَ اَبِیْ وَ اُمِّیْ مِنْ سَیِّدٍ وَّ مَسُوْدٍ صَاحِبِ الْوَسِیْلَۃِ وَالْفَضِیْلَۃِ وَالدَّرَجَۃِ الرَّفِیْعَۃِ وَالْمَقَامِ الْمَحْمُوْدِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَ اَزْوَاجِہٖ وَالتَّابِعِیْنَ وَ تَابِعِیْھِمْ بِاِحْسَانٍ وَجُوْدٍ صَلَاۃً وَّ تَحِیَّۃً دَائِمَۃً مَا دَامَتْ قَائِمَۃً بِالْحَقِّ اَحْزَابُ الْجُنُوْدِ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

ترجمہ: ”سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے اپنے لطیف جود سے وجود کو عام فرمایا اور اپنی قدرت کے ساتھ جسے چاہا عدم سے وجود کی طرف ظاہر فرمایا۔ پس وہ اللہ تعالیٰ علیم قادر فرد بلند معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے طیبہ (مدینہ منورہ) کو سرورِ دوعالم ﷺ کے نزول سے شرف بخشا۔ پس طیبہ شرق اور غرب میں موجودات سے فضل اور جود کی وجہ سے فائق ہو گیا۔ اسی اللہ تعالیٰ سے توفیق طلب کرتا ہوں پس وہی مقصود موجود ہے اور صلاۃ اور سلام بھیجتا ہوں اس کے برگزیدہ رسول محمد ﷺ پر اور اپنی ذات اور باپ اور ماں کو فدیہ کرتا ہوں سرور دوعالم ﷺ پر جو سید اور سیادت دیے گئے اور وسیلہ اور فضیلت اور بلند درجوں اور مقامِ محمود کے صاحب ہیں اور صلاۃ و سلام ہو آپ کی آل پر اور اصحاب پر اور ازواج پر اور تابعین اور تبع تابعین پر احسان اور جود کے ساتھ ایسی صلاۃ اور تحیۃ دائمی ہو جب تک حق کے ساتھ لوگوں کی جماعتیں اور جنود قائم رہیں۔ امابعد۔“

- مجھے پہلی مرتبہ ۱۹۸۴ عیسوی میں حج کی سعادت حاصل کرنے کا موقع میسر ہوا۔ اس کے بعد متعدد مرتبہ حج اور عمرے کی سعادتیں حاصل کرنے کے لیے حاضری ہوتی رہی۔ جب بھی مدینہ منورہ سے سید العالمین محبوب کبریاء ﷺ سے رخصت لے کر واپسی ہوتی تھی، اشکبار آنکھوں سے یہی دعا ہوتی تھی ”خدایا! ایں کرم بارِ دگر کن“ (اے خدا! ایسا کرم دوبارہ ہو) اور سرورِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتا تھا:

”یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَسْئَلُكَ الشَّفَاعَۃَ لِلْعَوْدِ بَعْدَ الْعَوْدِ“

ترجمہ: ”اے اللہ تعالیٰ کے رسول! میں بار بار آنے کے لیے آپ کی شفاعت طلب کرتا ہوں۔“

- دل چاہتا تھا کہ آدمی مدینہ منورہ میں سرورِ دوعالم ﷺ کے جوار اور زیرِ سایہ رہائش اختیار کرلے اور بارگاہِ نبوی میں صبح و شام حاضری دیتا رہے یا پھر بار بار حاضر ہونے کی سعادت حاصل ہو۔ اس شہرِ حبیب ﷺ کو نسبتِ مصطفوی کی وجہ سے وہ تقدس اور محبوبیت حاصل ہے کہ اس مبارک شہر کے مکان اور گلیاں، شجر اور حجر، کانٹے اور پھول، مطعوم اور مشروب، اس کے چرند اور پرند، اس کی ہوائیں اور فضائیں اور اس مقدس شہر کی مٹی بھی واجب التعظیم والتکریم اور محبوبیت کی شان سے مشرف ہے۔
- اس شہر کی سرزمین ان گنت آثار اور تبرکاتِ نبوی کی امین ہے جن کی نسبت کسی نہ کسی طور پر سرورِ دوعالم ﷺ کی سیرت کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ ان آثارِ مقدسہ کی شکل میں آج بھی ہر زائر کے دل میں سرورِ دوعالم ﷺ کی سیرت کے بے شمار پہلو سامنے آجاتے ہیں۔
- اس پس منظر میں ہر عاشق کے دل میں ایک آرزو ہوتی ہے کہ وہ اس شہر

مقدس کی مختصر تاریخ جانے۔ میں خود ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہوں کہ جب بھی مدینہ منورہ حاضری کا شرف حاصل ہوتا تھا، گنبدِ خضراء علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور مسجد الرسول ﷺ اور مسجد میں مبارک ستونوں اور مسجد کی تعمیر کے مراحل اور تاریخ جاننے کے لیے دل بے قرار رہتا تھا۔ چنانچہ میں نے ان مقدس آثار کی تاریخ جاننے کے لیے عربی اور اردو میں لکھی جانے والی تاریخِ مدینہ پر کتب خرید کیں اور ان کا مطالعہ شروع کر دیا اور پھر ایک وقت آیا کہ مطالعہ سے حاصل شدہ مدینہ منورہ کی تاریخ کے حوالے سے اپنی یادداشت کے لیے معلومات ۲۰۱۰عیسوی میں لکھنا شروع کر دیں۔

• زیرِ مطالعہ کتب کے اسماء یہ ہیں: (۱)وفاءالوفاء(امام سمہودی م۔۹۱۱ ہجری) (۲)جذب القلوب الی دیار المحبوب (حضرت محدث دہلوی م۔۱۰۵۲ ہجری) (۳) اخبار المدینۃ النبویہ (حضرت ابن شبہ م۔۲۶۲ ہجری) (۴) تاریخ المدینہ بنام نصیحۃ المشاور و تعزیہ المجاور (ابن فرحون م۔۷۶۹ ہجری) (۵) تاریخ المکہ المکرمہ اور المدینہ المنورہ (ابوالبقا محمد ابن الضیاء حنفی م۔۸۵۴ ہجری) (۶)الدرۃ الثمینۃ فی اخبار المدینہ (ابن نجار م۔۶۴۳ ہجری) (۷) بہجۃ النفوس والاسرار فی تاریخ دار ہجرۃ النبی المختار (ابو محمد عفیف الدین المرجانی م۔۷۷۰ ہجری) (۸)مدینۃ الرسول (حضرت سید منظور شاہ صاحب ساہیوال) (۹)جستجوئے مدینہ (جناب عبدالحمید قادری) (۱۰) تاریخ المدینہ (مولانا عبدالمعبود) (۱۱)زیارات المکہ والمدینہ المنورہ (روح اللہ نقشبندی) (۱۲) ہدایۃ السالک (مصنفہ عزالدین ابن جماعۃ م۔۷۶۷ ہجری) (۱۳) البحرالعمیق (م۔۸۵۴ ہجری) (۱۴) ارشاد الساری الی مناسک ملا علی قاری (م۔۱۰۱۴ ہجری) (۱۵)کتاب الایضاح (مصنفہ یحییٰ بن شرف النووی م۔۶۷۶ ہجری)

(۱۶)منہاج السالک (مصنفہ محمد البیومی الدمنہوری م۔۱۳۳۵ ہجری)۔

• بعد میں خیال آیا کہ ان معلومات کو عامۃ المسلمین اور بالخصوص عشاقِ سرورِ دوعالم ﷺ کے لئے شائع کر دیا جائے تاکہ قارئین بھی استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ مدینہ منورہ کی تاریخ پر زیرِ نظر کتاب ''رفیق المدینۃ المنوّرہ'' علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نام سے ۱۴۳۳ ہجری مطابق ۲۰۱۲عیسوی میں شائع کی جا رہی ہے۔

• پچھلے بیس پچیس سال سے مدینہ منورہ میں بے شمار تعمیراتی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ شہرِ نبوی پورے کا پورا از سرِ نَو تعمیر کیا گیا ہے۔ عصرِ حاضر کی ٹیکنالوجی سے تعمیرات نے مدینہ طیبہ کی قدیم طرزِ تعمیر کو یکسر تبدیل کر دیا ہے۔ تاریخ مدینہ منورہ پر لکھی گئی کتب کا ہر قاری اس بات سے واقف ہے کہ شہرِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اچھے اور برے حکمرانوں کی حکومتیں قائم رہیں۔ یہ مقدس شہر تاریخی نشیب و فراز سے گزرتا رہا۔ خلفاء راشدین کے دور سے لے کر حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے دور تک اس شہر کی تعمیر و ترقی پر بھرپور توجہ دی گئی لیکن درمیان میں یزیدی دور بھی آیا۔ اس دور میں شہر مکرم قیام گاہ نور مجسم ﷺ پر شام سے لشکر کشی کی گئی۔ مدینہ منورہ کی عمارتوں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس مبارک شہر کی گلی کوچوں اور شاہراہوں پر صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جگہ جگہ سر لٹکتے نظر آتے تھے۔

• مسجد نبوی شریف اور ریاض الجنۃ میں یزیدی لشکروں کے گھوڑے باندھے گئے۔ تین دن تک مسجدِ نبوی میں نماز نہ ہو سکی۔ اموال اور قوم کے لوٹنے کے علاوہ یزیدی درندوں کے زنا بالجبر سے ایک ہزار مدنی کنواری لڑکیاں حاملہ ہو گئیں اور ہزاروں دیگر خواتین کی آبرو اور عزت کو لوٹا گیا۔ مقتول صحابہ کرام اور تابعین کے خون سے ندیاں بہنے لگیں اور شہداء کا مقدس خون بہتے بہتے مقامِ حرۃ تک جا

پہنچا۔ جس کی خبر سرورِ دوعالم ﷺ نے وصال سے پہلے دے دی تھی۔

• لیکن اگر ماضی کا ہمہ گیر جائزہ لیا جائے تو اکثر مسلم حکمرانوں نے مدینہ منورہ کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ہر حاکم نے اپنے پیش رو حاکم پر سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ سلطان صلاح الدین ایوبی سے لے کر ترکی عثمانی سلاطین کے دور تک اکثر حکمرانوں نے اپنے آپ کو شہنشاہ کہلوانے کے بجائے خادم الحرمین الشریفین کہلوانے کو ترجیح دی۔ چنانچہ عثمانی سلطان سلیم خان نے جب ۹۲۳ ہجری (۱۵۱۷ عیسوی) میں مصر فتح کیا، ایک خوشامدی وزیر نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ حکم جاری کریں کہ مساجد کے خطباء جمعوں اور عیدوں کے خطبات میں آپ کے لیے سلطان الحرمین کا لقب استعمال کرتے ہوئے دعا کیا کریں۔ سلطان نے اس خوشامدی سے فرمایا، میرے لیے سب سے بڑھ کر عظیم سعادت یہ ہوگی کہ مجھے آئندہ خادم الحرمین کہا جائے، سلطان الحرمین نہ کہا جائے۔ اسی رسم کو جاری رکھتے ہوئے آج سعودی حکمران بھی اپنے لیے خادم الحرمین کے لقب کو باعثِ فخر محسوس کرتے ہیں۔

• موجودہ دور میں تو قدیم تعمیراتی ہیئت کو بالکل بدل دیا گیا ہے۔ صرف چند مربع میل میں پھیلا ہوا مدینہ منورہ آج ۵۸۹ مربع کلومیٹر کے رقبہ سے زائد پر پھیلا دیا گیا ہے۔ قدیم زمانے سے موجود تنگ گلیوں کی جگہ وسیع سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا ہے۔ قدیم مہمان خانوں اور سراؤں کی جگہ کثیر المنزلہ فائیو اسٹار اور سیون اسٹار ہوٹلوں نے لے لی ہے۔ مسجدِ نبوی شریف کے ارد گرد قدیم آبادی اور بازار ختم کر دیئے گئے ہیں اور ان کی جگہ بلند اور بالا پلازے اور فلیٹ بنا دیئے گئے ہیں۔ دورویہ سڑکوں اور پلوں اور سرنگوں اور فلائی اُوور اور کشادہ سڑکوں کا جال بچھا دیا گیا ہے۔ چھوٹی چھوٹی دوکانوں کی جگہ عظیم الشان تجارتی مراکز بنا دیئے گئے ہیں۔

ماضی میں چند ہزار زائرین مدینہ منورہ میں زیارت سے مستفید ہوا کرتے تھے، اب پچیس سے تیس لاکھ زائرین حج کے موسم اور رمضان المبارک میں زیارت سے مستفید ہوتے ہیں۔

• سب سے زیادہ تعجب انگیز تغیر مسجدِ نبوی شریف میں واقع ہوا ہے۔ آج سے بیس پچیس سال پہلے چند ہزار آدمی مسجد شریف میں بیک وقت نماز ادا کر سکتے تھے مگر آج (۲۰۱۲ عیسوی) میں دس لاکھ آدمی مسجد شریف میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ پورے کا پورا قدیم شہر مسجد شریف نے گھیر لیا ہے۔ چھوٹے چھوٹے شفاخانوں اور ڈسپنسریوں کی جگہ جدید آلات سے مزین بڑے بڑے ہسپتالوں نے لے لی ہے۔ قدیم چھوٹے چھوٹے باغوں کی جگہ خوبصورت اور وسیع پارکوں نے لے لی ہے مگر مدینہ منورہ تمام تر ترقیات کے باوجود اتنا جاذب نظر نہیں آتا جتنا ماضی میں پرکشش اور جاذب نظر آتا تھا۔

• اور افسوس اس بات کا ہے کہ اس عمرانی خوبصورت تغیرات کی وجہ سے تبرکات اور آثارِ نبوی ﷺ جو صدیوں سے عشاق کی پیاس بجھایا کرتے تھے، ختم کر دیئے گئے ہیں۔ ان آثار مبارکہ کا وجود اہلِ اسلام کے لیے حال کو ماضی کے ساتھ منسلک کرتا تھا۔ اس ترقی سے تاریخِ اسلام تو نہیں مٹ سکی مگر اس کے آثار بلند اور بالا عمارتوں کے نیچے مدفون ہو گئے ہیں۔ ماضی میں زائر آثار النبی ﷺ دیکھ کر تسکین حاصل کرتا تھا مگر آج وہ تسکین حاصل کرنا محال ہو چکا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ ترقی اور تغیرات کی ضرورت کی وجہ سے آثارِ قدیمہ کو بعینہ قائم رکھنا دشوار تھا مگر نشانات اور سائن بورڈ لگا کر کسی حد تک ماضی کو یاد رکھا جا سکتا تھا۔ ہر عاشق آثار النبی ﷺ کے بالکل فقدان سے نہایت افسوس کرتے دکھائی دیتا ہے۔

• عشاقِ مدینہ آج بھی انہی راستوں سے گزرنا چاہتے ہیں جن راستوں سے محسنِ انسانیت سرورِ دو جہاں ﷺ گزرا کرتے تھے اور ان مساجد اور مواضع میں نماز پڑھنا چاہتے ہیں جہاں محبوبِ خدا ﷺ نے نمازیں پڑھی تھیں اور ان نقوش پائے مصطفی ﷺ پر سجدے کرنا چاہتے ہیں جہاں جہاں مدنی سرکار ﷺ کے قدموں کے زمین نے بوسے لیے تھے مگر جب ان آثار کے نشانات مٹا دیئے جائیں اور کوئی بتانے والا بھی نہ ہو تو اظہارِ افسوس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔

• آج حال یہ ہے جہاں مدینہ منورہ میں قبرستان تھے، وہاں بچے کرکٹ کھیلتے نظر آتے ہیں۔ جہاں چند سال پہلے نبوی زمانہ یا صحابہ کرام کے زمانہ کی متبرک مساجد تھیں وہاں گاڑیاں پارک ہو رہی ہیں۔ کسی تہذیب یا کسی شہر کی عظمت اور سطوت کی نشاندہی جو آثارِ قدیمہ سے ہوتی ہے وہ بلند و بالا فلک بوس پلازوں سے نہیں ہو سکتی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ جب ولید بن عبدالملک کے حکم سے مدینہ منورہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ازواجِ مطہرات کے حجرات مبارکہ کو مسمار کر کے مسجدِ نبوی میں شامل کر دیا تو مدینہ منورہ کا ہر فرد اشکبار آنکھوں سے افسوس کر رہا تھا اور اہلِ مدینہ زار و قطار رو رہے تھے۔

• درحقیقت مدینہ منورہ کے آثارِ قدیمہ اسلام کے غلبہ اور عظمت کی علامت تھے، جسے عمرانی ترقی کی آڑ میں ختم کر دیا گیا اور ان کے نشانات بھی نہیں چھوڑے گئے۔ جو سراسر ظلم ہے اور آثارِ قدیمہ کے بین الاقوامی قوانین کی بھی خلاف ورزی ہے۔ شاید موجودہ حکومت کے حکمران شہرِ نبوی کو یورپ کے ترقی پذیر ممالک کی صف میں لانا چاہتے ہیں۔ اس دیوانہ پن نے اسلامی میراث کی اہمیت کا نظریہ ہی بدل دیا ہے۔

• اس تحریر سے ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق

جدید تعمیرات نہ کی جائیں بلکہ مقصدِ وحید یہ ہے کہ کم از کم آثارِ قدیمہ کی جگہ اگر معلوماتی بورڈ لگا دیئے جاتے تاکہ زائرین انہیں پڑھ کر تسکین حاصل کرتے تو بہت بہتر ہوتا۔ ہم نے اس کتاب میں حتی الوسع کوشش کی ہے کہ آپ ﷺ کی ہجرت سے لے کر آج تک کے واقعات اور تاریخی مقامات اور آثار کے متعلق زائرین کو معلومات پہنچائی جائیں۔ اگرچہ آج زائرین آثارِ قدیمہ دیکھ نہیں سکتے مگر پڑھ کر تو ایمان کو تازہ رکھ سکتے ہیں اور معلومات میں اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ عموماً زائرینِ مدینہ منورہ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی آثارِ قدیمہ جاننے والا معمر شخص مل جائے جو آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرامؓ سے وابستہ تاریخی مقامات کی نشاندہی کرے تاکہ تسکین حاصل ہو۔ مثلاً مسجد الرسول ﷺ کے ارد گرد صحابہ کرام کے جو مکانات تھے، ان کا محلِ وقوع کیا تھا، حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس کتنے مکانات تھے اور کہاں کہاں تھے، ازواجِ مطہرات کے مکانات جن کا قرآن مجید میں حجرات کے سادہ مگر جاذب لفظ سے تذکرہ موجود ہے، وہ کہاں کہاں تھے، ان کا رقبہ کتنا تھا، ان کی اونچائی کتنی تھی۔ ان شاءاللہ اگر زیرِ نظر کتاب پڑھ لی گئی تو قاری کے علم میں نہایت اضافہ ہوگا اور اسے تسکین حاصل ہوگی۔

• مدینہ منورہ ایسا مقدس اور جاذب شہر ہے جہاں دن رات ہر طرف رب ذوالجلال والاکرام کے انوار و فیوضات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ اس مبارک شہر کا نام مدینہ اور منورہ اس لیے ہے کہ اس شہر میں نورِ مجسم محمد مصطفیٰ سید المرسلین ﷺ کا قیام مبارک ہے۔ وہ لوگ نہایت خوش نصیب ہیں جنہوں نے اپنی آنکھوں سے جلوہ گاہ انوارِ الٰہی گنبدِ خضراء کی زیارت کر لی ہے۔ اس مرکزِ انوار کی روشنی نے مدینہ منورہ کی گلی کوچوں کو منور فرما رکھا ہے۔ اسی لیے اس شہرِ مقدس کو منورہ کہا جاتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا: ع

مر کے جیتے ہیں جو ان کے در پہ جاتے ہیں حسنؔ
جی کے مرتے ہیں جو آتے ہیں مدینہ چھوڑ کر

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حرمین طیبین کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

- راقم اپنے آپ کو علم اور فہم اور تحقیق اور ادراک کے لحاظ سے علمائے کرام کی خاکِ پاکے برابر بھی نہیں سمجھتا، نہ کسی خوبی اور خیر کا اپنے کو حامل سمجھتا ہے۔ قارئین یقین کریں اس وقت میری کیفیت یہ ہے، لگتا ہے میرا نامۂ اعمال معاصی سے پُر ہے اور ایمان کے علاوہ بقیہ اعمال صالحہ سے خالی ہے۔ جب اپنے ماضی کو دیکھتا ہوں تو لگتا ہے زندگی معاصی کی طلب یا ارتکاب میں گزر گئی اور عبادت اور حسنات کے اعمال اگر ادا کئے تو فقدانِ شروط یا فسادِ نیت یا رسمی طور اور غفلت سے ادا کئے تھے۔ کیونکہ اعمالِ صالحہ کے لیے اخلاص اور ترکِ غفلت اور توجہ اور شروط کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ اسی تصور سے کہ میرے نامۂ اعمال میں سوائے ایمان کے کوئی عملِ صالح نہیں ہوگا اور معاصی ہی معاصی ہوں گے، واللہ، نہایت خوفزدہ ہوں، قارئین اور مخلصین کی دعاؤں کا آسرا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری زندگی کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ اگر میں دعویٰ کروں کہ آج تک میں نے تعلّم اور تعلیم اور تدریس اور تبلیغ اور تصنیف اور تالیف صرف رضائے الٰہی کے لئے کئے ہیں تو مجھے شرمندگی ہوگی، میرا قلب اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ کیونکہ شاید میں نے یہ سارے کام اپنے نفس کی خواہش کی وجہ سے کئے ہیں۔ کاش! مجھے کوئی ایسا مرشد مل جاتا جو میرے اس خوف کو امید میں بدل دیتا۔
- مجھے عجیب حیرت ہوتی ہے کہ علم اور بصیرت سے خالی ہونے کے باوجود چھوٹی چھوٹی تصنیفات، تدریس اور تبلیغ کی توفیق ملتی رہتی ہے۔ بائی پاس آپریشن

کے باوجود کچھ نہ کچھ لکھنے کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ میں صحیح طریقے سے اردو لکھنا بھی نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے اس میں میرے لیے ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب سے خیر کا ارادہ ہو۔

نہ گلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم
در حیرتم کہ دہقان بہ چہ کار کشت مارا

ترجمہ: ''نہ پھول ہوں، نہ سبز پتہ اور نہ سایہ دار درخت، حیران ہوں کہ کاشت کارنے مجھے کیوں کاشت کیا۔''

- میں سوچتا ہوں مجھے کیوں پیدا کیا گیا اور رو رو کر رات کی تاریکیوں میں کہتا ہوں ''لَيْتَ أُمِّيْ لَمْ تَلِدْنِيْ'' (کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی) اب باسٹھ تریسٹھ سال کی عمر ہو گئی۔ ع

عمر ضائع ونجا بیٹھم - دو کھاد شمن دا کھا بیٹھم

اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ زندگی ضائع ہو گئی۔ صرف رحمٰن و رحیم سے معافی مانگتا رہتا ہوں اور احباب اور قارئین کی دعاؤں کا محتاج ہوں۔ ہو سکتا ہے کسی مخلص کی دعا سے کرم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب سے قارئین کو استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور میرے لیے صدقہ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

- آخر میں ان تمام کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے زیرِ نظر کتاب ''رفیق المدینہ المنوّرہ'' کی اشاعت کے کسی بھی مرحلہ میں میرے ساتھ تعاون فرمایا۔ اس سلسلہ میں کتاب کے عنوانات اور ان کی ترتیب میں میرے بیٹے محمد اویس زَادَهُ اللهُ تَعَالٰى عِلْمًا نَافِعًا نے خاص تعاون کیا اور ہمارے مدرسہ کے نہایت مخلص استاذ مولانا جناب عبد الغفور صاحب قاسمی اور ہمارے مدرسہ کے بعض طلبہ نے پروف ریڈنگ میں تعاون فرمایا اور چھوٹے بیٹے محمد عمیر رفیق رَزَقَهُ اللهُ تَعَالٰى عِلْمًا نَافِعًا وَّ رِزْقًا وَاسِعًا نے دن رات میری خدمت کر کے مجھے تدریس و

تالیف کی سہولت کا موقع فراہم کیا اور محمد سہیل رفیق اور محمد جنید رفیق اور اہلیہ اور سب بیٹیوں خصوصاً چھوٹی بیٹی کے لئے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ سب کو علمِ نافع عطا فرمائے۔ آمین۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ خصوصاً حضرت مولانا جمیل احمد نعیمی دامت برکاتہم العالیہ ناظم تعلیمات دار العلوم نعیمیہ کا نہایت مشکور ہوں کہ انہوں نے دعاؤں کے علاوہ بار بار کتاب کی اشاعت کے لیے ترغیب دی اور رابطہ رکھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت اور عافیت عطا فرمائے۔

استغاثہ

توئی سلطانِ عالم یا محمد ﷺ　　زروئے لطف سوئے من نظر کن

• حضرت شاہ محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ "جامع الشواہد" میں تحریر فرماتے ہیں کہ ربیع الاول کی ایک نورانی رات حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی نے خواب دیکھا کہ ریاض الجنۃ میں محراب کے قریب سرورِ دوعالم ﷺ جلوہ افروز ہیں۔ حمد اور نعت کا سلسلہ جاری ہے۔ اس مبارک مجلس میں حضرت جامی بھی چند اشعار پیش کرتے ہیں، جنہیں سرورِ دوعالم ﷺ منظور فرماتے ہیں۔ جب آنکھ کھلی تو جامی نہایت مسرور تھے۔ فرماتے ہیں کہ جب سرورِ دوعالم ﷺ نے اپنی مقدس انگلیوں سے اپنے مبارک بالوں کو ہٹایا تو سراجِ منیر کی طرح رخِ اقدس ظاہر ہوا جو چاند سے زیادہ روشن اور پرکشش تھا۔ جب جامی کا وطن روانہ ہونے کا وقت آیا تو انہوں نے عرض کیا: ؏

نسیما جانب بطحا گذر کن　　ز احوالم محمد را خبر کن
ببر ایں جان مشتاقم در آنجا　　نثار روضہ خیر البشر کن
توئی سلطانِ عالم یا محمد ﷺ　　زروئے لطف سوئے من نظر کن
مشرف گرچہ شد جامی ز لطفش　　خدایا ایں کرم بارِ دگر کن

کہتے ہیں کہ پھر اسی ہفتے میں جامیؒ کو دوبارہ زیارت سے مشرف فرمایا۔

خاکِ پائے اہلِ مدینہ
محمد رفیق حسنی عفی عنہ
فون: 0300-9244269
ای میل ایڈریس:
mrafiqhasni@hotmail.com

نوٹ: عموماً تاریخ المدینۃ المنورہ کی کتابوں میں فضائلِ مدینہ منورہ کتاب کی ابتداء میں لکھے جاتے ہیں مگر زیرِ نظر کتاب میں فضائل آدابِ زیارت کے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔

ہجرت النبی ﷺ

ہجرت النبی ﷺ

ہجرت کے اسباب:

1. قریش مکہ کے مظالم۔
2. اسلام کی دعوت کا رد کرنا۔
3. اہلِ مدینہ کا اسلام قبول کرنا۔

- سرورِ دو عالم ﷺ نبوت کے اظہار اور اعلان کے بعد تقریباً تیرہ سال مکہ مکرمہ میں قیام پذیر رہے اور شب و روز اسلام کی دعوت فرماتے رہے ہر سال حج کے موسم میں مختلف اطراف سے لوگ منیٰ اور عرفات میں جمع ہوتے تھے۔ عرب دنیا کے مختلف شہروں میں اور یمن و دیگر بلاد وغیرہ میں اسلام کی دعوت پہنچانے کیلئے سرورِ دو عالم ﷺ منیٰ اور عرفات کے اجتماعات میں مختلف قبائل کو اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے ہر قبیلے کے خیموں میں جاکر تبلیغ فرماتے، مگر اکثر قبائل نہایت گستاخی کے ساتھ اسلام کی دعوت کو رد کر دیتے تھے اکثر کا جواب یہ ہوتا تھا کہ جب آپ کو اپنی قوم قریش، اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں مانتی ہم کس طرح آپ کو اللہ تعالیٰ کا رسول تسلیم کریں؟ جس قبیلے کے افراد کو آپ ﷺ دعوت دے کر باہر تشریف لاتے، ابو جہل یا ابو لہب اس قبیلے کے پاس پہنچ جاتے اور انہیں اسلام قبول کرنے سے منع کرتے۔ آپ ﷺ کے متعلق نازیبا الفاظ مجنون، ساحر اور کذّاب وغیرہ استعمال کرتے، حتّٰی کہ آپ ﷺ مختلف قبائل کو دعوت دیتے وقت فرماتے مجھے اپنی قوم قریش کی جانب سے قتل کر دیئے جانے کا اندیشہ ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کوئی قبیلہ میرا حلیف ہو جائے اور امن

کی ضمانت دے تاکہ میں اسلام کی دعوت کا کام احسن طریقے سے کرتا رہوں۔

- اس قبیلے پر لازم نہیں کہ اسلام لائے میں اسے مجبور نہیں کرتا کہ وہ اسلام لائے صرف میں امان اور تعاون چاہتا ہوں، پھر بھی لوگ انکار کر دیتے۔ ہر سال یہی صورت ہوتی جس کی وجہ سے آپ نہایت غمگین رہتے تھے۔
- ربیعہ ابن عباد بیان کرتے ہیں کہ میں نوجوانی میں اپنے باپ کے ساتھ منٰی میں موجود تھا رسول اللہ ﷺ عربوں کے قبائل کے منازل اور خیموں میں تشریف لے گئے اور فرمایا، اے بنی فلاں بے شک میں تمہاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور بتوں کی عبادت سے الگ ہو جاؤ اور میرے ساتھ ایمان لاؤ اور میری رسالت کی تصدیق کرو اور مجھے دشمنوں سے امن کی ضمانت دو حتّٰی کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ امور بیان کروں جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔ آپ کے پیچھے ایک آدمی احول (بھینگا) بالوں کی دو لٹیں مینڈھیوں والا عربی لباس میں موجود تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ دعوت سے فارغ ہوئے اس آدمی نے لوگوں سے کہا، اے اہل قبیلہ یہ شخص تمہیں اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ تم لات اور عزی کو اپنی گردنوں سے اتار دو۔ یہ شخص اپنے پیغام میں بدعت اور ضلالت کی طرف بلاتا ہے، تم اس کی اطاعت نہ کرو اور اس کی بات نہ سنو۔ ربیعہ کہتے ہیں، میں نے اپنے باپ سے کہا یہ شخص کون ہے جو آپ ﷺ کے پیچھے ہر جگہ پہنچ جاتا ہے اور آپ کا رد کرتا ہے۔ انہوں نے کہا یہ ان کا چچا عبد العزی بن عبد المطلب ابو لہب ہے۔ (بدایہ ونہایہ)

ہر سال حج کیلئے آنے والے قبائل کے پاس فرداً فرداً جاکر دعوت دینا آپ ﷺ کا معمول تھا اور قبائل کے نہایت ظالمانہ رد عمل سے اگرچہ آپ کو شدید

رنج ہوتا ہوگا مگر آپ نے کبھی دعوت کو ترک نہیں کیا اور مسلسل دعوت دیتے رہے۔

یقیناً آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے اسلام کی تبلیغ کیلئے جو تکالیف اٹھائیں اور دشمنوں کے نہایت ہتک آمیز رویے سے آپ نے ایذائی برداشت فرمائیں۔ یہ آپ ﷺ ہی کی ذات کی شان ہے اسی لئے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

"مَا اُوْذِیَ نَبِیٌّ مِثْلَ مَا اُوْذِیْتُ" (تفسیر آلوسی، جلد ۶، ص: ۲۰)

ترجمہ: "کوئی نبی ایسی ایذا اور اتنی ایذا نہیں پہنچایا گیا جتنی اور جیسی ایذا مجھے پہنچائی گئی۔"

- آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کیلئے ایک سفر طائف کی طرف بھی کیا تھا جس میں آپ ﷺ کو نہایت ایذا پہنچائی گئی طائف کے لوگوں نے اوباش قسم کے لڑکوں سے آپ ﷺ پر سنگ باری کرائی جس کی وجہ سے آپ زخمی ہوگئے اور زخموں سے بہنے والے خون سے آپ کے نعلین مبارک آلودہ ہوگئے، آپ ﷺ بے ہوش ہوگئے تھے۔ افاقے کے بعد جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے سلام پہنچایا اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر آپ حکم دیں تو طائف کی آبادی کے دو جانب موجود پہاڑوں کو ملادوں اور اہل طائف کو کچل دوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔

"اِنَّ اللهَ لَمْ یَبْعَثْنِیْ طَعَّانًا وَّلَا لَعَّانًا وَّلٰکِنْ بَعَثَنِیْ دَاعِیًا وَّرَحْمَةً۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ"

(شعب الایمان للبیہقی، جلد ۳، ص: ۴۸۴)

ترجمہ: "بے شک اہل طائف ایسی قوم ہے جو مجھے نہیں پہچانتی۔ اے اللہ میری قوم کو ہدایت عطا فرما کیونکہ وہ مجھے نہیں پہچانتی۔"

طائف کے سفر کے دردناک واقعات پڑھنے سے انسان کا جگر پھٹنے لگتا ہے مگر سرورِ دوعالم ﷺ نے تکالیف برداشت فرمائیں اور اسلام کی دعوت کا کام جاری رکھا۔

● مکہ مکرمہ میں مشرکین کے ظلم اور تشدد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے والے صحابہ کرام آئے دن مشرکین کے مظالم کا شکار ہوتے تھے اس وجہ سے آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو مکہ چھوڑ کر حبشہ جانے اور حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت دے دی تھی چنانچہ بعض صحابہ کرام ہجرت فرما کر حبشہ چلے گئے تھے۔ مکہ کے مشرکین نے حبشہ کے حاکم نجاشی کے پاس ایک وفد بھیجا تاکہ نجاشی مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دے مگر نجاشی نے مشرکوں کو مایوس کیا جس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔(بدایہ ونہایہ)

● ان حالات میں ہجرت سے چند سال پہلے حج کے موسم میں مدینہ منورہ سے حج کیلئے آنے والے خزرج کے افراد سے آپ نے ملاقات فرمائی اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ فرمایا: ”مَنْ اَنْتُمْ ؟“ (تم کون ہو؟) انہوں نے جواب دیا ہم خزرج کے چند افراد ہیں۔ آپ نے سوال کیا: ”أَمِنْ مَوَالِی الْیَهُوْدِ“ (کیا تم یہود کے دوست ہو؟) انہوں نے کہا: ”نَعَمْ“ (ہاں) آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں بیٹھتے تاکہ میں تم سے کلام کروں؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں۔ خزرج کے لوگ آپ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔

اہلِ مدینہ کے اسلام لانے کی وجہ:

● انصار کے اسلام لانے میں اس امر نے معاونت کی کہ مدینہ منورہ میں مقیم یہودی اہل کتاب تھے اور اوس اور خزرج مشرکین میں سے تھے۔ یہود اور اوس

اور خزرج کے درمیان سابقہ ادوار میں قتال ہوتا رہتا تھا، جب بھی کبھی اسی قسم کا باہم تنازعہ ہوتا تو یہود کہتے عنقریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے ہم اس پر ایمان لائیں گے اور ان کے ساتھ مل کر تم سے اس طرح قتال کریں گے جیسے قوم عاد اور ارم کے ساتھ قتال کیا جاتا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے خزرج کے افراد کو دعوت دی تو انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ یہ تو وہی نبی موعود ہیں جن کا یہود ذکر کرتے تھے۔ یہود تم سے سبقت نہ لے جائیں ہمیں جلدی اسلام قبول کر لینا چاہئے۔ وہاں موجود خزرج کے لوگ فوراً مسلمان ہوگئے اور کہنے لگے ”مدینے میں ہماری قوم کے لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہیں، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ آپ کی وجہ سے ان کو جمع فرما دے ہم انہیں آپ کے رسول اللہ ہونے کی دعوت دیں گے اگر انہوں نے آپ کے رسول اللہ ہونے کی دعوت قبول کر لی اور آپ کی وجہ سے دونوں گروپ جمع ہوگئے تو آپ سے زیادہ عزیز ہمارے نزدیک کوئی شخص نہیں ہوگا۔“ انصار کے قبیلہ خزرج کے چھ یا آٹھ افراد اسلام قبول کر کے واپس مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے اپنی قوم کو جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے کا ذکر کیا، سب گھروں میں آپ ﷺ کا تذکرہ ہونے لگا۔

بیعتِ عقبہ اولیٰ:

● جب دوسرے سال حج کا موسم آیا تو انصار سے بارہ آدمی مکہ مکرمہ پہنچے اور عقبہ میں آپ سے ملاقات کی سرورِ دوعالم ﷺ نے ان پر قرآن مجید کی سورہ ابراہیم سے ”وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا۔۔ الآیہ“ پڑھی۔ حضرت عبادہ ابن صامت بیان فرماتے ہیں ہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر عقبہ اولیٰ میں ان باتوں پر بیعت کی تھی کہ (۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کسی کو شریک نہیں بنائیں گے اور (۲) چوری نہیں کریں گے اور (۳) زنا نہیں کریں گے اور

(۴)اپنی اولادوں کو قتل نہیں کریں گے اور (۵)بہتان نہیں لگائیں گے یہ کہ ہم بہتان اپنے ہاتھوں اور پیروں کے آگے گھڑیں (۶)اور ہم کسی نیکی میں نافرمانی نہیں کریں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا، اگر تم نے وفا کی تو تمہارے لئے جنت ہے، اگر تم نے ان امور میں سے کسی کو توڑا، اگر دنیا میں اس گناہ پر حد قائم کرنے سے تمہارا مواخذہ کیا گیا تو یہ گناہ کا کفارہ ہوگا اور اگر قیامت کے دن تک اس امر پر تمہاری ستر پوشی کی گئی۔ پس تمہارا امر اللہ کی طرف ہے اگر چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو بخش دے۔ (بدایہ ونہایہ ص۵۲۶، ج۲، دارالفکر)

مذکورہ بارہ افراد جب واپس روانہ ہونے لگے تو انصار نے اسی وقت گذارش کی یا بعد میں انصار نے خط لکھا کہ ہمیں دین سکھانے والا کوئی شخص بھیج دیا جائے۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو مدینہ منورہ بھیج دیا۔ حضرت مصعب ابن عمیرؓ مدینہ منورہ میں حضرت اسد ابن زراۃ انصاریؓ کے پاس مہمان بن کر ٹھہرے رہے اور اسلام کی دعوت پھیلاتے رہے۔ آپ کو "مقری" (قرآن پڑھانے والا) کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔

• حضرت کعب ابن مالک آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ان کا بیٹا عبدالرحمٰن بیان کرتا ہے کہ میں انہیں جمعہ کی نماز میں لے جاتا تھا۔ آپؓ جب اذان کی آواز سنتے اسد ابن زراۃ کیلئے رحمت اور مغفرت کی دعا مانگتے تھے۔ ایک عرصہ کے بعد میں نے اپنے والد سے پوچھا، کیا وجہ ہے کہ آپ جب جمعہ کی آذان سنتے ہیں تو اسد ابن زراۃ انصاری کیلئے دعا کرتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا "بیٹے سب سے پہلے جمعہ کی نماز کیلئے حضرم النبیت (مدینہ منورہ میں ایک جگہ کا نام تھا) میں وہ لوگوں کو جمع کرتے تھے اور جمعہ پڑھاتے تھے۔" میں نے پوچھا، جمعہ کی نماز میں آپ کتنے لوگ

ہوتے تھے؟ انھوں نے فرمایا "چالیس آدمی۔" اور دار قطنی میں ابن عباس سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے مصعب ابن عمیر کو خط لکھا کہ جمعہ کی نماز پڑھایا کریں۔ (بدایہ ونہایہ ۲، ۵۲۸ دارالفکر)

الحمد للہ حضرت مصعب ابن عمیر کی تبلیغ سے انصار کے قبیلے بنی عبدالاشھل کے قبیلے کے سردار حضرت سعد ابن معاذ اور اُسید بن حضیر بھی اسلام میں داخل ہو گئے اور شرک کو ترک کر دیا۔ ان سرداروں کے اسلام لانے پر بنی عبدالاشھل کے سارے افراد اسلام میں داخل ہو گئے۔ حضرت مصعب اور اسد ابن زراۃ کی تبلیغ سے انصار کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں اسلام داخل نہ ہوا ہو۔

عقبہ ثانیہ میں بیعت کا ذکر:

• حضرت مصعب ابن عمیر اور انصار کے وہ افراد جو مسلمان ہو چکے تھے مشرکین حجاج کے ساتھ حج کے موسم میں مکہ مکرمہ پہنچے اور انہوں نے ایام تشریق میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عقبہ میں ملاقات کرنے کا وعدہ کیا۔

• حضرت کعب ابن مالک بیان کرتے ہیں جب ہم حج سے فارغ ہو گئے تو حسب وعدہ عقبہ میں جمع ہونے کیلئے اپنی قوم کے ہم سفر مشرکین کو بھی ہم نے ملاقات کرنے کی ترغیب دی حتّٰی کہ ستر (۷۰) آدمی وادی عقبہ میں جمع ہو گئے اور ملاقات ہوئی۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم کس بات پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تنگدستی اور فراخی میں اطاعت کرنے پر میری بیعت کرو، مشکل اور آسانی میں انفاق اور خرچ کرنے پر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بیعت کرو، اللہ تعالیٰ پر ایمان کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرنے پر، اس بات پر بیعت کرو کہ تم میری مدد کرو گے اور میرا دفاع کرو گے، جب میں تمہارے پاس آؤں گا اسی طرح دفاع کرو گے جیسے

اپنی جانوں کااور ازواج اور بیٹوں کادفاع کرتے ہو،ایسا کرنے پر تمہارے لئے جنت ہے۔ حضرت کعب بیان کرتے ہیں ہم نے ان امور پر بیعت کرلی اور معاہدہ کرلیا۔

- بعض روایات میں ہے عقبہ میں بیعت ثانیہ کے وقت تہتر (۷۳) مرد اور دو (۲) عورتیں (نسیبہ بنت کعب ام عمارہ اور اسما بنت عمرو اُم منیع) بیعت ہوئی تھیں۔ یہ خفیہ ملاقات رات کے آخری حصے میں ہوئی تھی اور بیعت اور معاہدہ انجام پایا تھا۔

- اسی موقع پر ابوالہیثم ابن التیھان نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ایسا تو نہیں ہو گا جب اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ عطا فرمائے تو آپ ہمیں چھوڑ کر واپس مکہ مکرمہ اپنی قوم کے پاس آجائیں گے؟ اس پر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا: ث

"بَلِ الدَّمُ الدَّمُ وَ الْهَدَمُ الْهَدَمُ اَنَا مِنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مِنِّيْ اُحَارِبُ مَنْ حَارَبْتُمْ وَ اُسَالِمُ مَنْ سَالَمْتُمْ۔"(تفسیر الخازن، جلد ا، ص:۴۳۲)

ترجمہ: "میرا خون تمہارا خون اور تمہارا خون میرا خون ہے، میری کامیابی تمہاری کامیابی اور تمہاری کامیابی میری کامیابی ہے، میں تم سے اور تم مجھ سے ہو، جو شخص تم سے جنگ کرے گا وہ مجھ سے جنگ کرے گا اور جس شخص کو تم سلامت کروگے میں بھی اس کو سلامت رکھوں گا۔"

- حضرت کعب بیان کرتے ہیں مجلس کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لوگوں سے بارہ آدمی مجھے دے دو جن کو میں اپنی اپنی قوم کا نقیب اور نگران مقرر کروں۔" انصار نے نو آدمی قبیلہ خزرج سے اور تین آدمی قبیلہ اوس سے نامزد کردیئے اور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نگران مقرر فرمادیا،اس کے بعد آپ

نے سب لوگوں کو اپنی اپنی رہائش گاہوں میں جانے کی اجازت دے دی۔

ہجرت سے پہلے مدینہ کے لوگوں کی گمراہ سوچ کی حالت:

- جب انصار حج کرکے واپس آئے تو انہوں نے اسلام کا برملا اظہار شروع کردیا اور ہر ایک کو اسلام کی دعوت دینا شروع کردی۔ انصار کے بعض بوڑھے لوگ اپنے آباء اور اجداد کے عقیدے کی وجہ سے شرک کو چھوڑنے کیلئے تیار نہ تھے۔اُن میں سے ایک آدمی جن کا نام عمرو ابن جموح تھا ان کا بیٹا معاذ ابن عمرو اسلام میں داخل ہو چکا تھا اور بیعت عقبہ میں شامل تھا۔ عمرو ابن جموح بنی سلمہ قبیلہ کے سادات اور اشراف لوگوں میں سے تھا۔اس نے ایک لکڑی کا بت بنایا ہوا تھا جس کا نام منات تھا، اس کی تعظیم کرتا تھا اور اسے پاک و صاف رکھتا تھا۔ جب بنی سلمہ قبیلہ کے نوجوان مسلمان ہوگئے (ان میں سے ان کا بیٹا معاذ اور معاذ ابن جبل وغیرہ بھی تھے) یہ نوجوان رات کی تاریکی میں اُٹھ کر عمرو ابن جموح کے لکڑی کے بت کو بنی سلمہ کی نجاست اور کچرے کے گڑھے میں الٹا پھینک دیتے تھے۔ جب عمرو دیکھتا تو کہتا، ہلاکت ہو ان لوگوں کیلئے جو ہمارے خداؤں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔ وہ اپنے بت کو تلاش کرتا پھر اسے صاف کرتا اسے غسل دے کر خوشبو وغیرہ لگاتا مگر پھر دوسری رات اسی طرح نوجوان اس کے بت کو نجاست کے ڈھیر میں پھینک آتے۔ جب بار بار ہوا تو ایک دن عمرو ابن جموع نے بت کو صاف کرکے اور خوشبو لگا کر اس کی گردن کے ساتھ ننگی تلوار باندھ دی اور کہنے لگا "اے منات! اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں کہ تیرے ساتھ روزانہ کون یہ عمل کرتا ہے اگر تیرے اندر خیر ہے تو یہ تلوار ہے، اس تلوار سے اپنا دفاع کرلینا۔" مگر جب صبح اٹھا تو بت کو غائب پایا تلاش کیا تو اسے بنی سلمہ کے ایک کنویں میں، جس میں نجاستیں تھیں، مردہ کتے کے ساتھ رسی کے ساتھ الٹا لٹکا ہوا پایا، تو اس کی

بصیرت کی آنکھ کھل گئی اور اپنی قوم کے اسلام لانے والے لوگوں سے اسلام لانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ الحمد اللہ عمرو ابن جموح نے اسلام قبول کر لیا۔ اس پر بار بار اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا تھا اور کہتا تھا سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے جس نے مجھے کفر کی ظلمتوں سے نکالا۔

عمرو ابن جموح کے واقعے سے مدینہ منورہ میں رہنے والے قبیلہ اوس اور خزرج کی فکر اور سوچ کا اندازہ ہوتا ہے کہ جہالت اور کفر کی تاریکی ان کے دماغوں پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ لکڑی کے بتوں کی پوجا کرتے تھے اور بتوں کو اپنے امور میں متصرف مانتے تھے مگر سرورِ دو عالم ﷺ کا ان پر کتنا احسان ہے کہ آپ نے انہیں انسانیت کا شعور دیا اور ایسی بصیرت عطا فرمائی کہ آنے والی نسلوں کیلئے یہ حضرات ہادی اور رہبر بن گے۔

مکہ مکرمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی ابتداء:

• حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا (جبکہ آپ ﷺ اس وقت مکہ مکرمہ میں مسلمانوں کے ساتھ مقیم تھے) ''مجھے تمہاری ہجرت کی جگہ دکھائی گئی ہے، وہ دو پہاڑوں کے درمیان ہموار زمین ہے، جس میں کھجوروں کے درخت ہیں۔'' اس کے بعد بعض صحابہ کرام نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور جو لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے وہ مدینہ منورہ واپس ہونے لگے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا مجھے نیند میں دکھایا گیا ہے کہ میں مکہ سے ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جس میں کھجوریں ہیں میرا خیال یمامہ یا ہجر کی طرف گیا مگر وہ زمین مدینہ (یثرب) تھی۔
اس قسم کے فرامین کے بعد صحابہ کرام کے گروہ یکے بعد دیگرے ہجرت

فرما کر مدینہ منورہ جانے لگے اور خود سرورِ دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے اذن کا انتظار فرمانے لگے۔

سب سے پہلے ہجرت کرنے والے صحابی کے تقرر کی روئیداد:

• مدینہ منورہ کی طرف صحابہ کرام میں سے سب سے پہلے ہجرت کرنے والے صحابی کا نام حضرت ابو سلمہ عبدالاسد مخزومی ہے آپ ذو ہجرتین ہیں۔ بیعت عقبہ سے بھی پہلے آپ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے تھے مگر بعد میں مکہ مکرمہ واپس آ گئے۔ جب مکہ مکرمہ واپس آئے تو قریش کی ایذا رسانی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ ابو سلمہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمانے کا ارادہ فرما لیا۔ آپ کی بیوی سیدہ ام سلمہ بیان فرماتی ہیں، بیعت عقبہ سے پہلے جب ابو سلمہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا، اس وقت میرا بیٹا سلمہ ابن ابو سلمہ میری گود میں تھا ابو سلمہ مکہ مکرمہ سے اونٹ کھینچتے ہوئے نکلے انہیں بنی المغیرہ (ام سلمہ کی قوم) کے مردوں نے دیکھ لیا۔ انہوں نے ابو سلمہ سے کہا تو ہماری قوم کی بیٹی کو مدینہ نہیں لے جا سکتا۔ چنانچہ انہوں نے ام سلمہ کو اونٹ سے اتار لیا۔ آپ بیان کرتی ہیں اس پر بنو عبدالاسد (ابو سلمہ کی قوم) کے لوگ غضبناک ہو گئے، انہوں نے میری گود سے بیٹا چھین لیا اور کہا کہ ہم اپنا بیٹا تمہیں نہیں دے سکتے، مجھے میری قوم نے ہجرت سے روک دیا اور اپنے ساتھ لے گئے اور میرے بیٹے سلمہ کو ابو سلمہ کی قوم کے لوگ اپنے ہاں لے گئے۔ میں اپنے چھوٹے بیٹے اور شوہر سے جدا ہو گئی، میرے شوہر اکیلے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ سیدہ ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ میں روزانہ صبح کے وقت باہر ''ابطح'' کے میدان میں نکل جاتی تھی اور شام تک روتی رہتی تھی۔ حتّٰی کہ ایک دن میرے چچا کا ایک بیٹا میرے نزدیک گزرا، اس نے مجھے روتے ہوئے دیکھا، اسے رحم آگیا اور گھر واپس آکر میری قوم کے لوگوں سے کہا

"اس مسکین عورت پر رحم کیوں نہیں کرتے۔ تم نے اس کے اور اس کے شوہر اور بیٹے کے درمیان تفریق پیدا کر دی ہے۔" سیدہ ام سلمہ بیان کرتی ہیں کہ "اس کے بعد میری قوم کے لوگوں نے کہا، اگر اپنے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ تمہیں اجازت ہے۔ اس پر ابو سلمہ کے لوگوں نے مجھے بیٹا واپس کر دیا۔ میں نے بیٹے کو گود میں لیا اور اونٹ پر بیٹھی اور مدینہ کیلئے روانہ ہو گئی، میرے ساتھ کوئی آدمی نہیں تھا۔ جب میں تنعیم کے مقام پر پہنچی تو عثمان ابن طلحہ، ابن ابی طلحہ سے ملاقات ہوئی۔ اس نے کہا "اے ابی امیّہ کی بیٹی کہاں جا رہی ہو؟" میں نے کہا "اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں۔" اس نے مجھ سے پوچھا کہ "کیا تمہارے ساتھ کوئی آدمی ہے؟" میں نے کہا "نہیں، میں اکیلی ہوں، میرے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اپنے بیٹے کے سوا کوئی نہیں ہے۔" عثمان نے کہا پس اللہ تعالیٰ کی قسم آپ کو اکیلے نہیں چھوڑوں گا میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔ انہوں نے میرے اونٹ کی مہار پکڑی اور مدینہ کے راستے پر چل پڑے۔ سیدہ ام سلمہ فرماتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے عثمان بن طلحہ جیسا سفر میں ساتھی ہونے میں زیادہ اکرم آدمی کسی کو نہیں دیکھا۔ جب سفر میں ایک منزل پر پہنچتے وہ اونٹ کو بٹھاتے اور مجھ سے دور ہو جاتے، جب میں اتر جاتی تو اونٹ کو پکڑ کر چارہ کھلانے کیلئے درختوں پر چھوڑ دیتے اور کسی درخت کے نیچے جا کر سو جاتے۔ جب روانہ ہونے کا وقت ہوتا، اونٹ میرے پاس لے آتے اور کہتے "سوار ہو جاؤ۔" میں سوار ہو جاتی اور وہ اونٹ کی رسی پکڑ کر چل پڑتے۔ مسلسل سفر میں عثمان کا یہی طریقہ رہا حتّٰی کہ ہم مدینے پہنچ گئے۔ جب مدینہ کے مضافات میں بنی عمرو ابن عوف کی بستی قباء کے قریب پہنچے تو عثمان نے کہا، اس بستی میں آپ کے شوہر مقیم ہیں، آپ چلی جائیں، میں واپس جا رہا ہوں۔ سیدہ ام سلمہ فرماتی ہیں، "اسلام میں کوئی ایسا خاندان میں

نہیں جانتی جس کو اسلام کی وجہ سے ایسی تکالیف اٹھانی پڑی ہوں جیسی میرے شوہر ابو سلمہ کے خاندان کو اٹھانی پڑیں اور میں نے عثمان ابن طلحہ سے زیادہ شریف کوئی شخص نہیں دیکھا۔

(**عثمان بن طلحہ کا مختصر تعارف:** صلح حدیبیہ کے بعد حضرت عثمان ابن طلحہ نے اسلام قبول کر لیا اور حضرت خالد بن ولید کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے بارگاہ رسالت میں پہنچ گئے۔ احد کی جنگ میں حضرت عثمان کے والد طلحہ اور آپ کے بھائی حارث اور کلاب اور مسافح شہید ہو گئے۔ حضرت عثمان ابن طلحہ وہ شخص ہیں جس کو فتح مکہ کے دن کعبہ کی چابیاں دوبارہ دی گئیں تھیں۔ اسی طرح جس طرح کفر کے دور میں کعبے کی چابیاں ان کے پاس تھیں اور تا قیامت چابیاں اسی قبیلے میں رہیں گی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔)

حضرت عمرؓ کی ہجرت:

- حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اپنے والد حضرت عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا، عیاش ابن ابی ربیعہ اور ہشام ابن العاص اور میں نے "تناضب" کے مقام پر جمع ہو کر مدینہ منورہ کی طرف اکٹھے روانہ ہونے کیلئے وعدہ کیا اور کہا جو شخص صبح اس مقام پر نہ پہنچے سمجھ لیا جائے کہ اسے روک کر گرفتار کر لیا گیا ہے لہذا باقی افراد روانہ ہو جائیں اس کا انتظار نہ کریں۔
- حضرت عمرؓ فرماتے ہیں "میں اور عیاش تناضب کے مقام پر پہنچ گئے مگر ہشام نہ پہنچے، انہیں پکڑ لیا گیا تھا۔
- حضرت عمرؓ نے تو ہجرت کے وقت اعلان کیا کہ میں مدینہ منورہ جا رہا ہوں اگر تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو بیوہ اور اولاد کو یتیم کرنا چاہے تو بیشک مجھے روکنے کی کوشش کرے۔ یہ اعلان سن کر مشرکین خوف زدہ ہو گئے کسی مشرک نے آپ کو

روکنے کی جرات نہیں کی آپ اعلانیہ روانہ ہوگئے۔ حضرت عیاشؓ اور حضرت عمرؓ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

حضرت عیاش کی مکہ میں گرفتاری اور مدینہ میں دوبارہ واپسی:

- چند دنوں کے بعد ابو جہل اور اس کا بھائی حارث مدینہ آئے۔ یہ دونوں حضرت عیاش کے تایا زاد بھائی تھے اور ان تینوں کی ماں ایک تھی۔ انہوں نے حضرت عیاش سے کہا کہ تمہارے فراق میں ماں کا برا حال ہے اس نے قسم کھالی ہے کہ جب تک میں عیاش کا منہ نہ دیکھوں گی اس وقت تک سر میں کنگھی نہیں کروں گی اور سائے میں نہیں بیٹھوں گی۔ ماں کی حالت دیکھ کر ہم سے صبر نہیں ہوسکا اور ہم تمہیں لینے چلے آئے ہیں تاکہ ماں کی قسم پوری ہو۔ آپ دوبارہ مدینہ منورہ واپس آجانا مگر ابھی ہمارے ساتھ چلو۔
- حضرت عیاش نے واپس جانے کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے اسے سمجھایا کہ یہ لوگ تمہارے ساتھ مکر اور فریب کر رہے ہیں، تجھے دین سے برگشتہ کرنے کی چال لے کر آئے ہیں۔ اللہ کی قسم جب تیری ماں کو جوئیں تنگ کریں گی تو خود بخود کنگھا کریں گی اور جب اسے دھوپ ستائے گی تو سائے میں چلی جائے گی، تم مت جاؤ۔ حضرت عیاش نے کہا میں مکہ مکرمہ جاکر ماں کو قسم سے بری کروں گا اور وہاں میرا مال ہے وہ بھی لے آؤں گا لہذا مجھے جانا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، اگر آپ بضد ہیں تو میری اونٹنی لے لیں کیونکہ یہ اونٹنی نہایت طاقتور ہے، اگر راستے میں تمہیں کوئی شک پڑے کہ میرے ساتھ دھوکہ ہوا ہے تو اس پر واپس آجانا۔ حضرت عیاش نے حضرت عمر کی اونٹنی لے لی اور ابو جہل اور حارث کے ساتھ واپس مکہ کیلئے روانہ ہوگئے۔
- راستے میں ابو جہل نے عیاش سے کہا، ''اے میرے بھائی میری اونٹنی مجھے

نہایت تنگ کر رہی ہے کیا آپ مجھے اپنی اونٹنی پر پیچھے نہیں بٹھا لیتے؟'' حضرت عیاش نے کہا، کیوں نہیں! آپ نے اونٹنی کو بٹھایا اور انہوں نے بھی اونٹنی بٹھائی تاکہ ابو جہل عیاش کے ساتھ سوار ہو۔ جب زمین پر اترے تو دونوں ابو جہل اور حارث نے عیاش پر حملہ کر دیا اور اسے رسیوں سے باندھ لیا اور اسی حالت میں مکہ واپس پہنچے اور لوگوں کو ڈرایا کہ جو شخص ہجرت کرے گا اس کے ساتھ یہی معاملہ کیا جائے گا۔ حضرت عیاش اور ہشام مشرکین کی قید میں محصور ہوگئے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ہمارا یہ خیال تھا کہ جو لوگ ہجرت کے بعد مکہ واپس چلے گئے تھے اگرچہ جبر کی وجہ سے واپس ہوئے تھے ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے آئے سورہ زمر کی یہ آیات ۵۳ تا ۵۵ ''قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ... الآية'' نازل ہوئیں۔ معلوم ہوا ان کی توبہ قبول ہوسکتی ہے۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں چنانچہ میں نے یہ آیات لکھ کر حضرت عیاش ابن ربیعہ کو مکہ مکرمہ بھیج دیں۔ اس کے بعد حضرت ہشام اور عیاش مدینہ منورہ آگئے۔ (بدایہ النہایہ ۵۵۳، ۲، دارالفکر)

- اس کے بعد ہجرت کا عمل مسلسل جاری رہا یہاں تک کہ اسیر، مریض، خواتین، بچوں، حضرت علیؓ، حضرت ابو بکر صدیقؓ اور خود حضور ﷺ کے سوا کوئی مسلمان مکہ میں باقی نہ رہا۔
- اس کے بعد مسلسل صحابہ کرام مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچنا شروع ہوگئے اور مدینہ منورہ کے اصل باشندے انصار صحابہ کرام نے میزبانی کا حق ادا کیا۔ مگر یہ سلسلہ حتی الامکان خفیہ ہوتا تھا تاکہ مشرکین مکہ کوئی رکاوٹ پیدا نہ کر دیں۔ (بدایہ ونہایہ)

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ہجرت کیلئے بیتاب ہونا:

• حضرت ابو بکر بھی ہجرت کیلئے بے تاب تھے مگر جب بھی جناب رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرتے تھے آپ ﷺ فرماتے تھے:

"لَا تَعْجَلْ لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَ لَكَ صَاحِبًا" (المعجم الکبیر، جلد ۲۲، ص:۱۷۷)

ترجمہ: "جلدی نہ کرو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ تیرے لئے صاحب اور ہمسفر کا انتظام کردے۔"

کبھی فرماتے: "عَلٰى رِسْلِكَ فَاِنِّىْ اَرْجُوْ اَنْ يُّؤْذَنَ لِىْ" (الدرالمنثور، جلد ۵، ص:۸۰)

ترجمہ: "ٹھہر جاؤ مجھے امید ہے کہ مجھے ہجرت کیلئے اذن دیا جائے گا۔"

• ابو بکر عرض کرتے "میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، کیا آپ اس کی امید رکھتے ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا "ہاں"۔

• اسی وجہ سے حضرت ابو بکر ہجرت کرنے سے رک گئے اور آپ ﷺ کی مصاحبت میں ہجرت کرنے کا انتظار کرنے لگے اور آٹھ سو درہم میں دو اونٹنیاں خرید لیں اور چھ ماہ تک انہیں خوب ببول اور کیکر کے درخت کے پتے کھلاتے رہے اور موٹا تازہ کرتے رہے۔ (بدایہ والنہایہ)

آپ ﷺ کی ہجرت کا ذکر:

• حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت:

"قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِىْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِىْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّىْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا" (اسراء ۸۰)

ترجمہ: "کہہ دو اے میرے رب مجھے مدخل صدق میں داخل فرما اور مخرج صدق سے نکال دے اور میرے لئے اپنی جانب سے غالب نصرت عطا فرمادے۔"

نازل فرمائی تاکہ آپ دعا مانگتے رہیں۔

حضرت قتادہ بیان کرتے ہیں "مُدْخَلَ صِدْقٍ" سے مدینہ منورہ مراد ہے اور "مُخْرَجَ صِدْقٍ" سے مکہ مکہ مکرمہ کی طرف اشارہ ہے اور "سُلْطَانًا نَّصِيْرًا" سے مراد کتاب اللہ، فرائض اور حدود ہیں۔

قریش کی سازش:

• جب قریش نے دیکھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے جانثاروں کی ایک بڑی تعداد مدینہ منورہ میں جمع ہوگئی ہے انہیں خطرہ محسوس ہوا کہ سرور دوعالم ﷺ بھی ہجرت فرما کر مدینہ منورہ پہنچ جائیں گے اور اپنے جانثاروں کی جماعت کے ساتھ ہمارے خلاف جنگ شروع کر سکتے ہیں ان میں سے اہل الرائے افراد دارالندوہ میں جمع ہوگئے دارالندوہ حضرت قصی ابن کلاب کی بنائی گئی اس عمارت کا نام ہے جس میں قریش اہم امور کیلئے جمع ہو کر مشاورت کرتے تھے گویا ایوان مشاورت (اسمبلی حال) کا نام دارالندوۃ تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس بیان فرماتے ہیں جس دن مکہ مکرمہ کے قریش سرور دوعالم ﷺ کے معاملے میں مشاورت کیلئے جمع ہوئے اس دن کا نام "یوم الزحمة" ہے جب قریش حسب تعیین یوم الزحمہ میں جمع ہوئے ابلیس نے بہت بڑے شیخ کی شکل اور اشراف کے لباس میں ملبوس دارالندوۃ کے دروازے پر دستک دی لوگوں نے پوچھا "مَنِ الشَّيْخُ" آپ کون ہیں؟ ابلیس نے جواب دیا "شَيْخٌ مِنْ اَهْلِ نَجْدٍ" اہل نجد سے شیخ ہوں۔

• علامہ سہیلی فرماتے ہیں ابلیس شیخ نجد کی شکل میں متشکل اس وجہ سے ہوا کیونکہ قریش نے پابندی لگادی تھی کہ اہل تہامہ میں سے کوئی شخص اس مشاورت میں شریک نہ ہو۔ تہامہ نجد اور یمن کے درمیانی علاقے کو کہا جاتا ہے اہل تہامہ

کے لوگوں میں سے کوئی فرد ایسا نہیں تھا جس کے دل میں محمد (ﷺ) کی محبت نہ ہو اس لئے ابلیس شیخ نجدی بن کر آیا۔ ابلیس کہنے لگا مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے اور محمد (ﷺ) کے سلسلے میں مشاورت کرنے کا علم ہوا تو میں حاضر ہوا تاکہ تمہاری آراء سن سکوں اور اچھی رائے پر مشورہ دے سکوں۔ چنانچہ قریش نے مشاورت میں اسے شریک کر لیا۔ سرکردہ لوگوں میں سے عقبہ، شیبہ، ابوسفیان، طعمۃ بن عدی، جبیر ابن مطعم، حارث ابن عامر، نضر ابن حارث، ابوالبختری ابن ہشام، زمعۃ ابن الاسود، حکیم بن حزام، ابوجہل ابن ہشام اور امیہ ابن خلف وغیرہم شامل تھے۔ اجلاس کا پس منظر بیان کرنے کے بعد ابوالبختری ابن ہشام نے تجویز پیش کی کہ آپ ﷺ کو لوہے کی زنجیروں میں باندھ کر ایک کمرے میں بند کر دیا جائے اور اس پر تالا لگا دیا جائے حتّٰی کہ ان کا معاملہ تمام ہو جائے۔ شیخ نجدی نے اس تجویز کو رد کر دیا اور کہنے لگا یہ تجویز صحیح نہیں ہے کیونکہ آپ کا کسی کمرے میں قید ہو جانے کا ان کے ماننے والے سنیں گے تو حملہ آور ہو کر اس کو نکال لیں گے۔ دوسرے آدمی نے یہ تجویز دی کہ آپ (ﷺ) کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا جائے تاکہ یہ شخص کہیں بھی چلا جائے جب ہمارے شہر سے غائب ہو جائے گا تو حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔ شیخ نجدی نے اس تجویز کو بھی رد کر دیا۔ کہنے لگا ''وہ کہیں بھی جائیں گے حسن گفتگو اور میٹھے کلام سے لوگوں کے قلب پر اچھے اثرات کی وجہ سے مقبول ہو جائیں گے۔ لہذا یہ رائے بھی صحیح نہیں ہے۔ ابوجہل نے مشورہ دیا اور کہنے لگا، ''واللہ! میرے ذہن میں ایک ایسی تجویز ہے تم لوگ اس تک ابھی نہیں پہنچے۔'' لوگوں نے کہا، ابوالحکم وہ کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا، انہیں قتل کر دیا جائے مگر طریقہ کار یہ ہو کہ ہر ایک قبیلے میں سے ایک نوجوان کو تلوار دے کر بھیجا جائے سارے نوجوان اکٹھے ہو کر ان پر حملہ کریں اور قتل کر دیں اور

ہمیں راحت پہنچائیں، جب اس طرح ان کا قتل ہو گا تو بنو عبد مناف سارے قبائل کا مقابلہ نہ کر سکنے کی وجہ سے دیت پر راضی ہو جائیں گے اور ہم لوگ دیت ادا کر دیں گے۔ اس پر شیخ نجدی جھوم کر کہنے لگا، یہ رائے ہی دراصل رائے ہے، اسی پر عمل کیا جائے۔ باہم طے ہو گیا لوگ گھروں میں چلے گئے۔

- صبح کا وقت تھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام سرور دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور قریش کے مشوروں سے طے کردہ منصوبے کی اطلاع دی اور عرض کیا یا رسول اللہ آج رات قریش اپنے منصوبہ پر عمل کریں گے آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں اور مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو جائیں۔
- ام المومنین حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ روزانہ صبح یا شام دونوں حصوں میں کسی بھی وقت ابوبکر کے گھر پر تشریف لانے کو ترک نہ فرماتے تھے۔ کبھی صبح تشریف لاتے اور کبھی شام، حتّٰی کہ اس دن جس دن آپ کو ہجرت کرنے کا اذن ملا اور اپنی قوم کے درمیان سے مکہ مکرمہ سے نکل جانے کا حکم ہوا، ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت تشریف لائے۔ آپ فرماتی ہیں جب حضرت ابوبکر نے آپ ﷺ کو دیکھا تو ابوبکر نے کہا، ''اس وقت رسول اللہ ﷺ کا تشریف لانا نہیں ہوتا مگر کسی اہم امر کی وجہ سے۔ جب آپ ﷺ ہمارے گھر میں داخل ہوئے۔ آپ ﷺ چارپائی پر تشریف فرما ہوئے، اس وقت گھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی نہیں تھا سوائے میرے اور میری بہن اسما بنت ابی بکر اور میری ماں کے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ان لوگوں کو نکال دو جو آپ کے ساتھ موجود ہیں۔ ابوبکر نے عرض کیا ''آپ پر میری ماں اور باپ فدا ہو، یہ میری بیوی اور دو بیٹیاں ہیں اور کوئی نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا مجھے اللہ نے ہجرت اور خروج کا اذن دیا ہے۔ ابوبکر نے عرض کیا

"صحبۃ" (ساتھ چلنا ہے) یارسول اللہ؟ آپ نے فرمایا "صحبۃ"۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے اس سے پہلے خوشی کی وجہ سے کسی آدمی کا رونا نہیں دیکھا تھا جیسا کہ اس دن ابوبکر کو روتے دیکھا۔ پھر ابوبکر نے عرض کیا، "یانبی اللہ! یہ دو اونٹنیاں موجود ہیں، میں نے ان کو سفر کیلئے تیار کیا تھا۔" اس کے بعد عبداللہ ابن لقیط دئلی کے ساتھ مدینہ منورہ تک راستے کی نشاندہی کیلئے اجرت پر معاملہ طے کیا گیا، یہ شخص اس وقت مشرک تھا۔ دونوں اونٹنیاں اس کے سپرد کی گئیں اور اس کے ساتھ وعدہ کیا گیا کہ تین روز کے بعد صبح غار ثور پہنچ جانا یہ شخص اگرچہ مشرک تھا مگر خائن نہیں تھا اس لئے اس پر اعتماد کیا گیا۔

ہجرت کی تیاری:

• سیدہ عائشہ اور سیدہ اسماء نے سفر کیلئے گوشت بھونا اور چمڑے کے تھیلے میں بند کیا اور ایک چھوٹا سا مشکیزہ پانی کا بھرا۔ کھانے کے تھیلے کا منہ باندھنے اور مشکیزہ کا سر بند کرنے کیلئے حضرت اسماء نے اپنا کمر بند دو ٹکڑے کیا، ایک سے کھانے کے تھیلے کا منہ باندھا اور دوسرے حصے سے مشکیزے کا سرا باندھ دیا، تیاری مکمل ہوگئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھر میں رکھے چھ ہزار درھم بھی ساتھ رکھ لئے اور غار ثور میں تین دن قیام اور اس کے بعد مدینہ منورہ کیلئے روانگی کی تفصیل اپنے بچوں کو سمجھا دی۔ اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا تو نے روزانہ رات کے کسی حصے میں غار ثور آکر مکہ مکرمہ میں ہمارے خلاف ہونے والے منصوبوں کی رپورٹ دینی ہے۔ اپنی بیٹی اسماء سے فرمایا تو نے روزانہ رات کی تاریکی میں غار ثور کھانا پہنچانا ہے اور اپنے غلام عامر ابن فہیرہ سے فرمایا کہ تم نے غار ثور کے ارد گرد بکریاں چرانی ہیں، جب رات ہو جائے دودھ نکال کر غار ثور میں پہنچانا ہے۔ چنانچہ ابوبکر صدیقؓ کے گھر کے ہر شخص نے نہایت رازداری اور دیانت سے اپنی اپنی ذمہ داری نبھائیں۔

ہجرت کے روز ابوبکر صدیقؓ کا سارا گھرانہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ مَآ اَعْظَمُ خِدْمَتُہٗ۔

ہجرت کیلئے گھر سے روانگی:

• محمد ابن کعب قرظی بیان کرتے ہیں، حسب منصوبہ مختلف قبائل کے تقریباً ایک سو آدمی ننگی تلواروں کے ساتھ رات کے وقت سرور دوعالم ﷺ کے گھر کے محاصرے کیلئے پہنچ گئے اور محاصرہ کر لیا، انتظار کرنے لگے کہ جب بھی آپ ﷺ گھر سے نکلیں گے آپ کو قتل کر دیا جائے گا۔ آپ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو لیٹنے اور اپنی چادر دے کر، بستر پر چادر اوڑھ کر سو جانے کا حکم ارشاد فرمایا اور فرمایا "میں ہجرت کر کے جا رہا ہوں تم سو جاؤ، تمہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائے گا، امانتیں واپس کر کے مدینہ منورہ آجانا۔" چنانچہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ جب سرور دوعالم ﷺ نے مشرکین کو اپنے گھر کے دروازے پر دیکھا حضرت علیؓ سے فرمایا:

"نَمْ عَلٰی فِرَاشِیْ وَ تَسَجَّ بِبُرْدِیْ ھٰذَا الْحَضْرَمِیِّ الْاَخْضَرِ فَنَمْ فِیْہِ فَاِنَّہٗ لَنْ یَّخْلُصَ اِلَیْکَ شَیْءٌ تَکْرَھُہٗ مِنْھُمْ۔"

(تفسیر حقی، باب ۴۰، جلد ۵، ص: ۵۱)

ترجمہ: "میرے بستر پر سو جاؤ اس سبز حضرمی میری چادر کو اوڑھ لو اور اس میں سو جاؤ، ہرگز تجھے ان کی طرف سے کوئی ایسی چیز نہیں پہنچے گی جس کو تو ناپسند کرتا ہو۔"

• محاصرہ کرنے والوں میں ابوجہل بھی شریک تھا اور دروازے پر کھڑا ہو کر کہہ رہا تھا "محمد (ﷺ) کہتا ہے اگر تم اس کی اتباع کر لوگے تو عرب و عجم کے بادشاہ بن جاؤ گے، پھر مر جانے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تمہارے لئے

جنتیں اور باغات ہوں گے جس طرح اردن کے باغات ہیں۔ اگر تم اتباع نہیں کرو گے تو تمہیں قتل کر دیا جائے گا اور دوبارہ زندہ ہونے کے بعد تمہیں جہنم کی آگ کا ایندھن بنایا جائے گا۔ آج فیصلہ ہو جائے گا۔" اسی دوران آپ ﷺ نے زمین سے ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور دروازے سے نکلتے ہوئے فرمایا:

"نَعَمْ اَنَا اَقُوْلُ ذَالِكَ فَاَنْتَ اَحَدُهُمْ"

ترجمہ: "ہاں میں یہ کہتا ہوں اور تم ان میں سے ایک ہو۔"

اور محاصرہ کرنے والوں پر مٹی پھینکی اور ان کے درمیان سے سورہ یٰسین کی یہ آیات پڑھتے ہوئے نکل گئے:

"یٰسٓ ○ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ ○ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ○ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ○ (سے لے کر) وَ جَعَلْنَا مِنْۢ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّ مِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ۔"

- اللہ تعالیٰ نے محاصرین کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے۔ آپ ﷺ کو کوئی شخص نہ دیکھ سکا اور آپ کی پھینکی ہوئی مٹی سارے لوگوں کے سروں پر گر گئی۔ آپ ﷺ ان کے درمیان سے سیدھے حضرت ابو بکر کے گھر پہنچے اور وہاں سے غار ثور کی طرف پیدل روانہ ہو گئے۔
- محاصرہ کرنے والے مشرکین کے پاس ایک آدمی آیا، کہنے لگا تم کس کا انتظار کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا محمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہیں رسوا کیا وہ نکل کر چلے گئے ہیں اور تمہارے ہر ایک آدمی کے سر پر مٹی ڈال گئے ہیں۔ جب لوگوں نے اپنے سروں کو دیکھا تو سب کے سروں پر مٹی پڑی ہوئی تھی، مگر انہوں نے جب حجرہ مبارک میں جھانک کر دیکھا تو بستر پر ایک آدمی کو لیٹا ہوا پایا وہ سمجھے کہ شاید آپ ﷺ سوئے ہوئے ہیں، انتظار کرتے رہے حتّٰی کہ صبح

ہو گئی۔ حضرت علیؓ بستر سے اٹھے تو کہنے لگے "واللہ! اس آدمی نے سچ کہا تھا کہ آپ ہمارے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے چلے گئے ہیں۔" حضرت علیؓ سے پوچھا، تمہارے صاحب کہاں گئے؟ حضرت علی نے جواب دیا مجھے علم نہیں ہے۔

(بدایہ ونہایہ ص ۲/۹۵۵)

آپ ﷺ کی غارِ ثور کی طرف جاتے ہوئے دعا:

- ابن اسحاق روایت کرتے ہیں سرور دو عالم ﷺ اپنے گھر سے ابو بکر صدیق کے گھر تشریف لائے اور ابو بکر کے گھر کے عقبی دروازے سے غار ثور کے راستے پیدل غار ثور کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور یہ دعا پڑھتے جا رہے تھے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ وَ لَمْ اَكُ شَیْئًا۔ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰى هَوْلِ الدُّنْیَا وَ بَوَائِقِ الدَّهْرِ وَ مَصَائِبِ اللَّیَالِیْ وَالْاَیَّامِ۔ اَللّٰهُمَّ اصْحَبْنِیْ فِیْ سَفَرِیْ وَ اخْلُفْنِیْ فِیْ اَهْلِیْ وَ بَارِكْ لِیْ فِیْمَا رَزَقْتَنِیْ وَ لَكَ الْاَرْضُ فَذَلِّلْهَا لِیْ وَ عَلٰى صَالِحِ خُلُقِیْ فَوَقِّقْنِیْ وَ اِلَیْكَ رَبِّ فَحَبِّبْنِیْ وَ اِلَى النَّاسِ فَلَا تَكِلْنِیْ رَبَّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَ اَنْتَ رَبِّیْ اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِیْمِ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَهُ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ كَشَفَتْ بِهِ الظُّلُمَاتُ وَ صَلُحَ عَلَیْهِ اَمْرُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اَنْ تَحِلَّ عَلَیَّ غَضَبُكَ وَ تَنْزِلَ بِیْ سَخَطُكَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَ فُجَاءَةِ نَقْمَتِكَ وَ تَحَوُّلِ عَافِیَتِكَ وَ جَمِیْعِ سَخَطِكَ وَ لَكَ الْعُقْبٰى عِنْدِیْ خَیْرُ مَا اسْتَطَعْتُ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔" (بدایہ ونہایہ، جلد ۲، ص: ۲۳۴)

دورانِ ہجرت حضرت ابو بکرؓ پر مشکلات:

- حضرت اسماء بیان کرتی ہیں جب ہمارے والد ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے گئے۔ ایک دن ہمارا دادا ابو قحافہ ہمارے گھر آیا (اس وقت اس کی

آنکھوں کی بینائی ختم ہو چکی تھی) کہنے لگا، ''مجھے لگتا ہے تمہارا باپ تمہارے اخراجات کیلئے کوئی چیز چھوڑ کے نہیں گیا۔ حضرت اسماء کہتی ہیں، گھر کے اس روشن دان میں جس میں ہمارے والد دینار اور درھم رکھتے تھے ہم نے کچھ پتھر رکھ دیئے اور ان پر ایک موٹا سا کپڑا ڈال دیا اور ہم نے دادا سے کہا، ایسا نہیں وہ ہمارے لئے کافی مال چھوڑ گئے ہیں، ان کا ہاتھ پکڑ کر کپڑے کے اوپر رکھوایا تو انہیں تسلی ہو گئی کہ بچوں کیلئے ابو بکر مال چھوڑ گیا ہے۔ مگر حضرت اسماء بیان کرتی ہیں:

''لَا وَاللّٰهِ مَا تَرَكَ لَنَا شَيْئًا وَلٰكِنْ اَرَدْتُ اَنْ اُسَكِّنَ الشَّيْخَ بِذٰلِكَ''

(مسند احمد بن حنبل، جلد ۶، ص: ۳۵۰)

ترجمہ: ''اللہ کی قسم ابو بکر نے ہمارے لئے کچھ نہیں چھوڑا تھا لیکن میں نے ارادہ کیا کہ شیخ ابو قحافہ کو اس کے ساتھ اطمینان اور تسلی دلاؤں۔''

(بدایہ ونہایہ ۲/۱۵۶۲)

● حضرت اسماء بیان فرماتی ہیں، اسی دوران ہمارے گھر قریش کے چند افراد آئے جن میں ابو جہل بھی تھا۔ انہوں نے دروازے پر دستک دی، میں باہر آئی تو کہنے لگے تمہارا باپ کہاں ہے، اے ابو بکر کی بیٹی؟ میں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اس وقت میں نہیں جانتی وہ کہاں ہیں۔ آپ فرماتی ہیں، ابو جہل نہایت خبیث اور فاحش آدمی تھا اس نے میرے چہرے پر زور سے تھپڑ مارا حتّٰی کہ میری جھمکیاں گر گئیں۔ پھر وہ لوگ واپس چلے گئے۔

ان واقعات سے ابو بکر اور ان کی اولاد کا اسلام اور بانی اسلام کے ساتھ محبت اور تعلق پر ایذا برداشت کرنے کا پتہ چلتا ہے۔ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ۔

حضرت ابو بکر ؓ کا ہر طرف سے حضور ﷺ کی حفاظت کرنا:

● بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت عمر سے روایت کیا ہے کہ غار ثور جاتے

ہوئے ابو بکر کبھی سرور دو عالم ﷺ کے آگے ہو کر چلنے لگتے کبھی پیچھے اور کبھی دائیں اور کبھی بائیں حتّٰی کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا تجھے کیا ہوا کبھی میرے آگے چلتے ہو اور کبھی پیچھے کبھی دائیں اور کبھی بائیں؟ عرض کیا، یا رسول اللہ جب خیال آتا ہے کہ شاید دشمن آگے گھات لگائے بیٹھا ہو اور حملہ کر دے تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں اور جب تعاقب کرنے والوں کا خیال آتا ہے تو پیچھے ہو جاتا ہوں اسی طرح دائیں بائیں ہوتا رہتا ہوں تاکہ ہر طرف نگاہ رکھ سکوں اور کسی طرف سے کوئی کافر آپ کو گزند نہ پہنچا سکے۔ (خلاصہ بدایہ ونہایہ)

حضرت ابو بکر صدیق ؓ کا حضور ﷺ کو کندھوں پر اٹھانا: اس خیال سے کہ جوتوں کی آہٹ اور آواز پیدا نہ ہو رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق برہنہ پا چل رہے تھے آپ ﷺ کے قدم مبارک زخمی ہو گئے اور خون بہنے لگا ابو بکر صدیق نے دیکھ لیا اور آپ ﷺ کو کاندھوں پر اٹھا لیا۔

حضرت ابو بکر ؓ کی جاں نثاری: حضرت حسن بصری اور ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے کہ جب رات کے وقت رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر ؓ غار ثور کے دہانے پہنچے ابو بکر ؓ نے عرض کیا، ''آپ ٹھہریں میں غار میں پہلے داخل ہوتا ہوں تاکہ اسے صاف کر لوں اگر کوئی موذی جانور غار میں موجود ہو تو مجھے ایذا پہنچے آپ کو نہ پہنچے۔'' صدیق اکبر ؓ غار میں داخل ہوئے اندر سانپ وغیرہ تو نظر نہ آیا مگر جگہ جگہ سوراخ نظر آئے آپ نے اپنی چادر کے ٹکڑے کر کے سوراخوں کو بند کیا اور غار کو صاف کر دیا مگر ایک سوراخ باقی رہ گیا، پھر آپ ﷺ کو اندر تشریف لانے کیلئے عرض کیا۔ آپ ﷺ اندر تشریف لائے، چونکہ بہت تھکے ہوئے تھے حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی گود میں سر رکھ کر آپ ﷺ آرام فرمانے لگے۔ حضرت ابو بکر ؓ نے باقی رہ جانے والے سوراخ پر اپنے پیر کی ایڑھی رکھ دی اور سرور دو عالم ﷺ

کو نیند آگئی۔ اسی دوران اتفاق سے اس سوراخ سے جس پر حضرت ابو بکرؓ نے ایڑھی رکھی ہوئی تھی، اچانک سانپ نے حضرت ابو بکرؓ کی ایڑھی کاٹ دی۔ درد کی وجہ سے شدید تکلیف کے باوجود آپ نے سوراخ سے ایڑھی کو نہیں ہٹایا تاکہ رسول اللہ ﷺ کے آرام میں خلل نہ آئے، مگر بے اختیار آپ کے آنسو بہنے لگے اور آنسو سرورِ دوعالم ﷺ کے چہرہ مبارک پر گر گئے۔ آپ ﷺ نے آنکھیں کھولیں اور فرمایا، کیا ہوا؟ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا ''یارسول اللہ! مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔'' آپ نے فرمایا، ایڑھی اٹھالو۔ آپ ﷺ نے ایڑھی پر لعاب مبارک لگایا درد اور تکلیف ختم ہوگئی۔ (کتب سیرت)

● ''روض الانف'' میں امام سہیلی نے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر غار میں تشریف لے گئے اللہ تعالیٰ نے غار کے دہانے پر رایہ کا درخت (جس کا طول انسان کے برابر ہوتا ہے اور اس کی ٹہنیوں پر سفید پھول ہوتے ہیں) اگادیا جس کی وجہ سے کافروں کی آنکھوں سے جناب رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق اوجھل ہوگئے۔ اس درخت پر گھونسلے میں کبوتری اپنے انڈے پر بیٹھ گئی اور مکڑی (عنکبوت) نے غار کے منہ اور درخت کی ٹہنیوں کے درمیان جالا بُن دیا۔ (روض الانف)

● اُدھر مکہ مکرمہ میں جب مشرکین کو معلوم ہوا کہ ساری رات جس شخص کو بستر پر لیٹے دیکھتے رہے وہ تو علی تھے اور رسول اللہ ﷺ چلے گئے ہیں۔ مشرکین نے اعلان کیا کہ جس شخص نے رسول اللہ ﷺ کی اطلاع دی اس کو دیت کے مساوی ایک سو اونٹ دیا جائے گا ہر طرف، ہر راستے پر آدمی دوڑا دیئے، ہر ایک قبیلے سے ایک ایک نوجوان کو جمع کیا گیا، کھوجی یعنی پیروں کے نشانات سے شناخت کرکے تلاش کنندہ ماہر سراقہ ابن مالک ابن جعشم مدلجی کو انعام کی لالچ دے کر بلا

لیا، سراقہ اور اس کے ساتھی پیروں کے نشانات کے مطابق غار ثور کی طرف تیر کمان، راستے کیلئے ضرورت کی اشیا، راشن وغیرہ اور نیزے اور تلواریں لے کر چل پڑے۔ سراقہ نشاندھی کرتا جاتا اور نوجوان پیچھے پیچھے چل رہے تھے، حتیٰ کہ جبل ثور پر چڑھ گئے تو غار ثور کے دہانے سے تقریباً دو سو ہاتھ دور سراقہ کھوجی رک گیا اور کہنے لگا ''اس پتھر سے آگے پیروں کے نشانات نہیں ملتے، مجھے معلوم نہیں آگے کہاں غائب ہوگئے۔ یہاں تک تو ان کے پہنچ جانے کے نشانات پائے جاتے ہیں۔'' نوجوانوں نے کہا اس غار کے اندر دیکھو۔ جب سراقہ غار کے منہ کے قریب پہنچا، اچانک غار کے دہانے پر درخت پر دو کبوتروں کو اپنے گھونسلے میں بیٹھے دیکھا اور درخت اور غار کے منہ پر مکڑی کا جالا دیکھا تو واپس آگیا۔ نوجوان پچاس ہاتھ کے فاصلے پر کھڑے تھے انہوں نے پوچھا غار میں کیوں نہیں گیا؟ اس نے کہا، میں نے غار پر کبوتروں اور جالے کو دیکھا ہے، مجھے لگا اس غار میں کوئی نہیں ہے۔

● سرورِ دوعالم ﷺ ان کی گفتگو سن رہے تھے اور سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دفاع کا انتظام فرمادیا ہے۔ اسی حال میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نہایت غمگین و پریشان ہوگئے۔

● حضرت انس سے روایت ہے سرورِ دوعالم ﷺ سے حضرت ابو بکرؓ عرض کرنے لگے یارسول اللہ اگر مشرکین میں سے کسی ایک نے اپنے پیروں کو دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے فرمایا:

''يَا اَبَابَكْرٍ مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا'' (صحیح مسلم، جلد ۴، ص: ۱۸۵۴)

ترجمہ: ''اے ابو بکر تیرا ان دو آدمیوں کے ساتھ کیا گمان ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ تعالیٰ ہے۔''

قرآن مجید میں ہے:

ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۔ (توبہ،۴۰)

ترجمہ: ''دوسرے دوسرا جب وہ دونوں غار میں تھے۔جب رسول اللہ نے اپنے صاحب سے فرمایا غم نہ کر بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔'' (بدایہ ونہایہ)

• جب مشرکین غار ثور سے واپس چلے گئے تو حضرت ابو بکرؓ اور جناب رسول اللہ ﷺ اطمینان سے تین دن تک غار ثور میں ٹھہرے رہے۔

• نصیحت کے مطابق حضرت عبداللہ ابن ابی بکر دن بھر مشرکین کی مجالس میں رہتے اور ان کی گفتگو اور منصوبے سنتے رہتے جب رات ہو جاتی تاریکی میں غار ثور حاضر ہو جاتے اور مکہ میں مشرکین کی بھاگ دوڑ کی رپورٹ پیش کرتے۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر روزانہ کھانا تیار کرتیں اور رات کی تاریکی میں غار ثور حاضر ہو کر کھانا پیش کرتیں۔

• حضرت ابو بکر صدیقؓ کا غلام عامر ابن فُہیرہ صبح حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں اس راستے پر نکالتا جس راستے سے حضرت عبداللہ اور حضرت اسماء غار ثور جاتے تھے تاکہ ان کے پیروں کے نشانات باقی نہ رہیں سارا دن مکہ کے دوسرے چرواہوں کے ساتھ بکریاں چراتا اور شام کو غار ثور کے قریب جا کر دودھ نکالتا اور جا کر غار ثور میں پیش کرتا۔ مسلسل تین روز تک یہی طریقہ کار رہا۔ (بدایہ ونہایہ)

• سیّد العالم جناب رسول اللہ ﷺ نے کبوتروں کو مکہ مکرمہ بھیج دیا تاکہ مکہ مکرمہ جا کر ان کی نسل بڑھتی رہے۔ شاید آج تک مکہ مکرمہ میں موجود کبوتر انہی کبوتروں کی اولاد سے ہیں۔ آج تک ان کبوتروں کو کعبۃ اللہ کے قرب میں جگہ کا ملنا اس لئے ہے کہ ان کے آباؤ اجداد نے سرور دو عالم ﷺ کے دفاع میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے حصہ لیا تھا اور مکڑی کو شاید اللہ تعالیٰ نے بغیر ذبح کے اس لئے

حلال کیا کہ مکڑی نے جالا بن کر دفاع میں حصہ لیا تھا۔ جس طرح مچھلی کو اللہ تعالیٰ نے بغیر ذبح کے اس لئے حلال کیا کہ مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو کچھ دنوں کیلئے اپنے پیٹ میں رہائش دی تھی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

غار ثور سے مدینہ منورہ کیلئے روانگی:

• تین روز تک سرور دو عالم ﷺ اسی غار میں مقیم رہے چوتھے روز صبح حسب وعدہ صحرائی راستوں کا واقف عبداللہ بن اریقط اپنی اونٹنی اور دو اونٹنیاں وہ جو سرور دو عالم ﷺ اور ابو بکر نے اس کے سپرد کیں تھیں لے کر پہنچ گیا۔ ابو بکر صدیق نے اپنے غلام عامر بن فُہیرہ کو بھی ساتھ لے لیا، یہ چار آدمیوں کا قافلہ مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گیا۔

عامر ابن فُہیرہ کا تعارف:

• عامر پہلے طفیل کا غلام تھا اسلام لانے پر ان پر بے انتہا تشدد کیا گیا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خرید کر انہیں آزاد کر دیا۔ ہجرت میں ہمسفری آپ کی نمایاں فضیلت ہے۔ ۹۷ھ میں غزوہ موتہ میں شہادت پائی، شہادت کے بعد آپ کا جسم آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ دشمنوں کے سردار نے کہا تمہارے شہیدوں میں سے ایک آدمی کے جسم کو میں نے دیکھا آسمانوں پر اٹھا لیا گیا وہ کون تھا۔ سب نے کہا وہ عامر ابن فُہیرہ تھا۔ عامر کے قاتل جبار اسلمی نے جب مقتول کی یہ کرامت دیکھی تو مسلمان ہو گیا۔ (سید الوریٰ)

• امام بخاری نے حضرت انس سے روایت کیا کہ سرور دو عالم ﷺ نے (راستے میں) ابو بکر صدیقؓ کو اپنے پیچھے سوار کیا ہوا تھا۔ ابو بکر شیخ یعنی سفید ریش تھے اور نبی کریم ﷺ نوجوان لگتے تھے اور پہچانے نہیں جاتے تھے۔ کوئی بھی آدمی ابو بکر سے ملتا وہ ابو بکر سے پوچھتا، آپ کے آگے والا آدمی کون ہے۔ حضرت

ابو بکر جواب دیتے "هٰذَا الَّذِیْ یَهْدِیْنِی السَّبِیْلَ" "یہ آدمی مجھے راستہ دکھانے والا ہے۔" پوچھنے والا آدمی سمجھتا زمینی راستہ دکھانے والا ہے۔ مگر حضرت ابو بکرؓ کی نیت میں تھا کہ آپ دینِ اسلام کا راستہ دکھانے والے ہیں۔

(سبل الہدی والرشاد، جلد ۳، ص: ۲۵۱)

فائدہ: معلوم ہوا ضرورت کے وقت صنعت ایہام اور توریہ یعنی ایسا لفظ جس کے دو معنی ہوں، مخاطب ایک معنی سمجھے اور متکلم کی مراد دوسرا معنی ہو، بولنا جائز ہے اور جھوٹ نہیں ہے۔ (رفیق حسنی)

- ایک روایت میں ہے سرورِ دوعالم ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا مجھے لوگوں سے بچاؤ مگر جھوٹ نہیں بولنا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ سے پوچھا جاتا: "مَنْ اَنْتَ؟" تم کون؟ تو آپ فرماتے "اَنَا بَاغٍ" باغ کے معنی میں منزل کا طالب ہوں اور جب کہا جاتا "مَنْ مَعَكَ" تمہارے ساتھ کون ہیں۔ آپ فرماتے کہ "رَجُلٌ یَهْدِیْنِی السَّبِیْلَ" یعنی یہ ایک ایسا آدمی ہے جو مجھے راستہ دکھانے والا ہے۔

(مختصر تاریخ دمشق، جلد ۴، ص: ۲۷۳)

سراقہ بن مالک کا قصہ:

- عبد اللہ ابن اریقط دئیلی نے سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ راستے کا انتخاب کیا اور چار افراد پر مشتمل حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ قافلہ مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گیا۔
- سراقہ ابن مالک کا باپ بیان کرتا ہے کہ سراقہ نے کہا "ہمارے قبیلے بنی مدلج کے پاس قریش کے پیغام پہنچانے والے لوگ آئے اور کہنے لگے قریش نے اعلان کیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ یا ابو بکر کو قتل کردے یا گرفتار کرکے لے آئے اس کو سو اونٹ انعام دیا جائے گا۔" سراقہ بیان کرتا ہے، میں بنی مدلج کی

ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا ایک آدمی ہماری قوم کا آیا اور کہنے لگا، میں نے ابھی سمندر کے ساحل پر چند آدمیوں کو جاتے ہوئے دیکھا ہے، میرا گمان ہے کہ وہ رسول اللہ (ﷺ) اور ان کے ساتھی ہوں گے۔ سراقہ بیان کرتا ہے مجھے یقین ہو گیا کہ یہ وہی قافلہ ہے مگر اس لالچ میں کہ کوئی دوسرا انعام نہ لے جائے میں نے اس آدمی کی تردید کر دی اور کہا، وہ محمد (ﷺ) اور اس کے رفقاء نہیں ہو سکتے بلکہ وہ فلاں فلاں آدمی ہوں گے جو ہمارے سامنے روانہ ہوئے تھے۔ سراقہ کہتے ہیں، تھوڑی دیر کے بعد میں نے اپنی کنیز سے گھر جا کر کہا میرا گھوڑا لے آؤ جو کہ کچھ دور بندھا ہوا تھا۔ میں نے اپنا نیزہ اٹھایا اور گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے دوڑایا تو میں آپ ﷺ کے قافلے کے قریب پہنچ گیا۔ میرا گھوڑا سلپ ہوا میں گر گیا۔ میں اٹھا اور میں نے تھیلے سے فال نکالنے کیلئے تیر نکالا، اس میں سے وہ تیر نکلا جو میری خواہش کے خلاف تھا مگر میں گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا حتّٰی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی تلاوت کی آواز سنی وہ تلاوت کرتے جا رہے تھے۔ ابو بکر آگے پیچھے دیکھتے جا رہے تھے۔ ابو بکر نے جب مجھے دیکھا تو عرض کیا، یا رسول اللہ دشمن پہنچ گئے۔ آپ ﷺ نے جواب دیا: "کَلَّا" ہرگز نہیں اور فرمایا:

"لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔" (صحیح البخاری، جلد ۳، ص: ۱۳۲۳)

ترجمہ: "غم نہ کریں بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد سراقہ دو یا تین نیزوں کے فاصلے پر بالکل قریب آگیا۔ حضرت ابو بکرؓ رونے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیوں روتے ہو؟ عرض کیا، میں اپنے لئے نہیں روتا، آپ کیلئے روتا ہوں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

"اَللّٰهُمَّ اکْفِنَاهُ بِمَاشِئْتَ" (صحیح ابن حبان، جلد ۱۴، ص: ۱۷۴)

ترجمہ: "اے اللہ ہماری سراقہ سے کفایت فرما جس طریقے کے ساتھ تو چاہے۔"

اس دعا کے ساتھ ہی سراقہ کا گھوڑا زمین میں پیٹ تک دھنس گیا حالانکہ زمین نہایت سخت تھی۔ سراقہ کہتے ہیں، گھوڑے کو میں نے ڈانٹا تاکہ زمین سے نکل آئے، مگر گھوڑا زمین سے نہ نکل سکا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی مدد کی ہے۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے امان طلب کی اور عرض کیا، یا محمد (ﷺ) آپ دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے اس مشقت سے نجات دے میں آپ کو نقصان نہ پہنچانے کا وعدہ کرتا ہوں اور اس راستے پر لوگوں کو واپس کرتا جاؤں گا۔ آپ نے دعا فرمائی، گھوڑا نکل آیا۔

- بعض روایات میں ہے کہ گھوڑے کے زمین میں دھنس جانے کا واقعہ چار مرتبہ ہوا ہر دفعہ سرور دوعالم کی دعا سے گھوڑا زمین سے نکلتا تھا، سراقہ شیطانی وسوسے سے پھر حملہ آور ہونے کے ارادے سے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھتا تھا، پھر اس کا گھوڑا زمین میں دھنس جاتا تھا اور ہر مرتبہ اپنے تھیلے سے قرعہ اندازی کیلئے جب تیر نکالتا، وہ تیر نکلتا جس پر لکھا ہوتا تو انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ مگر پھر بھی انعام کی لالچ میں آگے بڑھتا رہا مگر ناکام رہا۔ (بدایہ ونہایہ)
- سراقہ کہتے ہیں، پھر میں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ میں نے سارا قصہ بیان کر دیا جو مکہ کے مشرکین نے آپ کے قتل یا گرفتاری کیلئے بنایا تھا، میں نے عرض کیا کہ آگے آپ کے راستے پر میرے اونٹوں اور بکریوں کے ریوڑ ہیں میرا یہ تیر بطور نشانی لے لیں اور جتنی بکریاں اور اونٹ چاہیں لے لینا۔ آپ ﷺ نے فرمایا آپ کے مال کی ہمیں ضرورت نہیں ہے اتنا کریں کہ ہمارے سفر کو مخفی رکھنا کسی کو نہ بتانا اس نے وعدہ کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے امان کا خط لکھ دیں تاکہ بوقت ضرورت کام آئے آپ ﷺ نے عامر ابن فھیرہ کو فرمایا اس کو خط لکھ دو۔ عامر نے خط لکھ دیا۔

حضور ﷺ کی سراقہ کے لئے مستقبل کی خبر دینا:

- سراقہ امان نامہ لے کر واپس ہونے لگا سرور دوعالم ﷺ نے فرمایا ''سراقہ وہ دن کتنا تعجب خیز ہوگا جس دن شاہ ایران کے سونے کے کڑے تیرے ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے۔'' سراقہ اس بات سے حیران ہوا کہ کہاں ایک عام آدمی اور کہاں شاہ ایران کے سونے کے کنگن، مگر اس بات سے خوش ہو گیا۔ جب سراقہ واپس ہوا تو راستے میں ملنے والوں سے کہتا تھا اس راستے سے میں واپس آرہا ہوں، ادھر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تلاش کنندگان واپس ہو جاتے تھے سراقہ واپس اپنے گھر پہنچ گیا۔ جب چند دن گزر گئے اور سراقہ نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ پہنچ گئے ہوں گے، سراقہ نے اپنے ساتھ آپ بیتی لوگوں کو سنانا شروع کر دی۔
- ابو جہل کو پتہ چلا کہ سراقہ سرور دوعالم ﷺ کے معجزات لوگوں کو سناتا رہتا ہے، اسے غصہ آیا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اسلام قبول کرنا شروع کر دیں چنانچہ ابو جہل سراقہ کے پاس آیا اور سرور دوعالم ﷺ کی گرفتاری میں ناکامی پر سراقہ کو ملامت کرنے لگا۔ سراقہ نے ابو جہل کو اشعار کی صورت میں جواب دیا۔

اَبَا حَکَمٍ وَاللَّاتِ لَوْ کُنْتَ شَاهِدًا
لَاَمْرِ جَوَادِیْ اِذْ تَسِیْخُ قَوَائِمُهٗ
عَجِبْتَ وَلَمْ تُشَکِّكْ بِاَنَّ مُحَمَّدًا
نَبِیٌّ وَبُرْهَانٌ فَمَنْ ذَا یُقَاوِمُهٗ
عَلَیْكَ بِکَفِّ الْقَوْمِ عَنْهُ فَاِنَّنِیْ
اَرٰی اَمْرُهٗ یَوْمًا سَتَبْدُوْا مَعَالِمُهٗ

ترجمہ: ''اے ابوالحکم (ابوجہل کی کنیت ہے) قسم ہی لات کی اگر تم اس وقت موجود ہوتے اور میرے گھوڑے کی حالت دیکھتے جب اس کے پاؤں زمین میں دھنس رہے تھے تو تم حیران رہ جاتے اور تمہیں اس بات میں کوئی شک نہ رہتا کہ محمد نبی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی برہان پھر ان کے ساتھ کون مقابلہ کر سکتا ہے، تمہیں چاہئے کہ اپنی قوم کو ان سے روکو، کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب ان کے نشانات غالب ہو کر رہیں گے۔''(دلائل النبوۃ، جلد ۲، ص: ۳۵۰)

سراقہ کے اسلام لانے کا واقعہ اور حضور اکرم ﷺ کی خبر کی تصدیق:

- ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرور دو عالم ﷺ کی صداقت سراقہ کے دل میں اتر چکی تھی مگر باقاعدہ اسلام لانے کی سعادت سنہ ۸ھ میں انہیں جعرانہ کے مقام پر ہوازن کی فتح کے بعد حاصل ہوئی۔ فتح مکہ کے بعد غزوہ حنین سے جب سرور دو عالم ﷺ فارغ ہوگئے سراقہ نے صحابہ کرام سے سرور دو عالم ﷺ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت طلب کی، صحابہ کرام نے آپ ﷺ کے تحفظ کے پیش نظر اجازت نہ دی۔ سراقہ نے امان نامہ نکالا ہاتھ میں لہراتے ہوئے عرض کیا یارسول اللہ میرے ہاتھ میں آپ کا لکھا خط موجود ہے جب سراقہ کی آواز آپ نے سنی، آپ نے فرمایا آج وفا اور احسان کا دن ہے اس کو قریب آنے دو۔ سراقہ آپ کے پاس حاضر ہو کر مشرف بااسلام ہو گیا۔
- پھر حضرت عمر فاروق کے دور میں جب ایران فتح ہوا، مال غنیمت میں شاہ ایران کے بادشاہ کسریٰ کے سونے کے کڑے بھی موجود تھے۔ حضرت عمر نے سراقہ کو بلایا اور سونے کے کڑے سراقہ کو پہنائے اور لوگوں کو بتایا کہ یہ سرور دو عالم ﷺ کی پیشین گوئی تھی جو حرف بحرف صادق ہوئی۔ سراقہ نے وہ کنگن

حضرت عمرؓ کو واپس کر دیئے۔ حضرت عمرؓ نے کنگن توڑ دیئے اور مجاہدین میں تقسیم فرما دیئے۔ (سیرت حلبیہ)

- سرور دو عالم ﷺ کا سفر جاری رہا مگر اس سفر میں زاد راہ ساتھ نہیں تھا اس لئے جہاں کہیں بکریاں نظر آتیں وہاں چلے جاتے اور مالک کی اجازت سے دودھ نکال کر پی لیتے۔ ابو بکر صدیقؓ بیان کرتے ہیں ''دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ کی شدت بڑھ گئی، میں نے چاہا کہ کہیں سایہ مل جائے تاکہ رسول اللہ ﷺ تھوڑی دیر آرام فرمالیں ادھر اُدھر دیکھا ایک سایہ دار پہاڑ کی چٹان نظر آئی، وہاں جا کر میں نے زمین صاف کی اور چادر بچھا دی۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یارسول اللہ (ﷺ) تشریف لائیں اور کچھ دیر آرام فرمالیں، آپ لیٹ گئے۔ میں کھانے کی تلاش میں نکلا، ایک چرواہا مل گیا، میں نے کہا، دودھ والی ایک بکری کے تھن صاف کر دو اور دودھ نکالو۔ دودھ کے برتن پر میں نے کپڑا لپیٹ دیا تاکہ اس میں گرد وغبار نہ گرے پھر اس دودھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا اور رسول اللہ ﷺ کو پیش کیا۔ آپ ﷺ نے پی لیا اور فرمایا، کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں ہوا۔ میں نے عرض کیا سورج ڈھل چکا ہے لہذا ہم چلیں پھر ہم نے سفر شروع کر دیا۔(بدایہ ونہایہ)

آپ ﷺ حضرت ام معبد کے پاس:

- امام بیہقی نے ابو معبد خزائی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے مدینہ کیلئے ابو بکر، عامر ابن فہیرہ اور عبداللہ ابن اریقط کے ساتھ روانہ ہوئے، راستے میں ام معبد کے خیموں سے گزرے۔ ام معبد ایک عظیم عورت تھی نہایت سخی اور مسافروں کی خدمت میں معروف اور مشہور تھی۔ اپنے خیموں کے باہر بیٹھ کر مسافروں کا استقبال کرتی اور انہیں کھانا کھلاتی اور پانی پلاتی تھی۔ جب آپ ﷺ اور ابو بکرؓ کی ام معبد سے ملاقات ہوئی، ابو بکرؓ نے پوچھا ''کیا

تمہارے پاس گوشت یا دودھ ہے تاکہ ہم خرید کر کھائیں اور پیئیں۔'' ام معبد نے عرض کیا، اتفاق سے آج میرے گھر میں کچھ نہیں ہے۔ عرض کرنے لگی، اگر میرے پاس کچھ ہوتا تو میں میزبانی سے کبھی انکار نہ کرتی، اس وقت ہماری قوم قحط اور شدت کے ایام سے گزر رہی ہے۔ اچانک سرورِ دو عالم ﷺ کی خیمہ کے کونے میں موجود بکری پر نظر پڑی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''مَاهٰذِهِ الشَّاةُ يَا اُمَّ مَعْبَدٍ'' اے ام معبد یہ بکری نہیں ہے؟ ام معبد نے عرض کیا یہ ایسی بکری ہے جو لاغری کی وجہ سے بکریوں کے ساتھ نہیں جا سکی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فَهَلْ بِهَا لَبَنٌ'' کیا یہ لبن اور دودھ والی ہے؟ ام معبد نے عرض کیا: ''هِيَ اَجْهَدُ مِنْ ذَالِكَ'' یہ دودھ دینے سے بہت دور ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا آپ اجازت دیتی ہیں کہ میں اس کا دودھ نکال لوں؟ ام معبد نے عرض کیا، اگر اس کا دودھ ہے تو آپ کو اجازت ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ نے وہ بکری منگوائی اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس کے پستانوں پر ہاتھ پھیرا، برتن منگوایا، وہ برتن اتنا بڑا تھا کہ اس میں ڈالا گیا دودھ ایک جماعت کیلئے کافی ہو سکتا تھا۔ بکری نے خود اپنی ٹانگیں پھیلا دیں، آپ نے جب بکری کے پستانوں کو ہاتھ لگایا تو بکری کے پستان دودھ سے بھر گئے اور برتن میں اس کا دودھ اس طرح بہنے لگا جیسے کسی برتن کو انڈیل دیا گیا ہو، فوراً برتن بھر گیا۔ آپ ﷺ نے وہ دودھ گھر والوں کو بھیجا، انہوں نے خوب پیٹ بھر کر پی لیا۔ پھر اپنے ساتھ تین آدمیوں کو پلایا، انہوں نے خوب سیر ہو کر دودھ پی لیا۔ آخر میں خود نوش فرمایا اور فرمایا: ''سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ'' (سنن ابنِ ماجہ، جلد ۱۰، ص: ۳۶۷) ''قوم کو پلانے والا شخص آخر میں پیتا ہے۔'' پھر دوبارہ اس برتن میں دودھ نکالا اور برتن بھر کر ام معبد کے پاس چھوڑ دیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کا قافلہ مدینہ منورہ کی طرف

روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ام معبد کا شوہر ابو معبد لاغر ترین بکریوں کو ہانکتا ہوا واپس پہنچا، بکریوں کی حالت ایسی تھی کہ صرف ان کے ڈھانچے تھے ان میں چربی کا نام ونشان نہ تھا۔ جب ابو معبد نے گھر میں دودھ دیکھا، حیران ہو کر پوچھا، یہ دودھ کہاں سے آیا ہے اے اِم معبد، ہمارے گھر تو دودھ والی کوئی بکری نہیں تھی اور ہماری بکریاں دور جنگل میں گھر سے غائب تھیں۔ ام معبد نے عرض کیا، اللہ کی قسم ایک مبارک آدمی یہاں سے گزرا، جس کی ایسی ایسی باتیں تھیں۔ پھر سارا قصہ بیان کیا تو ابو معبد کہنے لگا، اے ام معبد، مزید بیان کرو، اللہ کی قسم مجھے لگتا ہے یہ وہی شخص ہے جو قریش کو مطلوب ہے۔ ام معبد نے بیان کیا، ''میں نے ایک تابان ودرخشاں انسان دیکھا، عمدہ اخلاق، حسین، پرکشش اور تابناک چہرے والا، نہ پیٹ بڑھا ہوا نہ توندے پن کا عیب، نہ گنجے پن کی خامی، نہایت حسین و جمیل، آنکھوں کی سیاہی اور سفیدی دونوں نمایاں اور خوبصورت آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے، متوازن لمبی آنکھیں، ملی ہوئی اور لمبی بھنویں، دراز پلکیں، آواز میں چاشنی، سرمگیں آنکھیں، قدرے لمبی، سفید گردن، گھنی داڑھی، چمکدار اور کالے بال، جب خاموش ہوں تو باوقار، جب کلام فرمائیں تو چہرے کی رونق بلند، میٹھی گفتگو، کلام میں روانی، نہ بالکل جلدی اور نہ بالکل آہستہ، آپ کے کلمات ایسے منظم جیسے ہار کے موتی، لوگوں میں نہایت بارونق، دور سے نہایت جمیل اور قریب سے نہایت حسین نظر آنے والے، درمیانہ قد، نہ زیادہ طویل کہ ناگوار لگے، نہ زیادہ چھوٹے کہ نہ نگاہ میں جچے، نہایت متوازن قد مبارک ایسے جیسے دو شاخوں کے درمیان نکلتی ہوئی شاخ۔ تینوں ساتھیوں میں منظر میں زیادہ بارونق، اس کے ساتھی اس کو ہر وقت گھیرے رہتے ہیں، جب گفتگو فرمائیں نہایت غور سے سنتے ہیں، انہیں حکم کریں تو عمل کرنے میں جلدی کرتے ہیں اور

ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور نہ چہرے پر سستی اور نہ تیوروں کے بل۔ جب ام معبد آپ ﷺ کی محبت میں ڈوب کر محاسن نہایت فصاحت کے ساتھ بیان کر چکی تو ابو معبد نے کہا، اللہ کی قسم یہ وہی انسان ہیں جن کو قریش تلاش کر رہے ہیں، اگر میں انہیں پالیتا تو میں آپ کے ساتھ چلا جاتا، اب کوشش کروں گا کہ ان سے ملاقات کروں۔ (ہدایہ ونہایہ وسبل الہدی)

ام معبد کا مختصر تعارف:

- ام معبد کا نام عاتکہ تھا اور ابو معبد کا نام اکتم تھا۔ ام معبد عاتکہ بنت خلف یا عاتکہ بنت کعب بنی کعب ابن خزاعہ کے قبیلے سے تھیں اور ابو معبد اکتب ابن عبدالعزی بن معبد ابن ربیعہ دونوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اور ان کے تین بیٹے تھے معبد اور نضرۃ اور حنیدۃ ان کے اسلام لانے کا ذکر نہیں ملتا لیکن ظاہر ہے جب والدین اسلام میں داخل ہو گئے تو اولاد نے بھی اسلام قبول کیا ہو گا۔

مکہ مکرمہ میں غیب کی آواز:

- ابن اسحاق حضرت اسماء سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر نے بیان کیا، غار سے روانگی کے بعد ہم تین دن تک انتظار کرتے رہے، ہمیں معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ کہاں جا رہے ہیں حتٰی کہ مکہ کے اسفل سے ایک جنی آیا، اس نے عربی غنا کے ساتھ مکہ مکرمہ کی گلیوں میں درج ذیل اشعار پڑھے۔ جس جانب سے آواز آتی تھی لوگ اس جانب آواز کے پیچھے دوڑتے تھے مگر وہ جن نظر نہیں آتا تھا، حتٰی کہ وہ جن مکہ کی فوقانی جانب سے نکل گیا۔ اشعار یہ تھے:

جَزَى اللّٰهُ رَبُّ النَّاسِ خَيْرَ جَزَاءِهٖ
رَفِيْقَيْنَ حَلَّا فِيْ خَيْمَةِ اُمِّ مَعْبَدٖ
هُمَا نَزَلَا بِالْبِرِّ ثُمَّ تَرَوَّحَا
فَاَفْلَحَ مَنْ اَمْسٰى رَفِيْقَ مُحَمَّدٖ

لِيَهْنِ بَنِيْ كَعْبٍ مَكَانَ فَتَاتِهِمْ
وَ مَقْعَدُهَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ بِمَرْصَدٖ
سَلُوْا اُخْتَكُمْ عَنْ شَاتِهَا وَ اِنَاءِهَا
فَاِنَّكُمْ اِنْ تَسْئَلُوْ الشَّأةَ تَشْهَدٖ
دَعَا بِشَأةٍ حَائِلٍ فَتَحَلَّبَتْ
لَهٗ بِصَرِيْحٍ ضَرَّةِ الشَّأةِ مَزْبَدٖ

ترجمہ: ''اللہ لوگوں کا رب، اچھی جزا دے دونوں رفیق ام معبد کے خیمہ میں اترے ہیں۔ وہ اترے احسان کے ساتھ پھر شام کو چلے پس فلاح پائی اس نے جو محمد ﷺ کا رفیق سفر ہوا۔ بنی کعب کی خاتون کا مکان مبارک ہے اور اس خاتون کا مکان مومنوں کیلئے انتظار گاہ ہے۔ اپنی بہن سے سوال کرو اس کی بکری اور اس کے برتنوں کے متعلق پس اگر تم بکری سے سوال کرو گے وہ گواہی دے گی۔ آپ نے خشک بغیر دودھ والی بکری کو بلایا پس اس نے آپ کیلئے دودھ دیا بکری کے تھنوں میں دودھ بھر گیا۔'' (البدایہ والنہایہ، جلد ۳، ص: ۲۳۱)

- حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں، ان اشعار کو سن کر ہمیں معلوم ہوا کہ آپ ﷺ مدینہ منورہ جا رہے ہیں اور ام معبد کے خیمے سے تشریف لے گئے ہیں۔
- چنانچہ اس آواز کے بعد قریش ام معبد کے پاس پہنچے۔ ام معبد نے جواب دیا، ایسی صفات کے مالک لوگ ہمارے پاس تشریف لائے تھے اور ہماری لاغر اور کنواری بکری کا دودھ نکالا اور سب کو پلایا پھر تشریف لے گئے، معلوم نہیں کہاں گئے۔ قریش کہنے لگے، یہ وہی سرور دو عالم ﷺ ہیں۔

بریدہ اسلمی کے اسلام لانے کا قصہ:

- جب آپ ﷺ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے کہ اگلے دن مدینہ منورہ

میں داخل ہوناتھا،اچانک بریدہ اسلمی اسی (۸۰) آدمیوں کے ساتھ آپ کو روکنے کیلئے آپہنچا، وہ بھی سواونٹوں کی لالچ میں آپ کو روکنے آیا تھا مگر جب سرور دو عالم ﷺ کے سامنے آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا، تمہارا نام کیا ہے؟اس نے جواب دیا بریدۃ۔ آپ ﷺ نے فرمایا"بَرَدَ اَمْرُنَا" ہمارا امر ٹھنڈا ہو گیا۔ آپ نے نیک فال نکالی۔ پھر پوچھا کس قبیلے سے ہو؟اس نے جواب دیا، اسلم سے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، "سَلِمْنَا" ہمارے لئے سلامتی ہے۔ پھر پوچھا، کون سا اسلم؟اس نے جواب دیا، بنی سہم سے۔ آپ ﷺ نے ہنستے ہوئے فرمایا"خَرَجَ سَهْمُكَ" اتنی ہی بات چیت ہوئی تھی کہ بریدۃ نے پوچھا آپ کون ہیں؟آپ ﷺ نے جواب دیا: "رَسُوْلُ اللّٰهِ مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِاللّٰهِ" بریدۃ نے فوراً کہا: "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔"(سبل الہدی والرشاد، جلد۳، ص:۲۵۲)

- بریدہ اسلام لائے تو ان کے سارے ساتھی مسلمان ہو گئے اور سب نے عشاء کی نماز سرکار دو عالم ﷺ کی اقتدا میں ادا کی۔ صبح کے وقت جب آپ وہاں سے مدینے کیلئے روانہ ہونے لگے، حضرت بریدہ نے کہا، یارسول اللہ آج آپ مدینے میں داخل ہونے والے ہیں، میرا خیال ہے کہ آپ اس شان سے داخل ہوں کہ آگے آگے آپ کا جھنڈا لہرا رہا ہو۔ آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ حضرت بریدہ سمجھ گئے کہ آپ ﷺ اس پر راضی ہیں۔ بریدہ نے اپنا عمامہ کھولا اور اس کو ایک لمبے نیزے کے ساتھ جھنڈے کی طرح اس کو لہراتے ہوئے خود وہ اور ان کے ساتھی اونٹوں کے آگے آگے چلنے لگے۔

مدینہ منورہ میں داخل ہونا:

- مدینہ منورہ کے لوگ اور مدینہ منورہ کے مضافات میں واقع قبا بستی کے لوگ ان دنوں میں صبح صبح اپنے گھروں سے نکل جاتے اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ

آنے والے راستے پر انتظار کرتے رہتے، جوں جوں سورج بلند ہوتا جاتا، آپ ﷺ کی آمد کی امیدیں ماند پڑتی جاتیں۔ ستمبر کا مہینہ تھا اور شدید گرمی تھی ایسے موسم میں لوگوں کا سفر مشکل ہوتا تھا، اس لئے لوگ رات کا سفر کرتے تھے۔ اگر مسافر دوپہر سے پہلے اپنی منزل پر نہ پہنچ پاتے تو دوپہر کے وقت کسی سایہ دار چٹان یا درخت کے نیچے آرام کر لیا کرتے پھر شام کو سفر شروع کر دیتے، اس لئے روزانہ انتظار کرنے والے عشاق دوپہر تک انتظار کرتے پھر واپس لوٹ جاتے۔

- ایک دن اسی طرح انتظار کرنے کے بعد لوگ واپس لوٹ گئے تھے ایک یہودی اپنے بلند اور بالا قلعہ پر چڑھا تو اسے مکہ مکرمہ کے راستے پر چند آدمی آتے نظر آئے، اس نے بلند آواز سے پکارا "يَا بَنِيْ قَيْلَةَ (انصار) هٰذَا جَدُّكُمْ قَدْ جَاءَ" "اے انصار یہ تمہار دادا بے شک آگیا ہے۔" انصار یہودی کی آواز سنتے ہی استقبال کیلئے جمع ہونے لگے، تقریباً پانچ سو افراد جمع ہو گئے۔ اسی دوران سرور دو عالم ﷺ سواری سے اتر کر ایک کھجور کے درخت کے سائے میں ستانے کیلئے بیٹھ گئے۔ انصار بیان کرتے ہیں کہ سرور دو عالم ﷺ کو ہم میں سے اکثر لوگوں نے نہیں دیکھا تھا اور آپ کے ساتھ آپ کے ہم عمر ابو بکر صدیق بھی موجود تھے۔ سارے لوگ جمع تو ہو گئے مگر لوگ نہیں پہچانتے تھے کہ ان میں رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ جب کھجور کے درخت کا سایہ سرور دو عالم ﷺ سے زائل ہوا تو ابو بکر صدیقؓ نے آپ پر چادر تان کر سایہ کیا، انصار کو معلوم ہوا کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ چنانچہ سب نے سلام پیش کیا اور زوال کے بعد سرور دو عالم ﷺ قبا کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ انصار بلند آواز سے کہتے جاتے تھے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ جَاءَ مُحَمَّدٌ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ جَاءَ مُحَمَّدٌ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" آپ قبا میں کلثوم بن ہدم کے مکان پر اترے اور وہیں قیام فرمایا۔

کلثوم بن ہدم میز بانی میں نہایت مشہور تھے، چنانچہ اکثر مہاجرین ابتدا میں آپ کے پاس ٹھہرا کرتے تھے۔ آپ نہایت بوڑھے ہو چکے تھے اور سرورِ دو عالم ﷺ کی آمد کے چند دن بعد وفات فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۳، ص: ۲۴۰)

• حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے سرورِ دو عالم ﷺ پیر کے دن مکہ مکرمہ سے نکلے تھے اور پیر کے دن ہی مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے۔ اس روایت سے ظاہر ہے کہ مکہ مکرمہ سے خروج اور مدینہ منورہ میں دخول کے درمیان پندرہ دن کا عرصہ تھا تین دن غار ثور میں گذر گئے اور پھر ساحل سمندر کا راستہ اختیار فرمایا جو طویل راستہ ہے اس پر بارہ دن چلنے کے بعد قباء پہنچے۔ (بدایہ ونہایہ)

• مکہ مکرمہ سے آپ ﷺ کی روانگی کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ تین دن تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے اور حسب ارشاد سب لوگوں کی امانتیں واپس کر دیں اور پھر مدینے کیلئے روانہ ہو گئے اور آپ کلثوم بن ہدم کے گھر پہنچ گئے۔

• امام زہری کی روایت کے مطابق سرورِ دو عالم ﷺ قبا میں بنی عمرو ابن عوف کے پاس تقریباً بارہ دن مقیم رہے یعنی پیر سے دوسرے پیر کے بعد منگل بدھ اور جمعرات اور جمعہ تک قبا میں قیام فرمایا اور جمعہ کے دن قبا سے مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو گئے۔ بخاری میں زہری نے حضرت عروۃ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ علیہ وسلم اہل قبا میں دس اور کچھ دن مقیم رہے تھے۔ (بدایہ ونہایہ)

• اگر قباء تشریف لانے کے دن پیر سے دوسرے جمعہ تک قیام کے ایام کا اعتبار کیا جائے تو قیام بارہ دن بنتا ہے اور یہی قرین قیاس بھی ہے کیونکہ آپ نے قیام کے دوران مسجد قبا کی تعمیر بھی فرمائی اور دیگر امور بھی انجام دیئے۔ لہذا بارہ دن کی روایت قرین قیاس ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (رفیق حسنی)

• آپ ﷺ جب مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوئے، راستے میں بنی سالم بن عوف کی وادی رانوناہ میں آپ ﷺ نے نماز جمعہ ادا فرمائی اور قبا کے قیام کے دنوں میں آپ ﷺ نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔

• مسجد قبا کی تعمیر اور دیگر امور مساجد کے باب میں ذکر کئے جائیں گے۔

• قبا میں آپ ﷺ آٹھ ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوی / بیس ستمبر سنہ ۶۲۲ عیسوی بروز سوموار داخل ہوئے اور ایک جمعہ چھوڑ کر دوسرے جمعہ کے دن مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوئے (کتب سیرت)

• جب سرورِ دو عالم اونٹنی پر سوار ہونے لگے، اہل قبا نے عرض کیا یا رسول اللہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ ہم سے خدمت میں کوتاہی ہو گئی ہو، آپ ہم سے ناراض ہو کر جا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مجھے ایک ایسی بستی میں قیام کا حکم دیا گیا ہے جو سب بستیوں پر غالب آجائے گی، یعنی مدینہ منورہ۔

• زوال کے بعد بنی سالم ابن عوف کی وادی میں جمعہ پڑھانے کے بعد شہر کی طرف روانہ ہونے لگے، تو بنی سالم میں سے عتبان ابن مالک، عباس ابن عبیدہ اور دیگر افراد نے عرض کیا:

"ہَلُمَّ اِلَیْنَا اِلَی الْعَدَدِ وَ الْعُدَّۃِ وَالْمَنْعَۃِ قَالَ خَلُّوْا سَبِیْلَھَا فَاِنَّھَا مَأْمُوْرَۃٌ" (سیرت ابن کثیر، جلد ۲، ص: ۲۷۱)

ترجمہ: "یا رسول اللہ ہمارے ہاں تشریف لائیں آپ کیلئے ہمارے پاس دفاع کیلئے استعداد اور تعداد اور لشکر موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس اونٹنی کا راستہ چھوڑ دو اس کو حکم دیا گیا ہے کہ کہاں جانا ہے۔"

اونٹنی مدینہ منورہ کی گلیوں میں چلتی رہی، پانچ سو کے قریب صحابہ کرام دائیں بائیں آپ کے ساتھ چلتے رہے اور عورتیں گھروں کی چھتوں پر کھڑے ہو کر یہ منظر

دیکھتی رہیں۔ مدینہ منورہ میں تقریباً نو قبیلے رہائش پذیر تھے، ان کے نو محلے تھے۔ ہر ایک محلے کو اپنے آباؤ اجداد کے نام کی طرف منسوب دار فلان کہا جاتا تھا، مگر وہ دار پورا ایک محلہ ہوتا تھا جس میں ایک باپ کی اولاد رہتی تھی مثلاً دار بنی نجار میں نجار کی اولاد کی متعدد فیملیاں رہتی تھیں۔ چنانچہ آپ کی اونٹنی جب دار بنی بیاضہ کے سامنے سے گزرنے لگی، حضرت زیاد ابن لبید، فروہ ابن عمر دیگر افراد کے ساتھ مل کر عرض کرنے لگے، یارسول اللہ آپ ہمارے ہاں قیام فرمائیں، ہمارے پاس آپ کیلئے تعداد اور استعداد اور دفاع موجود ہے۔ آپ نے پھر فرمایا، اونٹنی کو جانے دو، اسے بتادیا گیا ہے کہ کہاں جانا ہے۔ جب دار بنی سعد سے گزرے تو حضرت سعد بن عبادہ اپنی قوم کے ساتھ مل کر عرض کرنے لگے، یارسول اللہ ہمارے پاس قیام فرمایئے۔ آپ نے وہی جواب دیا جو اس سے پہلے دیا تھا۔ جب دار بنی الحارث ابن الخزرج کے سامنے سے گزرے تو حضرت سعد ابن ربیع نے دعوت دی مگر آپ کا وہی جواب تھا۔ جب آپ کی اونٹنی عدی ابن النجار کے سامنے سے گزری، یہ لوگ آپ کے ننھیال لگتے تھے، کیونکہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے دادا حضرت عبدالمطلب کی ماں سلمٰی بنت عمرو اسی قبیلے سے تھیں، حضرت سلیط بن قیس اور آپ کی قوم نے اسی طرح درخواست کی جس طرح پہلے قبائل کر رہے تھے اور ساتھ یہ بھی کہا، یارسول اللہ ہم تو آپ کے ماموں لگتے ہیں۔ مگر سرور دوعالم ﷺ نے وہی جواب دیا جو دوسروں سے فرما رہے تھے۔ موسیٰ ابن عقبہ کی روایت میں ہے، راستے میں رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول کا گھر بھی تھا اور وہ گھر میں موجود تھا۔ وہ اس وقت انصار کے قبیلے خزرج کا رئیس اور سردار تھا۔ سرور دوعالم ﷺ اس کے گھر کے سامنے جا کر رک گئے اور انتظار کرنے لگے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے۔ اس بدبخت نے جواب دیا، آپ ان کے پاس چلے جائیں

جنہوں نے آپ کو بلایا ہے۔ آپ ﷺ نے انصار سے جب اس بات کا ذکر کیا تو حضرت سعد ابن عبادہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے ہم پر احسان فرمایا، اگر آپ تشریف نہ لاتے تو ہم اس عبداللہ کیلئے تاج شاہی بنا چکے تھے۔ یہ ہماری قوم کا بادشاہ ہوتا، مگر یہ نہ ہو سکا، اس لئے اس شخص نے گستاخی کی ہے، ہم معذرت کرتے ہیں۔ سرور دوعالم ﷺ جب دار بنی مالک ابن النجار کے سامنے گئے وہاں جا کر اونٹنی بیٹھ گئی۔ موسی ابن عقبہ کی روایت میں ہے، دار ابی ایوب کے دروازے پر اونٹنی بیٹھ گئی، لیکن آپ ﷺ اونٹنی سے نہیں اترے حتیٰ کہ پھر اٹھانے پر اونٹنی اٹھی، تھوڑی آگے جا کر پھر واپس آگئی اور اسی جگہ بیٹھ گئی جس جگہ پہلے بیٹھی تھی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی کی مہار چھوڑ رکھی تھی، مہار کھینچ کر آپ نے اس کو واپس نہیں کیا تھا۔ جب اونٹنی دوبارہ بیٹھی، اونٹنی نے گردن زمین پر رکھ دی اور اس طرح بلبلانے لگی جس طرح عاجزی کی وجہ سے اونٹ بلبلاتے ہیں۔ آپ علیہ الصلوۃ والسلام اتر گئے اور حضرت ابوایوب خالد بن زید انصاری نے پالان اتار کر اپنے گھر میں جا رکھا۔ آپ ابوایوب انصاریؓ کے گھر تشریف فرما ہو گئے۔

مسجد نبوی کیلئے زمین کا تعین:

- چونکہ مسجد کی ضرورت تھی اور ساتھ ہی خالی میدان پڑا تھا جس میں ببول کے درخت اور مشرکین کی قبریں موجود تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ جگہ کس کی ہے۔ حضرت ابن عفراء نے عرض کیا، یارسول اللہ! یہ جگہ دو یتیم بھائی سہل اور سُہیل (نافع ابن عمرو کے بیٹوں) کی ہے اور وہ میری کفالت میں ہوتے ہیں۔ آپ یہ زمین لے لیں میں ان کو راضی کر لوں گا۔ مگر سرور دوعالم ﷺ نے یہ زمین بلا معاوضہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس زمین کی قیمت دس دینار طے ہوئی اور وہ قیمت

حضرت ابو بکر صدیق نے ادا فرمادی۔ آپ نے اس جگہ پر مسجد کی تعمیر شروع فرمادی۔ (کتب سیرۃ)

● بنی نجار کے افراد پھر بھی امیدوار تھے کہ شاید آپ ﷺ ہمارے پاس قیام فرمائیں گے مگر آپ نے فرمایا:

"اَلْمَرْءُ مَعَ رَحْلِہٖ" (فتح الباری، جلد ۱۱، ص: ۲۳۶)

ترجمہ: "ہر آدمی اپنے سامان کے پاس ٹھہرتا ہے۔"

حضرت ابوایوبؓ کو اپنی میزبانی کا شرف بخش دیا۔

مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کی آمد کے سلسلہ میں اعلحضرت مولانا الشاہ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی خوبصورت تحریر:

● جب سرور دو عالم ﷺ مدینہ منورہ کی گلیوں سے گزر رہے تھے مرد اور عورتیں اور بچے نعرہ ہائے تکبیر لگا رہے تھے: "اَللّٰہُ اَکْبَرُ جَاءَ مُحَمَّدٌ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ" اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی نے اس مقام پر یہ کتنا خوبصورت تحریر فرمایا ہے: مدینہ منورہ میں حضور پر نور ﷺ کی تشریف آوری کی دھوم ہے، زمین و آسمان میں خیر مقدم کی صدائیں گونج رہی ہیں، خوشی و شادمانی ہے کہ در و دیوار سے ٹپکی پڑتی ہے، مدینے کے ایک ایک بچے کا چہرہ دمکتا انار دانہ ہو رہا ہے، باچھیں کھلی جاتی ہیں، دل ہیں کہ سینوں میں نہیں سماتے، سینوں پر جامہ تنگ، جاموں میں قبائے گل کا رنگ، نور ہے کہ چھما چھم برس رہا ہے۔ فرش سے عرش تک نور کا بقعہ بنا ہوا ہے۔ پردہ نشین کنواریاں شوق دیدار محبوب خدا میں گاتی ہوئی آتی ہیں کہ

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَا دَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ

ترجمہ: "چودھویں کا چاند نکل آیا وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر خدا کا شکر واجب ہے جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔"

انصار کی لڑکیاں گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر نعت کے یہ مصرعے پڑھ رہی تھیں:

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِی النَّجَّارِ
یَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ

ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں، کتنا اچھا ہوا کہ محمد ہمارے پڑوسی بن گئے۔

● آپ ﷺ لڑکیوں سے پوچھتے ہیں کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟ وہ عرض کرتی ہیں: جی ہاں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں: اللہ کی قسم مجھے بھی تم سے محبت ہے۔ (دلائل النبوۃ، جلد ۲، ص: ۳۶۴)

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان کی تاریخی حیثیت قبل از ہجرت:

● حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان حقیقت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مکان تھا۔ بظاہر سرور دو عالم ﷺ حضرت ابوایوب کے مکان میں ٹھہرے رہے وہ مکان حضرت ابوایوبؓ کا تھا مگر در حقیقت وہ مکان سید العالمین ﷺ کا اپنا تھا۔ وہ اس طرح کہ آپ ﷺ کی بعثت سے ایک ہزار سال پہلے تبع ابن حسان یمن کا عظیم بادشاہ گزرا تھا، وہ زبور کا جاننے اور ماننے والا تھا اور بہت نیک انسان تھا۔ تقریباً ڈھائی لاکھ انسانوں کے ساتھ مکہ مکرمہ حاضر ہوا اور کعبۃ اللہ پر ریشمی غلاف چڑھایا، واپسی پر جب اس جگہ سے گزرا جہاں اب مدینہ طیبہ ہے، اس کے ساتھ سفر کرنے والے چار سو بڑے بڑے علماء نے اسے بتایا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں نبی آخر الزمان ﷺ جن کا نام احمد ہو گا مکہ سے ہجرت کر کے آباد ہوں گے، لہٰذا ہم یہاں رہنا چاہتے ہیں، ہو سکتا ہے آپ کو پالیں اور آپ پر ایمان لے آئیں۔ بادشاہ نے فرمایا اجازت ہے، اس نے ہر ایک عالم کی رہائش کیلئے ایک مکان تعمیر کرایا اور

ہر ایک کو ایک ایک کنیز دے دی۔ اور ایک مکان سرورِ دو عالم ﷺ کیلئے بنوایا۔

- یمن کی طرف روانہ ہونے سے پہلے تبع بادشاہ نے سرورِ دو عالم ﷺ کے نام ایک خط لکھا، وہ خط سونے کی ڈبیہ میں بند کر کے اور مکان کی چابیاں چار سو علماء میں سے بڑے عالم کو دیں اور وصیت کی کہ اگر آپ کی زندگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں تو یہ مکان اور خط ان کو دے دینا، ورنہ اپنی اولاد کو وصیت کرنا کہ یہ مکان اور خط اولاد کے بعد اولاد ان کو دے دیں۔ چنانچہ نسلاً بعد نسل خط اور مکان منتقل ہوتا رہا، حتّٰی کہ وہ حضرت ابو ایوب انصاری جو اس عالم کی اولاد سے تھے، ان تک پہنچا۔ جب سرورِ دو عالم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں نبوت کا اعلان فرمایا تھا، انصار میں سے کچھ لوگ آپ پر ایمان لے آئے تھے، ان میں حضرت ابو ایوب انصاری بھی تھے۔ سرورِ دو عالم ﷺ جب قباء میں قیام پذیر تھے، تو حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے وہ خط ابو یعلی کے ہاتھ سرورِ دو عالم ﷺ کو بھجوایا۔ جب ابو یعلی سرورِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا، آپ ﷺ نے دیکھتے ہی پوچھا: تم ابو یعلی ہو اور تبع کا خط لے کر آئے ہو۔ ابو یعلی حیران ہو کر عرض کرتا ہے، آپ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" (میں محمد، اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ خط لاؤ۔ ابو یعلی نے خط پیش کیا۔ آپ نے پڑھا تو آپ نے فرمایا: "مَرْحَبًا بِتُبَّعِ الْاَخِ الصَّالِحِ" (میرے نیک بھائی تبع کو خوش آمدید)۔

(سید الوری، قرطبی، روح البیان، تفسیر آلوسی، جلد ۱۸، ص: ۴۶۷)

- اسی لئے جب آپ ﷺ مدینہ منورہ میں آئے تو آپ کو حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے اسی مکان میں ٹھہرایا جو آپ کا اپنا تھا۔

تبع کا خط:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِلٰی مُحَمَّدِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ نَبِیِّ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ وَ رَسُوْلِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ تُبَّعِ الْاَوَّلِ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّیْ آمَنْتُ بِكَ وَ بِكِتَابِكَ الَّذِیْ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَیْكَ وَ اَنَا عَلٰی دِیْنِكَ وَ سُنَّتِكَ وَ آمَنْتُ بِرَبِّكَ وَ رَبِّ كُلِّ شَیْءٍ وَ آمَنْتُ بِكُلِّ مَا جَاءَ مِنْ رَّبِّكَ مِنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ وَ اِنِّیْ قَبِلْتُ ذَالِكَ فَاِنْ اَدْرَكْتُكَ فَبِهَا وَ نِعْمَتْ وَ اِنْ لَّمْ اُدْرِكْكَ فَاشْفَعْ لِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا تَنْسَنِیْ فَاِنِّیْ مِنْ اُمَّتِكَ الْاَوَّلِیْنَ وَ بَایَعْتُكَ قَبْلَ مَجِیْئِكَ وَ قَبْلَ اِرْسَالِ اللّٰهِ تَعَالٰی اِیَّاكَ وَ اَنَا عَلٰی مِلَّتِكَ وَ مِلَّةِ اَبِیْكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ (قرطبی)

ترجمہ: "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ محمد ابن عبد اللہ، اللہ کے نبی اور اللہ کے رسول خاتم النبیین اور رب العالمین کے رسول ﷺ کی طرف اوّل تبع کی جانب سے۔ اما بعد، پس بیشک میں ایمان لایا آپ کے ساتھ اور اس کتاب کے ساتھ جو آپ پر اللہ تعالیٰ نازل فرمائے گا اور میں آپ کے دین اور آپ کی سنت پر ہوں اور میں آپ کے ربّ اور ہر شے کے رب کے ساتھ ایمان لایا ہوں اور میں ایمان لایا اسلام کے احکام میں سے ہر اس چیز کے ساتھ جو آپ اپنے رب کی طرف سے لائے۔ پس اگر میں نے آپ کو پالیا تو بہت اچھا اور اگر آپ کو نہ پاسکا تو پس آپ میرے لیے قیامت کے دن شفاعت فرمانا اور مجھے نہ بھولنا۔ میں نے اس کو قبول کیا کیونکہ یقیناً میں آپ کی امتوں سے پہلا امتی ہوں اور میں نے آپ کے آنے سے پہلے آپ کی بیعت کر لی ہے اور میں آپ کی ملت اور آپ کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر ہوں۔"

بعض روایتوں میں یہ شعر بھی خط میں لکھے گئے تھے:

شَہِدْتُ عَلٰی اَحْمَدَ اَنَّہٗ
رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰہِ بَارِیُ النَّسَمِ
فَلَوْ مُدَّ عُمُرِیْ اِلٰی عُمُرِہٖ
لَکُنْتُ وَزِیْرًا لَّہٗ وَابْنَ عَمٍّ۔

ترجمہ: ”میں گواہی دیتا ہوں احمد پر بیشک وہ اللہ کے رسول ہیں جو باری النسم ہے پس اگر آپ کی آمد تک میری عمر لمبی ہو گئی تو میں آپ کا وزیر ہوں گا اور آپ کا چچا زاد بھائی (مدد کرنے والا)۔“ (البدایہ والنہایہ، جلد ۲، ص: ۲۰۴)

- اس کے بعد خط پر مہر لگائی جس کا نقش یہ تھا: ”لِلّٰہِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ“

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ کیلئے ہی ہے امر پہلے اور بعد میں“۔

- ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

”لَا تَسُبُّوْا تُبَّعًا فَاِنَّہٗ کَانَ رَجُلًا صَالِحًا۔“

ترجمہ: ”تبع کو گالی نہ دو کیونکہ وہ صالح آدمی تھا۔“

(تفسیر طبری، جلد ۲۲، ص: ۴۰۔ تفسیر قرطبی، جلد ۱۶، ص: ۱۴۶)

- اور ایک روایت میں ہے:

”لَا تَسُبُّوْا تُبَّعًا فَاِنَّہٗ قَدْ اَسْلَمَ“

ترجمہ: ”تبع کو گالی نہ دو بے شک وہ اسلام لا چکا تھا۔“

(مسند احمد، جلد ۵، ص: ۳۴۰)

تبع بادشاہ کا تعارف:

- بعض روایات میں تبع کا قصہ اس طرح ہے کہ اس تبع کی کنیت ابو کرب اور نام اسعد تھا۔ یمن سے یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے اور فتح کرنے کے ارادہ سے آیا تھا۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ مشہور مؤرخ ابن اسحاق نے بیان کیا کہ

کتاب المبدء اور قصص الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں لکھا ہے کہ جس تبع کا قرآن میں ذکر ہے، اس سے مراد تبع اول ہے جو شرق اور غرب کا بادشاہ تھا۔ جب یہ تبع مکہ مکرمہ پہنچا۔ اہل مکہ نے اس کی تعظیم اور تکریم نہ کی۔ تبع نے اپنے وزیر سے کہا یہ کون سا شہر ہے اور کون سی قوم ہے کہ انہوں نے میری تعظیم نہیں کی جبکہ سارے جہان کے لوگ میری اطاعت اور خدمت کرتے ہیں؟ وزیر نے کہا: یہ مکہ ہے، ان اہل مکہ کے پاس خانہ خدا ہے، جسے کعبہ کہا جاتا ہے، یہاں اللہ کے گھر کے جوار میں ہونے کی وجہ سے یہ لوگ فخر کرتے ہیں اور بادشاہوں کی خدمت نہیں کرتے۔ اپنے آپ کو برتر سمجھتے ہیں۔

- تبع نے دل میں نیت کر لی کہ وہ کعبہ کو گرادے گا، اہل مکہ کو قتل کر دے گا اور ان کی عورتوں کو قیدی اور کنیز بنادے گا۔ ابھی نیت کرنے سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے سر کے شدید درد میں مبتلا کر دیا۔ اسے کعبہ گرانے کی طاقت نہ رہی اور اس کے کانوں، آنکھوں اور ناک سے بدبودار پیپ بہنے لگا۔ حتیٰ کہ کوئی شخص اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔ اطباء اس کے علاج سے عاجز آ گئے۔ کہنے لگے، یہ بیماری لاعلاج ہے، اس کا علاج نہیں ہو سکتا۔ اسی دوران ایک دانشمند عالم صالح آدمی تشریف لائے، انہوں نے بادشاہ سے پوچھا کہ مجھے آپ اپنا بھید اور راز بتادیں تو میں اس مرض کا علاج کروں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں نے اس شہر میں اس طرح کا ارادہ کیا تھا اور جوں ہی ارادہ کیا مجھے یہ مرض لاحق ہو گیا۔ صالح آدمی نے کہا، یہی وجہ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اہل مکہ اللہ کے گھر کے پڑوسی ہیں، جو شخص تخریب کا ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتا ہے۔ تم اس ارادہ سے توبہ کر لو اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو، انشاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گے۔ چنانچہ اس بادشاہ نے توبہ کر لی اور اسلام قبول کر لیا۔ فوراً اللہ تعالیٰ نے

اسے شفاء عطا فرمائی۔ تبع حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آیا، کعبہ پر ریشمی غلاف چڑھایا، پھر مدینہ منورہ پہنچا۔ باقی قصہ اُسی طرح ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان کی تاریخی حیثیت بعد از ہجرت:

● حضرت ابوایوب انصاری امیر المؤمنین حضرت علیؓ کی خلافت کے دور میں مدینہ منورہ کے گورنر تھے مگر حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان مسئلۂ تحکیم کے بعد حضرت معاویہؓ نے ہر شہر کیلئے اپنے گورنر مقرر کر کے بھیج دیئے۔ مدینہ منورہ کیلئے حضرت معاویہؓ کی جانب سے گورنر جب مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت ابوایوب انصاریؓ کوفہ حضرت علیؓ کی طرف چلے گئے اور گورنری چھوڑ دی۔ تاکہ مدینہ منورہ میں قتال اور خونریزی نہ ہو۔ اسی دوران آپ نہایت تنگدستی کا شکار ہو گئے تھے۔ آپ نے حضرت عبداللہ ابن عباسؓ (جو کہ حضرت علیؓ کی طرف سے بصرہ کے گورنر تھے) کے پاس تشریف لے گئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اپنے گھر سے دوسری جگہ منتقل ہو گئے اور اپنا گھر حضرت ابوایوب انصاریؓ کے قیام کیلئے خالی کر دیا، جس طرح حضرت ابوایوب انصاریؓ نے اپنا گھر رسول اللہ ﷺ کیلئے خالی کر دیا تھا اور حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے گھر میں موجود جو کچھ بھی تھا، حضرت ابوایوب انصاریؓ کو ہدیہ کر دیا۔ جب حضرت ابوایوب انصاریؓ مدینہ منورہ واپس جانے لگے تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے گھر کے سامان کے علاوہ بیس ہزار درہم یا دینار اور چالیس غلام کا ہدیہ بھی پیش کیا۔

● مدینہ منورہ میں حضرت ابوایوبؓ کا وہ مکان جس میں آپ ﷺ نے سات ماہ تک قیام فرمایا تھا، حضرت ابوایوب انصاریؓ کی وفات کے بعد آپ کے غلام افلح کے پاس رہا اور افلح سے مغیرہ ابن عبدالرحمٰن نے ایک ہزار درہم میں خرید لیا اور گھر کی دیواروں وغیرہ کی درستگی کے بعد انہوں نے وہ مکان مدینہ منورہ کے فقراء

کیلئے وقف کر دیا۔ (بدایہ ونہایہ، ص ۵۹۰، ج ۲)

● میں (مفتی محمد رفیق حسنی) جب ۱۹۸۴ء میں حج کیلئے گیا اور حج کے بعد مدینہ منورہ پہنچا تو مسجد نبوی سے مشرق میں جنت البقیع کی جانب اکثر مکان جو سرورِ دو عالم ﷺ کے زمانہ سے بنائے ہوئے تھے، موجود تھے اور گنبد خضراء سے قبلہ کی جانب تقریباً گنبد کی محاذات میں حضرت ابوایوب انصاریؓ کا وہ مکان بھی موجود تھا جس میں آپ ﷺ نے سات ماہ قیام فرمایا تھا۔ پھر ۱۹۸۶ء میں حج کیلئے گیا اور پھر اس کے بعد عمروں پر جاتا رہا۔ سعودی حکومت نے مسجد نبوی کی توسیع کی وجہ سے باقی سارے مکان گرادیئے تھے مگر حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مکان موجود رہا اور حاضرین اس کی زیارت کرتے رہے۔ سنا ہوا تھا کہ کسی اسلامی حکومت نے اس مکان کے گرانے سے سعودی حکومت کو منع کیا تھا مگر بعد میں وہ مکان بھی گرادیا گیا، افسوس یہ ہے کہ اس جگہ نشان بھی نہیں چھوڑا گیا تاکہ مسلمان اپنے رسول اللہ ﷺ کے قیام کی جگہ دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتے۔ (مفتی محمد رفیق حسنی)

● واقدی نے ذکر کیا کہ جب سرورِ دو عالم ﷺ حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر مقیم ہو گئے تو اسعد ابن زرارہ آپ کی اونٹنی گھر لے گیا اور ایک روایت جو مجھے یاد پڑتی ہے، حضرت سعد ابن عبادہ نے بھی عرض کیا تھا: یارسول اللہ! آپ نے ہمارے پاس قیام تو نہیں فرمایا، آپ اپنی اونٹنی مجھے اپنے گھر لے جانے کی اجازت دے دیں تاکہ میں اس کی خدمت کروں اور برکت حاصل کروں۔ (کتب سیرۃ)

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا حضور ﷺ کی میزبانی کا انداز:

● حضرت ابوایوب انصاریؓ بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ نے میرے مکان میں رہائش فرمائی تو آپ نے نیچے کے حصہ میں رہائش فرمائی، میں اور ام ایوب (زوجہ) اوپر والے حصہ میں تھے۔ مکان دو منزلہ تھا۔ حضرت ابوایوبؓ بیان

کرتے ہیں رات کو مجھے خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ نیچے ہیں اور ہم آپ ﷺ کے سر مبارک کے اوپر چل رہے ہیں، رات بھر ہم میاں بیوی مکان کے ایک کونے میں سمٹ کر لیٹے رہے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، میں ناپسند کرتا ہوں اور اس بات کو بہت برا سمجھتا ہوں کہ میں آپ کے اوپر رہوں اور آپ نیچے۔ آپ اوپر تشریف لے جائیں اور ہم نیچے والے حصہ میں رہیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوایوب! میرے لئے اور مجھے ملنے والوں کیلئے نیچے کا حصہ مناسب ہے۔ ابوایوب ؓ نے عرض کیا: اب میں اس چھت پر نہیں جاؤنگا جس چھت کے نیچے آپ ہوں گے۔ اس کے بعد آپ ﷺ اوپر تشریف لے گئے اور ابوایوب ؓ نیچے رہنے لگے۔ افلح کہتے ہیں ابوایوب ؓ روزانہ آپ کیلئے کھانا بناتے تھے اور آپ کو بھیجتے تھے۔ جب برتن واپس آتے تو ابوایوب ؓ سالن کے برتن سے اس جگہ کو تلاش کرتے جس جگہ کھانے کو سرورِ دوعالم ﷺ کی انگلیوں نے مس کیا ہوتا تھا۔ اسی جگہ پس خوردہ تناول فرماتے۔ ایک دن کھانے میں لہسن ڈالا گیا تھا۔ برتن واپس آئے۔ ابوایوب ؓ نے افلح غلام سے پوچھا: آپ کی مبارک انگلیاں کہاں لگی تھیں؟ خادم نے عرض کیا: آج رسول اللہ ﷺ نے کھانا نہیں کھایا۔ ابوایوب ؓ گھبرا گئے۔ حاضر ہوئے اور عرض کیا: کیا یہ لہسن حرام ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں مگر میں ایسا کھانا پسند نہیں کرتا جس میں لہسن ہو۔ آپ نے فرمایا: کیونکہ میں ان (فرشتوں) سے باتیں کرتا ہوں جن سے تم بات نہیں کرتے۔ (بدایہ ونہایہ)

- حضرت زید ابن ثابت سے روایت ہے، پہلا کھانا جو آپ ﷺ کو ہدیہ کیا گیا جب آپ ابوایوب ؓ کے گھر میں تھے، وہ میرا کھانا تھا جو میں ایک پیالے میں لایا تھا۔ گھی اور دودھ میں روٹی کی ثرید بنی ہوئی تھی۔ میں نے عرض کیا: میری امی نے یہ

کھانا بھیجا ہے۔ آپ نے فرمایا: "بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ" پھر آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو بلایا اور کھانا کھایا پھر سعد ابن عبادہ کے گھر سے کھانا لایا گیا جو پیالہ میں ثرید اور گوشت کی صورت میں تھا۔ حضرت زید بن ثابت بیان کرتے ہیں: کوئی رات ایسی نہیں ہوتی تھی مگر آپ کے دروازے پر تین چار لوگ کھانا لے کر کھڑے ہوتے تھے۔ آپ ﷺ کا قیام حضرت ابوایوب ؓ کے گھر میں سات ماہ رہا۔ اسی دوران مسجد کے ساتھ آپ ﷺ کی رہائش کیلئے کمرے بن گئے تھے۔

- اسی دوران جب کمرے بن گئے، آپ ﷺ نے حضرت زید ابن حارثہ اور حضرت ابورافع کو دو اونٹوں اور پانچ سو درہم کے ساتھ مکہ مکرمہ بھیجا تاکہ سیدہ فاطمہ، سیدہ ام کلثوم (آپ کی بیٹیاں)، سیدہ سودہ بنت زمعہ (آپ کی زوجہ) رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور حضرت اسامہ ابن زید ؓ کو لے آئیں۔ یاد رہے آپ ﷺ کی بیٹی سیدہ رقیہ، حضرت عثمان کے ساتھ پہلے ہی آچکی تھیں جبکہ آپ کی بیٹی سیدہ زینب اپنے شوہر ابوالعاص بن ربیع کے پاس مکہ مکرمہ میں تھیں۔
- جب مکہ مکرمہ سے یہ قافلہ روانہ ہونے لگا تو ان کے ساتھ حضرت زید ابن حارثہ کی بیوی سیدہ ام ایمن اور حضرت عبداللہ ابن ابی بکر، حضرت ابوبکر ؓ کے عیال کے ساتھ (جن میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ بھی تھیں جن کی ابھی تک رخصتی نہیں ہوئی تھی) بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے۔ (بدایہ ونہایہ)
- قارئین ہجرت کے واقعات سے خود اندازہ کریں کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے اسلام کیلئے کتنی مشقتیں اٹھائیں۔ گھر، وطن اور بچوں کو چھوڑ اور بے سروسامان دوسرے شہر آکر آباد ہوئے۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ۔

خاک پائے اہلِ ایمان

محمد رفیق حسنی عفی عنہ

مسجدِ نبوی ﷺ

مسجد الرسول ﷺ کے فضائل

فضائل:

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْہِ۔ فِیْہِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَہَّرُوْا وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الْمُطَّہِّرِیْنَ۔ (توبہ:۱۰۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یقیناً مسجد جس کی بنیادیں پہلے دن سے تقوی پر رکھی گئی ہیں زیادہ حقدار ہے کہ تو اس مسجد میں (عبادت کیلئے) قیام کرے۔ اس مسجد میں آدمی نہایت پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نہایت پاکیزگی حاصل کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فِیْ بَیْتٍ لِبَعْضِ نِسَائِہٖ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْمَسْجِدَیْنِ الَّذِیْ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی؟ قَالَ فَاَخَذَ کَفًّا مِنْ حَصَبَاءٍ فَضَرَبَ بِہِ الْاَرْضَ ثُمَّ قَالَ ہُوَ مَسْجِدُکُمْ ہٰذَا لِمَسْجِدِ الْمَدِیْنَةِ۔ (تفسیر الخازن، جلد ۳، ص: ۳۴۳۔ وفاء الوفاء، ۲۰ بحوالہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا میں آپ کی بعض بیویوں کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا پس میں نے عرض کیا یارسول اللہ! دو مسجدوں (قباء اور مسجد نبوی) میں سے کونسی مسجد کی تقویٰ پر بنیاد رکھی گئی ہے؟ ابو سعید بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے مسجد کی کنکریوں سے ایک مٹھی اٹھائی پھر اس کو زمین پر پھینکا۔ پھر فرمایا: وہ تمہاری یہی مسجد ہے یعنی مدینہ کی مسجد کیلئے فرمایا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِیْ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ (صحیح بخاری، جلد ۴، ص: ۴۹۱۔ وفاء الوفاء بحوالہ بخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے مگر تین مساجد: میری مسجد اور مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ۔

نوٹ: یہاں حدیث میں مستثنیٰ منہ مساجد ہیں کیونکہ استثناء میں اصل متصل ہونا ہے اور استثناء منقطع مجاز ہے۔ اصل کے امکان کے وقت مجاز مراد نہیں ہوتا لہٰذا اولیاء کرام کے مزارات کی طرف سفر ممنوع نہیں ہوگا۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ صَلٰوۃٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلَاۃٍ فِیْ مَا سِوَاہُ مِنَ الْمَسَاجِدِ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ۔ (رواہ البخاری) وَ فِیْ مُسْلِمٍ فَاِنِّیْ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاِنَّ مَسْجِدِیْ آخِرُ الْمَسَاجِدِ۔ (صحیح بخاری، جلد ۱، ص: ۳۹۸)

ترجمہ: ”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوائے مسجد حرام کے اور مسلم کی روایت میں ہے بیشک میں انبیاء میں سے آخری نبی ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مساجد سے آخری مسجد ہے۔“

- علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں ذکر کیا ہے کہ سب سے زیادہ صحیح روایت کے مطابق مسجد اقصیٰ کی نسبت سے مسجد المدینہ میں ایک نماز کا ایک ہزار نماز سے ثواب زیادہ ہے اور مسجد الاقصیٰ میں نماز کے ثواب کے متعلق تین روایتیں ہیں:

ایک یہ کہ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز دوسرے انبیاء کی مساجد کی نسبت سے پانچ سو نماز کے برابر ہے اور ایک روایت میں ہے ایک ہزار اور ایک روایت میں ہے کہ مسجد اقصیٰ میں ایک نماز دوسری مساجد کی نسبت سے پچاس ہزار کے برابر ہے۔ اگر پہلی اصح روایت لے لی جائے تو مسجد المدینہ کی ایک نماز مساوی ایک ہزار نماز مسجد اقصیٰ جو کہ پانچ سو کے برابر ہے، میں ضرب دیں تو پانچ لاکھ نماز کا ثواب بنتا ہے اور اگر دوسری روایت لیں تو ہزار نماز کو ایک ہزار نماز میں ضرب دیں، حاصل ضرب دس لاکھ بنتا ہے۔ یعنی مسجد المدینہ المنورہ میں ایک نماز کا ثواب دوسرے شہروں کی مساجد کی نسبت سے دس لاکھ نماز کے برابر ہوگا۔ اور اگر آخری روایت کو لے لیں تو ایک ہزار کو پچاس ہزار میں ضرب دینے سے پانچ کروڑ کا ثواب بنتا ہے۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ اوسع۔ (مفتی رفیق حسنی)

- اور ”الا المسجد الحرام“ کے استثنا میں بعض مالکی علماء بیان فرماتے ہیں، اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسجد المدینہ میں ایک نماز کا ثواب باقی مساجد کی نسبت سے تو ایک ہزار نماز کے ثواب کے برابر ہے مگر مسجد حرام میں ایک ہزار سے کم کی نسبت ہے۔ یعنی مسجد حرام میں مثلاً نو سو نمازوں سے مسجد المدینہ کی نماز کا زیادہ ثواب ہے۔ لہٰذا ہر صورت میں مسجد المدینہ میں زیادہ ثواب ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسجد المدینہ سید ولد آدم سرورِ دو عالم ﷺ کے جوار اور پڑوس میں ہے اور یہ نسبت مسجد الحرام کو حاصل نہیں۔ لہٰذا عقل کا تقاضا ہے کہ مسجد المدینہ میں سب مساجد سے حتیٰ کہ مسجد الحرام کی نمازوں سے بھی زیادہ ثواب ہو۔

(خلاصہ از وفاء الوفاء)

عَنْ زَیْدِ ابْنِ اَسْلَمَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ مَنْ دَخَلَ مَسْجِدِیْ ھٰذَا لِصَلٰوۃٍ اَوْ لِذِکْرِ اللہِ اَوْ یَتَعَلَّمُ خَیْرًا اَوْ یُعَلِّمُہٗ کَانَ بِمَنْزِلَۃِ

اَلْمُجَاهِدِ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ۔ (وفاءالوفاء، ص۲۸، ج۲)

ترجمہ: اس حدیث کے راوی حضرت زید ابن اسلم ہیں۔ وہ فرماتے ہیں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میری اس مسجد میں نماز کیلئے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے داخل ہوا یا اس مسجد میں اچھے امور کا علم سیکھا یا سکھا یا وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں مجاہد کی طرح ہے۔

عَنْ بِلَالِ ابْنِ الْحَارِثِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ رَمَضَانُ بِالْمَدِيْنَةِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ رَمْضَانَ فِيْمَا سِوَاهَا مِنَ الْبُلْدَانِ وَ جُمْعَةٌ بِالْمَدِيْنَةِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ جُمْعَةٍ فِيْمَا سِوَاهَا مِنَ الْبُلْدَانِ۔

(المعجم الکبیر للطبرانی، جلد ۱، ص: ۴۹۳۔ وفاءالوفاء بحوالہ طبرانی کبیر)

ترجمہ: بلال ابن الحارث نے بیان کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، مدینہ منورہ میں رمضان، مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں کے ہزار رمضانوں سے بہتر ہے اور مدینہ منورہ میں جمعہ دوسرے شہروں کے ہزار جمعوں سے بہتر ہے۔

عَنْ مَالِكِ ابْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِيْ اَرْبَعِيْنَ صَلَاةً لَا يَفُوْتُهُ صَلٰوةٌ كُتِبَ لَهُ بَرَاْۃٌ مِنَ النَّارِ وَ نَجَاةٌ مِنَ الْعَذَابِ۔ (المعجم الاوسط للطبرانی، جلد ۱۲، ص: ۸۰۔ وفاءالوفاء بحوالہ طبرانی، ص۲۸)

ترجمہ: "حضرت مالک ابن انس نے بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح ادا کیں کہ اس سے کوئی نماز فوت نہیں ہوئی، اس کیلئے جہنم کی آگ اور عذاب سے اور نفاق سے براءۃ لکھ دی جائے گی۔

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ ابْنِ سَهْلٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مَنْ خَرَجَ عَلٰى طُهْرٍ لَا يُرِيْدُ اِلَّا مَسْجِدِيْ هٰذَا (يُرِيْدُ مَسْجِدَ الْمَدِيْنَةِ) لِيُصَلِّيَ

فِيْهِ كَانَتْ لَهُ بِمَنْزِلَةِ حَجَّةٍ۔

(شعب الایمان للبیہقی، جلد ۹، ص: ۲۲۴۔ وفاءالوفاء، ص۲۸، بحوالہ بیہقی)

ترجمہ: حضرت سہل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا جو شخص وضو کے ساتھ گھر سے نکلا اس کا ارادہ میری مسجد (مسجد مدینہ) کے علاوہ نہیں تاکہ اس میں نماز پڑھے اس کیلئے نماز حج کے برابر ہو گی۔

عَنْ شَهْرِ ابْنِ حُوْشَبٍ عَنْ عَبْدِاللهِ قَالَ سَكَنُ الْخِضْرِ بَيْتُ الْمُقَدَّسِ فِيْمَا بَيْنَ بَابِ الرَّحْمَةِ اِلٰى بَابِ الْاَسْبَاطِ وَ هُوَ يُصَلِّيْ فِيْ كُلِّ جُمْعَةٍ فِيْ خَمْسَةِ مَسَاجِدَ: اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَسْجِدِ الْمَدِيْنَةِ وَ مَسْجِدِ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَ مَسْجِدِ قُبَاءَ وَ يُصَلِّيْ كُلَّ لَيْلَةِ جُمْعَةٍ فِيْ مَسْجِدِ الطُّوْرِ وَ يَأْكُلُ كُلَّ جُمْعَةٍ اُكْلَتَيْنِ مِنْ كُمْأَةٍ وَ كَرْفَسٍ وَ يَشْرَبُ مَرَّةً مِنْ زَمْ زَمَ وَ مَرَّةً مِنْ جُبِّ سُلَيْمَانَ الَّذِيْ بِبَيْتِ الْمُقَدَّسِ مِنْ عَيْنِ سَلْوَانَ۔ (اخبار مدینہ ابن نجار، ص۱۱۸)

ترجمہ: حضرت عبداللہ نے بیان کیا خضر علیہ السلام کی رہائش بیت المقدس میں باب الرحمت سے باب الاسباط تک کے علاقہ میں ہے اور وہ ہمیشہ ہر جمعہ کے دن پانچ مسجدوں میں سے کسی ایک میں نماز ادا کرتا ہے۔ مسجد حرام، مسجد المدینہ، مسجد بیت المقدس، مسجد قباء اور ہر جمعہ کی رات مسجد طور میں نماز پڑھتا ہے اور ہر جمعہ یا ہفتہ میں دو لقمے کھاتا ہے ایک لقمہ کھمبی سے اور ایک لقمہ کرفس (اجوائن) سے اور ہر جمعہ میں ایک مرتبہ زم زم سے پانی پیتا ہے اور ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام کے کنویں سے جو بیت المقدس میں سلوان کا چشمہ ہے۔

نوٹ: مساجد مبارکہ مسجد الحرام اور مسجد المدینہ اور مسجد الاقصیٰ اور مسجد قبا کے مزید فضائل ہماری کتاب "رفیق المناسک" اور اس کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسجدِ نبوی کا مختصر تعارف

- مسجد نبوی شریف کی ماضی میں کئی بار توسیع اور تعمیر ہوئی۔ توسیع اور تعمیر نو کے چودہ صدیوں پر محیط عمل نے مسجد شریف کو موجودہ شکل اور وسعت دی ہے۔ اس وقت عالم اسلام میں اس سے بڑی اور عالیشان کوئی مسجد نہیں ہے۔ آخری توسیعی منصوبہ کی تکمیل کے بعد مسجد جدید ترین سہولیات سے آراستہ اسلامی فنِ تعمیر کا ایک محیر العقول عجوبہ بن چکی ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ مسجد بے شمار ایوانوں پر مشتمل ہے جو محرابی ڈاٹوں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ تمام دالان مضبوط ستونوں پر قائم ہیں۔ جس طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں محراب ہی محراب نظر آتے ہیں۔ یہ محراب خط مستقیم کی شکل میں حد نگاہ تک قطار در قطار پھیلے نظر آتے ہیں۔ پچھلے اور نئے تعمیر شدہ حصہ کی چھت پرانی عمارت سے کافی بلند ہے لیکن دونوں حصوں کے فرش کی سطح برابر برابر ہے اس کے ستون آہنی سلاخوں اور سریوں کو کنکریٹ (آر سی سی) کے ساتھ ملا کر بنائے گئے ہیں، جن پر ہلکے رنگ کا سنگ مرمر لگایا گیا ہے۔ روشنی کیلئے ستونوں میں پیتل کے کراؤن نصب کئے گئے ہیں جن میں بجلی کے قمقمے ہر طرف روشنی پھیلاتے ہیں۔ ایوانوں کی چھت میں بڑے بڑے سنہری فانوس آویزاں ہیں جن کی روشنی نہ آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اور نہ ماحول میں گرمی پیدا کرتی ہے۔ اس عظیم الشان مسجد کو دیکھتے ہی بلا اختیار سبحان اللہ کے کلمات کی صدا گونجتی ہے۔

(جستجوئے مدینہ)

- مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موجودہ عمارت یعنی ۱۴۳۳ ہجری مطابق 2012 عیسوی میں دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جانب قبلہ کا حصہ جو کہ مستطیل شکل میں

ہے، چھتریوں سے قبلہ کی جانب سرخ اینٹوں سے بنائی گئی مسجد سے لے کر چھتریوں کے عقب میں پہلے باب عبدالمجید تک عمارت کا حصہ ترکوں نے تعمیر کیا تھا اور اس کی تکمیل ۱۲۸۰ ہجری سلطان عبدالمجید دوم کے زمانہ میں ہوئی تھی۔ اس حصہ کا عرض قبلہ کی دیوار کے ساتھ باب البقیع سے باب السلام تک ہے۔ اور مسجد کا طول قبلہ کی دیوار سے لے کر پہلے باب المجیدی تک ہے۔ جس کا صحیح علم وہاں جا کر مسجد کے مشاہدہ کرنے سے ہوتا ہے اب پرانی مسجد کے دائیں اور بائیں اور پچھلے حصہ میں موجودہ سعودی حکومت کے سابق سربراہ شاہ فہد مرحوم نے اضافہ کیا جس کی وجہ سے سرخ اینٹوں سے بنائی گئی اصل مسجد شریف بڑی مسجد کیلئے محراب کے مشابہ لگتی ہے۔ ترکوں کی بنائی گئی عمارت کا حصہ اور سعودی حکومت کی بنائی گئی عمارت کے حصہ کی تعمیر کے درمیان تقریباً ڈیڑھ صدی کا فاصلہ ہے مگر دونوں حصے شکل اور ڈیزائن اور رنگ اور طرزِ تعمیر میں ایک دوسرے کے ساتھ اتنی مشابہت رکھتے ہیں کہ عام آدمی فرق نہیں کر سکتا۔ جب ترکوں نے عمارت تعمیر کرائی تھی اس وقت روایتی طرزِ تعمیر اور محدود وسائل اور ہاتھ سے کام کرنے والے کاریگر میسر تھے جبکہ سعودی حکومت کے دور میں جدید ٹیکنالوجی، بے پناہ مادی وسائل، مشینری اور اکناف عالم سے درآمد کردہ مواد اور کاریگر موجود تھے۔ پہلے حصے اور دوسرے حصے میں یک رنگی پیدا کرنے کیلئے اگلے حصے پر بھی وہی رنگ اور روغن کیا گیا ہے جو پچھلے حصہ پر کیا گیا ہے۔ پہلے حصہ سے ترک سلطان عبدالمجید دوم کے عشق نبوی اور جذبہ اسلام کا اظہار ہوتا ہے جبکہ دوسرے حصہ سے خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد مرحوم کی حرم النبوی الشریف کے ساتھ گہری وابستگی اور زائرین کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا کرنے کے شوق کی عکاسی ہوتی ہے۔

• دونوں حصوں کو اس خوبصورتی سے یک جان کیا گیا ہے، لگتا ہے کہ ایک ہی تعمیر ہے مگر ہر ایک حصہ کی الگ الگ خصوصیات اور نمایاں پہچان ابھی باقی ہے۔ پہلی چھت مختلف سائز کے گنبدوں سے مزین ہے اور حرم نبوی شریف کی حدود میں واقع پہاڑ سے حاصل کردہ پتھروں سے ستون بنائے گئے ہیں، جن کو سیسہ (سکہ) کی دھات کے مصالحہ سے مضبوط کیا گیا ہے۔ اس حصہ میں سب سے بڑا گنبد، گنبد خضریٰ ہے۔ اس کے بعد ایک سیمیں رنگ کا چھوٹا گنبد ہے جو محراب عثمانی پر بنایا گیا ہے اس کے علاوہ پینتیس (۳۵) کے قریب مختلف سائزوں کے گنبد چھت کے دوسرے حصوں پر قائم ہیں، ان کی اندرونی چھت پر آج کل ہلکا سفیدی مائل کریم رنگ کا کلر کیا گیا ہے۔ اس اگلے حصے میں گنبد خضریٰ، مقام اصحاب الصفہ، ریاض الجنۃ، منبر و محراب اور مبارک ستون موجود ہیں، جن کی وجہ سے اگلے حصہ کو عقبی حصہ پر فضیلت حاصل ہے۔ اس حصہ میں آٹھ ستون آج بھی ان کھجور کے تنوں کے ستونوں کی جگہ قائم ہیں جو دورِ رسالت مآب ﷺ کی یادگار ہیں جنھوں نے اس مبارک چھت کو اٹھایا ہوا تھا جس کے نیچے سرورِ دو عالم ﷺ اور شمع رسالت کے پروانے ہزاروں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نمازیں پڑھتے تھے۔ مگر پوری مسجد رسول اللہ ﷺ ہر حال مسجد الرسول ﷺ ہے، سرورِ دو عالم ﷺ کا فرمان ذی شان ہے، ''اگر میری مسجد یمن کے شہر صنعاء تک بھی چلی جائے تو یہ میری مسجد ہو گی۔'' لہٰذا ساری مسجد ثواب اور رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت کی وجہ سے ایک مسجد ہی شمار ہو گی۔

مسجد الرسول ﷺ کے توسیعی مراحل:

• یکم ہجری۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں سنگِ بنیاد رکھا گیا۔

۱۔ ۷ ہجری۔ پہلی توسیع غزوہ خیبر کے بعد سرورِ دو عالم ﷺ کے دور میں ہوئی۔

۲۔ ۱۷ ہجری۔ دوسری توسیع امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کے دور میں ہوئی۔

۳۔ ۳۰ ہجری۔ تیسری توسیع امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کے دور میں ہوئی۔

۴۔ ۸۸ ہجری۔ چوتھی توسیع ولید ابن عبد الملک اموی کی امارت کے زمانہ میں ہوئی۔

۵۔ ۱۶۱ — ۱۶۵ ہجری۔ پانچویں توسیع خلیفہ المہدی عباسی کے دور میں ہوئی۔

۶۔ ۸۸۸ ہجری۔ چھٹی مرتبہ توسیع سلطان اشرف قائتبائی کے دور میں ہوئی۔

۷۔ ۱۲۶۵ ہجری۔ ساتویں مرتبہ توسیع ترکی سلطان عبد المجید عثمانی کے دور میں ہوئی۔

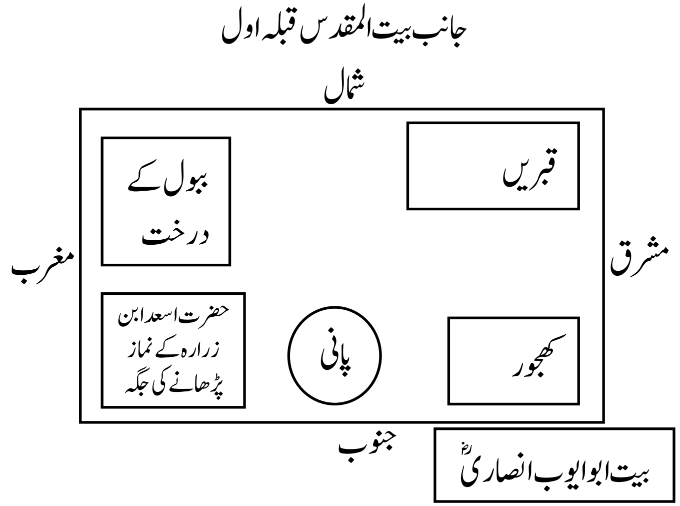
۸۔ ۱۳۷۲ ہجری۔ آٹھویں مرتبہ توسیع الملک عبد العزیز آل سعود کے دور میں ہوئی۔

۹۔ ۱۴۰۵ ہجری۔ نویں مرتبہ توسیع الملک فہد بن عبد العزیز مرحوم کے دور میں ہوئی۔

• آج ۱۴۳۳ ہجری ہے۔ سعودیہ عربیہ پر الملک عبد اللہ ابن عبد العزیز کی حکومت ہے۔ لگتا ہے آئندہ مزید توسیعات کا سلسلہ جاری رہے گا۔

مسجدِ نبوی شریف کی تعمیر کے مراحل

● جیسا کہ قارئین پڑھ چکے ہیں سرورِ دو عالم ﷺ ہجرت کے بعد حضرت ابوایوب الانصاری ؓ کے ہاں مدینہ منورہ میں جاکر ٹھہرے تھے۔ حضرت ایوب انصاری کے مکان کے قریب دو یتیم بچوں کی غیر آباد اراضی موجود تھی جس میں کھجور کے درخت اور مشرکین کی قبریں اور پانی کا جوہڑ اور ببول کے درخت موجود تھے۔ جس کا تصویری خاکہ تقریباً اس طرح بنتا ہے:



اس احاطہ میں خالی جگہ پر لوگ کھجوریں خشک کرتے تھے اور حضرت اسعد ابن زرارہ نے ایک کونے میں چہار دیواری قائم کرکے آپ ﷺ کی آمد سے پہلے نماز پڑھانا شروع فرمائی تھی۔ مذکورہ میدان میں ذکر کردہ اشیاء سے تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے کہ بعض روایات میں ہے اس خالی پلاٹ میں مشرکین کی قبریں تھیں اور بعض روایات میں ہے اس پلاٹ میں کھجوروں کے درخت تھے اور بعض

روایات میں ہے کہ وہاں کھجوریں خشک کی جاتی تھیں اور بعض روایات میں ہے وہاں حضرت اسعد ابن زرارہ نماز پڑھاتے تھے۔ ان روایات میں علماء نے یہی تطبیق دی ہے جو ہم نے ذکر کردی ہے۔

مسجدِ نبوی کی اراضی کا خریدنا:

● سرورِ دو عالم ﷺ نے بنی نجار قبیلہ کے سرکردہ لوگوں کو بلوایا اور فرمایا: اے بنی نجار مجھے اس دیوار والے احاطے کی قیمت بتائیں، مجھے مسجد کیلئے ضرورت ہے۔ انہوں نے عرض کیا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم سوائے اللہ کے کسی سے کچھ نہیں لیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے سہل اور سہیل کو بلایا اور ان سے مذکورہ زمین خرید کرنے کا ارشاد فرمایا۔ انہوں نے بغیر قیمت دے دینے کا عرض کیا مگر آپ ﷺ نے بغیر قیمت لینے سے انکار کردیا۔ گفت و شنید کے بعد انہوں نے قیمت خرید مبلغ دس دیناروں کے معاوضہ میں اپنی زمین فروخت کرنے پر رضامندی کا اظہار کیا تو اس کی قیمت حضرت ابو بکر الصدیق ؓ نے دس دینار ادا کردی۔

دو یتیم بچے سہل اور سہیل کا تعارف:

● دو یتیم بچوں کے نام سہل اور سہیل تھا۔ ان کا نسب سہل اور سہیل ابنا رافع ابن عمرو ابن ابی عمرو ابن عائذ ابن ثعلبہ ابن غنم ابن مالک ابن نجار ہے۔

● بلاذری کی روایت میں موسیٰ ابن عقبہ سے اسی طرح مروی ہے اور امام زہری اور ابن اسحاق کی روایت میں سہل اور سہیل عمرو کے بیٹے تھے۔

● علماء نے فرمایا: سہل اور سہیل نافع کے بیٹے تھے مگر بعض مرتبہ دادا یعنی عمرو کی طرف نسبت کردی جاتی ہے۔ (سبل الہدی)

● یہ دونوں بچے حضرت اسعد ابن زرارہ کی تولیت میں تھے۔ حضرت اسعد ابن

زرارہ کو سرورِ دو عالم ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ میں خزرج کا نقیب مقرر فرمایا تھا اور آپ مدینہ منورہ میں سرورِ دو عالم ﷺ کی آمد سے پہلے پانچ وقتہ نمازیں اور جمعہ کی امامت فرمایا کرتے تھے۔ حضرت اسعد ابن زرارہ نے اسی پلاٹ کے ایک طرف بغیر چھت کے چار دیواری قائم کرکے مسجد بنالی تھی۔ (سبل الہدیٰ)

• حضرت انس ابن مالک کی روایت کے مطابق سرورِ دو عالم ﷺ نے تقریباً بارہ دن ایک چھپرے کے نیچے نمازیں ادا فرمائیں۔ جیسا کہ وفاء الوفاء اور البدایہ والنہایہ کے مصنفین نے ذکر کیا ہے۔ فرمایا:

"وَ ثَبَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فِي الْعَرِيْشِ اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ لَيْلَةً حَتّٰى بَنَى الْمَسْجِدَ۔" (وفاء الوفاء/۱۸۶، البدایہ والنہایہ/ ۲۰۲)

ترجمہ: سرورِ دو عالم ﷺ عریش میں بارہ رات تک ثابت قدم رہے حتیٰ کہ آپ نے مسجد بنائی۔ (دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد ۲، ص:۳۶۹)

سنگِ بنیاد کی تاریخ: مختلف روایات کو جمع کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ ماہ صفر کے آخری عشرہ سے پہلے خمیس کے روز جمعہ مبارک کی رات مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے۔ پندرہ دن سفر میں رہے۔ ایک پیر چھوڑ کر دوسرے پیر کے روز قباء پہنچے، ربیع الاول شریف کی دو تاریخ تھی، بارہ دن آپ نے قباء میں قیام فرمایا، ربیع الاول کی چودہ، جمعہ کے دن آپ ﷺ مدینہ منورہ میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر تشریف لائے اور بارہ دن تک عارضی چھپرے (عریش) میں نماز پڑھتے رہے۔ تقریباً چھبیس ربیع الاول نبوت کے تیرہویں سال اور یکم ہجری بمطابق ۶۲۲ عیسوی اپنی مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ بعض روایات کے مطابق ربیع الاول کی آٹھ بمطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ عیسوی بروز پیر آپ ﷺ قباء پہنچے۔ بارہ دن قباء میں قیام فرمایا۔ مورخہ ۲۰ ربیع الاول جمعہ کے دن بمطابق

۱۲ اکتوبر ۶۲۲ عیسوی کو حضرت ابوایوب انصاریؓ کے گھر تشریف لائے اور بارہ دن تک عریش میں نماز پڑھتے رہے۔ مورخہ ۲ ربیع الثانی ۱۳ نبوی یکم ہجری بروز منگل مطابق ۱۴ اکتوبر ۶۲۲ء مسجد شریف کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ اور ایک روایت کے مطابق بروز پیر بارہ ربیع الاول قباء تشریف لائے تھے۔ اس روایت کے مطابق ربیع الثانی کی چھ تاریخ مسجد نبوی شریف کے سنگ بنیاد کی تاریخ بنتی ہے۔ (سبل الہدیٰ، تاریخ مدینہ عبدالمجید) واللہ تعالیٰ اعلم۔

• کتب تاریخ میں مسجد نبوی شریف کا سنگ بنیاد ربیع الاول میں رکھے جانے کی روایات ملتی ہیں۔ اس لئے قباء میں آپ ﷺ کی آمد، دو (۲) ربیع الاول کو تسلیم کرلیا جائے تو مناسب ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (رفیق حسنی)

اراضیٔ مسجدِ نبوی کو ہموار کرنا اور اس کا سنگِ بنیاد دستِ مصطفےٰ ﷺ سے رکھا جانا:

• جب مذکورہ قطعہ اراضی خرید کرلیا گیا، سرورِ دو عالم ﷺ نے اس احاطہ کو ہموار کرنے کا حکم فرمایا۔ حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق اس احاطہ میں مشرکین کی قبریں تھیں، زمین ناہموار تھی، اس میں کھجوروں کے درخت اور خاردار جھاڑیاں بھی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "مشرکین کی قبروں کو اکھاڑ دیا جائے، مشرکین کی ہڈیاں کہیں دور پھینک دی جائیں، پانی کے جوہڑ سے نالے کے ذریعہ پانی نکال دیا جائے، خاردار جھاڑیاں، ببول کے درخت، کھجوریں جڑوں سے نکال دی جائیں اور زمین کو ہموار کردیا جائے۔"

مسجد نبوی شریف کی بنیاد میں پہلا پتھر خود رسول اللہ ﷺ نے رکھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب مسجد نبوی کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو پہلا پتھر سرورِ دو عالم ﷺ نے رکھا پھر ابو بکر الصدیق پتھر لائے اور

اس کے ساتھ رکھ دیا پھر عمر پتھر لائے اور انہوں نے رکھ دیا پھر عثمان لائے تو انہوں نے اس کے ساتھ پتھر رکھ دیا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: آپ ﷺ سے سوال کیا گیا، ایسا کیوں کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ھٰذَا اَمْرُ الْخِلَافَةِ مِنْ بَعْدِیْ" یہ ترتیب میرے بعد خلافت کی ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے چوتھا پتھر رکھا۔ (الاقشہری)

● چاروں طرف دیوار کی جگہ بنیاد رکھنے کیلئے تین ہاتھ تقریباً ڈیڑھ میٹر گہری کھدائی کی گئی، سیاہ پتھروں سے مسجد کی دیواروں کی بنیاد رکھی گئی اور کھدائی کو بھر دیا گیا۔

● تاریخِ مدینہ کتاب میں مولانا حسین احمد مدنی کے حوالہ سے مذکور ہے کہ مدینہ منورہ کے مشرق اور مغرب اور جنوب میں زمین دوز سنگ خارا کے پہاڑ پائے جاتے ہیں، ان ہی کو حرۃ اور لابّہ کہتے ہیں۔ یہ پتھر سیاہ اور نہایت سخت ہوتے ہیں۔ انہی سے مدینہ منورہ کی عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ اونچے پہاڑ بھی قریب میں واقع ہیں بالخصوص سلع پہاڑ، مگر ان کے پتھر سنگ خارا کی قسم کے نہیں ہیں اور نہ ہی اتنے مضبوط ہیں۔ پتھروں کی تجارت اور گھڑائی کرنے والے لوگ انہیں زیر زمین حصوں میں سے بارود کے ذریعہ توڑ کر پھر پتھروں کے ٹکرے کرکے گدھوں اور خچروں پر لاد کر تعمیر کے مقام پر پہنچاتے ہیں۔

چھتوں میں شہتیر کی جگہ پر عموماً کھجور کے تنے ڈالے جاتے ہیں، مگر امیر لوگ جاوا لکڑی کے تین تین چار چار انچ موٹے شہتیر ڈالتے ہیں۔ عام طور پر لکڑی کے کاموں میں دوسری لکڑی استعمال ہوتی ہے مگر دروازے، کھڑکیاں، روشن دان وغیرہ اسی جاوا لکڑی سے بنائے جاتے ہیں۔ غریب لوگ مکان کی چھتوں میں ببول اور جھاؤ کی موٹی شاخیں لکڑی کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ کڑیوں پر کھجور کی شاخیں

بچھا کر ان پر کھجوروں کے بورے اور چٹائیاں بچھا کر ان پر مٹی کا گاڑھا گارا ڈال کر خشک مٹی ڈال دی جاتی ہے۔ مدینہ منورہ کے مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں چودھویں صدی کے اوائل کے عشروں میں بنائے گئے مکانات اسی طرح بنائے جاتے تھے۔ اس سے پہلی صدیوں کے ابتدائی ایام میں مکانات کی سادگی کا خود اندازہ کرلیں۔

● سیاہ پتھروں سے بنیاد رکھنے کے بعد اوپر مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھیں۔ مسجد شریف کیلئے مٹی کی اینٹیں بقیع الغرقد (جنت البقیع) کے شمال میں "بقیع الخبخبہ" پر صحابہ کرام تیار کررہے تھے اور اینٹیں بنانے کیلئے پانی حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے کنویں سے لیا جاتا تھا جو کہ اس جگہ سے قریب تھا۔ جب اینٹیں خشک ہوجاتی تھیں وہاں سے اٹھا کر مسجد نبوی شریف کی دیواروں میں لگائی جاتی تھیں۔

● ابراہیم مدنی کے بیان کے مطابق وہ جگہ جہاں اینٹیں تیار کرکے خشک کی جاتی تھیں، وہ بقیع الغرقد کے اس حصے میں تھی جو کہ بقیع العمات (نبی کریم ﷺ کی پھوپھیوں سیدہ عاتکہ اور سیدہ صفیہ بنات عبدالمطلب) کے اور ان کے سامنے والے دروازے کے درمیان واقع تھی۔ نئی توسیع میں وہ دروازہ ہٹادیا گیا ہے۔
(جستجوئے مدینہ)

● حضرت انسؓ کی روایت کے مطابق قبلہ کی جانب بیت المقدس کی طرف والی دیوار کھجور کے تنوں سے بنائی گئی تھی اور دروازہ کی چوکھٹ کھڑی کرکے دونوں جانب پتھروں کی دیواریں بنادی گئیں۔

مسجدِ نبوی کی تعمیر میں حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی کیفیات:

● صحابہ کرام وقار اور جذبہ کے ساتھ اینٹیں لانے میں مصروف تھے مگر سرورِ

دو عالم ﷺ بھی صحابہ کرام کے ساتھ اینٹیں اٹھانے میں مصروف تھے۔ صحابہ کرام دلی مسرت اور جذبات کا اظہار مختلف اشعار کی صورت میں کر رہے تھے۔

سرورِ دو عالم ﷺ بھی اشعار پڑھ کر صحابہ کرام کے حوصلے بڑھا رہے تھے:

هٰذَا الْحِمَالُ لَا حِمَالَ خَيْبَرْ
هٰذَا اَبَرُّ رَبِّنَا وَاَطْهَرُ

ترجمہ: یہ بوجھ نہ خیبر کی کھجوروں کا بوجھ۔ یہ ہمارے لئے زیادہ نتیجہ خیز اور پاکیزہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ الْاَجْرَ اَجْرُ الْآخِرَةِ
فَارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

ترجمہ: اے اللہ! بیشک آخرت کا اجر ہی اجر ہے۔ پس انصار اور مہاجروں پر رحم فرما۔

اَلَا اَنَّ الْعَيْشَ عَيْشُ الْآخِرَةِ
فَاغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَةِ

ترجمہ: بیشک آخرت کی عیش ہی عیش ہے۔ پس انصار اور مہاجروں کی مغفرت فرما۔

اَللّٰهُمَّ اَنَّهٗ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرَ الْاٰخِرَةِ
فَانْصُرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ

ترجمہ: اے اللہ! بیشک کوئی خیر نہیں مگر آخرت کی خیر۔ پس انصار اور مہاجروں کی نصرت فرما۔

حضرت علیؓ یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

لَا يَسْتَوِيْ مَنْ يَّعْمُرُ الْمَسَاجِدَ
يَدْأَبُ فِيْهَا قَائِمًا وَقَاعِدًا
وَمَنْ يَّرٰى عَنِ التُّرَابِ حَائِدًا۔

ترجمہ: جو آدمی قیام اور قعود میں مسجد کی تعمیر میں مصروف ہے اور جو شخص کپڑوں کو مٹی اور غبار سے جھاڑتا اور بچاتا ہے وہ دونوں کب برابر ہو سکتے ہیں۔

- حضرت ام سلمہ بیان فرماتی ہیں آپ ﷺ نے اینٹیں اٹھانے کے وقت اپنی چادر مبارک ایک طرف رکھ دی تاکہ اینٹوں کے اٹھانے میں جسم اقدس اور کندھوں اور مبارک سینہ پر ملبوس چادر رکاوٹ نہ بنے۔ صحابہ کرام نے بھی اوپر کی چادریں یا قمیصیں اتار کر رکھ دیں اور ننگے پیٹ اور سینے پر اینٹیں اٹھانی شروع کر دیں اور یہ شعر پڑھنے لگے:

لَئِنْ قَعَدْنَا وَالنَّبِيُّ يَعْمَلُ
ذَاكَ اِذًا لِلْعَمَلِ الْمُضَلَّلِ

ترجمہ: اگر ہم بیٹھے رہے اور نبی کام فرماتے رہے، یہ عمل اس وقت گمراہی ہوگا۔
(صحیح بخاری، جلد ۳، صفحہ: ۱۴۲۱)

- سیدنا ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ سرورِ دو عالم ﷺ صحابہ کرام کی طرح اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ آپ نے اتنی زیادہ اینٹیں اٹھا رکھی تھیں کہ آپ کے سینہ مبارک تک پہنچی ہوئی تھیں۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ پر زیادہ بوجھ ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ اینٹیں مجھے دے دیں۔ آپ نے فرمایا: اینٹیں تو اور بھی بہت ہیں تم وہاں سے اٹھا لاؤ یہ میرے لئے رہنے دو۔
- نوٹ: شاید یہ واقعہ خیبر کے بعد تعمیر ثانی کا ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ نے خیبر کی فتح کے بعد اسلام قبول کیا۔
- حضرت اسید ابن حضیر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ اینٹیں مجھے دے دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا: "اِذْهَبْ فَخُذْ غَيْرَهَا فَلَسْتَ بِأَفْقَرَ مِنِّيْ اِلَى اللّٰهِ"

ترجمہ: "تم دوسری اینٹیں جا کر لے آؤ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر و ثواب حاصل

کرنے میں تو مجھ سے زیادہ محتاج نہیں۔"

(جامع الاصول من احادیث الرسول، جلد ۱۱، ص: ۸۷۱۶)

تعمیرِ مسجد نبوی میں سیّدنا عمارؓ کے جذبات اور ان کا تعارف:

• صحابہ کرام میں سے سیدنا عمار بن یاسر نہایت جذبہ سے اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ سیدنا ابو سعید خدری بیان فرماتے ہیں ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے تھے مگر عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کی نگاہ مبارک پڑی تو سرورِ دو عالم ﷺ نے عمار کے بالوں اور چہرے سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا:

"وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ يَدْعُوْهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ وَ يَدْعُوْنَهٗ اِلَى النَّارِ" (صحیح البخاری، جلد ۱، ص: ۱۷۲)

ترجمہ: "افسوس کہ عمار کو باغی فرقہ قتل کرے گا۔ عمار انہیں جنت کی طرف بلائیں گے اور باغی گروہ اس کو جہنم کی طرف بلائیں گے۔"

عمار نے کہا: "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْفِتَنِ"

ترجمہ: "فتنوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

• حضرت ام سلمہ کی روایت میں ہے ہر آدمی ایک ایک اینٹ اٹھا رہا تھا مگر عمار بن یاسر دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ ایک اپنی طرف سے اور ایک سرورِ دو عالم ﷺ کی طرف سے۔ آپ ﷺ عمار کی طرف اٹھے اور ان کی پشت پر ہاتھ مبارک رکھا اور ارشاد فرمایا:

"اے سمیّہ کے بیٹے! تیرے لئے دو اجر ہیں اور لوگوں کیلئے ایک اجر ہے اور دنیا سے آخری غذا تیرے لئے دودھ کا ایک گھونٹ ہو گا اور تجھے باغی فرقہ قتل کرے گا۔" (وفاء الوفاء اور فتح الباری)

• چنانچہ صفین کی جنگ میں حضرت عمار ابن یاسر نے سیدنا حضرت علی کرم اللہ

وجہہ کا ساتھ دیا تھا اور حضرت معاویہؓ کی فوج نے ان کو قتل کیا تھا اور آپ کا سر جدا کر کے دمشق میں حضرت معاویہؓ کے پاس بھیج دیا تھا۔ (جستجوئے مدینہ)

• امام سہیلی نے "روض الانف" میں ذکر کیا ہے کہ معمر ابن راشد نے اس کے آخر میں یہ بھی روایت کیا ہے کہ جب صفین کی جنگ میں حضرت عمار ابن یاسر کو حضرت امیر معاویہ کی جماعت نے قتل کر دیا تو حضرت عمرو ابن العاص حضرت امیر معاویہ کے پاس گھبرایا ہوا پہنچا اور کہنے لگا: عمار کو قتل کر دیا گیا ہے۔ امیر معاویہ نے فرمایا: پھر کیا ہوا؟ عمرو نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا تھا "تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" یعنی عمار کو باغی فرقہ قتل کرے گا۔ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا: تو اپنے پیشاب میں پھسل کر گر جائے، کیا ہم نے اس کو قتل کیا ہے؟ بلکہ اس کو ان لوگوں نے قتل کیا جو ان کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ یعنی حضرت علیؓ نے قتل کیا ہے۔ ایک روایت میں ہے حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا:

"اَنَحْنُ قَتَلْنَاهُ؟ اِنَّمَا قَتَلَهٗ عَلِيٌّ وَ اَصْحَابُهٗ جَاؤُا بِهٖ حَتّٰى اَلْقَوْهُ بَيْنَنَا"

(المستدرک، جلد ۳، ص: ۴۳۶)

ترجمہ: "کیا ہم نے اس کو قتل کیا؟ بیشک عمار کو علی اور اس کے ساتھیوں نے قتل کیا۔ وہ عمار کو اپنے ساتھ لائے حتیٰ کہ ہمارے درمیان ڈال دیا۔"

• اگرچہ حضرت امیر معاویہ نے سرورِ دو عالم ﷺ کے قول مبارک کی تاویل فرمائی، مگر اس تاویل کو صحابہ کرام نے رد کر دیا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہؓ کے جواب میں بعض صحابہ کرام نے فرمایا: اگر عمار ابن یاسر کا حضرت علی کی جماعت کے ساتھ صفین کی طرف نکلنے میں حضرت عمار کے قاتل حضرت علی قرار پائے، تو احد کی جنگ میں سید الشہداء حضرت حمزہ کے قاتل خود (نعوذ باللہ) رسول اللہ قرار

پائیں گے۔اس جواب کے بعد حضرامیر معاویہ کے لوگ لاجواب ہو گئے۔

- مذکورہ بالا روایت کے مطابق حضرت علیؓ اور ان کے ساتھی اہل حق اور صواب تھے اور حضرت امیر معاویہ حق اور صواب پر نہ تھے مگر اجتہاد کی صورت میں اگر مجتہد سے خطاء بھی ہو، حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق اسے ایک اجر ملتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ کی خطاء اجتہادی تھی۔ لٰہذا حضرت امیر معاویہؓ کو سب و شتم کرنا نہایت قبیح ہے۔(رفیق حسنی)
- حضرت عمار ابن یاسرؓ جب میدان کارزار میں تھے تو آپ کو دودھ دیا گیا اور آپ نے دودھ پیا لٰہذا سرورِ دوعالم ﷺ کی پیشگوئی صحیح ثابت ہوئی۔

مسجد نبوی میں حضرت طلق بن علی کی کیفیت باکردار:

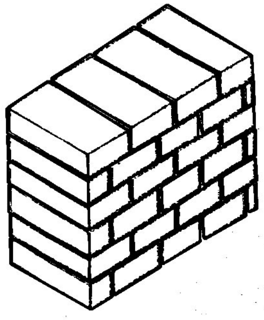
- حضرت طلق بن علی جو یمامہ سے حاضر ہوئے تھے، انہوں نے اینٹیں تیار کرنے کیلئے گارا بنایا تھا۔ حضرت طلق بیان کرتے ہیں آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا تو مسلمان مسجد کی تعمیر میں مصروف تھے۔ میں گارا بنانے کا ماہر تھا، میں نے گارا بنانے کا آلہ (بیلچہ) لے لیا اور گارا بنانا شروع کر دیا اور سرورِ دوعالم ﷺ مجھے دیکھ رہے تھے۔ فرمایا: یہ حنفی گارا بنانے کا ماہر ہے۔ ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: مٹی یمامی کے قریب کرو یہ گارا بنانے میں تم سے زیادہ ماہر اور زیادہ مضبوط ہے۔(وفاء الوفاء)

مسجدِ نبوی کا ابتدائی خاکہ:

- امام ابن نجار المتوفی ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء بیان کرتے ہیں سرورِ دوعالم ﷺ نے مسجد کی بنیادیں پتھروں سے اٹھائیں اور دیواریں کچی اینٹوں کی بنائیں۔ مسجد کے تین دروازے رکھے: ایک جنوب میں، دوسرا مغرب میں جسے پہلے باب عاتکہ کہا جاتا تھا اور بعد میں باب الرحمۃ کہا جاتا تھا اور تیسرا مشرق کی جانب باب

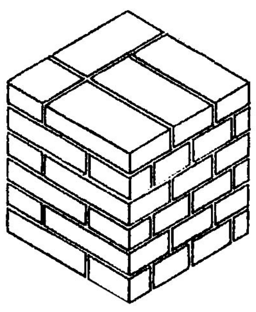
عثمان جس سے آپ مسجد شریف میں تشریف لاتے جانب قبلہ شمال کی جانب بیت المقدس تھا۔

- تمام عمارت سادہ تھی ابتداء میں دیواریں ایسے طریقہ پر بنائی گئی تھیں جسے عرب "السمیط" کہتے ہیں۔ ایک ایک اینٹ طولاً دیوار کی چوڑائی میں رکھی گئی یعنی دیوار کی موٹائی اینٹ کے طول کے برابر تھی۔ دیوار کی چوڑائی میں طولاً رکھی گئی اینٹ کے بعد دو اینٹیں عرضاً اس اینٹ کے طول میں رکھیں، پھر ایک اینٹ کے عرض کے اوپر طولاً دو اینٹیں رکھی گئیں کیونکہ دو اینٹوں کا عرض ایک اینٹ کے طول کے برابر تھا۔ اس طرح دیوار مکمل کی گئی۔ اس طریقے کو "السمیط" کہا جاتا ہے۔ مثلاً یہ صورت تھی:



"السمیط" طریقہ سے لگائی گئی اینٹیں

دوسری دفعہ دیواروں کی چوڑائی مزید بڑھائی گئی اور چوڑائی ڈیڑھ اینٹ کی کر دی گئی۔ یعنی دیوار کے عرض میں ایک اینٹ طولاً اور دوسری اینٹ عرضاً رکھی گئی۔ عرب میں اس طریقہ کو "السعیدۃ" کہتے ہیں پھر مزید چوڑائی کی گئی اور دو اینٹیں طولاً دیوار کی چوڑائی رکھی گئی جس کو عرب میں نر اور مادہ (ذکر اور انثیٰ) کے جوڑے کو کہا جاتا تھا۔ شاید ایک اینٹ کو مذکر اور دوسری اینٹ کو مؤنث اعتبار کر لیا جاتا ہے۔



"السعیدہ" طریقہ سے لگائی گئی اینٹیں

یعنی دیوار کا عرض پہلے ایک اینٹ طولاً پھر ڈیڑھ اینٹ طولاً پھر دو اینٹ طولاً تھا۔ لہٰذا دیواروں کی چوڑائی تقریباً ڈیڑھ ہاتھ (دو فٹ یعنی پونا میٹر) تھی اور اونچائی سات ہاتھ (ساڑھے دس فٹ یعنی ساڑھے تین میٹر) تھی۔ زمین کا فرش مٹی کا تھا۔ نماز میں سجدے گرم اور سرد مٹی پر کئے جاتے تھے۔ امام اور مقتدی سب برابر مٹی پر سجدے کرتے تھے۔ (کتب سیرۃ)

● امام جعفر صادق سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے پہلے السمیط کی طرز پر مسجد بنائی یعنی دیواروں کی چوڑائی اینٹ کی لمبائی کے برابر تھی پھر دیواروں کو السعید طریقہ پر تعمیر کیا گیا یعنی دیواروں کا عرض ڈیڑھ اینٹ کر دیا گیا پھر صحابہ کرام کے مطالبہ پر دیواروں کی چوڑائی دو اینٹوں کی لمبائی کے برابر کر دی گئی اور جب صحابہ کرام نے گرمی کی شدت کی شکایت کی تو آپ نے کھجور کی شاخوں اور پتوں اور جھاڑیوں کی چھت اور نیچے کھجور کے تنوں کے ستون لگانے کی اجازت فرمائی اور اس کی تعمیر کیلئے نر اور مادہ اینٹوں کو جوڑ کر دیوار کی چوڑائی وسیع کر دی گئی یعنی دیوار کا عرض دو اینٹوں کے طول کے برابر کیا گیا۔

● ابتداء میں مسجد شریف کی صرف دیواریں بنائی گئی تھیں، چھت نہیں تھی صرف ایک جانب جزوی چھت ڈال دی گئی تھی اس جگہ کو ''الظلہ'' کہا جاتا تھا۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ سجدہ کی جگہ کپڑے کا ایک حصہ رکھ لیتے تھے۔ تاکہ زمین کی تپش سے بچا جا سکے، مگر بعد میں مسجد کے احاطہ میں اکثر حصہ پر چھت ڈال دی گئی تھی۔ حضرت عبداللہ ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ مسجد کی چھت کھجور کی ٹہنیوں، چٹائیوں اور پتوں سے بنائی گئی تھی اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ (جستجوئے مدینہ)

مسجد کے احاطہ کی مقدار:

● مسجد کے احاطہ کے متعلق راجح روایت یہ ہے کہ طول ستر (۷۰) ہاتھ تھا اور عرض ساٹھ (۶۰) ہاتھ تھا۔ ۶۰ X ۷۰ = ۴۲۰۰ کل ایریا چار ہزار دو سو اسکوائر ہاتھ تھا اور فٹوں کے حساب سے طول ایک سو پانچ فٹ اور عرض نوے فٹ تھا۔ ۹۰ X ۱۰۵ = ۹۴۵۰ اسکوائر فٹ کل احاطہ تھا اور میٹر کے حساب سے ۳۵ X ۳۰ = ۱۰۵۰ میٹر تھا۔

مسجد نبوی کی چھت کی ابتداء و تکمیل:

● مسجد کی مکمل چھت تعمیرِ ثانی کے بعد ۸ ہجری کو ڈالی گئی چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عمر بیان کرتے ہیں سرورِ دو عالم ﷺ کے زمانہ میں کچی اینٹوں سے مسجد بنائی گئی تھی۔ ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ مکمل چھت ۸ ہجری کو بنائی گئی۔ (ابن ماجہ)

● احادیث اور تاریخی باتوں سے معلوم ہوتا ہے ابتداء میں مسجد کی چھت نہیں تھی مگر جب صحابہ کرام نے گرمی کی شدت کی وجہ سے چھت ڈالنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اجازت دے دی۔ صحابہ کرام نے مختلف فاصلوں پر کھجور کے ستون کھڑے کر کے ان کے اوپر کھجور کے شہتیر اور کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں اور اذخر گھاس سے چھت ڈال دی۔ معلوم ہوا چھت صرف دھوپ کیلئے بنائی گئی تھی بارش کا پانی نہیں رکتا تھا۔ جب بارش ہوتی تو مٹی کا فرش کیچڑ کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ (بدایہ ونہایہ)

● سیدنا ابو سعید خدری سے روایت ہے ہم نے سرورِ دو عالم ﷺ کے ساتھ مسجد میں اعتکاف کیا۔ رات کو بارش ہو گئی، چھت سے پانی ٹپکنے لگا۔ ہم نے اسی حالت میں نمازِ فجر ادا کی۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے اسی پانی اور کیچڑ میں سجدہ فرمایا

حتی کہ آپ کی پیشانی مبارک پر کیچڑ کے نشانات نظر آرہے تھے۔

- عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ / ۱۳۷۳ء ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ انصار کے کچھ لوگ سرورِ دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کرنے لگے مسجد کو مزین کرنے اور چھت پر مٹی ڈالنے کی اجازت فرمائیں۔ تنکوں کے نیچے کب تک نماز پڑھتے رہیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَا بِیْ رَغْبَةٌ عَنْ اَخِیْ مُوْسٰی فَعَرِیْشِیْ کَعَرِیْشِ مُوْسٰی" (بدایہ ونہایہ)

ترجمہ: "مجھے اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کے طریقہ سے اعراض نہیں کرنا پس یہ چھپر رہے موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کی طرح۔"

(دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد ۲، ص: ۴۱۳)

- مسجد شریف کی چھت کے سلسلہ میں امام زین الدین المراغی (۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء) بیان کرتے ہیں کہ بالآخر آپ ﷺ نے چھت پر مٹی ڈال کر اس کے اوپر گارے کا لیپ (پلستر) کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ (معالم دار الہجرۃ/۴۵)

مسجدِ نبوی کی ابتدا میں فرش کی تفصیل:

- مسجد کا فرش ہموار خالص کچی مٹی کا تھا مگر بارش ہو جانے کی صورت میں کیچڑ کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔ ایک مرتبہ سخت بارش ہوئی اور فجر کی نماز سرورِ دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام کیچڑ میں نماز ادا کر رہے تھے۔ ایک آدمی باہر سے کپڑے میں کنکریاں ڈال کر لایا اور اپنی نماز کی جگہ کنکریاں ڈال کر نماز ادا کی۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے نماز سے فارغ ہو کر کنکریاں دیکھیں تو آپ نے پسند فرمائیں۔ (سنن ابی داود)
- اس کے بعد فرش پر کنکریاں ڈالنے کا رجحان ہو گیا حتیٰ کہ مسجد کا پورا فرش کنکریوں کا ہو گیا۔ اور کنکریوں کا فرش حضرت عثمانؓ کی توسیع اور تجدید تک قائم رہا۔
- مسجد شریف اور دو حجروں کی تعمیر کی تکمیل میں تقریباً سات ماہ لگ گئے۔ کیم

ماہ شوال بمطابق اپریل ۶۲۳ عیسوی میں تکمیل ہوئی۔

خلاصہ کلام سابق:

- مسجد شریف کی ابتدائی تعمیر میں مسجد کا طول و عرض ۶۰ X ۷۰ شرعی گز (ہاتھ) تھا۔ دیواریں اینٹوں کی تھیں اور دیواروں کی چوڑائی تین مرحلوں میں وسیع کی گئیں۔
- شروع میں مسجد مبارک کی چھت نہیں تھی پھر کھجور کے پتوں سے بنی چٹائیوں اور شاخوں اور اذ خر (کھوی) گھاس کی چھت کھجور کے تنوں پر قائم کی گئی پھر اس چھت پر مٹی کا سخت گارا ڈال کر اس کو پتلے گارے سے لیپ دیا گیا مگر پھر بھی بارش کا پانی بعض جگہ سے ٹپکتا رہتا تھا۔
- وفاء الوفاء میں امام سمہودی امام جعفر صادق سے اور وہ اپنے والد امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں:

"قَالَ کَانَ بِنَاءُ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ بِالسَّمِیْطِ لِبْنَةً عَلٰی لِبْنَةٍ ثُمَّ بِالسَّعِیْدَةِ لِبْنَةً وَ نِصْفَ اُخْرٰی ثُمَّ کَثُرُوْا فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللهِ لَوْ زِیْدَ فِیْهِ فَفَعَلَ۔ فَبَنٰی بِالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَ هُوَ لِبْنَتَانِ مُخْتَلِفَانِ وَ کَانُوْا رَفَعُوْا اَسَاسَهٗ قَرِیْبًا مِنْ ثَلٰثَةِ اَذْرُعٍ بِالْحِجَارَةِ وَ جَعَلُوْا طُوْلَهٗ مِمَّا یَلِی الْقِبْلَةَ اِلٰی مُؤَخَّرِهٖ مِأَةَ ذِرَاعٍ وَ کَذَا فِی الْعَرْضِ وَ کَانَ مُرَبَّعًا وَ فِیْ رِوَایَةِ جَعْفَرٍ وَ لَمْ یُسَطَّحْ فَشَکَوْا الْحَرَّ فَجَعَلُوْا خَشْبَهٗ وَ سَوَارِیَهٗ جُزُوْعًا وَ ظَلَّلُوْا بِالْجَرِیْدِ ثُمَّ بِالْخَصَفِ فَلَمَّا وَ کَفَ عَلَیْهِمْ طَیَّنُوْهُ بِالطِّیْنِ وَ جَعَلُوْا وَسْطَهٗ رَحْبَةً وَ کَانَ جِدَارُهٗ قَبْلَ اَنْ یُّظَلَّلَ قَامَةً وَ شَیْئًا۔"

(سبل الہدی والرشاد، جلد ۳، ص: ۳۳۸)

ترجمہ: امام باقر فرماتے ہیں جناب رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی بناء (دیوار) سمیط یعنی ایک اینٹ دوسری ایک اینٹ پر لگائی گئی پھر سعیدہ کے ساتھ ڈیڑھ پر ڈیڑھ اینٹ پھر لوگ زیادہ ہوگئے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اگر اس میں بھی زیادتی کردی جائے تو بہتر ہوگا۔ آپ نے کردیا پھر مذکر اور مؤنث کی بنیاد رکھی وہ بنیاد دو مختلف اینٹیں تھیں۔ صحابہ کرام نے اس کی بنیاد کو تین ہاتھ نیچے کھدائی کرکے پتھروں سے اٹھائی اور اس کا طول قبلہ سے دوسری جانب تک ایک سو گز رکھا اور اسی طرح اس کا عرض بھی سو گز رکھا اور مسجد مربع تھی اور امام جعفر کی روایت میں ہے اس پر چھت نہیں ڈالی گئی تھی۔ پس صحابہ کرام نے شدید گرمی کی شکایت کی تو انہوں نے چھت کو لکڑی سے بنایا اور ستون کھجوروں کے بنائے اور کھجور کی ٹہنیوں سے چھت پر لکڑی کے شہتیروں اور کڑیوں کو چھپادیا پھر چھت پر خشک گھاس ڈالا، جب چھت سے بارش ٹپکنے لگی انہوں نے چھت کو مٹی سے لیپ کردیا اور مسجد کے وسط میں بغیر چھت میدان چھوڑدیا اور مسجد کی دیواروں کا طول چھت ڈالنے سے پہلے آدمی کی قد اور کچھ زیادہ مقدار کا تھا۔

- مسجد نبوی کی دیواروں کی چوڑائی تین طریقوں سے مروی ہے مگر کسی روایت میں اینٹوں کا سائز اور طول و عرض ابھی تک معلوم نہیں ہوسکا، البتہ وہ اینٹیں اتنی وزنی تھیں کہ صحابہ کرام صرف ایک ایک اینٹ اٹھاکر لاتے تھے جب حضرت عمار ابن یاسر نے دو دو اینٹیں اٹھانا شروع کیں تو صحابہ کرام کو تعجب ہوا اور سرورِ دوعالم ﷺ اس پر خوش ہوئے اور حضرت عمار کے چہرے سے مٹی صاف فرمائی اور پشت پر تھپکی دی۔ معلوم ہوا کہ اینٹوں کا طول و عرض اور حجم کافی زیادہ تھا۔

(واللہ تعالیٰ اعلم)

مسجدِ نبوی کی ابتداء میں دروازوں کی تفصیل:

- شروع میں مسجد کے تین دروازے تھے ایک جنوب کی طرف اور ایک مشرق کی طرف اور ایک مغرب کی طرف، مگر یہ دروازے ایسے تھے کہ ان پر لکڑی کے کواڑ اور پھٹے نہیں تھے، جن سے دروازوں کو بند کیا جاسکے۔ حتیٰ کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے بعض اعرابی مسجد کے اندر اونٹ بھی لے آتے تھے۔ لہٰذا یہ دروازے بغیر کواڑوں کے تھے۔
- حضرت انس کی روایت کے مطابق دروازوں کے دونوں سائیڈوں پر پتھروں کے ستون کھڑے کئے گئے تھے۔ شروع شروع میں مشرقی جانب کے دروازے کو باب النبی ﷺ کہا جاتا تھا، کیونکہ سرورِ دوعالم ﷺ اسی دروازے سے آیا جایا کرتے تھے اور ابتداء میں نمازِ جنازہ بھی اسی دروازے کے باہر پڑھائی جاتی تھی۔ اسی مناسبت سے اس دروازے کو باب الجنائز کہا جاتا تھا۔ پھر جب اسی مشرقی جانب سیدنا عثمان ابن عفان کا گھر بن گیا تو اسے باب آل عثمان کہا جانے لگا تھا لیکن اس نام کے بعد ہمیشہ اس مشرقی دروازے کا نام باب جبرئیل مشہور ہوگیا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ حضرت انس سے روایت ہے اگر کوئی شخص مسجد کے اسی دروازے سے باہر جاتا اس کے دائیں جانب دیوار سے متصل ساڑھے تین ہاتھ کا ایک چوڑا پتھر موجود تھا جس کو مقام جبرئیل کہا جاتا تھا۔ غزوہ خندق کے اختتام کے بعد اسی پتھر پر کھڑے ہوکر آپ غسل فرمارہے تھے اور جبرئیل علیہ السلام نے حاضر ہوکر پیغام پہنچایا کہ بنی قریظہ یہود کے محاصرہ کا حکم دیا گیا ہے اسی نسبت سے اس دروازے کا نام باب جبرئیل رکھ دیا گیا۔ (کتب سیرۃ)
- اسی شرقی دروازے کے بالکل سامنے اور محاذات میں غربی جانب دروازے کا نام باب الرحمۃ ہے۔ ابتداء میں جب قبلہ شمال کی جانب بیت المقدس تھا، ان

دونوں دروازوں کے حساب سے مسجد کے وسط میں سرورِ دوعالم ﷺ کی امامت کا مصلی تھا۔ کہا جاتا ہے شمالی جانب اسطن حنّانہ کی مخالف جہت اسطن حنانہ کے بالکل محاذات میں شمال کی جانب اصل مسجد کی آخری حد پر سرورِ دوعالم ﷺ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے تھے۔ اس دروازے کو باب الرحمۃ اس لئے کہا جاتا تھا کہ قحط کے ایام میں اسی دروازے سے ایک آدمی آیا اور اس نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے جانور مرنے لگے ہیں اور راستے منقطع ہو چکے ہیں، بارش کیلئے دعا فرمائیں۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے دورانِ خطبہ یہ دعا فرمائی ''اے اللہ! ہمیں بارش عطا فرما'' تین مرتبہ فرمایا۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں اس وقت آسمان پر بادلوں کا نام و نشان ہی نہیں تھا۔ اچانک جبل سلع سے ایک سیاہ بادل ظاہر ہوا اور مدینہ منورہ پر پھیل گیا اور بارش شروع ہوگئی۔ شاید اس دن کی بارانِ رحمت کی وجہ سے اس دروازے کا نام باب الرحمت رکھا گیا۔ بعد میں اسی دروازے کے سامنے حضرت عاتکہ بنت زید کا مکان بن گیا تھا تو اس دروازے کو باب العاتکہ بھی کہا جانے لگا مگر بعد میں پھر باب الرحمت نام قائم رہا۔ تیسرا دروازہ جنوب کی طرف تھا اس کا کوئی نام مشہور نہیں ہوا کیونکہ ۱۷ ماہ بعد تحویلِ قبلہ کے بعد اس دروازہ کو بند کر دیا گیا تھا۔ (کتب تاریخ)

- مسجد شریف میں ستونوں کی مقدار چھ تھی۔ شمالی مشرقی جانب ایک کونے میں فقراء مہاجرین کیلئے دن رات رہنے اور سونے کیلئے ایک جگہ خاص کر دی گئی تھی جسے ''الصفہ'' کہا جاتا تھا۔ آجکل مقام صفہ ۱۲ X ۸ میٹر کے رقبے پر محیط ہے۔ زمین سے تقریباً آدھا میٹر بلند ہے۔ اس کے گرد پیتل کی خوبصورت گرل لگی ہوئی ہے۔

حجراتِ مبارکہ کے دروازے:

- تین بڑے دروازوں کے علاوہ حجرات مبارکہ کے دروازوں سے بھی سرورِ دو عالم ﷺ مسجد میں تشریف لاتے تھے۔ آپ کی زوجہ سیدہ سودہ بنت زمعہ اور آپ ﷺ کی صاحبزادیاں جس حجرہ میں قیام پذیر تھیں، اس حجرہ کا دروازہ اور سیدہ عائشہ جب ماہ شوال ۲ ہجری میں اپنے لئے بنائے گئے حجرہ میں دلہن بن کر تشریف لائیں ان کے حجرہ کا دروازہ بھی مسجد میں کھلتا تھا۔ جب مسجد شریف کے چاروں طرف صحابہ کرام کے مکانات تعمیر ہوگئے تو انہوں نے بھی مسجد میں داخل ہونے کیلئے مسجد کی طرف ذاتی دروازے بنا لئے۔
- صحابہ کرام اپنے اپنے دروازوں سے مسجد میں داخل ہوتے تھے لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے غزوہ احد سے پہلے آپ نے صحابہ کرام کے پرائیویٹ دروازے بند کرنے کا حکم دے دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ''سوائے حضرت علی کے باقی ذاتی دروازے بند کر دیئے جائیں۔'' (اس وقت حضرت علی اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ مسجد سے متصل گھر میں رہائش پذیر تھے۔) اس حکم کے بعد رسول اللہ ﷺ کے چچا امیر حمزہؓ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے، ''یارسول اللہ! صرف علی کرم اللہ وجہہ کیلئے تخصیص کیوں ہے؟ مجھے بھی اجازت دی جائے تاکہ مسجد میں بیٹھنے کے وقت میں آپ کا دیدار کرتا رہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ **میرا حکم نہیں بلکہ میرے رب کا حکم ہے۔**'' حضرت حمزہؓ خاموش ہوگئے۔
- سیدنا حضرت علیؓ کے دروازے کے علاوہ صحابہ کرام کے دروازے بند کر دیئے گئے مگر مسجد میں داخل ہونے کیلئے چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں رکھنے کی اجازت دی گئی تھی لیکن آپ ﷺ نے اپنی وفات سے پہلے حکم دیا کہ سب کھڑکیاں اور خوخے بند کر دیئے جائیں مگر ابو بکر کا خوخہ کھلا رہے۔ (کتب تاریخ)

تحویل قبلہ:

- تحویلِ قبلہ کا حکم ماہ رجب کی پندرہ، سن دو ہجری مطابق ۶۲۴ عیسوی ظہر کی نماز میں غزوۂ بدر سے تقریباً دو ماہ پہلے نازل ہوا اور فوری طور پر نافذ ہو گیا۔
(جستجوئے مدینہ)
- ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ ماہ تک شمال کی جانب بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ رہا کیونکہ شمال کی جانب بیت المقدس تھا۔ جانب قبلہ کھجور کے تنوں سے دیوار بنا کر قبلہ کو ظاہر کیا گیا تھا اور اس وقت محراب نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ بیت المقدس چونکہ یہودیوں کا قبلہ تھا وہ اکثر طعنہ زنی کرتے تھے کہ "نماز تو مسلمان ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرکے پڑھتے ہیں مگر یہودیوں کا دین اختیار نہیں کرتے۔" ویسے تو سرورِ دو عالم ﷺ کی پسند اور دلی خواہش تھی کہ ہمارا قبلہ کعبہ کی جانب ہو جائے اور اس کیلئے اکثر آپؐ دعا بھی فرمایا کرتے تھے۔
- چنانچہ رجب کے مہینہ ۲ ہجری کے وسط میں جب آپ ﷺ بنی سلمہ کے ہاں حرۃ الغربیہ میں القاع کے علاقہ میں گئے ہوئے تھے، وہاں نماز ظہر کا وقت ہو گیا۔ تحویلِ قبلہ کی خواہش انتہا کو پہنچ گئی۔ آپ ﷺ نے نماز پڑھائی، دورانِ نماز بار بار چہرہ مبارک آسمان کی طرف اٹھاتے تھے کہ شاید جبرئیل آجائیں۔ چنانچہ ابھی دو رکعت ادا فرمائی تھیں کہ جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آگئے:

"قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ..... (الی) وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔" (البقرۃ: ۱۴۴)

ترجمہ: "بیشک ہم آپ کا چہرہ آسمان کی طرف بار بار اٹھنے کو دیکھ رہے تھے۔ پس ہم نے تیرے لئے وہ قبلہ بنا دیا جس کو تو پسند کرتا ہے (تا) اور اللہ تعالیٰ ان کے عمل سے غافل نہیں ہے۔"

آپ ﷺ نے اسی وقت نماز میں اپنا چہرہ مبارک مکہ مکرمہ میں موجود بیت اللہ شریف کی طرف کر لیا اور بیت المقدس سے چہرہ پھیر لیا۔ وفاء الوفاء میں روایت ہے کہ اس دن سرورِ دو عالم ﷺ امِّ بشر ابن براء ابن معرور کے پاس بنی سلمہ قبیلہ میں تشریف لائے تھے۔ ام بشر نے کھانا بنا لیا اور ظہر کا وقت ہو گیا، آپ ﷺ نے دو رکعت بیت المقدس کی طرف چہرہ مبارک کرکے نماز ادا فرمائی اور دو رکعت کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ مبارک کرکے نماز ادا فرمائی۔ چونکہ بیت المقدس جانب شمال تھا اور بیت اللہ شریف جانب جنوب، آپ ﷺ اپنے مصلی کو چھوڑ کر صفوں سے گزرتے ہوئے جانب جنوب صفوں کے آگے تشریف لے آئے اور کعبہ کی طرف چہرہ مبارک کر لیا۔ صحابہ کرام، خواتین (جو کہ آخری صفوں میں نماز پڑھتی تھیں) کی صفوں کی جگہ میں آ گئے اور خواتین مردوں کی جگہ سب سے آخر میں چلی گئیں۔

- بنی سلمہ کی وہ جگہ جس جگہ تحویل قبلہ کا حکم ہوا، جب مسجد بنائی گئی تو اس مسجد کا نام مسجد ذوالقبلتین رکھا گیا کیونکہ اسی جگہ ظہر کی نماز دو قبلوں کی طرف پڑھی گئی۔ دو رکعت بیت المقدس کی طرف اور دو رکعت کعبہ کی طرف۔
- مسجد نبوی شریف میں پہلی نماز جو کعبہ کی طرف پڑھی گئی وہ عصر کی نماز تھی۔ جب آپ ﷺ نے عصر کے وقت اپنی مسجد میں کعبۃ اللہ کی طرف نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا تو قبلہ کی جہت متعین کرنے کیلئے مسجد کے چاروں کونوں پر آدمی کھڑے کئے، اسی دوران جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے انہوں نے کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی شریف کے درمیان تمام حجابات، پہاڑ، دیواریں اور درخت ہاتھ کے اشارے سے ہٹا دیئے اور عرض کیا، یارسول اللہ! یہ کعبہ سامنے ہے، آپ اسے دیکھ کر قبلہ کا تعین فرمالیں۔ چنانچہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے حطیم کعبہ میں

میزابِ رحمت کے عین محاذات کی جانب قبلہ کا تعین فرمایا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے حجابات دوبارہ لگادیئے۔(وفاء الوفاء، ص۲۷۹، ج۱)

"عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ، اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ فَاَقَامَ رَهْطًا عَلٰى زَوَايَا الْمَسْجِدِ لِيَعْدِلَ الْقِبْلَةَ فَاَتَاهُ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ ضَعِ الْقِبْلَةَ وَ اَنْتَ تَنْظُرُ اِلَى الْكَعْبَةِ ثُمَّ قَالَ بِيَدِهٖ هٰكَذَا فَاَمَاطَ كُلَّ جَبَلٍ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا فَوَضَعَ تربيع المسجد بيده وَ هُوَ يَنْظُرُ اِلَى الْكَعْبَةِ لَا يَحُوْلُ دُوْنَ نَظَرِهٖ شَيْءٌ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ هٰكَذَا فَاَعَادَ الْجِبَالَ وَالشَّجَرَ وَ الْاَشْيَاءَ عَلٰى حَالِهَا وَ صَارَتْ قِبْلَتُهٗ اِلَى الْمِيْزَابِ۔" (خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، جلد۱، ص:۱۰۷)

ترجمہ: "ابن النجار نے کہا، (تا) آپ ﷺ نے مسجد کے کونوں پر لوگوں کو کھڑا کیا تاکہ سمتِ قبلہ متعین کریں۔ پس آپ ﷺ کے پاس حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور عرض کیا، یا رسول اللہ! قبلہ کی تعیین فرمائیں کعبہ کو دیکھتے ہوئے۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، ہر پہاڑ کو جو آپ ﷺ اور کعبہ کے درمیان حائل تھا، اس کو ہٹادیا۔ آپ ﷺ نے مسجد کے مربع ہونے کو اپنے ہاتھوں سے متعین فرمایا جبکہ آپ ﷺ کعبہ کو دیکھ رہے تھے۔ آپ ﷺ کی نظر کیلئے کوئی چیز حائل نہیں تھی۔ جب آپ ﷺ تعیینِ قبلہ سے فارغ ہوئے، جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا اور پہاڑوں اور درختوں اور دوسری اشیاء کا اپنی پہلی حالت پر اعادہ کردیا۔ آپ ﷺ کا قبلہ میزاب ہوگیا۔"

بنی حارثہ قبیلہ کی مسجد میں تحویل قبلہ کی خبر عصر کی نماز میں پہنچی۔ چنانچہ

تُویلۃ بنت اسلم بیان کرتی ہیں کہ "میں نے ظہر اور عصر کی نماز بنی حارثہ کی مسجد میں ادا کی۔ میں نے ایلیا (بیت المقدس) کی طرف چہرہ کیا اور دو رکعت ادا کیں، پھر ہمارے پاس ایک شخص آیا جس نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ نے بیت الحرام کی طرف چہرہ مبارک کرکے نماز پڑھی ہے تو اسی وقت عورتیں مردوں کی جگہ چلی گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ آگئے۔ ہم نے بقیہ دو رکعتیں مسجد حرام کی طرف چہرہ کرکے ادا کیں۔ خبر دینے والے آدمی کا نام عباد ابن بشر تھا۔

- قباء بستی کی مسجد قباء میں صبح کی نماز میں تحویلِ قبلہ کی خبر پہنچی۔ (وفاء الوفاء)

محرابِ رسول ﷺ:

- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ابتداء میں سرورِ دو عالم ﷺ کا قبلہ شام (شمال) کی طرف تھا۔ آپ ﷺ کا مصلی اس وقت اس جگہ پر تھا کہ اگر آج کی مسجد میں آپ اسطوانۃ المخلقۃ (حنانہ) کو اپنی پشت پر رکھ کر شام کی جانب سیدھا چلیں جب آپ اس مقام پر پہنچیں گے جہاں باب عثمان (موجودہ باب جبرئیل) آپ کی داہنی جانب ہو اور آپ مسجد کے صحن میں پہنچیں گے تو اسی جگہ پر سرورِ دو عالم ﷺ کا مصلیٰ تھا۔ تحویلِ قبلہ کے بعد چند دن کیلئے آپ ﷺ نے اسطوانہ عائشہ کے قریب کھڑے ہوکر امامت فرمائی، اس کے بعد آپ ﷺ کا مصلی اس جگہ مقرر ہوا جہاں آج محراب بنا ہوا ہے۔ محراب کے دائیں بازو پر لکھا ہوا ہے "هٰذَا مُصَلّٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ"۔

ابتداء میں محرابِ رسول ﷺ کی شکل:

- پہلے محراب کی شکل گول دائرہ کی صورت میں نہیں تھی۔ پہلی بار محراب اس وقت بنائی گئی جب عمر ابن عبدالعزیز نے مسجد کی توسیع اور تجدید کی۔ پہلے حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے سرورِ دو عالم ﷺ کے کھڑے ہونے کی جگہ پر دیوار بنادی

تاکہ لوگوں کے قدم اس جگہ پر نہ آئیں مگر جس جگہ آپ ﷺ کے قدمین مبارک ہوتے تھے اس جگہ دیوار کھڑی نہیں کی، اس کو خالی رکھا۔ گھٹنوں اور سجدوں کی جگہ دیوار بنادی تاکہ زائرین کے قدموں سے یہ جگہ محفوظ رہے اور بے ادبی نہ ہو۔ برکت کے حصول کیلئے قدمین مبارکین کی جگہ ظاہر رکھی تاکہ جب لوگ سجدہ کریں تو آپ کے قدموں کی جگہ ان کی پیشانی ہو اور مبارک جگہ کی وجہ سے نماز مقبول ہو۔ چنانچہ آج کل لائن میں لوگ باری باری اسی جگہ نفل ادا کرتے ہیں۔

- بعد میں پھر اس سیدھی دیوار کو گول شکل دے دی گئی جو کہ مسجد کے وسط اور جہت قبلہ کی علامت ہو گیا۔ پھر دنیا کی دیگر مساجد میں محراب کا رواج ہو گیا جو آج تک جاری ہے۔ (کتب تاریخ)

منبر شریف کا بیان

- ✓ فضائل
- ✓ منبر شریف ہیئت کی تفصیل
- ✓ منبر شریف کے غلاف کا ذکر
- ✓ مختلف ادوار میں منبر شریف کی تعمیر و تزئین کی تفصیل
- ✓ حضور ﷺ کے عشق و فراق میں رونے والے کھجور کے تنے کا واقعہ

منبر شریف کا بیان

فضائل:

"عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ۔"

(وفاء الوفاء۔حلیۃ الاولیاء، جلد۳، ص:۱۲۳)

ترجمہ: "حضرت عبداللہ ابن زید سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے حجرہ اور میرے منبر کی درمیانی جگہ، جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔"

"عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْبَرِيْ عَلٰى حَوْضِيْ۔"(خلاصہ الوفاء۔المسند الجامع، جلد۴۵، ص:۱۸)

ترجمہ: "حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرا منبر میرے حوض پر ہے۔"

"عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا بَيْنَ مِنْبَرِيْ اِلٰى حُجْرَتِيْ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ وَاِنَّ مِنْبَرِيْ عَلٰى تُرْعَةٍ مِنْ تُرَعِ الْجَنَّةِ" (الموسوعۃ الفقہیۃ، جلد۲، ص:۱۳۸۱۱)

ترجمہ: "حضرت جابر سے روایت ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، بیشک میرے منبر سے میرے حجرے تک جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور بیشک میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر ہے۔"

حضرت سہل نے لوگوں سے دریافت کیا تمہیں معلوم ہے کہ "الترعہ" کیا

ہے، "الترعہ" دروازے کو کہا جاتا ہے۔(تاریخ مدینہ بحوالہ کنز العمال، ج۱۲، ص۲۶۰)

ابن نجار متوفی ۶۴۳ ہجری/ ۱۲۴۵ فرماتے ہیں کہ ترعہ تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے: باغ، دروازہ اور زینہ۔

"مَنْ حَلَفَ عِنْدَهٗ عَلٰى يَمِيْنٍ فَاجِرَةٍ فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ۔"

(زیارات مکہ اور مدینہ)

ترجمہ: "جس شخص نے منبر شریف کے ساتھ جھوٹی قسم اٹھائی وہ اپنی جگہ جہنم سے بنائے۔"

"مَنْ حَلَفَ عِنْدَ مِنْبَرِيْ هٰذَا يَمِيْنًا كَاذِبَةً يَسْتَحِلُّ بِهَا مَالَ امْرِئٍ مُسْلِمٍ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔"(سنن نسائی، جلد۳، ص:۴۹۲)

ترجمہ: "جس شخص نے میرے اس منبر کے نزدیک جھوٹی قسم اٹھائی جس کے ساتھ کسی مسلم مرد کا مال حلال کرے، اس پر اللہ تعالیٰ، ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔"

"اِنَّهٗ بِعَيْنِهٖ يُعَادُ كَمَا يُعَادُ الْخَلَائِقُ۔" (خلاصہ/ اخبار مدینۃ الرسول)

ترجمہ: "بیشک اس منبر کا اعادہ کیا جائے گا جس طرح مخلوق کا اعادہ کیا جائے گا۔"

"اَنَّ الْمِنْبَرَ الَّذِيْ كَانَ فِي الدُّنْيَا يَكُوْنُ عَلٰى حَوْضِهٖ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ۔"

(خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، جلد۱، ص:۶۷)

ترجمہ: "بیشک منبر وہ جو دنیا میں تھا، قیامت کے روز اس کے حوض پر ہوگا۔"

منبر شریف ہیئت کی تفصیل:

- منبر شریف کے متعلق اکثر روایات میں وارد ہے کہ اثل (جھاڑ/ جھاؤ) کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ سرائیکی زبان میں اس لکڑی کے درخت کو کھگل یا لئی کہتے ہیں۔ اس منبر شریف کے دو زینے (steps) تھے، تیسرا زینہ مقام جلوس اور

بیٹھنے کیلئے تھا۔

● ابن زبالہ کے بیان کے مطابق منبر شریف کی اونچائی اڑھائی ہاتھ سے کچھ زیادہ تھی تقریباً ۱۲۵ سینٹی میٹر۔اس کے ہر زینہ کی اونچائی ایک بالشت سے کچھ زیادہ تقریباً ۲۰—۲۵ سینٹی میٹر تھی۔

● جب سرورِدوعالم ﷺ منبر پر تشریف فرماہوتے تو منبر شریف کے دونوں بازوؤں کو تھام لیتے جو کہ تقریباً آدھ ہاتھ بلند تھے۔اس کے تین زینے تھے جس میں کرسی کا مقام بھی شامل تھااور لکڑی کی پانچ تختیاں لگا کر تین جانب سے اسے جوڑا گیا تھا۔ منبر شریف کی کرسی جس پر سرورِدوعالم ﷺ تشریف رکھتے تھے، ایک ہاتھ (ڈیڑھ فٹ) لمبی اوراتنی ہی چوڑی تھی۔

● ابن ابی زنار کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ جب منبر پر تشریف فرما ہوتے تو قدمین مبارکین دوسرے زینے پر رکھتے تھے۔ جب سیدنا ابو بکر خلیفہ بنے، وہ دوسرے زینہ پر بیٹھا کرتے تھے، جہاں سرورِدوعالم ﷺ کے قدمین مبارکین ہوتے تھے۔جب سیدنا عمرؓ فاروق خلیفہ بنے وہ پہلے زینہ پر بیٹھتے تھے اور قدمین زمین پر رکھتے تھے۔ جب سیدنا عثمان ابن عفان خلیفہ بنے وہ منبر کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے جس جگہ حضرت عمر کے قدم ہوتے تھے۔

● بعض روایات میں ہے حضرت عثمان، حضرت عمر فاروق کی طرح منبر کے پہلے زینے پر بیٹھا کرتے تھے۔ابتدائے خلافت کے چھ سال تک حضرت عثمان اسی طرح کرتے رہے۔ ساتویں سال اس نظام میں تبدیلی کی اور سرورِدوعالم ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ بیٹھنے لگے اور فرمایا پہلے یا دوسرے زینے پر بیٹھنے سے کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ شیخین ابو بکر اور عمر کی برابری کر رہا ہوں مگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ برابری کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔اس لئے آپ علیہ السلام کے بیٹھنے کی جگہ کو

اختیار کرتا ہوں۔ (وفاءالوفاء، ص ۲۲۔ جذب القلوب، ص ۱۰۰ اور تاریخ المدینہ بحوالہ مولانا روح اللہ)

منبر شریف کو شام لے جانے کا ارادہ:

● حضرت معاویہ ابن ابی سفیان نے ایک مرتبہ شام سے گورنر مدینہ مروان ابن الحکم کو فرمان جاری فرمایا کہ منبر شریف مسجد نبوی شریف سے اٹھوا کر دمشق بھیج دیا جائے۔ جب مروان نے منبر شریف کو ہٹانے کی جسارت کی، مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا اور چیخ وپکار شروع ہو گئی۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ ۵۰ ہجری میں حضرت معاویہ نے ارادہ کیا کہ منبر شریف کو دمشق لے جایا جائے۔ جب مروان نے اقدامات شروع کئے تو شدید سورج گرہن ہو گیا اور خوفناک آندھی اور طوفان کی وجہ سے مدینہ میں اتنی تاریکی چھا گئی کہ دوپہر کے وقت لوگوں کو تارے نظر آنے لگے۔ اس پر حضرت ابو ہریرہ نے مروان کو سمجھایا تو مروان اس سے باز آگیا۔ لوگوں کی چیخ وپکار اور غم اور غصہ اور طوفان اور تاریکی وغیرہ کی وجہ سے مروان ڈر گیا۔ اسے اپنے لئے براشگون سمجھا اور شرمندہ ہو کر لوگوں سے کہنے لگا، ”میرا مقصد منبر شریف کو ہٹانے کا ہرگز نہیں تھا، میں تو اس کی مرمت کرانا اور اس کو مزید بلند کرنا چاہتا ہوں۔“ اس لئے مروان نے نیچے سے منبر شریف کے مزید چھ زینے لگوا کر، کرسی سمیت منبر کے کل نو زینے بنوا دیئے اور سرورِدوعالم ﷺ کے زمانہ کے تین زینے اوپر چلے گئے۔ شاید اس میں حکمت یہ ہو کہ بنو امیہ کے ظالم خطباء مقدس زینوں پر بیٹھنے سے محروم کر دیئے جائیں۔

(کتب تاریخ مدینہ)

منبر شریف کو دمشق لے جانے کا ارادہ:

● ابن زبالہ کے بیان کے مطابق پھر ایک مرتبہ عبدالملک اور ولید ابن

عبدالملک نے منبر شریف دمشق منگوانے کا ارادہ کیا مگر حضرت سعید ابن المسیب نے ان کو ایسا کرنے سے باز رکھا۔

حکمرانوں کا منبر شریف کی بوسیدہ لکڑی کو کنگھا بنا کر بطور تبرک استعمال کرنا:

- ابن زبالہ کے بیان کے مطابق مروان کے علاوہ کسی نے منبر شریف میں تبدیلی نہیں کی۔ دو صدیوں بعد تک منبر شریف اسی حالت میں رہا۔ مروان کے اضافے کے بعد منبر شریف کی کل اونچائی تقریباً پانچ ہاتھ یعنی پونے دو میٹر ہو گئی تھی۔ عباسی دور کے خلیفہ مہدی ابن المنصور نے ۱۶۱ ہجری میں چاہا کہ منبر شریف کو مدنی دور کی طرح تین زینوں کا کر دیا جائے اور اس کی تزئین جواہرات سے کر دی جائے، مگر امام مالک بن انس نے ایسا کرنے سے منع فرمادیا۔ تاہم وقت کے ساتھ ساتھ جوں ہی منبر شریف کی کوئی لکڑی بوسیدہ ہوتی، عباسی خلفاء اس لکڑی کی جگہ نئی لکڑی لگادیتے اور پرانی لکڑی کے کنگھے بنا کر بطور تبرک استعمال کرتے۔ (جستجوئے مدینہ)

منبر شریف کو آگ لگنا:

- حسن بن زید کی گورنری کے دور میں منبر شریف کے نیچے سنگ مرمر کا فرش بنادیا گیا۔ مشہور مورخ ابن جبیر نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ منورہ کی زیارت فرمائی۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ سنگ مرمر کے چبوترے کی اونچائی ڈیڑھ بالشت تقریباً ۳۶ یا ۳۷ سینٹی میٹر تھی۔ جب ۶۵۴ ہجری میں مسجد نبوی شریف میں آگ لگی اور ساری مسجد راکھ بن گئی تو منبر شریف بھی جل کر راکھ ہو گیا۔ اگر کوئی لکڑی اس میں سے بچ گئی تو اسے مسجد نبوی کے اسٹور (خزینے) میں رکھ دیا گیا۔
- ایک روایت کے مطابق اوپر کے تین زینے جو رسول اللہ ﷺ کے استعمال میں تھے، ان کو آگ نے نہیں جلایا تھا۔ (زیارات مدینۃ المنورہ مولانا روح اللہ)

یہ آگ کا حادثہ اس وقت ہوا جب تاتاریوں کی یورش سے بغداد کی عباسی خلافت ساقط ہو گئی تھی۔ آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کر دیا گیا تھا۔ جوں ہی مسجد نبوی کے جل کر راکھ ہونے کی خبر عالم اسلام میں پہنچی تو مسلمانوں کو شدید صدمہ پہنچا۔

- یمن کے حاکم ملک المظفر شمس الدین نے صندل کی لکڑی کا منبر بنوا کر ۶۵۶ ہجری میں مدینہ منورہ بھجوایا اور اس منبر کو پہلے منبر شریف کی جگہ رکھ دیا گیا۔ یہ منبر دس سال تک اسی جگہ رہا۔ پھر ۶۶۶ ہجری میں مصر کے سلطان رکن الدین بیبرس بند قداری نے مصر سے نیا منبر بنوا کر بھیجا، اس کے بھی نو زینے تھے اور اس کی اونچائی چار ہاتھ یعنی دو میٹر تھی۔ نچلے زینہ پر خوبصورت دروازہ لگوا دیا۔
- مشہور تاریخ دان المراغی کے مطابق سلطان بیبرس کا بنوایا ہوا منبر ایک سو بتیس سال تک موجود رہا۔ جب اس منبر میں لکڑیاں بوسیدہ ہونے لگیں تو سلطان ظاہر برقوق نے ۷۹۷ ہجری میں ایک نیا منبر بنوا کر بھجوا دیا۔ نیا منبر صرف چوبیس سال قائم رہا پھر مصری سلطان شیخ معید نے ایک نیا منبر روانہ کیا مگر یہ منبر ۸۸۶ ہجری میں دوبارہ مسجد نبوی شریف میں آگ لگ جانے کی وجہ سے جل کر راکھ ہو گیا۔ اس کے بعد اہل مدینہ نے لکڑی کی بجائے اینٹوں کا نو زینے کا منبر بنوا دیا تاکہ آگ سے متاثر نہ ہو۔ (جستجوئے مدینہ)
- اس وقت تیرہ زینوں کا منبر شریف ہے اور خطیب سب سے آخری زینہ پر بیٹھ کر خطبہ دیتا ہے۔ تفصیل انشاءاللہ آگے ذکر کی جائے گی۔

منبر شریف کے غلاف کا ذکر:

- سب سے پہلے قبطی کپڑے کا غلاف منبر شریف پر حضرت عثمانؓ نے چڑھایا تھا۔

- اس کے بعد حضرت عبداللہ ابن زبیر نے سیاہ ریشم کے کپڑے کا غلاف (جس پر خوبصورت خطاطی کی گئی تھی) چڑھایا۔
- حضرت عبداللہ ابن زبیر کے بعد عباسی خلفاء بغداد سے ہر سال منبر شریف کا خوبصورت غلاف بھیجتے رہے۔
- فتنۂ تاتار کے بعد مصری سلاطین نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔
- کعبۃ اللہ اور حجرہ مبارکہ کا غلاف ہر سال تبدیل ہوتا تھا مگر منبر شریف کا غلاف ہر چھ سال بعد تبدیل کیا جاتا تھا۔

مختلف ادوار میں منبر شریف کی تعمیر وتزئین کی تفصیل:

- یکم ہجری میں رسول اللہ ﷺ بغیر منبر کے کھڑے ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے۔ وہ جگہ موجودہ منبر شریف کے محاذات میں شمال کی طرف باب جبرئیل اور باب الرحمت کے درمیان تھی۔ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھانے کی جگہ اس طرح معلوم کی جاسکتی ہے کہ آدمی اسطوانہ عائشہ کی سیدھ میں شمال کی جانب اتنے فاصلہ پر کھڑا ہو کہ باب جبرئیل دائیں کندھا کے محاذی ہو جائے۔

(تاریخ مدینہ)

- تحویلِ قبلہ کے بعد ۲ ہجری میں سرورِ دو عالم ﷺ کی امامت کا مصلی اس جگہ آگیا جہاں محراب بنا ہوا ہے۔ آپ ﷺ کھجور کے خشک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ اس ستون کو ''اسطوانہ الحنانہ'' اور ''اسطوانہ المخلقہ'' کہا جاتا ہے۔

حضور ﷺ کے عشق وفراق میں رونے والے کھجور کے تنے کا واقعہ:

- حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے سرورِ دو عالم ﷺ کھجور کے ایک تنے کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ ایک انصاری مرد یا

خاتون نے تجویز پیش کی کہ یارسول اللہ! کیوں نہ آپ کیلئے ایک منبر بنا دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جیسے تمہاری مرضی ہو۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ کیلئے منبر بنوایا۔ جب جمعہ کے دن اس منبر پر تشریف فرما ہوئے تو وہ کھجور کا خشک درخت بچے کی طرح رونے لگا۔ رسول اللہ ﷺ منبر سے اتر آئے، کھجور کے تنے کو گلے لگایا پھر یہ کھجور کا تنا سسکیاں لیتے لیتے خاموش ہو گیا۔

- حضرت انس کی روایت میں ہے کھجور کے تنے کو میں نے زار وقطار اس طرح روتے دیکھا جس طرح اونٹنی دردزہ اور ولادت کی وجہ سے روتی اور چلاتی ہے۔ حضرت جابر کی روایت میں ہے ہم نے کھجور کے اس تنے کی چیخنے کی آوازیں سنیں جیسا ایک عاشق محبوب کے فراق میں روتا ہے۔
- ۸ ہجری میں لکڑی کا منبر بنا دیا گیا۔ تاحیات آپ ﷺ نے اس منبر پر خطبہ ارشاد فرمایا۔ اور بعد میں تمام خلفاء راشدین نے بھی اسی منبر پر خطبات ارشاد فرمائے۔
- ۵۰ — ۵۱ ہجری میں مروان ابن الحکم نے منبر شریف دمشق بھجوانے کی ناکام کوشش کی مگر وہ کامیاب نہ ہو سکا پھر نیچے سے چھ زینوں کا اضافہ کر دیا۔
- ۶۱ ہجری میں عباسی خلیفہ مہدی نے ارادہ کیا کہ مروان کی جانب سے زینوں کے اضافہ کو ہٹا کر منبر کو اصلی حالت میں لایا جائے اور مزین کر دیا جائے مگر امام مالک نے منع کر دیا۔
- ۵۸۰ ہجری میں مورخ ابن جبیر نے اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ منبر شریف آدمی کے قد کے برابر بلند ہے۔ پانچ بالشت چوڑا ہے اور پانچ ہاتھ اونچا ہے۔ کرسی کے علاوہ آٹھ زینوں پر مشتمل ہے۔ اس کا جالی دار دروازہ ساڑھے چار بالشت چوڑا ہے۔ سوائے جمعۃ المبارک کے تالا لگا رہتا ہے۔ منبر مبارک کو اوپر سے آبنوس کی

لکڑی کے تختوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف رکھنے کی جگہ نظر تو آسکتی ہے مگر اس کو کوئی استعمال نہیں کر سکتا۔ لوگ تختوں کے درمیان سوراخ سے مقام جلوس تک ہاتھ لے جاتے ہیں اور اس جگہ کو مس کر کے برکت حاصل کرتے ہیں۔ منبر کی چوٹی پر جہاں امام صاحب ہاتھ رکھتے ہیں۔ چاندی کا حلقہ بنا ہوا ہے لوگ کہتے ہیں یہ حلقہ اس حلقہ کی علامت ہے جس کے ساتھ دورانِ خطبہ حسنین کریمین کھیلا کرتے تھے۔

- ۶۵۴ ہجری میں آگ لگ جانے کی وجہ سے مسجد کے ساتھ منبر شریف بھی جل کر راکھ ہو گیا مگر اوپر کے تین زینے محفوظ رہے۔ دو سال منبر کا انتظام نہ ہو سکا۔ اہل مدینہ نے عارضی طور پر خطبہ دینے کا انتظام کئے رکھا۔
- ۶۵۶ ہجری میں یمن کے شاہ شمس الدین مظفر نے منبر بنوا کر بھیج دیا۔ اس منبر کو پہلے منبر کی جگہ رکھ کر استعمال میں لایا گیا۔
- ۶۶۶ ہجری میں شاہ رکن الدین بیبرس نے نیا منبر بنوا کر بھیج دیا، جس کیلئے خوبصورت دروازہ تھا اور ہینڈل چاندی کے تھے۔
- ۷۹۷ ہجری میں سلطان برقوق نے مصر سے نیا منبر بنوا کر بھیج دیا۔
- ۸۲۲ میں سلطان المعید نے مصر سے خوبصورت منبر بنوا کر مدینہ منورہ بھجوا دیا۔
- ۸۸۶ ہجری میں دوبارہ آگ لگ جانے سے مسجد کے ساتھ منبر بھی خاکستر ہو گیا۔
- ۸۸۸ ہجری میں مصری سلطان محمد اشرف قائتبائی نے سفید سنگ مرمر سے نہایت خوبصورت منبر بنوا کر بھیجا۔ یہ منبر تقریباً سو سال تک زیر استعمال رہا۔ یہ **منبر آج بھی اچھی حالت میں مسجد قباء میں موجود ہے۔**

- ۹۹۹ ہجری میں ترکی میں عثمانی سلطان مراد خان نے ایک نیا منبر بنوا کر مدینہ منورہ بھیج دیا۔ یہ منبر ترکی کے کاریگروں کا شاہکار ہے۔ **آج بھی یہی منبر مسجد نبوی میں موجود ہے۔**
- علامہ عبدالقدوس انصاری آثار المدینہ میں بیان کرتے ہیں ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء سے منبر شریف بارہ زینوں پر مشتمل ہے جس کے اندر نو زینے اور دروازے سے باہر تین زینے ہیں۔ منبر کے اوپر انتہائی خوبصورت چھوٹا گنبد بنا ہوا ہے جو سنگ مرمر کے خوبصورت چار ستونوں پر قائم ہے۔ دروازے کے اوپر خوبصورت کنگرے بنے ہوئے ہیں۔ منبر شریف پر انتہائی نفیس سونے کے پانی سے میناکاری کی گئی ہے۔ دروازے پر عمدہ خط میں متعدد اشعار کندہ ہیں۔

(بحوالہ کامل تاریخ مدینہ منورہ)

مگر سلطان مراد خان ترکی کے بنائے ہوئے منبر کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا ۹۹۹ ہجری سے آج ۱۴۳۲ ہجری تک یعنی تقریباً چار سو تیس سال گزر جانے کے باوجود مسجد کی رونق اور مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ نہایت مضبوط ہے۔ صرف اس کی تزئین میں اضافہ ہوتا رہا۔

- ۱۴۰۳ ہجری میں سعودی حکومت نے اس منبر کی تزئین کی۔ سلطان مراد خان کے اسی منبر کو شاہ فہد کے دور حکومت میں مسجد کی توسیع کے وقت مرمت کیا گیا۔ سعودی حکومت نے ۱۴۰۳ ہجری میں اس پر سونے کی تلمیع کرا دی اور دروازہ نئے سرے سے لگوا دیا۔ (بحوالہ جستجوئے مدینہ)
- محمد عبدالمعبود تحریر فرماتے ہیں ۱۹۷۸ میں جب میں مدینہ منورہ زیارت کیلئے حاضر ہوا تو اس کے بارہ زینے موجود پائے تین دروازے کے باہر اور نو دروازے کے اندر اور اندر والے زینوں پر سرخ قالین بچھا ہوا ہے۔ دروازہ کے کواڑوں پر

پیتل کی گرل لگی ہوئی ہے اور پیشانی پر پیتل کی سنہری پلیٹ پر کلمہ طیبہ جلی حروف میں تحریر کیا گیا ہے۔ خطیب صاحب جمعہ کے دن سب سے اوپر والے زینے پر بیٹھتے ہیں ان کیلئے اسی زینہ پر لاؤڈ اسپیکر کا مائک رکھا ہوا ہے اور گنبد کے اندر برقی پنکھا لگا ہوا ہے۔ اس منبر کی حفاظت کیلئے ہر وقت ایک سپاہی موجود ہوتا ہے۔

- میں خادم اہلِ ایمان محمد رفیق حسنی مئی ۲۰۰۸ء / ۱۴۲۹ھ میں اپنی بیوی اور بیٹے اویس اور بھانجی نسیم زوجہ حمید الحسن کے ساتھ مدینہ منورہ حاضر ہوا تو منبر شریف کو اسی طرح پایا جیسا کہ مولانا عبدالمعبود نے لکھا ہے۔ پھر رمضان المبارک ۱۴۳۲ ہجری / مطابق ۲۰۱۱ عیسوی میں اہلیہ رضیہ، بیٹے عمیر، بیٹی لبنٰی اور داماد الیاس کے ساتھ حاضری ہوئی، منبر شریف اسی حالت میں ہے۔

مختلف ادوار میں منبر شریف کی تعمیر وتزئین کا خلاصہ:

1. ۸ ہجری میں پہلا لکڑی کا منبر سرورِ دو عالم ﷺ کیلئے بنایا گیا۔
2. ۵۰ ہجری میں حضرت امیر معاویہ کے حکم سے مروان ابن حکم نے نیچے چھ زینوں کا اضافہ کیا۔
3. ۵۶۳ھ / ۱۴۶۷ء میں نیا منبر بنایا گیا۔
4. ۶۵۴ھ / ۱۲۵۶ء میں آتش زنی سے منبر مبارک جل گیا۔
5. ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء میں یمن کے سلطان مظفر نے نیا منبر بھیجا جو ۶۶۶ھ / ۱۲۶۸ء تک رہا۔
6. ۶۶۶ھ / ۱۲۶۸ء میں ملک ظاہر رکن الدین بیبرس نے منبر ارسال کیا جو ۱۳۲ سال قائم رہا۔
7. ۷۹۷ھ / ۱۳۹۵ء میں ملک ظاہر برقوق مصر کے سلطان نے منبر بنا کر بھیجا جو ۳۲ سال قائم رہا۔

8. ۸۲۲ھ / ۱۴۱۷ء میں ملک معید نے منبر بھیجا۔
9. ۸۸۶ھ / ۱۴۸۱ء میں دوسری مرتبہ آگ لگنے سے منبر جل گیا۔
10. ۸۸۸ھ / ۱۴۸۳ء میں ملک اشرف قائتبائی نے منبر بھجوایا۔
11. ۹۹۹ھ / ۱۵۸۹ء میں سلطان مراد خان عثمانی نے سنگ مرمر کا منبر نصب کرایا۔ الحمد للہ جو آج تک موجود ہے۔

("تاریخ مدینہ منورہ" مصنف مولانا عبدالمعبود)

اَللّٰهُمَّ زِدْهُ تَشْرِيْفًا وَ تَكْرِيْمًا وَ اغْفِرْ بِحُرْمَتِهٖ ذُنُوْبِيْ وَ تُبْ عَلَيَّ فَاِنَّكَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ۔ (محمد رفیق حسنی)

ریاض الجنۃ

ریاض الجنۃ

فضائل:

● صحیحین میں حضرت عبداللہ ابن زید سے روایت ہے سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

''مَا بَیْنَ بَیْتِیْ وَ مِنْبَرِیْ رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ۔'' (بخاری، جلد۱، ص:۳۹۹)

ترجمہ: ''میرے گھر اور منبر کے درمیان جو جگہ ہے یہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔''

احادیث مبارکہ میں بعض روایات میں میرے گھر کے الفاظ ہیں اور بعض روایات میں میری قبر کے الفاظ ہیں۔ان میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ آپ کی قبر انور آپ کے گھر میں موجود ہے۔

''رَوْضَۃٌ مِنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ'' کا مفہوم:

● بعض علماء نے ان کلمات کی یہ تاویل کی ہے کہ نزولِ رحمت اور حصولِ سعادت میں یہ بقعہ مبارکہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ کی طرح ہے اور بعض علماء نے فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس احاطہ میں عبادات جنت کے باغوں میں پہنچائیں گی اور بعض علماء نے فرمایا اس کا ظاہری معنی مراد ہے کہ یہ جگہ جنت کی زمین کا ایک حصہ تھا اور مسجد شریف میں لایا گیا اور پھر جنت میں لے جایا جائے گا۔ جیسے حجر اسود اور مقام ابراہیم جنت سے دنیا میں لائے گئے ہیں اور پھر دوبارہ جنت میں لوٹائے جائیں گے۔اکثر علماء نے اس قول کو ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ زیادہ ظاہر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اپنے خلیل کو حجر اسود اور مقامِ ابراہیم عطا فرما کر شرف بخشا اور اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

جنت کا باغ عطا فرما کر شرف بخشا۔(وفاء الوفاء)

- بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے یہ لفظ بھی مروی ہیں ''وَمِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ'' ترجمہ: ''اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔''

حوض پر منبر کے ہونے کا مفہوم:

- آپ ﷺ کے قول مبارک کہ ''مِنْبَرِیْ عَلٰی حَوْضِیْ'' کے معنی میں اختلاف ہے۔ (صحیح بخاری، جلد ۱، ص:۳۹۹)
- پہلا قول: خطابی نے کہا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس منبر کے قریب اعمال صالحہ کرنے سے حوض کوثر پر حاضری اور اس سے مشروب پینے کا شرف حاصل ہوگا۔
- دوسرا قول: ابن النجار اور بعض علماء نے فرمایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس منبر کو بعینہ اللہ تعالیٰ میدانِ محشر میں دیگر مخلوق کی طرح دوبارہ پیدا فرمائے گا اور اس کو حوض کوثر پر رکھا جائے گا۔
- تیسرا قول: ایک جدید منبر اللہ تعالیٰ پیدا فرمائے گا اور وہ حوض کوثر پر رکھا جائے گا۔
- چوتھا قول: یہ بقعہ مبارکہ جس پر منبر ہے بعینہ جنت میں لوٹایا جائے گا اور یہی منبر بھی جنت کی خوبصورتی اور تزیین کی مناسبت سے متزین کرکے لوٹایا جائے گا اور اسے حوض کوثر ''عقر'' اور ''ترعۃ'' پر یعنی اونچی جگہ رکھا جائے گا۔ (وفاء الوفاء، ص ۳۱، ج ۲)
- ابن عساکر نے ذکر کیا زائر کو چاہیے کہ منبر کے قریب نوافل اور نماز ادا کرے اور دعا مانگے اور اس کے قریب وقوف کرے۔
- حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے میرے گھر سے میرے منبر تک جو جگہ ہے،

وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔اور بیشک میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔ حدیث میں ''تُرْعَۃٌ مِنْ تُرَعِ الْجَنَّۃِ'' (سنن ابن ماجہ، جلد ۹، صفحہ:۳۹۳) کے الفاظ ہیں اور ''ترعۃ'' کے معنی دروازہ، درجہ، اونچی اور بلند جگہ کیا گیا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میرے منبر کے پائے جنت میں رکھے ہوئے ہیں۔

- ابن عمر سے روایت ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: میری قبر اور منبر کے درمیان جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔(وفاء الوفاء)
- ایک اور روایت میں ہے میرے حجرہ اور مصلی کے درمیان کی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔
- علماء نے مصلی سے مراد امامت کی جگہ لی ہے اور بعض علماء نے مصلی سے عیدگاہ مسجد الغمامہ مراد ہونا بیان کیا ہے۔ لہٰذا مسجد الغمامہ کی جگہ تک کی جگہ جنت کے باغوں سے ایک باغ ہے۔(وفاء الوفاء)

ریاض الجنۃ کا مکمل رقبہ:

- مشہور مورخ ابن زبالہ نے حجرہ مبارکہ اور منبر کے درمیان کی جگہ ناپ کی ہے، وہ فرماتے ہیں یہ فاصلہ پینتیس (۳۵) ہاتھ یعنی تقریباً ساڑھے سترہ میٹر ہے، اور یہ فاصلہ مسجد میں شرقاً غرباً کا ہے۔ جنوب و شمال میں ریاض الجنۃ کا احاطہ رسول اللہ ﷺ کے دور کی مسجد کے جنوبی اور شمالی دیوار تک ہے جو کہ سیدہ عائشہ کے حجرہ کی جنوبی دیوار کی محاذاۃ سے سیدہ فاطمہ الزہراء کے حجرہ مبارک کی شمالی دیوار کی محاذاۃ تک مسجد کا احاطہ بنتا ہے۔
- ریاض الجنۃ کا کچھ حصہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی پنجگوشہ عمارت (جو کہ سیدہ عائشہ کے حجرہ مبارک کے باہر بنائی گئی تھی) کی دیوار میں آگیا تھا اور کچھ حصہ

مقصورہ شریف یعنی لوہے کی جالیوں اور حجرہ سے باہر کی دیوار کے درمیان آگیا تھا۔ لٰہذا ریاض الجنۃ کا موجودہ رقبہ ۲۲ x ۱۵ = ۳۳۰ مربع میٹر ہے۔ ریاض الجنۃ کا کافی حصہ اسطوانہ سریر تک مقصورہ شریفہ کے اندر آچکا ہے۔ وہاں تک دسترس ممکن نہیں ہے۔ (جستجوئے مدینہ)

صحابہؓ کا ریاض الجنۃ سے برکات لینا:

- ریاض الجنۃ کا احاطہ تمام روئے زمین پر منفرد ہے۔ جس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین ریاض الجنۃ کی برکات حاصل کرنے کیلئے کوشش کرتے تھے کہ اسی جگہ نماز اور نوافل ادا کئے جائیں کیونکہ اس احاطہ میں شاید کوئی ایسا قطعہ ارض ہو جس نے سرورِ دو عالم ﷺ کے قدموں کا بوسہ نہ لیا ہو۔
- لٰہذا زائرین حضرات کیلئے لازم ہے کہ مدینہ منورہ میں قیام کے دوران اس مبارک احاطہ میں نمازیں اور نوافل ادا کرنے کی کوشش کریں۔

مسجد میں اذان کی ابتداء

- ✓ حضرت عبداللہ کے خواب میں اذان کے کلمات کا آنا
- ✓ اذان دینے کے مقامات
- ✓ اذان دینے کیلئے سب سے پہلے میناروں کی تعمیر
- ✓ مکبرہ کا بیان

مسجد میں اذان کی ابتداء

• جب مسلمان ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے، نماز باجماعت کے وقت اندازے اور تخمین سے ہر شخص مسجد میں آجاتا تھا اور جب اجتماع ہو جاتا تھا، نماز جماعت کے ساتھ ادا کرلی جاتی تھی۔

• نماز کے وقت کیلئے لوگوں کو اطلاع دینے کے طریقہ پر باہمی مشورہ ہونے لگا۔ بعض اصحاب نے تجویز دی نماز کے وقت کی اطلاع کیلئے آگ جلائی جائے اور بعض نے کہا نصاریٰ کی طرح ناقوس بجایا جائے اور بعض نے کہا یہود کی طرح قرن (سینگ) بجایا جائے مگر کسی تجویز پر اتفاق نہ ہوا کیونکہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ اشتباہ لازم آتا تھا۔

حضرت عبداللہ کے خواب میں اذان کے کلمات کا آنا:

• حضرت عبداللہ ابن زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ناقوس بنوانے کا ارادہ فرمایا تاکہ لوگوں کو جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کیلئے ناقوس بجا کر بلایا جائے۔ مجھے خواب میں ایک آدمی نظر آیا جس کے ہاتھ میں ناقوس تھا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے بندے! کیا یہ ناقوس فروخت کروگے؟ اس آدمی نے کہا: اسے کیا کروگے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ساتھ نماز کیلئے لوگوں کو بلائیں گے۔ اس آدمی نے کہا: کیا میں ایسی چیز آپ کو نہ بتاؤں جو اس سے بہتر ہے؟ میں نے کہا: کیوں نہیں۔ اس نے کہا: کہو ”اللہ اکبر اللہ اکبر۔۔الخ“ اذان کے آخر تک کلمات اور اسی طرح اقامت کے جملہ کلمات اس آدمی نے ذکر کئے۔

• حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں، صبح ہوئی میں رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میں نے جو کچھ خواب میں دیکھا تھا، آپ کو اس کی خبر دی۔ آپ

ﷺ نے فرمایا: بیشک یہ خواب سچا ہے۔ ان شاء اللہ بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور بلال کو یہ کلمات، جو تو نے خواب میں دیکھے ہیں، سکھادو تاکہ بلال ان کلمات کے ساتھ اذان اور اطلاع دے کیونکہ وہ تجھ سے بلند آواز ہے۔

• حضرت عبداللہ نے کہا: پس میں بلال کو یہ کلمات کہلواتا جارہا تھا وہ ان کے ساتھ اذان دیتے جارہے تھے۔ عمر ابن الخطاب نے اپنے گھر میں یہ کلمات سنے تو چادر کھینچتے ہوئے باہر آئے اور کہنے لگے: یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے بھی اسی طرح خواب دیکھا ہے جس طرح عبداللہ نے دیکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”فللّٰہ الحمد“۔ (مشکوٰۃ)

• بعض روایات میں ہے، اذان کے کلمات معراج کی رات رسول اللہ ﷺ نے لامکان پر سنے تھے۔ (قرطبی)

• حضرت بلال ابن رباح کے علاوہ حضرت عبداللہ ابن مکتوم دوسرے مؤذن تھے۔ جناب سرورِ دوعالم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت بلال نے اذان دینے سے معذرت کرلی اور شام چلے گئے۔ (جستجوئے مدینہ)

اذان دینے کے مقامات:

• اذان دینے کیلئے ابتداء میں کوئی مینارہ یا اونچی جگہ نہیں تھی اور اُن دنوں مسجد کی چھت بھی نہیں تھی۔ حضرت بلال مسجد کے قریب ہی ایک مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دیتے تھے۔

• ابن نجار نے بیان کیا کہ حضرت عروۃ ابن زبیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک عورت ام زید بن ثابت سے سنا ہے کہ میرا گھر مسجد کے قریب سب گھروں سے اونچا تھا۔ حضرت بلال روزانہ فجر کے وقت اس پر چڑھ کر اذان دیا کرتے تھے۔ یہی طریقہ خلفاء راشدین کے دور میں رہا۔ اذان کیلئے کوئی ایک جگہ مقرر

نہیں تھی۔(جستجوئے مدینہ)

- الشیخ رفعت پاشا لکھتے ہیں عہدِ نبوی اور عہدِ خلفاء راشدین میں مؤذن کیلئے کوئی جگہ متعین نہ تھی۔ابتداء میں ام زید بن ثابت کے مکان پر اذان دی جاتی تھی پھر مغرب میں حضرت عبداللہ ابن عمر کا مکان جسے دار العشرہ کہا جاتا تھا اس پر لکڑی کا چوکور اسٹول رکھ کر حضرت بلال اذان دیا کرتے تھے۔اس اسٹول پر سیڑھیوں کے ذریعہ چڑھنا ہوتا تھا۔
- ام زید بن ثابت کے مکان کی چھت کے علاوہ ام المؤمنین حفصہ بنت عمرؓ کے مکان کی چھت پر حضرت بلالؓ اذان دیا کرتے تھے جس پر چوکور اسٹول بنا دیا گیا تھا۔جس کی سیڑھیاں بھی تھیں۔اسٹول پر کھڑے ہو کر بلال اذان دیتے تھے اور اسٹول مختلف جگہوں پر منتقل ہوتا رہتا تھا۔جب حضرت بلال دمشق چلے گئے،اس کے بعد **آل عمر فاروق نے اس اسٹول کو بطور تبرک سنبھال رکھا تھا جو صدیوں تک محفوظ رہا۔**
- قطب الدین حنفی متوفی ۹۹۰ ہجری اپنی کتاب ’’تاریخ مدینہ‘‘ میں تصدیق کرتے ہیں کہ اُن کے ایام میں بھی وہ اسٹول محفوظ تھا،پھر دارِ آل عمر کو مدرسہ میں تبدیل کر دیا گیا پھر بھی وہ اسٹول محفوظ تھا مگر بیسویں صدی کے شروع میں وہ گوشہ گمنامی میں چلا گیا۔(جستجوئے مدینہ،ص ۳۸۱)
- تفسیر روح المعانی اور قرطبی میں سورہ جمعہ کی پہلی آیت کی تفسیر میں مذکور ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ کیلئے ایک مؤذن تھا جب آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوتے تو مؤذن مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر اذان دیتا تھا۔جب آپ ﷺ منبر سے اترتے،نماز کیلئے اقامت کہی جاتی پھر ابو بکر اور عمر کے دور میں اسی طرح ہوتا رہا حتی کہ حضرت عثمان کا دور آگیا لوگ کثیر ہو گئے اور آبادی دور دور تک

پھیل گئی۔آپ نے ایک اور مؤذن کا اضافہ فرمایا اسے حکم دیا کہ وہ ان کے مکان اور دار پر چڑھ کر اذان دیں جس مکان کو ’’زوراء‘‘ کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ایک روایت میں ہے زوراء مکان بازار میں تھا۔

- ان روایات سے معلوم ہوتا ہے وہ اذان جو جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے دی جاتی تھی وہ مسجد کے دروازے پر منبر اور خطیب کے سامنے دی جاتی تھی اگر جمعہ کے علاوہ دوسرے دنوں اور دوسری نمازوں کیلئے اذان کی جگہ کا تعین کیا جائے تو مختلف ادوار میں مختلف جگہوں پر اذان دی جاتی رہی۔کبھی کسی کے گھر کی چھت پر اور کبھی سیڑھی دار اسٹول پر۔ہو سکتا ہے وہ اسٹول مسجد کے دروازے پر رکھ کر اس پر کھڑے ہو کر اذان دی جاتی ہو یا پھر مسجد کے دروازے پر بغیر اسٹول کے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جس جگہ جو اذان دی جاتی تھی خلفاء راشدین کے زمانہ میں بھی وہ اذان اسی جگہ دی جاتی ہو گی۔یہ تو ثابت ہے کہ جمعہ کے خطبہ سے پہلے والی اذان منبر کے سامنے مسجد کے دروازے پر دی جاتی تھی اور مسجد نبوی شریف کے مینار حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں بنے،تو پنجوقتہ نمازوں کیلئے اذانیں مناروں پر دی جانے لگیں جو مصر اور شام میں حضرت امیر معاویہ کے زمانہ سے مناروں کی تعمیر اور اس میں اذانیں دینے کا رواج ہو گیا تھا اور جمعہ کی دوسری اذان حسب سابق خطیب کے سامنے دی جاتی تھی۔

نوٹ: جمعہ کے دن دو اذانوں کی ابتداء حضرت عثمان کے زمانہ سے ہوئی۔پہلی اذان کا اضافہ حضرت عثمانؓ نے کیا تھا۔واللہ تعالیٰ اعلم

اذان دینے کیلئے سب سے پہلے میناروں کی تعمیر:

- جب ولید ابن عبدالملک کا دور آیا اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے اور مسجد شریف کی توسیع فرمائی تو آپ نے پہلی دفعہ مسجد

شریف کے چاروں کونوں پر بلند و بالا مینار تعمیر کرائے اور یہ چاروں مینار اذان کیلئے استعمال ہوتے تھے۔

- عمر بن عبدالعزیز کے دور ۸۸ ہجری سے میناروں پر چڑھ کر مؤذن اذان دیا کرتے تھے اور یہ رواج سعودی حکومت کے دور تک قائم رہا۔
- سعودی حکومت میں برقی نظام قائم ہو جانے کی وجہ سے میناروں پر لاؤڈ اسپیکر سے اذان کے کلمات دہرائے جاتے تھے۔ اذانیں ترتیب وار مسجد شریف کے پانچ میناروں سے دی جاتی تھی۔ البتہ مغرب کی اذان بیک وقت پانچ جگہوں سے دی جاتی تھی۔ مگر ۱۴۵۰ ہجری مطابق ۱۹۸۰ عیسوی میں مسجد انتظامیہ نے یہ طریقہ ختم کر دیا۔ مائک اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ ''مکبرہ'' سے اذان دی جانے لگی۔
- علامہ ابن عابدین شامی نے ذکر کیا ہے کہ الشیخ اسماعیل کی شرح میں ہے اذان کیلئے سب سے پہلے مصر کے منارہ پر جو شخص چڑھا وہ شرجیل بن عامر المرادی تھا اور سلمہ نے امیر معاویہ کے حکم سے اذان کیلئے منارے بنائے اور ابن سعد نے اپنی سند کے ساتھ ام زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ میرا مکان مسجد کے قریب سب مکانوں سے اونچا تھا۔ ابتداء میں جب اذان شروع کی گئی تو بلال میرے مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دیتے تھے۔ یہاں تک کہ مسجد کی چھت ڈال دی گئی تو پھر بلال مسجد کی چھت پر کوئی چیز رکھ کر اس پر کھڑے ہو کر اذان دیتے تھے (یعنی اسٹول وغیرہ)۔ بحر الرائق میں ہے:

''وَلَمْ تَكُنْ فِيْ زَمْنِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِئْذَنَةٌ بَحْرٌ''

ترجمہ: ''سرورِ دو عالم ﷺ کے زمانہ میں اذان کیلئے کوئی اذان دینے کا منبر نہیں تھا۔'' (شامی باب الاذان، ردالمحتار، جلد ۱، ص: ۴۱۸)

مکبرہ کا بیان:

- ریاض الجنۃ میں منبر شریف کے سامنے سات فٹ بلند سنگ مرمر کا خوبصورت چبوترہ بنا ہوا ہے، جس پر مسجد نبوی شریف کے مؤذن اذان اور اقامت کہتے ہیں۔ اس کو مکبرۃ کہا جاتا ہے۔ آج بھی اس پر اذانیں دی جاتی ہیں اور اس پر مکبر امام کی تکبیرات بھی دہراتے ہیں۔ یہ ''مکبرہ'' سلطان اشرف قاتیبائی نے بنوایا تھا۔ یہ مکبرہ زمین سے اڑھائی میٹر اونچا ہے۔ موجودہ مکبرہ آٹھ ستونوں پر قائم ہے اس پر چڑھنے کیلئے جنوب مغرب میں سیڑھی بنی ہوئی ہے جس کے دروازہ پر تالا لگا رہتا ہے۔ اس پر اسپیکر کے علاوہ براڈ کاسٹ کے آلات بھی نصب ہیں۔ مؤذن اور مکبر اذان اور اقامت کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ موذن اور مکبر چند مخصوص افراد سمیت اسی پر کھڑے ہو کر نماز بھی ادا کرتے ہیں۔ پولیس کا سپاہی بھی نگرانی پر مامور ہے۔
- مگر یہ تو حقیقت ہے اس جگہ پر حضرت بلال یا حضرت عبداللہ ابن مکتوم نے اذانیں نہیں دی ہوں گی کیونکہ یہ مکبرہ مسجد کے اندر ہے اور اذان دروازے پر یا بالکل مسجد سے خارج دی جاتی تھی اور منارات بن جانے کے بعد مناروں پر دی جاتی تھی۔ تاہم صدیوں سے یہ چبوترا موجود ہے۔ (محمد رفیق حسنی)
- یہ مکبرہ اصل حالت میں آج بھی وہی ہے جو سلطان قاتیبائی نے تعمیر کرایا تھا یہ مکبرہ آٹھ ستونوں پر قائم ہے۔ اس کے نیچے صفیں قائم کی جا سکتی ہیں۔ اوپر متعدد مؤذن اذان اور اقامت کے علاوہ تکبیرات انتقالات دہراتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (کتب سیرت)

الصفہ کا بیان

- ✓ صفہ کے مقامات
- ✓ الصفہ کی بناوٹ
- ✓ اصحابِ صفہ کے ساتھ حضور ﷺ اور صحابہؓ کی محبت
- ✓ اصحابِ صفہ کے حالات
- ✓ الصفہ کو ''دکۃ الاغوات'' کہنے کی وجہ تسمیہ

الصفہ کا بیان

- الصفہ یا مقام صفہ جس کا نام آجکل ''دکۃ الاغوات'' ہے۔(یعنی مسجد کے خدام کا چبوترہ)
- دار قطنی میں ہے ''الصفہ'' ایک سایہ دار جگہ تھی، جو مسجد نبوی کے پچھلے حصہ میں بنائی گئی تھی۔ اس صفہ کی تعمیر مسجد نبوی شریف کے ساتھ ساتھ تعمیر ہوگئی تھی۔ وہ اصحاب کرام جو ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے تھے اور ان کے مدینہ منورہ میں ذاتی مکانات نہیں تھے، وہ مسجد کے اس چبوترہ (اونچی جگہ) پر قیام فرمایا کرتے تھے۔ اور بے گھر افراد کے علاوہ مسافر بھی یہاں قیام فرماتے تھے۔ اس اونچی جگہ پر چھت بھی ڈال دی گئی تھی جو سردی، گرمی اور بارش وغیرہ سے محفوظ رہنے کا فائدہ دیتی تھی۔ شروع شروع میں مسجد کی چھت نہیں تھی، صرف یہی جگہ مسقف تھی۔

صفہ کے مقامات:

- مورخین کے قول کے مطابق تحویل قبلہ سے پہلے اصحاب الصفہ کا چبوترہ اسی جگہ تھا جس جگہ آجکل جناب رسول اللہ ﷺ کا منبر موجود ہے اور یہی مسجد کا آخری حصہ تھا، لیکن تحویلِ قبلہ کے بعد ضروری تبدیلیاں لائی گئیں۔ یہ ایک سو اسی ڈگری ۱۸۰ ڈگری کی تحویل تھی، یعنی شمالی قبلہ بالکل جنوبی قبلہ ہوگیا۔ جنوبی دروازہ بند کردیا گیا (اس جگہ سرورِ دوعالم ﷺ کے مصلی نے لے لی) اور شمالی دیوار میں دروازہ نکالا گیا۔ اسی طرح الصفہ جو کہ پہلے جنوبی جانب تھا، اسے مسمار کرکے شمالی جانب بنانا پڑا اور فتحِ خیبر کی توسیع کے بعد اس چبوترہ کو مزید پیچھے بنانا پڑا۔ مگر موجودہ چبوترہ جس کو عوام اصحاب الصفہ کی جگہ سمجھتے ہیں اور اسے ''دکۃ

الاغوات'' کہتے ہیں،اس جگہ ازواج مطہرات میں سے کسی کا حجرہ مبارک ہوگا، کیونکہ مسجد شریف کی شرقی حدود ام المومنین حضرت عائشہ اور سیدۃ النساء سیدہ فاطمۃالزہراء کے حجروں کی مغربی دیواروں کے محاذات تک تھی۔اور یہ بات واضح ہے موجودہ صفہ کی جگہ حجروں کی مغربی دیواروں کی محاذات سے مشرق کی جانب واقع ہے۔لہٰذا سرورِ دوعالم ﷺ کے دور اقدس سے لے کر ولید ابن عبدالملک کے دور تک صفہ کی موجودہ جگہ مسجد سے خارج تھی۔اس جگہ کسی کا گھر ہوگا اور الصفہ کا مقام مسجد کے اندر تھا۔لگتا ہے اسی چبوترہ سے متصل مسجد کی حدود میں چبوترہ سے مغرب کی جانب فقراء مہاجرین کیلئے الصفہ بنایا گیا ہوگا۔

• ہو سکتا ہے مسجد کی ہر بار توسیع کے وقت الصفہ کی جگہ تبدیل ہوتی رہی ہو۔ فتح خیبر کے بعد خود آپ ﷺ کی توسیع، حضرت عمرؓ کی توسیع اور حضرت عثمانؓ کی توسیع کے مراحل میں مسجد کو شمال کی جانب بڑھایا جاتا رہا اور الصفہ مسجد کے آخر میں ہونے کی روایات ملتی ہیں۔لہٰذا ہر توسیع میں جگہ بدلتی رہی ہوگی مگر مسجد کی مشرقی جانب سے ولید ابن عبدالملک کے دور میں ہی توسیع کی گئی۔اس کے حکم سے مدینہ منورہ کے اس وقت کے گورنر حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے ۸۸ھ تا ۹۱ھ مسجد کی توسیع میں حجرات امہات المومنین کو گرا کر مشرق کی جانب بھی توسیع فرمادی۔ایسا لگتا ہے موجودہ صفہ کی جگہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے دور میں متعین کی گئی۔یہاں مسجد کی سطح سے کچھ اوپر بھرائی کرا کے جگہ اونچی کی گئی اور اس جگہ کو ''الصفہ'' اور آجکل ''دکۃ الاغوات'' کا نام دیا گیا ہے۔

• الصفہ اور اصحاب الصفہ کے حالات پر محمد ابن عبدالرحمٰن سخاوی (متوفی ۹۰۲ ہجری) نے کتاب بھی لکھی ہے، جس کا نام ''رجحان الکفہ فی اخبار اہل الصفہ'' ہے۔

الصفہ کی بناوٹ: ابتداء میں سطحِ زمین سے تھوڑا سا اونچا چبوترہ بنادیا گیا تھا کھجور کے ستونوں پر کھجور کے پتوں کی چٹائیاں اور شاخیں ڈال کر اوپر مٹی اور سخت موٹا گارا ڈال کر اس کی چھت بنادی گئی۔یہ چھت دار حصہ تین طرف سے کھلا ہوتا تھا۔ صرف ایک طرف سے دیوار ہوتی تھی۔رقبہ کے لحاظ سے موجودہ الصفہ کی جگہ سے کہیں زیادہ رقبے پر الصفہ (چبوترہ) قائم ہوگا۔کیونکہ فقراء مہاجرین کی تعداد سینکڑوں میں ہوتی تھی۔اسی چبوترہ پر ان کا قیام اور سونا ہوتا تھا۔ام المومنین سیدہ زینب کی دعوت ولیمہ میں تین سو صحابہ کرام مدعو تھے ان میں اکثر کو اسی الصفہ پر کھانا کھلایا گیا۔

اصحابِ صفہ کے ساتھ حضور ﷺ اور صحابہؓ کی محبت:

• سرورِ دوعالم ﷺ کبھی کبھی اصحاب الصفہ صحابہ کرام کے ساتھ ایک ہی برتن میں چوری (شوربے میں روٹی توڑ کر مکسچر کو چوری کہا جاتا ہے) بنا کر اسی صفہ پر کھانا تناول فرمایا کرتے تھے۔بعض روایات کے مطابق وہ برتن جس میں سالن ڈال کر روٹی کے ٹکڑے بھگوئے جاتے تھے اور ثرید (چوری) بنائی جاتی تھی،وہ چالیس آدمی کے کھانے کیلئے کافی ہوتا تھا۔

• حضرت محمد ابن مسلمہ کی تجویز پر حضرت معاذ ابن جبل نے الصفہ کی چھت کے نیچے کھجور کے دو ستونوں کے درمیان رسی باندھ دی تھی، جہاں اصحابِ حیثیت صحابہ کرام اپنے کھجوروں کے باغات سے پختہ اور نیم پختہ کھجوروں کے گچھے لٹکا دیا کرتے تھے۔الصفہ پر مقیم صحابہ کرام رسی کو ہلکی سی حرکت دیتے تھے، کھجوریں گر جاتی تھیں اور صحابہ کرام کھجوریں اٹھا کر تناول فرمایا کرتے تھے۔

• موجودہ صفہ کے مغرب کی جانب الصفہ سے متصل دو ستونوں کے درمیان دیوار اور بھیم پر کھجوروں کے گچھوں کے بنے ہوئے نقوش اور تصاویر کا اسی طرف

اشارہ ہے۔ وہ نقوش مجھے حافظ فقیر محمد صاحب لیّہ والے جنہیں حافظ مدینہ کہا جاتا تھا اور جن کا چالیس سال سے زیادہ مدینہ منورہ میں قیام تھا، سن ۱۹۸۴ء میں دکھائے تھے۔ (محمد رفیق حسنی عفی عنہ)

اصحابِ صفہ کے حالات:

- فقراء مہاجرین جن کے وسیلہ سے سرورِ دو عالم ﷺ دشمنوں پر فتح کی دعا فرمایا کرتے تھے۔ ان کے افلاس کی حالت یہ تھی کہ کسی کا لباس بھی مکمل نہیں ہوتا تھا اور خوراک میں کئی کئی دن فاقے ہو جایا کرتے تھے۔
- حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں میں نے ستر اصحابِ الصفہ صحابہ کرام ایسے دیکھے ہیں جن کے پاس صرف ایک تہبند ہوتا تھا۔ بدن کے اوپر کے حصے کو چھپانے کیلئے ان کے پاس چادریں بھی نہیں تھیں۔ (جستجوئے مدینہ)
- معاشی حالات کے بہتر ہونے پر اصحاب الصفہ مدینہ طیبہ کے دوسرے حصوں میں آباد ہوتے رہے۔ بہت سے صحابہ کرام قباء بستی کے اس مقام پر منتقل ہو گئے تھے جسے انہی کی نسبت سے دار الصفہ کہا جاتا تھا۔ قباء بستی کے قصبے کے آخر میں ٹیلہ نما ایک جگہ ہے جسے العرفات کہا جاتا ہے، اسی پر دار الصفہ واقع ہے۔
- العرفات کہنے کی روایت یہ ہے کہ جب سرورِ دو عالم ﷺ نے ابو بکر الصدیق کو صحابہ کرام کا امیر الحج بنا کر حج کیلئے بھیجا تھا، عرفہ کے دن آپ ﷺ مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے ساتھ اسی ٹیلہ پر تشریف لے آئے اور صحابہ کرام کو مدینہ منورہ سے میدان عرفات میں موجود حجاج دکھائے تھے۔ اس لئے اس اونچی جگہ کا نام العرفات مشہور ہو گیا۔

الصفہ کو "دکۃ الاغوات" کہنے کی وجہ تسمیہ:

- موجودہ مقام الصفہ جسے دکۃ الاغوات کہا جاتا ہے ۱۲ X ۸ میٹر رقبہ پر محیط

ہے۔ اس کی بلندی تقریباً آدھا میٹر ہے اس کے ارد گرد تانبے کی خوبصورت جالی لگائی گئی ہے۔ عثمانیوں کے دور میں یہاں شیخ الحرم بیٹھا کرتے تھے۔ مسجد شریف کے وہ خدام جو گنبد خضریٰ کی جالیوں کے اندر صفائی وغیرہ پر مامور تھے، یہاں بیٹھا کرتے تھے۔ انہیں عزت اور احترام کی وجہ سے آغا کہا جاتا تھا۔ اغوات آغا کی جمع ہے اسی نسبت سے اس مقام الصفہ کو "دکۃ الاغوات" بھی کہا جاتا ہے۔ سلاطین اور اسلامی ریاستوں کے بادشاہ بھی ان کے احترام میں انہیں یا سیّدی کہتے ہیں۔

اغوات کے مختلف ادوار میں عوامل:

- ترکی دورِ حکومت میں اغوات اور خدام کا تقرر سلطان عبدالحمید خود استنبول سے کیا کرتے تھے۔ سلطان محمود خان ترکی نے ۳۹ آغاؤں کا انتخاب کیا تھا اور مدینہ منورہ روانہ کر دیا تھا۔ جن کی ڈیوٹی "دکۃ الاغوات" پر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت، بخاری شریف، الشفاء کا درس اور دلائل الخیرات پڑھنے کی تھی۔ مگر افسوس کہ سعودی حکومت نے اپنی حکومت کی حدود میں دلائل الخیرات پر پابندی لگا رکھی ہے۔ (رفیق حسنی)
- سب سے پہلے خدام کا اجرت پر تقرر حضرت امیر معاویہ کے دور میں شروع ہوا اور یہ نظام چلتا رہا۔ سلطان نورالدین زنگی نے مدینہ منورہ میں حاضری کے وقت بارہ ہیجڑوں کو خدام خاص مقرر کیا جو نہایت پارسا اور علم اور عمل میں یکتا تھے۔ انہیں حجرہ مبارکہ کی صفائی کا کام بھی سپرد کیا۔ چونکہ زائرین میں عورتیں اور مرد دونوں ہوتے تھے اس لئے مخنث (ہیجڑے) مقرر کئے تاکہ ان کا مرد اور زن سے رابطہ ہو سکے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے ایسے خداموں کی تعداد بارہ سے زیادہ کر دی۔ ان خدام کے مشاہرے (اجرت) کیلئے مختلف اسلامی ریاستوں میں ہر دور کے حکمرانوں نے مختلف جائدادیں وقف کر رکھی تھیں۔

اغوات کاسیاسی کردار:

- جہاں ان آغاحضرات نے مدینہ طیبہ اور مسجد نبوی شریف کی خدمت کی وہاں آغاحضرات نے سیاسی اور حکومتی معاملات میں دخل دینا بھی شروع کردیا چنانچہ مدینہ منورہ کے حکمرانوں اور اغوات میں جدال و قتال جاری رہا۔ حکمرانوں نے آغاؤں اوران کے معاونین کو چن چن کر قتل کرنا شروع کردیا حتی کہ سن ۱۱۴۸ ہجری میں بشیر آغااوران کے ساتھیوں اور مدینہ منورہ کے حکمرانوں کے درمیان شدید قتال اور جھگڑا ہوا۔ حکمرانوں نے اکثر آغاؤں کو قتل کروادیا۔اس کے بعد آغاؤں کاسیاسی کردار ختم ہوگیا۔
- ترکی جنرل رفعت پاشا جس نے تین مرتبہ مصری حجاج کیلئے امیر الحج ہونے کے فرائض انجام دیئے، وہ بیان کرتے ہیں،ان کے دور میں ۱۵۷ اغوات ہوا کرتے تھے۔ان کے سربراہ کو شیخ الاغوات کہا جاتا تھا۔اوران کے عہدہ کا نام المستلم تھا۔ حجرہ مطہرہ کی چابیاں ان کے پاس ہوتی تھیں۔یہ سلسلہ ترکی حکومتوں کے آخر تک چلتا رہااور اکثر اغوات افریقی لوگ ہوا کرتے تھے۔
- جب ترکی دور ختم ہوااور سعودی دور شروع ہوا، شاہی فرمان ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۴۶ ہجری کے تحت جملہ امور طے ہونے لگے اور ربیع الاول ۱۳۴۷ ہجری سے مسجد نبوی شریف کے خدام اور ملازمین کے مشاہرے کا از سرنو تعین کیا گیا۔ مسجد نبوی شریف کے خدام کی فلاح وبہبود کیلئے وقف جائدادیں جو مکہ، مدینہ، جدہ، طائف، مراکش، عراق، مصر اور یمن وغیرہ میں تھیں، وہ حرمین شریفین کی ریاست کے امیروں کے ذاتی دائرۂ اختیار میں رہیں۔ مسجد نبوی کی توسیع کے منصوبے کے بعد صفائی اور مرمت کا کام سعودی حکومت نے بڑی بڑی کمپنیوں کو دے دیا۔ مثلاً دلہ گروپ اور بن لادن گروپ۔اس لئے آغاؤں کا کام محدود ہو کر

رہ گیا ہے۔ آج کل تو ان کا کام حجرہ مطہرہ کی دیکھ بھال اور بڑی بڑی شخصیتوں کا استقبال کرنا ہے اوران کی تعداد بھی بہت کم ہوگئی ہے۔ مصنف جستجوئے مدینہ کے بیان کے مطابق ۲۰۰۱ عیسوی میں آغاؤں کی تعداد صرف بارہ افراد پر مشتمل تھی۔ اسی طرح مکہ مکرمہ میں بھی خدام خاص کی تعداد صرف چودہ افراد پر مشتمل تھی۔ مسجد نبوی شریف میں باب جبرئیل سے داخلے کے بعد دائیں ہاتھ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے۔ یہ انہی آغاؤں کا کمرہ ہے۔اب ان کا کام صرف یہ ہے کہ حرمین شریفین کے حکمران جب حاضری دیتے ہیں، مخصوص لباس میں آغا حضرات ان کا استقبال کرتے ہیں اور قہوہ وغیرہ پیش کرتے ہیں۔(جستجوئے مدینہ)

الحاصل: موجودہ مقامِ صفہ شاید حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے دور سے موجود ہے اور صدیوں سے زائرین کی عبادت گاہ اور درسگاہ رہا ہے اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سرورِ دوعالم ﷺ کے قدم مبارک کے زمین نے بوسے لئے ہوں گے۔ مگر یہ سمجھ لینا کہ اصحاب الصفہ کیلئے سرورِ دوعالم ﷺ کے زمانہ اقدس میں یہی جگہ مقامِ صفہ تھی،اسی جگہ صحابہ میں فقراءاور مساکین اور مسافر قیام کرتے تھے، صحیح نہیں ہے بلکہ وہ جگہ ریاض الجنۃ کے قطعہ مبارک کے آخری گوشے میں ہوگی۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد نبوی کے قدیم حصہ میں اسطوانات مبارکہ کا ذکر

- ✓ اسطوانہ حنانہ کا مسجدِ نبوی میں ہی ہونا
- ✓ اسطوانہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- ✓ اسطوانہ توبہ
- ✓ صحابہؓ کا اسطوان ابی لبابہ کو توبہ کا ستون بنانا
- ✓ حضور اکرم ﷺ کا اسطوانۃ التوبہ سے محبت کرنا

مسجد نبوی کے قدیم حصہ میں اسطوانات مبارکہ کا ذکر

- مسجد نبوی شریف میں کھجور کے تنوں کے ستون کھڑے کر کے چھت ڈالی گئی تھی۔ ان ستونوں کی اہمیت اور فضیلت مسجد کے دوسرے حصوں سے منفرد اور زیادہ ہے کیونکہ ان ستونوں میں بیشتر کا کسی نہ کسی حوالہ سے براہ راست سرورِ دو عالم ﷺ کے ساتھ خاص تعلق اور نسبت ہے۔ ایسے مبارک ستونوں کی تعداد آٹھ ہے مگر ان میں سے صرف پانچ نظر آتے ہیں باقی تین مقصورہ مبارک کے اندر آ گئے ہیں اور آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔
- صحابہ کرام اور تابعین اور صالحین ان ستونوں کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت سلمہ ابن الاکوع سے ان کے خادم نے پوچھا: آخر کیا وجہ ہے کہ آپ ان ستونوں کے قریب نماز پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں؟ تو سلمہ نے ستونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: بیشک میں نے ان ستونوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔
- متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ کرام ان ستونوں کے قریب نماز پڑھنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشش کرتے تھے۔ لہٰذا زائرین کو ریاض الجنۃ میں موجود ہر ستون کے قریب نفل اور فرائض ادا کرنے چاہئیں تاکہ برکت حاصل ہو۔ صحابہ کرام اور سلف صالحین کا یہی عمل رہا ہے۔

(رفیق حسنی)

اسطوانۃ الحنانہ کو اسطوانۃ المخلقہ کہنے کی وجہ تسمیہ:

- خلوق ایک قسم کی جسم والی خوشبو ہوتی ہے۔ معطر ستون کو اس لئے مخلقہ کہا جاتا ہے کہ اس پر خلوق خوشبو لگائی جاتی ہے۔

• ام المومنین حضرت عائشہ اور دیگر صحابہ کرام سے مروی ہے کسی صحابی نے قبلہ کی دیوار پر بلغم تھوک دیا تھا۔ سرورِ دو عالم ﷺ کو اس کا بہت رنج ہوا۔ آپ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے بلغم کو کھرچا اور دیوار کو صاف فرمایا اور حضرت عثمان بن مظعون نے اس جگہ خوشبو لگادی۔ اس کے بعد مسجد کے ستونوں اور دیواروں کو خوشبو لگانا صحابہ کرام کی روایت بن گئی۔

اسطوانۃ الحنانہ کہنے کی وجہ تسمیہ:

• مصلی النبوی کے بالکل قریب دیوارِ قبلہ کے پاس وہ کھجور کا تنا جس پر رسول اللہ ﷺ ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے، جب سرورِ دو عالم ﷺ کیلئے منبر بنادیا گیا اور آپ خطبہ کیلئے منبر پر تشریف لے گئے تو وہ ستون زار و قطار بچے کی طرح رونے لگا۔ رونے کی نسبت سے اس ستون کو اسطوانہ حنانہ کہا جاتا ہے۔ بعض روایات کے مطابق اس پر ہارون الرشید خلیفہ کی ماں نے خوشبو لگوائی تھی۔ اور اس ستون کے دو تہائی حصہ کو خلوق سے لیپ دیا گیا تھا اس لئے اسے اسطوانہ مخلقہ کہا جاتا ہے۔

• میرے خیال میں اس کی وجہ تسمیہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے اس ستون کو تسلی دینے کیلئے تھپکی دی اور اسے اپنے مبارک سینے سے لگایا اور اس کے جسم مقدس پر ہاتھ پھیرے۔ سرورِ دو عالم ﷺ کے جسمِ اقدس کے ساتھ ملامستہ کی وجہ سے اس میں خوشبو پیدا ہوگئی، اس لئے اس ستون کا نام اسطوانہ مخلقہ ہوگیا۔ (رفیق حسنی) (واللہ تعالیٰ اعلم)

اسطوانۃ الحنانہ کے بارے میں روایات:

• قاضی عیاض فرماتے ہیں:

"حَدِیْثُ حَنَیْنِ الْجِذْعِ مَشْھُوْرٌ مُنْتَشِرٌ وَ الْخَبْرُ بِہٖ مُتَوَاتِرٌ اَخْرَجَہٗ

اَھْلُ الصَّحِیْحِ وَرَوَاہُ مِنَ الصَّحَابَۃِ بِضْعَۃَ عَشَرَ۔" (وفاء الوفاء)

ترجمہ: "کھجور کے تنے کے رونے کی حدیث مشہور اور عالم اسلام میں منتشر ہے اور اس کی خبر متواتر ہے۔ محدثین میں سے اہل صحاح نے اس حدیث کی تخریج کی ہے اور اس حدیث کو دس سے زیادہ صحابہ کرام نے روایت کیا ہے۔"

• صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ ابن عمر بیان کرتے ہیں جب سرورِ دو عالم ﷺ منبر پر تشریف لے گئے تو کھجور کا تنا رونے لگا۔ آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ خاموش ہوگیا۔

• اسی بخاری شریف میں حضرت جابر سے روایت ہے کہ جمعہ کے دن جب سرورِ دو عالم ﷺ منبر پر تشریف لے گئے "فَصَاحَتِ النَّخْلَۃُ صِیَاحَ الصَّبِیِّ۔۔الخ" تو کھجور کا تنا چیخنے لگا جس طرح بچہ روتا ہے "فَضَمَّہٗ اِلَیْہِ وَ ھُوَ یَئِنُّ اَنِیْنَ الصَّبِیِّ الَّذِیْ یُسَکَّنُ۔۔۔الخ" آپ ﷺ نے اس تنے کو گلے لگایا اور وہ اس بچے کی طرح رو رہا تھا جس کو تھپکی دی جاتی ہے۔ (بخاری، جلد ۲، ص: ۴۳۸)

• اسی بخاری شریف میں حضرت جابر سے روایت ہے "فَسَمِعْنَا لِذَالِكَ الْجِذْعِ صَوْتًا کَصَوْتِ الْعِشَارِ۔۔۔الخ" ہم نے اس کھجور کے تنے سے آواز سنی جیسے حاملہ اونٹنی بچہ جنتے وقت آواز کرتی ہے۔ (صحیح بخاری، جلد ۳، ص: ۱۳۱۴)

• حضرت انس بیان کرتے ہیں "حَنَّتِ الْخَشْبَۃُ حَنِیْنَ الْوَالِہِ" پس لکڑی روئی جیسے شدت حزن سے نڈھال بے حواس آدمی روتا ہے۔
(صحیح ابنِ خزیمہ، جلد ۲، ص: ۴۱۹)

• دوسری روایت میں حضرت انس بیان فرماتے ہیں اس تنے نے آواز نکالی جیسے گائے نکالتی ہے۔

- حضرت ابی ابن کعب سے امام احمد اور دارمی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے جب سرورِ دو عالم ﷺ کھجور کے تنے سے منبر کی طرف جانے لگے تو "خَارَ الْجِذْعُ حَتّٰی تَصَدَّعَ وَ انْشَقَّ۔۔۔الخ" کھجور کا تنا رونے لگا جیسے کہ وہ پھٹ جائے گا۔(مسند احمد بن حنبل، ج۵، ص:۱۳۷)
- حضرت ابن بریدہ اپنے باپ بریدہ سے روایت کرتے ہیں جب نبی کریم ﷺ نے اس کے رونے کی آواز سنی تو آپ واپس تشریف لائے۔ ستون پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

"اِخْتَرْ اَنْ اَغْرِسَكَ فِي الْمَكَانِ الَّذِیْ كُنْتَ فِيْهِ فَتَكُوْنَ كَمَا كُنْتَ وَاِنْ شِئْتَ اَنْ اَغْرَسَكَ فِي الْجَنَّةِ فَتَشْرَبَ مِنْ اَنْهَارِهَا وَ عُيُوْنِهَا فَيَحْسُنَ نَبَتُكَ وَ تُثْمِرَ فَيَأْكُلُ اَوْلِيَاءُ اللهِ مِنْ ثَمْرَتِكَ وَ نَخْلُكَ فَتَخْلُدُ فَعَلْتُ۔ فَزَعَمَ اَنَّهٗ سَمِعَ مِنَ النَّبِیِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ وَ هُوَ يَقُوْلُ لَهٗ نَعَمْ قَدْ فَعَلْتُ مَرَّتَيْنِ فَسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَقَالَ اِخْتَارَ اَنْ اَغْرِسَهٗ فِي الْجَنَّةِ۔"

ترجمہ: "اے ستون! تجھے اختیار ہے چاہے تو میں تجھے اس مکان میں لگادوں جس مکان میں تو پہلے تھا۔ پس تو اس طرح سرسبز ہو جائے جیسے پہلے تھا اور اگر تو چاہے تو تجھے جنت میں لگادوں تو جنت کی نہروں اور چشموں سے پانی پیئے پس تو جنت کے درختوں کی طرح خوبصورت ہو جائے اور پھل دینے لگے اور تیرے پھلوں سے اللہ تعالیٰ کے اولیاء پھل کھاتے رہیں اور تو ہمیشہ آباد رہے تو میں کردوں۔ حضرت بریدہ نے کہا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا وہ فرما رہے تھے، ہاں بیشک میں نے کردیا۔ آپ نے دو مرتبہ فرمایا۔ پس نبی کریم ﷺ سے سوال کیا

گیا کہ کھجور کے تنے نے کیا کہا۔ پس آپ نے فرمایا: اس نے اسی بات کو اختیار کرلیا کہ میں اسے جنت میں لگادوں۔"(سنن الدارمی، جلد۱، ص:۳۹)

- اور قاضی عیاض کی روایت میں ہے اس خشک تنے نے عرض کیا بلکہ مجھے جنت میں لگادیں میرے پھل اولیاء اللہ کھائیں اور میں ایسے مکان میں چلا جاؤں جس میں ہمیشہ رہوں۔ اس خشک تنے کی یہ آواز ان لوگوں نے بھی سنی جو وہاں سرورِ دو عالم ﷺ کے قریب تھے۔ اس کے جواب میں سیدی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے کردیا اور فرمایا اس نے دارالبقاء کو دارالفناء پر ترجیح دی ہے۔
- قاضی عیاض بیان کرتے ہیں حضرت حسن بصری جب یہ حدیث بیان کرتے تھے زار و قطار روتے تھے اور فرماتے تھے یا عباد اللہ لکڑی عشق رسول اللہ ﷺ میں ان سے ملاقات اور معانقہ کیلئے روتی تھی پس آپ لوگ زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی ملاقات کیلئے مشتاق ہوں۔
- حضرت سہل ابن سعد سے ابو نعیم نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَلَا تَعْجَبُوْنَ مِنْ حَنِيْنِ هٰذِهِ الْخَشْبَةِ فَاَقْبَلَ النَّاسُ فَسَمِعُوْا مِنْ حَنِيْنِهَا حَتّٰی كَثُرَ بُكَاءُهُمْ"(فتح الباری ابن حجر، جلد۶، ص:۶۰۲)

ترجمہ: "کیا تم تعجب نہیں کرتے اسی لکڑی کے رونے سے۔ پس لوگ متوجہ ہوئے انہوں نے لکڑی کے رونے کی آواز سنی تو زار و قطار رونے لگے۔"

- یحییٰ کی کتاب میں ابو سعید سے مروی ہے پھر سرورِ دو عالم ﷺ نے امر فرمایا کہ اسی جگہ اس کی قبر کھود کر دفن کردیا جائے۔
- ابن عبدالبر کی روایت میں ہے جب مسجد کی دوبارہ تعمیر کے وقت کھدائی

کرائی گئی تو اس لکڑی اور ستون کو حضرت ابی ابن کعب اپنے گھر لے گئے حتیٰ کہ اسے دیمک کھا گئی اور وہ ختم ہو گیا۔(وفاءالوفاء)

• حضرت عمرؓ کی جانب سے مسجد کی توسیع کے وقت کھدائی کے بعد جب ستون حنانہ باہر آیا تو شاید حضرت ابی ابن کعب اپنے گھر لے گئے، اس سے پہلے دفن کیا گیا تھا۔ اس طرح دونوں روایتوں میں تطبیق دی گئی ہے۔

• حضرت انسؓ کی روایت میں ہے، سرورِ دو عالم ﷺ نے اس خشک تنے پر ہاتھ رکھا تو وہ خاموش ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"قَالَ لَوْ لَمْ اَفْعَلْ هٰذَا لَحَنَّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ"

ترجمہ: "اگر میں ایسا نہ کرتا تو یہ ستون قیامت تک اسی طرح روتا رہتا۔" (سبحان اللہ)

• اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کوئی ممکن خارج نہیں۔ وہ لوگ جن کے دلوں پر غفلت کے حجابات ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مناظر نظر نہیں آتے ورنہ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مناظر اہل دل کو نظر آرہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کی شان اور عظمت کو ظاہر کرنے کیلئے اپنی قدرت کو لوگوں پر ظاہر فرمایا اور انہیں درس دیا خشک لکڑیاں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عشق کی حد تک محبت کرتی ہیں اور آپ کی محبت غیر مکلف لکڑی کیلئے بھی جنت میں دخول کا باعث ہے۔ انسانوں کو چاہیئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت کریں اور جنت میں داخل ہونے کی اہلیت پیدا کریں اور اس واقعہ میں یہ بھی ہمارے لئے درس ہے۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اتنی محبت ہو جائے جتنی خشک لکڑی کو تھی تو رسول اللہ ﷺ ایسے آدمی کو اپنے گلے سے لگا کر تسلی دیتے ہیں، جس سے ساری پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ دعا ہے یا اللہ! ہمیں رسول اللہ

ﷺ کی ایسی محبت عطا فرما جیسی محبت تو نے ایک خشک لکڑی کو عطا فرمائی تھی۔ اے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ ایسی محبت تو ہی عطا فرما سکتا ہے اور ہمارے اختیار میں یہ نہیں ہے۔ اے کھجور کے خشک تنے کو جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت دینے والے رب! ہمارے اوپر کرم فرما۔ اے کریم جس طرح تو نے احمد کبیر رفاعی اور عبدالرحمٰن جامی اور جملہ اولیاءاللہ کو اپنے محبوب کی محبت عطا فرمائی ہے، ہمیں بھی ایسی ہی محبت عطا فرما۔ میں گنہگار محمد رفیق حسنی گواہی دیتا ہوں: یا اللہ تیرے کرم کیئے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا تو ہی کرم فرما۔ آمین۔

• حضرت عبدالعزیز دباغ ابریز شریف میں لکھتے ہیں کہ آدمی جب رسول اللہ ﷺ کی ذات اور صفات میں دائمی فکر میں رہنے لگتا ہے، اسے نبی کریم ﷺ کا مشاہدہ کہا جاتا ہے۔ جب آدمی پر ایسی حالت دائمی طاری ہو جائے تو اسے بیداری میں بھی جناب رسول اللہ ﷺ زیارت کرواتے ہیں مگر وہ فرماتے ہیں یہ سب وہبی ہے کسبی نہیں اور استن حنانہ کی محبت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرتبہ کسبی نہیں۔

• مگر میرے خیال میں کثرت درود شریف، دائمی فکر اور تصور زیارت اور دیدار کا باعث ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ درود شریف کی کثرت غفلت سے نہ ہو بلکہ درود شریف کے مفہوم کو حاضر کر کے درود شریف پڑھا جائے اگر ایسا ہو تو مشاہدہ النبی ﷺ کے حصول کو کسبی بھی کہا جا سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔(محمد رفیق حسنی)

اسطوانہ حنانہ کا مسجدِ نبوی میں ہی ہونا:

• بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نے حضرت عمر کے کہنے پر حنانہ ستون مسجد میں واپس لوٹا دیا تھا۔ معروف مؤرخ ابن جبیر جنھوں نے مدینہ طیبہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی، وہ لکھتے ہیں:

"ریاض الجنت میں ہر وقت نماز پڑھنے والوں کا رش لگا رہتا ہے، اس کے ساتھ ہی جنوب میں ایک ستون ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اس کے اندر کھجور کے اس تنے کو ڈال دیا گیا تھا جس کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے اور وہ آپ کے فراق میں رویا تھا۔ اس کا ایک ٹکڑا آج بھی نظر آتا ہے اور لوگ اس کے بوسے لیتے ہیں اور چھو کر برکت حاصل کرتے ہیں۔"

• مدینہ منورہ میں ابن جبیر کی حاضری کے ایک صدی بعد مشہور سیاح ابن بطوطہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے، انہوں نے بیان کیا "پھر ہم نے ریاض الجنۃ میں نماز ادا کی جو رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارکہ اور منبر کے درمیان واقع ہے، نہایت احترام سے لکڑی کے اس ٹکڑے کو چوما جو اس کھجور کے تنے کی باقیات سے ہے جس کے ساتھ جناب رسول اللہ ﷺ ٹیک لگایا کرتے تھے۔ یاد رہے ابن بطوطہ کا سفر حجاز ۱۳۲۶ عیسوی میں ہوا تھا۔

• ترکی کے میوزیم توپ کاپی میں موجود کھجور کی لکڑی کے متعلق کہا جاتا ہے یہ وہی ٹکڑا ہے جو مسجد شریف کے اسٹور میں موجود تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ آج کل یہ مبارک ستون محراب النبوی شریف کی پشت کے ساتھ متصل ہے اور ستون کے اوپر اگر دیکھیں تو اس ستون پر اسطوانہ مخلقہ لکھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کا نچلا حصہ محراب النبوی الشریف کا حصہ بن چکا ہے۔ (جستجوئے مدینہ)

اسطوانہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا:

• اس ستون کو "اسطوانۃ القراعہ" بھی کہا جاتا ہے۔ ماہ رجب ۲ ہجری میں تحویل قبلہ کے بعد سرور دو عالم ﷺ نے چند دنوں تک اس ستون کے قریب نمازیں ادا فرمائیں پھر مقام مصلی (موجودہ محراب) پر تشریف لے گئے اور نمازیں

شروع فرما دیں۔

• روایت ہے حضرت عبداللہ ابن الزبیر اور مروان ابن الحکم اور ایک اور آدمی سے ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا: "بے شک میں مسجد کے ستونوں میں سے وہ ستون جانتی ہوں اگر لوگوں کو علم ہو جائے کہ اس کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھنے میں کتنا اجر و ثواب ہے تو قرعہ اندازی کر کے باری باری وہاں نماز کیلئے جھپٹ پڑیں۔ یعنی اژدہام کی وجہ سے نزاع سے بچنے کیلئے قرعہ اندازی کر کے وہاں پر ہر ایک نماز پڑھنے کی کوشش کرے۔"

صحابہؓ نے اسطوانہ عائشہؓ کیسے جانا؟ سیدہ عائشہ نے جب یہ بیان فرمایا، اس کے بعد دو آدمی باہر چلے گئے اور آپ کے بھانجے حضرت عبداللہ ابن الزبیر بیٹھے رہے۔ ان دونوں نے کہا کہ ابھی عبداللہ سیدہ عائشہؓ سے اس مبارک ستون کا پوچھیں گے۔ اگر عبداللہ نے پوچھ لیا تو سیدہ عائشہؓ اس کو ضرور بتائیں گی۔ اگر ان کو بتا دیا تو عبداللہ ہمیں نہیں بتائے گا مگر جب عبداللہ حضرت عائشہ کے گھر سے باہر آئے گا فوراً اس ستون کے ساتھ نماز پڑھے گا، لہٰذا ہم چھپ جائیں۔ عبداللہ ہمیں نہ دیکھ سکے اور ہم اس کو دیکھتے رہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ فوراً عبداللہ باہر آئے اور اس ستون عائشہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ انہیں معلوم ہو گیا مبارک ستون یہی ہے۔ اس دن سے اس ستون کا نام استطوانہ عائشہ مشہور ہو گیا۔ کہا جاتا ہے اس کے نزدیک دعا قبول ہوتی ہے۔ (وفاء الوفاء بروایت ابن زبالہ)

• طبرانی شریف میں ہے ام المومنین حضرت عائشہؓ نے بیان کیا سرورِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری مسجد میں ایک اسطوانہ سے پہلے ایک بقعہ زمین ہے اگر لوگوں کو وہ بقعہ معلوم ہو جائے تو نہیں پڑھیں گے نماز مگر قرعہ ڈال کر۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے عرض کیا: "یاام المومنین! وہ جگہ کہاں ہے؟" آپ

نے خاموشی اختیار فرمائی۔ صحابہ کی جماعت تھوڑی دیر ٹھہرنے کے بعد واپس لوٹ گئی مگر عبداللہ ابن الزبیر وہاں ٹھہرے رہے۔ صحابہ کرام کہنے لگے ام المومنین سیدہ عائشہ عبداللہ کو وہ مکان بتائیں گی، مسجد میں عبداللہ کا انتظار کرو، جہاں وہ نماز پڑھیں اس کو دیکھو۔ عبداللہ تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے نکلے۔ آپ نے اسی اسطوانہ کے نزدیک نماز پڑھی جس کی طرف آپ کے بیٹے عامر ابن عبداللہ ابن زبیر نے نماز پڑھی تھی۔ اس اسطوانہ کو اسطوانۃ القرعہ کہا جاتا ہے۔

- بعض صحابہ کرام نے حضرت زید ابن اسلم سے روایت کیا وہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے وہاں سرورِ دو عالم ﷺ کی پیشانی کی جگہ کو دیکھا پھر اس جگہ تھوڑا ہٹ کر ابو بکر الصدیق کی پیشانی کی جگہ کو دیکھا پھر اس سے تھوڑا ہٹ کر عمر ابن الخطاب کی پیشانی کی جگہ کو دیکھا اور کہا جاتا ہے وہاں دعا قبول ہوتی ہے۔ اس کے اوپر اسطوانہ عائشہ لکھا ہوا ہے۔ یہ ستون پہلی لائن کے ستونوں میں شامل ہے۔ حجرہ مطہرہ سے تیسرا یہی ستون ہے۔ جبکہ منبر رسول اللہ ﷺ کی قبلہ کی جانب سے بھی تیسرا ستون ہے۔ محراب النبوی ﷺ کی جانب سے دیکھا جائے یہ ستون دوسرے نمبر پر ہے۔ علماء اور صلحاء فرماتے ہیں ریاض الجنۃ میں یہ بہت ہی متبرک مقام ہے اور دعا کی قبولیت کی جگہ ہے۔ (کتب تاریخ مدینہ)

اسطوانہ توبہ:

- اسطوانۃ التوبہ کا دوسرا نام اسطوانۃ ابی لبابہ بھی ہے کیونکہ ابولبابہ ابن عبدالمنذر انصاری اَوْسی نے خود کو اس ستون کے ساتھ باندھ لیا تھا، اس لئے اس ستون کی نسبت ابولبابہ کی طرف بھی کی جاتی ہے اور آپ کی اور دیگر صحابہ کرام کی چونکہ یہاں توبہ قبول ہوئی تھی۔ اس نسبت سے اس ستون کا نام ''اسطوانۃ التوبہ'' بھی ہے۔ قبر مبارک سے دوسرا اور منبر شریف سے چوتھے ستون کا نام اسطوانۃ

التوبہ ہے۔

اسطوانۃ ابی لبابہ نام پڑنے کی وجہ: جب بنو قریظہ یہودیوں نے میثاق مدینہ کی خلاف ورزی کی اور غزوہ خندق میں حملہ آور مشرکین کی مدد کی اور اعلانیہ کہہ دیا کہ ہمارا مسلمانوں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ ۵ ہجری میں غزوہ خندق کی فتح کے بعد فوراً اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کو بھیجا اور حکم دیا کہ لباس حرب اتارنے سے پہلے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا جائے۔ چنانچہ دو ہفتہ کے قریب یہودیوں کا محاصرہ جاری رہا۔ جب یہودی نہایت خوف اور دباؤ میں آگئے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ابولبابہ انصاری جو کہ اوس قبیلہ کے سردار تھے، انہیں بھیجا جائے۔ ہم اس کے ساتھ مشورہ کرتے ہیں۔ ہجرت سے پہلے بنی قریظہ یہودی قبیلہ اوس کے حلیف تھے اور ابولبابہ انصاری کے بنو قریظہ کے ساتھ اچھے مراسم تھے اور وہاں ان کا مکان بھی تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ابولبابہ انصاری ایسا مشورہ دیں گے جس میں ہمیں فائدہ ہوگا۔ چنانچہ سرورِ دو عالم ﷺ نے ابولبابہ کو ان یہودیوں کے قلعہ میں بھیج دیا۔ حضرت ابولبابہ انصاری کا یہودیوں نے شاندار استقبال کیا۔ آپ کے دل کو موم کرنے کیلئے اور اپنے حق میں اچھا فیصلہ لینے کیلئے انہوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو جمع کر لیا۔ عورتیں اور بچے حضرت ابولبابہ کے سامنے رونے لگے۔ یہودیوں نے حضرت ابولبابہ انصاری سے کہا ''أَنَنْزِلُ عَلٰی حُکْمِ مُحَمَّدٍ؟'' (کیا ہم محمد (ﷺ) کے حکم کو مان لیں اور ہتھیار ڈال دیں؟) ''قَالَ نَعَمْ۔ وَ اَشَارَ بِيَدِهٖ اِلٰی حَلْقِهٖ وَ هُوَ الذَّبْحُ۔'' (ابولبابہ نے کہا: ہاں۔ اور اپنے ہاتھ سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی محمد ﷺ ہتھیار ڈالنے پر تمہیں ذبح کر دیں گے۔) زبان سے کہا ہاں اور اشارہ سے منع کیا۔ حضرت ابولبابہ فرماتے ہیں: پس اللہ تعالیٰ کی قسم! میرے قدم زمین سے ابھی نہیں اٹھے تھے مگر مجھے اسی وقت

احساس ہو گیا کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی خیانت ہو گئی ہے۔ شرمندگی کی وجہ سے ابو لبابہ سرورِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں آنے کی بجائے سیدھا مدینہ منورہ جاکر موٹا زنجیر اپنے ہاتھوں اور پیروں میں ڈال کر خود کو اسی ستون توبہ کے ساتھ باندھ دیا۔ جب دیر ہو گئی۔ نبی کریم ﷺ کو خبر پہنچی کہ ابو لبابہ نے سیدھا مدینے پہنچ کر اپنے آپ کو مسجد کے ستون کے ساتھ باندھ لیا ہے، سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"اَمَّا لَوْ جَاءَنِیْ لَاَسْتَغْفَرْتُ لَهٗ فَاَمَّا اِذَا فَعَلَ الَّذِیْ فَعَلَ مَا اَنَا بِالَّذِیْ اُطْلِقُهٗ مِنْ مَکَانِهٖ حَتّٰی یَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَیْهِ"

(دلائل النبوۃ، جلد ٦، ص: ٢٦)

ترجمہ: "اگر ابو لبابہ میرے پاس آجاتا اس کیلئے میں اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا، بہر حال جب اس نے جو کیا، میں اسے اس کے مکان اور جگہ سے نہیں چھوڑوں گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے۔"

- معلوم ہوا، اگر کوئی گنہگار سرورِ دو عالم ﷺ کے پاس حاضر ہو جائے تو رسول اللہ ﷺ اس کیلئے استغفار فرماتے ہیں جیسا کہ سورہ نساء کی آیت "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا" میں ہے۔ (محمد رفیق حسنی)
- خیر! اللہ تعالیٰ نے ابو لبابہ کی غلطی پر یہ آیت نازل فرمائی:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔" (انفال: ٢٧)

ترجمہ: "اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے خیانت نہ کرو اور نہ خیانت کرو امانتوں میں اس حال میں کہ تم جانتے ہو۔"

- حضرت ابو لبابہ انصاری (جن کا نام رفاعہ تھا) نے سات دن تک خود کو ستون

کے ساتھ باندھے رکھا۔ اس کے بعد اس کی توبہ قبول ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی۔ ان کی بیوی بھی ان سے منہ پھیر گئی تھی۔ ان کی بیٹی ضروری حاجات اور نماز کے اوقات میں آتی تھی اور اسے چھوڑ دیتی تھی۔ قضائے حاجت کے بعد پھر باندھ دیتی تھی۔ حضرت ابو لبابہ نے قسم کھائی تھی جب تک رسول اللہ ﷺ مجھے خود اپنے ہاتھوں سے نہیں کھولیں گے یا توبہ نازل نہیں ہو گی، اس وقت تک میں خود کو نہیں کھولوں گا۔ اسی دوران حضرت فاطمۃ الزہرا کھولنے کیلئے آئیں۔ ابو لبابہ نے منع کر دیا اور عرض کیا نہیں جب تک خود سرورِ دو عالم ﷺ نہیں کھولیں گے میں کسی کو نہیں کھولنے دوں گا۔ جب سرورِ دو عالم ﷺ کو اس بات کا علم ہوا، آپ نے فرمایا:

"اِنَّمَا فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّیْ" (صحیح مسلم، جلد ٤، ص: ١٩٠٢)

ترجمہ: "بے شک فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے۔"

حضرت ابو لبابہ نے قسم کھائی تھی توبہ تک میں کچھ نہیں کھاؤں گا اور کچھ نہیں پیوں گا۔ چنانچہ بعض مرتبہ آپ نڈھال ہو کر گر جایا کرتے تھے۔ (کتب تاریخ مدینہ)

- امام بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے کہ ابو لبابہ نے ام المومنین ام سلمہؓ کے دروازے کے سامنے والے ستون سے اپنے آپ کو شدید گرمی میں سات دن اور رات باندھے رکھا، اس میں کچھ نہیں کھایا اور کچھ نہیں پیا۔ (وفاء الوفاء)
- سرورِ دو عالم ﷺ بنو قریظہ کے معاملہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ کا قیام اپنی زوجہ سیدہ امّ سلمہ کے گھر میں تھا۔ حضرت امّ سلمہ بیان فرماتی ہیں، میں نے صبح سحری کے وقت سنا، رسول اللہ ﷺ ہنس رہے تھے۔ میں نے عرض کیا:

"مِمَّا تَضْحَكُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ اَضْحَكَ اللّٰهُ سِنَّكَ" (تفسیر البغوی، جلد ١، ص: ٣٣٨)

ترجمہ: ''آپ کو کس چیز نے ہنسایا؟ اللہ آپ کو ہمیشہ ہنساتا رہے۔''

ارشاد فرمایا:

''تِیْبَ عَلٰی اَبِیْ لُبَابَۃَ'' (تفسیر البغوی، جلد ۱، ص: ۳۳۸)

ترجمہ: ''ابولبابہ کی توبہ قبول کرلی گئی ہے۔''

سیّدہ ام سلمہ نے عرض کیا ''اَلَا اُبَشِّرُہٗ بِذَالِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' (کیا اس کو میں خوشخبری نہ سناؤں اس کی یارسول اللہ) آپ ﷺ نے فرمایا ''اِنْ شِئْتِ'' (اگر تو چاہے تو انہیں خوشخبری سنادے۔) چنانچہ سیدہ امّ سلمہ نے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے فرمایا ''یَا اَبَا لُبَابَۃَ اَبْشِرْ قَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَیْكَ'' (اے ابولبابہ! تجھے مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول فرمالی ہے۔) جب لوگوں نے یہ آواز سنی، ابولبابہ کو چھڑانے کیلئے بھاگ کر جمع ہو گئے۔

''قَالَ لَا وَاللّٰہِ حَتّٰی یَکُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ هُوَ یُطْلِقُنِیْ بِیَدِہٖ''

(تفسیر البغوی، جلد ۱، ص: ۳۳۸)

ترجمہ: ''عرض کیا نہیں، اللہ کی قسم! یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ خود اپنے مبارک ہاتھوں سے مجھے چھوڑیں گے۔''

جب صبح نماز کیلئے رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے۔ آپ نے ابولبابہ کے زنجیر اس کے ہاتھوں اور پیروں سے نکال دیئے۔ ابولبابہ نے عرض کیا:

''اِنَّ مِنْ تَمَامِ تَوْبَتِیْ اَنْ اَهْجُرَ دَارَ قَوْمِیَ الَّتِیْ اَصَبْتُ فِیْهَا الذَّنْبَ''

(تفسیر البغوی، جلد ۱، ص: ۳۳۸)

ترجمہ: ''یارسول اللہ! میری توبہ کی تکمیل سے ہے یہ کہ میں اپنی قوم کی آبادی میں نہیں جاؤں گا جس میں مجھ سے یہ گناہ ہوا۔''

''وَ اَنْ اَنْخَلِعَ مَالِیْ'' (اور یہ کہ میں سارا مال اللہ تعالیٰ کے راہ صدقہ کرتا ہوں۔)

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یُجْزِئُكَ الثُّلُثُ اَنْ تَتَصَدَّقَ بِہٖ'' (اپنے مال سے تیسرے حصہ کا صدقہ کرنا تیرے لئے کافی ہے۔) (وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۲۸ تا ۳۲)

صحابہؓ کا اسطوان ابی لبابہ کو توبہ کا ستون بنانا:

- امام بیہقی اور ابن نجار کی روایات سے معلوم ہوتا ہے اس واقعہ کے بعد صحابہ کرام میں سے جب بھی کوئی خطا سرزد ہوتی تھی وہ خود کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیتے تھے اور توبہ کے نازل ہونے تک بندھے رہتے تھے چنانچہ ثمامہ ابن آثال حنفی اور وہ دس صحابہ کرام جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے، ان میں سے سات صحابہ کرام نے مسجد کے ستونوں کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ لیا تھا۔ انہیں میں دوبارہ حضرت ابولبابہ انصاری بھی ان لوگوں میں سے تھے جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوسکے تھے۔ جب آیت ''وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ'' (توبہ ۱۰۲) نازل ہوئی، سرورِ دو عالم ﷺ نے دیکھا، فرمایا: ''مَنْ هٰٓؤُلَآءِ؟'' (یہ کون ہیں؟) عرض کیا گیا یہ ابولبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو غزوہ تبوک میں نہیں جاسکے تھے، توبہ کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے آدمی بھیجے، انہوں نے ان صحابہ کرام کو چھوڑ دیا۔
- صحابہ کرام کے اس عمل سے اور سرورِ دو عالم ﷺ کے اسے برقرار رکھنے سے معلوم ہوا اس ستون کے ساتھ توبہ کر لی جائے، اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اس لئے جملہ اولیاء اور علماء اور زائرین اس ستون کے ساتھ نفل پڑھ کر گناہوں سے اس امید پر توبہ کرتے آرہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے گا۔ (محمد رفیق حسنی)

حضور اکرم ﷺ کا اسطوانۃ التوبہ سے محبت کرنا:

- ابن زبالہ نے روایت کیا جناب سرورِ دو عالم ﷺ اکثر اس ستون کے ساتھ کھڑے ہو کر نفل ادا فرماتے تھے اور صبح کی نماز پڑھنے کے بعد اسی ستون کے

ساتھ تکیہ لگا کے بیٹھتے تھے۔ مسجد میں رہائش پذیر ضعفاء اور مساکین اور اہل مصائب اور مہمانانِ نبی ﷺ اور مولفۃ القلوب (ایمان کی طرف راغب ہونے والے) اور وہ لوگ جن کا قیام مسجد میں ہوتا تھا، حلقہ بنا کر جمع ہو جاتے تھے اور اسی ستون کے چاروں طرف بیٹھ جاتے تھے۔ سرورِ دوعالم ﷺ انہیں وہ آیات سناتے تھے جو اس رات نازل ہوئی ہوتی تھیں، آپ ﷺ حاضرین کے ساتھ باتیں بھی کرتے اور حاضرین اپنی اپنی حاجات کا ذکر کرتے حتیٰ کہ سورج طلوع ہو جاتا۔ اہل ثروت اور غنی لوگ طلوع آفتاب کے بعد حاضر ہوتے مگر آپ کے قریب بیٹھنے کی جگہ نہ پاتے، انہیں اشتیاق ہوتا کہ ہمیں قریب جگہ ملے اور سرورِ دوعالم ﷺ کو بھی اشتیاق ہوتا کہ اہل شرف اور غنا میرے قریب ہوں تاکہ دین سیکھیں مگر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

”وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ“ (الکہف:۲۸)

ترجمہ: آپ اپنی ذات کو روکے رکھیں، ان لوگوں کے ساتھ جو صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں، صرف اس کی رضا چاہتے ہیں۔۔۔الخ“

- اس روایت کو ابن زبالہ نے عمر ابن عبداللہ سے روایت کیا مگر مفسرین کرام نے سورۃ انعام کی اس آیت کا نزول مکہ مکرمہ میں بتایا ہے، ہو سکتا ہے یہ آیت مدینہ منورہ میں دوبارہ نازل ہوئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مگر مذکورہ واقعہ کے ساتھ یہ آیت بالکل منطبق ہے۔ (محمد رفیق حسنی)
- اس ستون توبہ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ نے رمضان المبارک میں بعض مرتبہ اس کے ساتھ اعتکاف بھی فرمایا ہے۔

- امام بیہقی نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب اعتکاف فرماتے تھے، آپ کا بستر مبارک یا چارپائی اسطوانۃ التوبہ کے ساتھ قبلہ کی جانب رکھی جاتی تھی اور آپ اس ستون کے ساتھ تکیہ لگاتے تھے۔
- قاضی عیاض نے ابن المنذر سے نقل کیا کہ امام مالک ابن انس کے بیٹھنے کی بھی یہی جگہ ہوتی تھی اور حضرت عمر ابن الخطاب اسی جگہ اعتکاف فرماتے تھے جس جگہ سرورِ دوعالم ﷺ کا بستر مبارک بچھایا جاتا تھا۔ (وفاء الوفاء) اس ستون پر اسطوانہ ابی لبابہ لکھا ہوا ہے۔
- مذکورہ بالا تفاصیل سے اسطوانۃ التوبہ کی فضیلت ثابت ہوئی، لہٰذا زائرین کو وہاں نفل پڑھ کر گناہوں سے توبہ کرنا چاہئے۔ ان احادیث میں توبہ کرنے والوں کے لئے اشارہ ہے کہ ان کی توبہ قبول ہوگی اور عبادت کا ثواب بہت زیادہ ملے گا۔ (محمد رفیق حسنی)

اسطوانۃ السریر:

- مشرق کی جانب اسطوانہ توبہ کے بعد دوسرا ستون اسطوانۃ السریر کہلاتا ہے۔ آدھا حجرہ مطہرہ کی جالیوں کی دیوار میں مستور ہو گیا ہے اور آدھا کی زائرین زیارت کر سکتے ہیں۔ اس ستون کے ساتھ اکثر سرورِ دوعالم ﷺ رمضان المبارک میں اعتکاف فرماتے تھے۔ اس ستون کے ماتھے پر اسطوانہ السریر آج بھی لکھا ہوا ہے۔ محمد ابن ایوب بیان کرتے ہیں آپ ﷺ کا بچھونا کھجور کی ٹہنیوں اور کھجور کے پتوں سے بنا ہوا تھا۔ اس بستر کو قبر شریف کے محاذی ستون اور قندیلوں کے درمیان رکھا جاتا تھا، جس پر آپ سویا کرتے تھے۔ شاید یہ مقام اعتکاف اس ستون سریر اور سیدہ عائشہ کے حجرہ کے دروازے کے درمیان ہوتا تھا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کبھی مقام اعتکاف اسطوانہ توبہ کے ساتھ ہوتا تھا اور کبھی اسطوانہ سریر کے

ساتھ ہوتا تھا۔ سریر کی کیفیت کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں، جب نبی کریم ﷺ اعتکاف فرماتے تھے۔

"یُطْرَحُ لَهُ وِسَادَةٌ وَ یُوْضَعُ لَهُ سَرِیْرٌ مِنْ جَرِیْدٍ فِیْهِ سَعْفُهُ"

(خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، جلد ا، ص:۱۱۶)

ترجمہ: "آپ کیلئے تکیہ رکھا جاتا تھا اور آپ کیلئے سریر رکھا جاتا تھا جسے کھجور کی شاخوں سے بنایا گیا تھا جس میں کھجور کے پتے ہوتے تھے۔"

لگتا ہے یہاں سریر کا مفہوم چارپائی نہیں ہے بلکہ ایک گدا ہے جس کی سائیڈوں میں کھجور کی شاخیں رکھ کر اس میں کھجور کے پتے بھر لیئے جاتے تھے اور اس پر آپ ﷺ آرام فرماتے تھے یا پھر چارپائیوں والی ایسی چارپائی تھی، جیسے آجکل مروج ہے مگر اس پر گدا کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنا ہوا تھا۔ بہر صورت اس ستون اسطوانۃ السریر کی یہ فضیلت ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ کی اعتکاف گاہ رہا ہے۔

اسطوانۃ الحرس یا اسطوانۃ المحرس:

● اسطوانہ الحرس کا دوسرا نام اسطوانہ علی ابن ابی طالب ہے۔ حرس کا مفہوم پہرہ دینا ہے اور محرس پہرہ دینے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ حضرت علیؓ اس ستون کے ساتھ بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر سرورِ دوعالم ﷺ کی حفاظت کے لئے پہرہ دیتے تھے۔ اس لئے اس ستون کے دو نام ہو گئے: اسطوانہ الحرس یا اسطوانہ علی۔ جب آیت "وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ" نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے پہرہ دینے سے منع فرما دیا تھا۔ امیر المومنین سیدنا علیؓ اس ستون کے آگے اس کی طرف پشت فرما کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ حضرت علیؓ چونکہ اس کے قریب نماز ادا کرتے تھے، اس لئے یہاں بادشاہانِ اسلام نماز پڑھنے اور بیٹھنے کو ترجیح دیتے تھے۔ یہ ستون اس

وقت ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارک کے اس دروازے کے سامنے تھا، جس دروازے سے آپ ﷺ ریاض الجنۃ میں نماز پڑھنے کیلئے تشریف لاتے تھے۔ اس ستون کے ماتھے پر اسطوانۃ الحرس لکھا ہوا ہے۔ (وفاء الوفاء) نہایت بابرکت ستون ہے اس کے قریب دعا قبول ہوتی ہے۔

اسطوانۃ الوفود:

● یہ وہ ستون ہے جو اسطوانۃ الحرس سے شمال میں ہے اس کے ماتھے پر اسطوانۃ الوفود لکھا ہوا ہے۔ سرورِ دوعالم ﷺ وفود کی ملاقات کیلئے اس ستون کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے۔ اہل شرف اور سردارانِ قریش بھی یہاں بیٹھا کرتے تھے۔ اس لئے اس جگہ کا نام مجلس القلادۃ بھی مشہور تھا کیونکہ قریش اور بنی ہاشم کے وہ لوگ جن کے لئے لوگوں کے گلے میں اطاعت کا قلادہ تھا وہ یہاں بیٹھا کرتے تھے۔ سرورِ دوعالم ﷺ ہر آنے والے دوست اور دشمن سے ملاقات اسی جگہ فرماتے تھے۔ حضرت ربیعہ ابن کعب ہر وقت اس جگہ مہمانوں کو بٹھانے اور سرورِ دوعالم ﷺ کو اطلاع دینے کیلئے مستعد اور چوکنا رہتے تھے۔ اکناف عالم سے آنے والے وفود سے اسی جگہ گفتگو ہوتی اور خوش نصیب لوگ اسلام قبول کر کے عشاقان بارگاہ رسالت میں داخل ہو جاتے۔ نجران کے نصاریٰ کا وفد اور بنو تمیم اور بنو سعد ابن بکر کے غیر مسلم وفود اسی جگہ ملاقات کیا کرتے تھے۔ اس نسبت سے اس ستون کو اسطوانۃ الوفود کہا جاتا ہے۔ اسطوانۃ الوفود کا آدھا حصہ جالیوں کی دیوار میں آ چکا ہے اور آدھا حصہ نظر آتا ہے۔

اسطوانہ مربعۃ القبر الشریف:

● سیدہ فاطمۃ الزہراء کا حجرہ مبارکہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارکہ کے بالکل شمالی جانب تھا۔ دونوں کے درمیان ایک تنگ گلی تھی۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء کے حجرہ

مبارکہ کا دروازہ ریاض الجنۃ یعنی مسجد شریف میں کھلتا تھا، جس سے حضرت علیؓ مسجد میں آتے جاتے تھے۔ سرورِ دوعالم ﷺ صبح کی نماز فجر سے پہلے مسجد کی طرف تشریف لاتے، حضرت فاطمۃ الزہراء کے دروازے پر کھڑے ہو کر ارشاد فرماتے:

"اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" (الاحزاب)

ترجمہ: "بے شک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اے اہلِ بیت یہ کہ تم سے ہر ناپاکی کو دور کردے اور نہایت پاک اور صاف ستھرا کردے۔"

● ابوالحمراءؓ بیان کرتے ہیں، میں نے چالیس دن تک اور ایک روایت میں ہے سات ماہ تک روزانہ فجر کی نماز سے پہلے سرورِ دوعالم ﷺ کو دیکھا آپ ﷺ علی، فاطمہ، حسن اور حسین کے دروازے پر تشریف لا کر دروازے کی دائیں بائیں چوکٹوں کو پکڑ کر کہتے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ" الآیہ اور ایک روایت میں وارد ہے پہلے فرماتے "اَلصَّلٰوةَ اَلصَّلٰوةَ" تین مرتبہ (نماز پڑھو نماز پڑھو) پھر یہ آیت تلاوت فرماتے۔

● حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنی گورنری کے دور (۸۸ ہجری تا ۹۷ ہجری) میں جب مسجد کی توسیع فرمائی اور ازواج مطہرات کے حجروں کو مسجد میں شامل کیا تو حضرت فاطمۃ الزہراء کے حجرہ مبارکہ کو بھی شامل کر دیا اور دروازے کی جگہ ایک ستون بنوا دیا۔ قبور مطہرہ کے حجرہ کے قریب ہونے کی نسبت سے اسے اسطوانہ مربعۃ القبر (یعنی وہ ستون جو قبر اطہر کے احاطہ کے قریب تر ہے) کہا جانے لگا اور اسے اسطوانہ جبرئیل علیہ السلام بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ نے حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں جبرئیل علیہ السلام کو یہاں

کھڑے دیکھا تھا اور بعض مورخین نے بیان کیا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام رمضانوں میں اسی جگہ سرورِ دوعالم ﷺ کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرماتے تھے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی پنجگوشہ عمارت کے مغربی شمالی کونے پر جہاں سے دیوار تکونی ہونا شروع ہوتی ہے، یہ ستون اسی جگہ ہے۔ مقصورہ شریف کی موجودہ دیوار کی وجہ سے یہ ستون نظروں سے غائب ہے۔ جالیوں اور دروازوں کے مقفل ہونے کی وجہ سے لوگ اس کی برکتوں سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔ مسلم ابن مریم نے سلیمان کو کہا اس ستون کی طرف نماز پڑھنے کو نہ بھولیں کیونکہ یہاں وہ دروازہ تھا جس سے حضرت علی داخل ہوا کرتے تھے۔ (وفاءالوفاء)

اسطوانہ تہجد:

● جب لوگ عشاء کی نماز کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے تھے، سرورِ دوعالم ﷺ جائے نماز (چٹائی) حضرت فاطمۃ الزہراء کے حجرہ کے پیچھے شمالی دیوار کے ساتھ بچھا کر نوافل شروع فرمادیتے تھے۔ ایک آدمی نے آپ ﷺ کو اسی جگہ نماز پڑھتے دیکھا، اس نے اقتداء میں نماز شروع کر دی پھر دوسرے آدمی نے دیکھ لیا حتیٰ کہ صحابہ کرام کی کثرت ہوگئی۔ آپ علیہ السلام نے پیچھے توجہ فرمائی تو شرکاء کی کافی تعداد موجود تھی۔ آپ نے حکم دیا چٹائی اٹھالی گئی۔ آپ گھر داخل ہوگئے پھر صبح کے وقت تشریف لائے۔ صحابہ کرام حاضر ہوئے اور کہنے لگے، یا رسول اللہ آپ رات کو نماز پڑھتے تھے، آپ کے ساتھ ہم بھی نماز پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَنْزِلَ عَلَيْكُمْ صَلٰوةُ اللَّيْلِ وَلَا تَقْوَوْنَ عَلَيْهَا"

ترجمہ: "بیشک مجھے خوف ہوا کہ تمہارے اوپر تہجد کی نماز فرض کر دی جاتی اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔" (خلاصۃ الوفاء، جلد ۱، ص: ۱۱۷)

یعنی اسی وجہ سے میں نے یہاں نماز تہجد پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔

● اس جگہ پر بھی ستون تعمیر کر دیا گیا تھا جہاں سرورِ دوعالم ﷺ تہجد کی نماز ادا فرماتے تھے۔اس ستون کا نام اسطوانہ تہجد مشہور ہو گیا۔ آجکل یہ ستون مبارکہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کے حجرہ مبارکہ کے اندر ہے۔ جالیوں کے اندر جھانکنے سے یہ ستون نظر آجاتا ہے۔اس ستون کے ساتھ چھوٹی سی محراب ہے اسے سیدہ فاطمۃ الزہراء کا محراب بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت سعید بن عبداللہ ابن فضیل سے مروی ہے کہ میں ایک مرتبہ محمد بن حنفیہ کے ساتھ تھا، محمد ابن حنفیہ نے کہا میں نے تجھے اکثر اس جگہ نماز ادا کرتے دیکھا ہے،اس کی کوئی وجہ بھی ہے؟ میں نے عرض کیا: آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اسی ستون کے ساتھ نماز ادا کیا کرو، آدھی رات کے بعد سرورِ دوعالم ﷺ کا مصلی اسی جگہ ہوا کرتا تھا۔

● جن ستونوں کو ہمیشہ سرورِ دوعالم ﷺ سے خاص نسبت رہی ہے وہ یہی آٹھ ستون ہیں۔ ہر ستون پر اس کا نام لکھا ہوا ہے اور اس ستون تہجد کی طرف منہ کیا جائے تو باب جبرئیل جو کہ پہلے باب عثمان مشہور تھا، بائیں جانب پڑتا ہے اور اس پر بھی لکھا ہے ''هٰذَا مُتَهَجَّدُ النَّبِيِّ ﷺ''۔ ان آٹھ ستونوں کے علاوہ بھی مسجد شریف کے سب ستونوں کو فضیلت حاصل ہے۔ بخاری شریف میں ہے حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ مغرب کے وقت صحابہ کرام سارے ستونوں کی طرف جلدی کرتے تھے۔ ابن النجار نے کہا، مسجد شریف کے سارے ستون مبارک ہیں،ان کے قریب نماز پڑھنی مستحب ہے اس لئے کہ ہر ایک کے ساتھ صحابہ کرام نے نماز پڑھی ہو گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔اور ہر ستون کو نگاہِ مصطفےٰ ﷺ کے انوار سے منور ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہو گی۔(محمد رفیق حسنی عفی عنہ)

مسجد نبوی شریف کے مینار، محراب اور دروازے

- ✓ میناروں کی تفصیل
- ✓ میناروں کی تفصیل
- ✓ دوم محراب سلیمانی یا حنفی
- ✓ محراب عثمانی
- ✓ محراب تہجد
- ✓ محراب سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا
- ✓ دروازے

مسجد نبوی شریف کے مینار

• مسجد شریف کے چار مینار پہلی مرتبہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بنوائے تھے۔اس سے پہلے مسجد شریف کے مینار نہیں تھے اور میناروں کا رواج بھی نہیں تھا۔البتہ دومۃالجندل میں بنائی گئی مسجد عمر کے ایک کونہ پر حضرت عمر فاروق کے دور میں ایک مینار بنایا گیا تھا۔ اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مسجد نبوی شریف کے ہر کونے پر باہر سے مینار بنوایا۔یوں پہلی دفعہ اذانیں مسجد کے میناروں پر دینی شروع کی گئیں۔ہر مینار کی چوڑائی ۸x۸ ہاتھ یعنی ۴x۴ میٹر تھی۔ تین مینار پچپن ہاتھ یعنی ساڑھے بائیس میٹر بلند تھے، جبکہ چوتھا شمالی مغربی جانب کا مینار صرف پینتیس ہاتھ بلند تھا۔میناروں کی تعمیرِ نو کے بعد ایک بار سلیمان بن عبدالملک مدینہ منورہ آیا اور وہ دار مروان جو کہ اس وقت گورنر ہاؤس کی حیثیت رکھتا تھا، میں آکر ٹھہرا۔ سلیمان اسی مکان کے صحن میں سو رہا تھا۔ آذان کے وقت مؤذن جنوب مغربی کونے والے مینار پر اذان دینے کیلئے چڑھا۔ آجکل اس جگہ باب السلام کا چھوٹا سا مینارہ بنا ہوا ہے۔اس مینارہ سے سلیمان بن عبدالملک مؤذن کو نظر آتا تھا، اس نے حکم جاری کیا اس مینار کو فوراً گرادیا جائے تاکہ خلوت کے وقت اس پر مؤذن کی نظر نہ پڑے۔ لہٰذا جنوب مغربی مینار کو گرادیا گیا پھر آنے والی چھ صدیوں تک مسجد نبوی شریف کے صرف تین مینار قائم رہے۔ ۷۰۶ ہجری میں جب سلطان محمد ابن قلادون کا دور آیا تو اس کے حکم سے دوبارہ اسی جگہ چوتھا مینار تعمیر کر دیا گیا۔ آج تک وہ مینار سلطان محمد ابن قلادون کی یادگار ہے۔(جستجوئے مدینہ)

میناروں کی تفصیل:

• سرورِ دوعالم ﷺ اور خلفائے راشدین کے ادوار میں مسجد کا کوئی ایک مینار نہیں تھا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ھ / ۷۱۹ء نے جب مسجد شریف کی توسیع فرمائی تو مسجد کے چاروں کونوں پر چار مینار بنائے، ان پر چڑھنے سے مسجد کے قریب مکانوں کے صحن میں نظر پڑتی تھی۔ایک مرتبہ سلیمان بن عبدالملک مدینہ منورہ حاضر ہوا اور مروان کے مکان میں ٹھہرا، دیکھا کہ موذن کی نظر مکان کے اندر پڑتی ہے تو اس نے مغربی جنوبی مینارے کو گروادیا پھر صدیوں تک تین مینار رہے۔ابن زبالہ کی روایت کے مطابق جنوب مشرقی مینارہ جو کہ گنبد خضراء کے قریب تھا، پچپن ہاتھ یعنی اٹھاسی فٹ نو انچ اور شمالی مشرقی مینار پچپن ہاتھ اور شمالی مغربی مینار ترپن ہاتھ بلند تھا اور ہر ایک مینار کی چوڑائی ۸x۸=۶۴ ہاتھ تھی، بعد میں ان کی بلندی مزید بڑھا دی گئی۔ چنانچہ امام سمہودی فرماتے ہیں مؤذنہ رئیسہ جنوب مشرقی مینار سطح زمین سے ہلال تک ستتر (۷۷) ہاتھ بلند تھا۔ایک مرتبہ اس پر بجلی گر گئی تھی، اس کا اکثر حصہ منہدم ہو گیا تھا۔ تعمیرِ جدید میں اس کو بلند کر دیا گیا تھا۔ سلطان اشرف الشجاعی نے اپنے دور میں سارے مینار منہدم کر دیئے پھر پانی کی سطح تک کھدائی کرا کے بنیادیں رکھ کر نہایت مضبوط مینار بنوائے۔ مینارہ رئیسہ کی بلندی ایک سو بیس ہاتھ یعنی ایک سو اسی (۱۸۰) فٹ تک کر دی اور شمالی مشرقی مینار کی بلندی ستر (۷۰) ہاتھ اور شمالی مغربی مینار کی بہتر (۷۲) ہاتھ کر دی۔ یہ پیمائش سطح زمین سے میناروں کی چوٹی پر لگائے گئے ہلال تک تھی۔ پھر ۷۰۶ ہجری میں سلطان الملک الناصر قلاوون کے حکم سے باب السلام پر چوتھا مینارہ دوبارہ تعمیر کر دیا گیا۔ جس کی بلندی پچانوے ہاتھ یعنی ۱۴۲ فٹ ۹ انچ تھی۔

مسجد شریف کے چار محرابوں کا ذکر

• مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے بعد حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے دور تک مسجد میں محراب کی علامت نہیں تھی۔ جناب سرورِ دوعالم ﷺ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد تقریباً سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے رہے۔ تحویل قبلہ کے بعد تیرہ چودہ دن آپ ﷺ اسطوانہ عائشہ کے سامنے نماز کی امامت فرماتے رہے۔ بعد میں موجودہ محراب والی جگہ متعیّن ہوئی۔ سیدنا ابی ابن کعب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ سرورِ دوعالم ﷺ کھجور کے خشک تنے اسطوانہ حنانہ کے ساتھ کھڑے ہو کر امامت فرماتے رہے یعنی آپ ﷺ نے اپنی مسجد میں تین متفرق جگہوں پر امامت فرمائی۔

• خلیفہ ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مصلّی نبوی شریف کے قدموں کی جگہ چھوڑ کر باقی جگہ پر دیوار بنوادی تاکہ بے ادبی نہ ہو اور لوگ اس جگہ پر قدم نہ رکھیں جس جگہ سرورِ دوعالم ﷺ اپنی پیشانی اور گھٹنے مبارک رکھتے تھے۔ پھر اس دیوار کو کمان کی گولائی میں لاکر محراب کی شکل دی گئی جو آج تک قائم ہے۔

• اس وقت مسجد نبوی شریف میں چار خوبصورت محرابیں ہیں: محراب نبوی، محراب عثمانی، محراب تہجد اور محراب سلیمانی یا حنفی۔

• امام الانبیاء ﷺ نے غالباً پندرہ شعبان ۲ ہجری سے جس جگہ امامت فرمائی تھی وہاں محراب نبوی موجود ہے۔

• علامہ عبدالقدوس انصاری بیان کرتے ہیں، محراب نبوی سرخ رنگ کے سنگ مرمر اور سرمائی رنگ کے سنگ مرمر کے امتزاج سے مزین ہے۔ پیشانی پر

قرآنی آیات سونے کے پانی کے ساتھ خط مثلث میں لکھی ہوئی ہیں۔ محراب کی دونوں جانب دو حسین اور جمیل ستون اور بازو بنے ہوئے ہیں اور محراب کے غربی دیوار اور حصہ پر "هٰذَا مُصَلّٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمِ" لکھا ہوا ہے اور محراب کے اوپر گول دائرہ میں "هٰذَا مِحْرَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ" لکھا ہوا ہے۔ محراب کے دونوں جانب ایک انچ موٹی پیتل کی خمدار سیڑھی بنی ہوئی ہے، جو محراب کی خوبصورتی اور استحکام کا کام دیتی ہے۔ محراب کے دونوں جانب دائیں اور بائیں چھوٹے دروازے اور گذرگاہیں بنائی گئی ہیں۔ ان گذرگاہوں کے اوپر لوہے کی گول پلیٹ کے اوپر ریاض الجنۃ کی سمت یہ حدیث شریف لکھی ہے:

"مَا بَيْنَ بَيْتِيْ وَمِنْبَرِيْ رَوْضَةٌ مِّنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ" (مسند ابی یعلی، جلد ۱۱، ص: ۲۷)

ترجمہ: "بیشک میرے کمرے اور منبر کے درمیان جو جگہ ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔"

اور اسی تختی کی قبلہ سمت:

"مَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ صَدَقَ رَسُوْلُ اللّٰهِ"

(سنن دار قطنی، جلد ۶، ص: ۴۸۸)

ترجمہ: "جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا۔"

لکھا ہوا ہے اور مغربی گذرگاہ کے اوپر اندر کی جانب یہ حدیث لکھی ہے:

"اِنَّ الْاِيْمَانَ لَيَأْرِزُ اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَمَا تَأْرِزُ الْحَيَّةُ اِلٰى جُحْرِهَا۔"

(صحیح ابن حبان، جلد ۹، ص: ۴۶)

ترجمہ: "بیشک ایمان مدینہ منورہ کی طرف واپس آئے گا جیسے سانپ اپنے بل کی طرف واپس آتا ہے۔"

اور اس تختی کی دوسری طرف لکھا ہے:

"قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَقٌّ فَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِهَا لَمْ يَكُنْ مِنْ أَهْلِهَا." (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد۱۶، ص: ۲۰۲)

ترجمہ: "جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، قیامت کے دن میری شفاعت حق ہے پس وہ شخص جس نے میری شفاعت پر ایمان نہ رکھا وہ میری شفاعت کا اہل نہیں ہوگا۔"

اس جگہ ایک اور حدیث لکھی ہوئی تھی۔ غالباً وہ تبدیل کر دی گئی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

"مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَأَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ." (سنن دار قطنی، جلد٦، ص:٤٨٧)

ترجمہ: "جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی پس گویا اس نے میری حیات میں زیارت کی۔" (واللہ تعالیٰ اعلم)

دوم محراب سلیمانی یا حنفی:

• یہ محراب نبوی شریف سے مغرب میں واقع ہے۔ ۸۶۰ھ/ ۱۴۵۶ء میں شیخ الحرم النبوی الشیخ طوغان نے بنوایا تھا۔ عہد نبوی سے یہ دستور تھا حج کے ایام کے علاوہ امام محراب نبوی میں کھڑا ہوتا تھا اور ایام حج میں ہجوم کی وجہ سے محراب عثمانی میں امامت کراتا تھا مگر الشیخ طوغان کی خواہش تھی کہ حنفی مسلک کے لوگ علیحدہ نئے محراب میں امام کی اقتدا کریں چنانچہ وہ دولت مصریہ کے دور میں کامیاب ہو گیا کہ شافعی مذہب کے لوگ محراب نبوی کے امام کے پیچھے نماز پڑھیں اور حنفی مذہب کے لوگ نئے محراب میں جماعت کرائیں جبکہ نماز تراویح بیک وقت دونوں محرابوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ یہ سلسلہ ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۴ء تک سلطان محمود ترکی عثمانی کے دور تک جاری ہوا۔ بعد ازاں محمد علی پاشا جب مدینہ منورہ آیا تو

اس نے فیصلہ کیا کہ صرف محراب نبوی کے امام شافعی المذہب کے پیچھے حنفی شافعی سب اکٹھے نماز پڑھیں اور صرف ایک ہی جماعت ہو۔ ۹۳۸ھ/ ۱۵۳۱ء میں اس محراب حنفی کی تعمیر جدید سلطان سلیمان نے کرائی، اسے سفید اور سیاہ سنگ مرمر کے حسین امتزاج سے خوبصورت بنوایا اس کے بعد یہ محراب محراب سلیمانی کے نام سے مشہور ہو گیا۔ اس کی پیشانی پر یہ عبارت لکھی ہوئی ہے "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ...الخ" آخر میں ہے "صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ وَصَدَقَ نَبِيُّهُ الْكَرِيْمُ."

(تاریخ مدینہ عبدالمعبود بحوالہ رحلۃ الحجاز)

محراب عثمانی:

• یہ وہ محراب ہے جو قبلہ کی دیوار میں حضرت عثمان بن عفان کے توسیعی سلسلہ میں صف کا وسط بنتا تھا اسکو محراب بنا دیا گیا جس میں آجکل امام صاحب کھڑے ہو کر امامت فرماتے ہیں۔

محراب تہجد:

• یہ چھوٹی سی محراب قبور مقدسہ سے حجرہ کی شمالی جانب کی دیوار میں بنائی گئی ہے۔ اس محراب کے آگے پیتل کی الماریاں اور ان میں قرآن مجید رکھ دیئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے یہ محراب نظر نہیں آتا۔ یہ محراب اسطوانہ تہجد کے متبادل بنایا گیا تھا جو کہ مقصورہ شریف کے اندر آجانے کی وجہ سے لوگوں کی پہنچ سے باہر ہو گیا تھا۔ اس محراب کی سیدھ میں ام المومنین حضرت فاطمۃ الزہراء کے حجرہ مبارکہ کے اندر اسطوانہ تہجد ہے، اس جگہ تہجد کیلئے مصلی بچھا کر سرور دو عالم ﷺ کئی دن تہجد پڑھتے رہے مگر صحابہ کرام کے ہجوم ہو جانے کے بعد آپ اپنے گھر میں تہجد پڑھتے تھے۔ اسے سلطان قانیبائی نے بنوایا تھا، اس پر لکھا ہوا تھا "هٰذِهٖ

مُتَهَجَّدُ النَّبِيِّ ﷺ"۔(جستجوئے مدینہ)

محراب سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا:

● یہ محراب حجرہ مطہرہ کے اندر محراب تہجد اور اسطوانہ تہجد کے درمیان ہے۔یہ خوبصورت محراب اس جگہ بنایا گیا ہے جس جگہ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراء حضرت علی کیلئے دلہن بن کر آئی تھیں چونکہ یہ محراب حجرہ مبارکہ کے اندر ہے، اس لئے نظر نہیں آتا۔

دروازے

● خود سرورِ دوعالم ﷺ کی حیات طیبہ میں مسجد نبوی کے تین دروازے تھے: ایک مغرب میں اور ایک مشرق میں اور ایک تحویل قبلہ سے پہلے جنوبی دیوار میں اور تحویل قبلہ کے بعد شمالی دیوار میں عام آمد و رفت کیلئے دروازہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی توسیع میں مسجد شریف کے چھ دروازے رکھے گئے۔ حضرت عثمانؓ کی توسیع میں حسب سابق چھ دروازے رہے۔ مشرقی دیوار میں باب جبرئیل علیہ السلام اور باب النساء اور مغربی دیوار میں باب السلام اور باب الرحمۃ اور دو دروازے شمالی دیوار میں تھے۔ جن کا کوئی نام معلوم نہیں ہو سکا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی توسیع میں مسجد کے چوبیس دروازے کر دیئے گئے۔ آٹھ مشرقی جانب اور آٹھ مغربی جانب اور چار شمالی جانب اور چار جنوبی جانب پھر ترکی عثمانی سلطنت کے دور میں مسجد شریف کے پانچ دروازے کر دیئے گئے۔ دو مغربی جانب باب السلام اور باب الرحمۃ اور دو مشرقی جانب باب جبرئیل علیہ السلام اور باب النساء اور ایک شمالی جانب باب التوسل کے نام سے دروازہ رکھا گیا۔

● سعودی حکومت کی پہلی توسیع میں مسجد شریف کے ۸ دروازے تھے اور دوسری توسیع مسجد میں داخل ہونے کے مدخل یا دروازوں کی تعداد چھیاسی ہو گئی۔ صاحب کتاب جستجوئے مدینہ لکھتے ہیں، باب السلام گیٹ نمبر ۱ سے باب البقیع گیٹ نمبر ۸۶ تک کل چھوٹے بڑے دروازوں کی تعداد چھیاسی ہو گئی ہے جن میں ۲۵ بڑے دروازے ہیں۔ الحمد للہ علی ذالك۔

مسجدِ نبوی ﷺ کی توسیع

- ✓ پہلی توسیع۔غزوہ خیبر کے بعد مسجد نبوی کی توسیع
- ✓ مسجد نبوی میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں دوسری مرتبہ توسیع
- ✓ حضرت عمرؓ کی توسیع کی خصوصیات
- ✓ تیسری مرتبہ توسیع عثمانی
- ✓ مسجد میں مقصورہ کا ذکر
- ✓ تعمیرِ عثمانی کی خصوصیات ایک نظر میں
- ✓ چوتھی مرتبہ ولید ابن الملک کی توسیع
- ✓ پانچویں مرتبہ توسیع خلیفہ المہدی عباسی کی جانب سے
- ✓ آتش زدگی کے بعد مسجد شریف کی تعمیرِ نَو
- ✓ سلطان محمد اشرف قانیبائی کی جانب سے تعمیرِ نَو
- ✓ قانیبائی تعمیر کی خصوصیات
- ✓ ترکی عثمانی دور میں مسجد نبوی شریف کی تعمیر اور تجدید
- ✓ سعودی دورِ حکومت میں مسجد نبوی شریف کی تعمیرِ نَو
- ✓ دوسری مرتبہ سعودی توسیع
- ✓ مسجد نبوی شریف کے متعلق چند متفرق معلومات
- ✓ مسجد شریف میں تاریخی دلچسپ معلومات

پہلی توسیع۔غزوہ خیبر کے بعد مسجد نبوی کی توسیع:

- مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے بعد وقتاً فوقتاً مرمت اور معمولی تبدیلیاں ہوتی رہیں جیسا کہ تحویل قبلہ کے بعد دیواروں اور چھت وغیرہ میں تبدیلیاں کی گئیں مگر توسیع نہ کی گئی۔ محرم ۷ ہجری مطابق جون ۶۲۸ عیسوی جب سرورِ دوعالم ﷺ خیبر فتح کرکے واپس ہوئے، آپ نے تعمیر اور توسیع کا حکم فرمایا اور اس بار بھی سرورِ دوعالم ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ شانہ بشانہ مسجد کی تعمیر میں شریک رہے۔
- حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں مسجد کی تعمیر کیلئے صحابہ کرام اینٹیں اٹھا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ شریک تھے۔ میں آپ کے سامنے آیا تو آپ نے اپنے بطن اطہر پر اینٹ اٹھائی ہوئی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ آپ کو مشقت ہو رہی ہے۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اینٹ مجھے دے دیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا تم دوسری اٹھا لاؤ اے ابوہریرہ۔ ''فَاِنَّهٗ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشَ الْاٰخِرَةِ'' (مسند احمد، جلد۱۹، ص:۲۱۷) کیونکہ کوئی زندگی زندگی نہیں مگر آخرت کی زندگی۔ مسجد شریف کی توسیع شمالی جانب سے زیادہ اور مغربی جانب سے اس سے کم مقدار میں کی گئی۔ شمالی جانب توسیع کیلئے ایک انصاری صحابی کے گھر کی ضرورت پیش آئی۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے اس انصاری سے فرمایا کہ یہ جگہ دے دو ''لَكَ بِهَا بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ'' (تیرے لئے اس مکان کے معاوضہ میں جنت میں مکان ہوگا) مگر اس صحابی نے معذرت کرلی۔ جب حضرت عثمانؓ کو اس بات کا علم ہوا، آپ اس انصاری کے پاس گئے اور فرمایا یہ جگہ مجھے دس ہزار درہم میں فروخت کردو (یہ رقم قیمت سے بہت زیادہ تھی)۔ چنانچہ انصاری نے وہ مکان فروخت کردیا اور حضرت عثمانؓ نے خریدلیا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر عرض کیا، یارسول اللہ! میں نے وہ مکان انصاری سے دس ہزار درہم میں خریدلیا

ہے، کیا آپ وہ مکان مجھ سے جنت کے مکان کے معاوضہ میں مسجد کیلئے خریدیں گے؟ سرورِ دوعالم ﷺ نے فرمایا، ہاں۔ آپ نے جنت کے مکان کے معاوضہ میں حضرت عثمان سے وہ مکان خرید لیا۔ دیوار کی کھدائی میں اس جگہ سرورِ دوعالم ﷺ نے بنیاد میں پہلی اینٹ رکھی پھر ابو بکر کو بلایا، انہوں نے دوسری اینٹ رکھی۔ پھر عمر کو بلایا، انہوں نے تیسری اینٹ رکھی۔ پھر عثمان آئے، انہوں نے چوتھی اینٹ رکھی۔ پھر لوگوں سے فرمایا اینٹیں لگانا شروع کردو۔

● جب حضرت عثمانؓ کا اہل مصر اور بصرہ اور اہل کوفہ نے محاصرہ کیا تھا اور مسجد میں نماز پڑھنے سے بھی روک دیا تھا، حضرت عثمانؓ نے اپنے گھر کے اوپر سے خطاب فرمایا اور فرمایا، کیا یہاں علی ہے؟ کیا یہاں طلحہ ہے؟ لوگوں نے کہا، ہاں۔ فرمایا، میں تمہیں اس اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، کیا تم جانتے ہو بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص فلاں انصاری کی جگہ خرید کر مسجد کیلئے دے گا اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ میں نے بیس ہزار یا پندرہ ہزار درہم میں وہ مکان خریدا اور بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس مکان کو مسجد میں شامل کردو اور تیرے لئے اس کا اجر ہوگا۔ لوگوں نے جواب دیا، جی ہاں آپ سچ کہتے ہیں۔ ایک روایت میں مکان کی قیمت خرید دس ہزار کا ذکر ہے۔ پھر فرمایا:

"فَاَنْتُمُ الْیَوْمَ تَمْنَعُوْنِیْ اَنْ اُصَلِّیَ فِیْهَا رَکْعَتَیْنِ" (سنن ترمذی، جلد ۱۳، ص: ۳۶۰)

ترجمہ: "آج تم مجھے اس مسجد میں دو رکعت نماز بھی نہیں پڑھنے دیتے۔"

(وفاء الوفاء)

● چونکہ مشرقی جانب ازواج مطہرات کے حجرات تھے اور مغربی جانب آپ ﷺ کا مصلی تھا اس وجہ سے توسیع مشرق اور جنوب میں نہیں کی گئی اور شمال اور

مغرب میں کی گئی۔ اس توسیع کے بعد مسجد کا احاطہ ۱۰۰x۱۰۰ ہاتھ ہو گیا۔ ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے لہٰذا ۱۰۰x۱۰۰ ہاتھ ۱۵۰x۱۵۰ فٹ جمع ۱۵۰۰۰ اسکوائر فٹ ہوئے۔ فرش پہلے کی طرح مٹی کا تھا جس میں سنگریزے ڈال دیئے گئے تھے۔ چھت کھجور کے شہتیروں اور کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنی چٹائیوں کی تھی جس پر موٹا گارا اور مٹی ڈال دی گئی تھی اور یہ چھت کھجور کے گاڈروں پر قائم تھی۔ مسجد شریف کے پہلے چھ ستون تھے، اب ان کی تعداد نو ہوگئی تھی۔ ہر لائن میں تین تین ستون جنوباً شمالاً کھڑے کئے گئے تھے اور کل تین لائنیں تھیں۔ شہتیر/ گاڈر کھجور کی لکڑی کے تھے۔

● آپ علیہ السلام کی موجودہ مسجد کے مغربی جانب اور شمالی جانب ستونوں پر لکھا ہوا ہے "هٰذَا حَدُّ مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ" ترجمہ: "یہی احاطہ سرورِ دوعالم ﷺ کے قدموں سے منور مسجد کی آخری حد ہے۔" آپ نے اسی احاطہ میں مختلف جگہوں پر قدم رکھے، استراحت فرمائی اور اسی جگہ پر قیام اور قعود فرمایا۔

مسجد شریف میں پرائیویٹ دروازوں کا بند فرمانا:

● مسجد نبوی شریف میں سرورِ دوعالم ﷺ کی حیات مبارکہ کے دور میں تین بڑے دروازے تھے۔ ایک باب جبرئیل جسے پہلے باب عثمان کہا جاتا تھا۔ یہ مشرقی دروازہ تھا اور باب السلام جسے پہلے باب عاتکہ کہا جاتا تھا۔ یہ مسجد کی غربی جانب تھا اور تحویل قبلہ کے بعد ایک دروازہ مسجد کے شمال میں تھا، جس کا اس وقت کوئی خاص نام نہیں تھا مگر مسجد شریف کے ارد گرد صحابہ کرام کے مسجد کے ساتھ متصل رہائشی مکان تھے۔ ان کے مکانوں کے دروازے بھی مسجد کی جانب تھے۔ اپنے مکانوں سے نکل کر صحابہ کرام مسجد میں داخل ہو جاتے تھے۔ ایک عرصہ کے بعد سرورِ دوعالم ﷺ نے حکم دیا، مسجد کی جانب کھلنے والے پرائیویٹ

دروازے بند کر دیئے جائیں۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت علیؓ کیلئے دروازوں کا بند نہ کرنا:

• احادیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر الصدیق اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیلئے اجازت دی گئی تھی کہ ان کے دروازے بند نہ کئے جائیں حتیٰ کہ حضرت علی کیلئے جنابت کی حالت میں بھی مسجد سے گذرنا جائز رکھا گیا۔اس سلسلہ میں بعض احادیث اس طرح بیان کی گئی ہیں:

• حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے کہ اس سلسلہ میں بعض احادیث دوسری بعض کے مخالف ہیں لہٰذا ان میں تطبیق دی جائے گی۔

حدیث: حضرت سعد ابن و قاص بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں کھلنے والے سارے دروازے بند کر دینے کا حکم فرمایا اور علی کا دروازہ رہنے دیا۔(رواہ احمد و نسائی) ایک روایت میں زید ابن ارقم سے مروی ہے کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے ہمارے دروازے بند کر دیئے اور علی کا دروازہ بند نہیں کیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا، میں نے بند نہیں کئے، میں نے کوئی دروازہ بند نہیں کیا اور نہ کھولا ہے مگر مجھے جو حکم ہوا ہے میں نے اس حکم کی اتباع کی ہے۔

حدیث: حضرت جابر ابن سمرہ بیان کرتے ہیں، سب لوگوں کے دروازے بند کر دیئے گئے مگر علی کا دروازہ بند نہ کیا گیا، حضرت علیؓ جنابت کی حالت میں بھی مسجد سے گزرتے رہتے تھے۔

• حدیث: حضرت عبداللہ ابن عمر بیان کرتے ہیں، ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں کہا کرتے تھے ”خَیْرُ النَّاسِ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ“ (مسند ابی یعلی، جلد ۹، ص: ۴۵۴) سب صحابہ کرام سے افضل ابو بکر ہیں پھر عمر ہیں اور میں کہا کرتا تھا

حضرت علی ابن ابی طالب کو تین ایسی خصال دی گئی ہیں اگر ان میں سے مجھے ایک دی جاتی تو وہ مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محسوس ہوتی۔ (۱) یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اپنی بیٹی نکاح کر کے دی اور ان سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اولاد عطا فرمائی اور (۲) سب کے دروازے بند کر دیئے گئے مگر حضرت علیؓ کا دروازہ بند نہ کیا گیا اور (۳) خیبر کے دن فتح کا جھنڈا علی کو دیا گیا۔(وفاء الوفاء)

• ابن زبالہ نے ایک روایت ذکر کی ہے کہ جب سرورِ دوعالم ﷺ نے حضرت علی کے علاوہ سب لوگوں کے دروازے بند کر دینے کا حکم جاری فرمایا تو حضرت حمزہ گھر سے سرخ چادر کھینچتے ہوئے نکلے، آپ کی سرخ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور رو رہے تھے۔ عرض کیا یا رسول اللہ! ”اَخْرَجْتَ عَمَّكَ وَ اَسْكَنْتَ ابْنَ عَمِّكَ“ اپنے چچا کو نکال دیا اور چچا کے بیٹے کو رہنے دیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

”مَا اَنَا اَخْرَجْتُكَ وَلَا اَسْكَنْتُهٗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَسْكَنَهٗ“

(خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، جلد ۱، ص: ۱۲۳)

ترجمہ: ”میں نے آپ کو نہیں نکالا اور نہ علی کو رہنے دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اسے رہنے دیا۔“

• بعض روایات میں ہے حضرت عباس نے عرض کیا:

”یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْرَ مَا اَدْخُلُ اَنَا وَحْدِیْ وَ اَخْرُجُ۔ قَالَ مَا اُمِرْتُ بِشَیْءٍ مِنْ ذَالِكَ“ (المعجم الکبیر، جلد ۲، ص: ۲۴۶)

ترجمہ: ”میرے لئے اتنی مقدار چھوڑ دیں جس سے میں اکیلا داخل اور خارج ہو سکوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا مجھے اس میں کسی شے کا امر نہیں کیا

گیا مگر علی کیلئے۔"

- ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے عرض کیا، میرے لئے ایک روشن دان رکھنے کی اجازت ہو جس سے میں صبح اور شام آپ کو دیکھ سکوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا سوئی کے سوراخ کے برابر بھی سوراخ رکھنے کی اجازت نہیں۔
- بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ نے لوگوں کو خطاب فرمایا اور ارشاد فرمایا، بیشک اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے، کے درمیان ایک عبد کو اختیار دیا ہے (جس کو چاہے اسے اجازت ہے اختیار کرلے) پس اس عبد نے اس کو اختیار کرلیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس پر ابو بکر رونے لگے۔ ہم نے ان کے رونے پر تعجب کیا کہ یہ اس بات پر رورہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عبد کے متعلق خبر دی ہے جس کو اختیار دیا گیا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ "عبد مخیر" تھے اور ابو بکر ہم سے اعلم تھے۔ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِيْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا غَيْرَ رَبِّيْ لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ وَلٰكِنَّ اُخُوَّةَ الْاِسْلَامِ وَمَوَدَّتَهٗ لَا يُبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ اِلَّا سُدَّ اِلَّا بَابُ اَبِيْ بَكْرٍ۔"

(سیرت ابن کثیر، جلد ٦، ص: ۴۵۳)

ترجمہ: "بیشک سب لوگوں سے زیادہ احسان کرنے والے میرے اوپر اپنی صحبت اور اپنے مال میں ابو بکر ہیں، اگر میں اپنے رب کے علاوہ کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا مگر اسلامی اخوۃ اور اسلامی مؤدۃ ہے مسجد میں نہ باقی رکھا جائے کوئی دروازہ مگر بند کردیا جائے لیکن ابو بکر کا دروازہ بند نہ کیا جائے اور مسلم کی روایت میں ہے کوئی خوخہ مسجد میں

باقی نہ رہنے دیا جائے مگر ابو بکر کا خوخہ۔"

خوخہ روشن دان کو یا وہ کھڑکی جس کو تالہ لگایا جاسکے، اس کو کہا جاتا ہے۔ اگر دیوار کے نچلے حصہ میں ہو تو اس سے آدمی باہر اندر آجاسکے۔

- ایک روایت میں ہے حضرت عمرؓ نے عرض کیا:

"دَعْنِيْ اَفْتَحُ كَوَّةً اَنْظُرُ اِلَيْكَ حِيْنَ تَخْرُجُ اِلَى الصَّلٰوةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا۔" (الحاوی للفتاوی للسیوطی، جلد ۳، ص: ۱۷)

ترجمہ: "مجھے اجازت فرمائیں میں ایک روشن دان رکھ لوں جس سے آپ کو اس وقت دیکھ لیا کروں، جب آپ نماز کی طرف تشریف لائیں پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں۔" (وفاء)

- آجکل حضرت ابو بکر کے خوخہ کی جگہ مسجد نبوی شریف کا دروازہ قائم کیا گیا ہے۔ جب انسان باب السلام سے مسجد میں داخل ہو تو دائیں جانب یہ خوخہ تھا، جسے باب الصدیق کہا جاتا ہے۔
- ان احادیث میں علماء نے اس طرح تطبیق فرمائی ہے کہ ابتداء میں سرورِ دوعالم ﷺ نے حضرت علیؓ کے سوا سب لوگوں کے دروازے بند کرادیئے تھے پھر صحابہ کرام کے بار بار اصرار پر روشن دان کھولنے کی اجازت فرمادی تھی پھر وصال سے پانچ دن پہلے آپ ﷺ نے مسجد میں کھلنے والے روشن دان بھی بند کرادیئے تھے مگر ابو بکر صدیق کا روشن دان یا کھڑکی باقی رہنے دی تھی۔ حضرت علی کا دروازہ بند کرادیا تھا یا وہ بھی رہنے دیا تھا، اس میں علماء کرام کی دورائے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت علی کا دروازہ بھی بند کرادیا تھا اور ایک یہ کہ وہ دروازہ باقی رکھا گیا تھا مگر یہ بات حقیقت ہے کہ حضرت ابو بکر الصدیق کا خوخہ باقی رکھا گیا تھا اور اس میں حضرت ابو بکر کی خلافت کی طرف اشارہ تھا۔ (وفاء الوفاء، علامہ سمہودی)

• آپ کا وصال ہو گیا اور آپ کی مسجد شریف کی حدود ان ستونوں تک تھیں جن پر لکھا ہے "هٰذَا حَدُّ مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ"۔

مسجد نبوی میں حضرت عمرؓ کی خلافت کے دور میں دوسری مرتبہ توسیع:

• بخاری شریف اور سنن ابی داؤد میں حضرت نافع سے روایت ہے کہ انہیں عبداللہ ابن عمر نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد میں مسجد کی دیواریں اینٹوں سے اور چھت کھجور کی شاخوں اور پتوں سے اور ستون کھجور کے خشک درختوں سے بنے ہوتے تھے۔ حضرت ابو بکر مسجد میں کوئی توسیع نہ کر سکے۔ حضرت عمر نے اپنے خلافت کے زمانہ میں توسیع اور تجدید کی۔ لکڑی کے ستون قائم کئے اور باقی دیواریں اور چھت اسی طرز پر رکھیں جس طرز پر رسول اللہ ﷺ کے دور میں تھیں پھر حضرت عثمانؓ نے مسجد شریف میں زیادہ توسیع و تجدید فرمائی۔ منقش پتھروں اور چونے سے دیواریں اور ستون بنائے۔

• حضرت عمر فاروق نے قبلہ سے شام کی جانب مسجد کا طول ۱۴۰ ہاتھ اور مسجد کی چوڑائی ۱۲۰ ہاتھ رکھی یعنی ۱۲۰x۱۴۰ اور چھت کو زمین سے گیارہ ہاتھ بلند کروا دیا۔ (وفاء)

• مسجد کے ارد گرد صحابہ کرام کے مکان تھے۔ مشرقی جانب سرورِ دو عالم ﷺ کی ازواج مطہرات کے حجرے تھے اس لئے حضرت عمر نے توسیع کیلئے غربی اور جنوبی اور شمالی جانب کا انتخاب کیا۔ قبلہ اور جنوب کی جانب دس ہاتھ یعنی پندرہ فٹ اور شمالی کی جانب تیس ہاتھ یعنی پینتالیس فٹ اور غربی جانب بیس ہاتھ یعنی تیس فٹ اضافہ فرمایا۔

• حضرت عمر نے مسجد کی توسیع سے پہلے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا اور بیان کیا کہ میں نے سرورِ دو عالم ﷺ سے سنا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

"اِنِّيْ أُرِيْدُ اَنْ اَزِيْدَ فِيْ قِبْلَةِ مَسْجِدِنَا" (اضواء البیان فی تفسیر القرآن، جلد ۸، ص: ۴۵۸)

ترجمہ: "بیشک میں ارادہ کرتا ہوں کہ اپنی مسجد کے قبلہ کی جانب توسیع کر دوں۔"

اگر میں نے نہ سنا ہوتا تو میں قبلہ کی جانب توسیع نہ کرتا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ سرورِ دو عالم نے فرمایا:

"لَوْ زِدْنَا فِيْ مَسْجِدِنَا" (اضواء البیان فی تفسیر القرآن، جلد ۸، ص: ۴۵۷)

"کاش ہم اپنی مسجد میں زیادتی کرتے۔"

پھر ہاتھ مبارک سے قبلہ کی جانب جگہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ حضرت عمر نے آپ ﷺ کی جگہ آدمی بٹھایا اور اسی کیفیت میں اس کے ہاتھ سے آگے قبلہ کی جانب جگہ کی طرف اشارہ کرایا اور اسی سے وہ جگہ ناپ لی جو کہ دس ہاتھ تھی اس کے بعد آپ نے توسیع کا حکم دے دیا۔

حضرت عمر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان تنازعت:

• ابن سعد نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر کے زمانہ میں نماز پڑھنے والے لوگ زیادہ ہو گئے اور مسجد سے بڑھنے لگے۔ حضرت عمر نے مسجد کی توسیع کی غرض سے مسجد کے ارد گرد مکانات خرید لئے مگر حضرت عباس ابن عبد المطلب اور امہات المومنین کے حجرات نہ خریدے۔ حضرت عمر نے حضرت عباس سے کہا، اے ابوالفضل مسجد مسلمانوں پر تنگ ہو گئی ہے، میں نے مسجد کے ارد گرد کے گھر خرید کر لئے ہیں مگر آپ کا گھر اور امہات المومنین کے گھر باقی ہیں۔ امہات المومنین کے گھروں کو خریدنے کا تو کوئی راستہ نہیں مگر آپ اپنا گھر فروخت فرما دیں تا کہ مسجد میں توسیع ہو جائے۔ آپ کو بیت المال سے رقم ادا کر دی جائے گی۔ حضرت عباس نے جواب دیا میں یہ کام کرنے والا نہیں۔ ایک روایت میں ہے

فرمایا، یہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے جگہ دی تھی اس لئے میں نہیں دوں گا۔ حضرت عمر نے عرض کیا، آپ تین صورتوں میں سے ایک اختیار فرمالیں یا تو یہ گھر بیت المال سے حسب خواہش رقم کے معاوضہ میں فروخت کردیں یا اس کے معاوضہ میں مدینہ منورہ میں جہاں چاہیں جگہ لے لیں میں اس پر بیت المال سے آپ کا گھر بنادوں گا یا اپنا گھر مسلمانوں پر صدقہ کردیں تاکہ مسلمانوں کی مسجد میں توسیع کردیں۔ حضرت عباس نے فرمایا:

"لَا وَلَا وَاحِدَةٌ مِنْهَا" (جامع الاحادیث، جلد ۲۸، ص: ۳۹۳)

ترجمہ: "نہ اور نہ ان میں سے کوئی ایک بھی نہیں۔"

حضرت عمر نے فرمایا، آپ جس آدمی کو چاہیں ہم اس کو جج اور فیصل بنا لیتے ہیں۔ حضرت عباس نے فرمایا، حضرت ابی ابن کعب سے فیصلہ کرالیتے ہیں۔ دونوں حضرات ابی ابن کعب کے پاس پہنچے۔ ایک روایت میں ہے حضرت ابی ابن کعب نے امیر المومنین عمر اور حضرت عباس کو تھوڑی دیر کیلئے اندر آنے سے روک دیا پھر اجازت دے دی اور فرمایا کہ میں نے اندر آنے سے اس لئے روک دیا تھا کہ میری کنیز (بیوی) اس وقت مجھے غسل دے رہی تھی اور میرا سر دھو رہی تھی۔ حضرت ابی ابن کعب کو سید المسلمین کہا جاتا تھا۔ حضرت ابی ابن کعب نے دونوں کیلئے گدا بچھانے کا حکم دیا۔ دونوں نے قصہ بیان کیا۔ ایک روایت میں ہے حضرت عمر بات کرنے لگے تو حضرت ابی ابن کعب نے انہیں روک دیا اور فرمایا پہلے حضرت عباس بات کریں گے۔ "فَقَالَ أُبَيٌّ تَكَلَّمْ يَا أَبَا الْفَضْلِ دَعْهُ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ يَتَكَلَّمُ لِمَكَانِهِ مِنْ نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ فَتَكَلَّمَ الْعَبَّاسُ" (حضرت ابی نے فرمایا اے ابوالفضل آپ بات کریں، اے ابن الخطاب آپ ان کو بات کرنے دیں کیونکہ عباس نبی کریم ﷺ کے چچا ہیں۔)

پھر حضرت عباس نے بات شروع کی اس کے بعد حضرت عمر نے بیان کیا۔ حضرت ابی ابن کعب نے فرمایا: اگر دونوں چاہیں تو میں تمہیں اس سلسلہ میں ایک حدیث بیان کروں جو رسول اللہ ﷺ سے میں نے سنی ہے۔ دونوں نے کہا، آپ ضرور سنائیں۔ حضرت ابی ابن کعب نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی، میرے لئے گھر (بیت المقدس) بنائیں جس میں میرا ذکر کیا جائے۔ انہوں نے بیت المقدس کی تعمیر شروع فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ اسے چورس اور مربع بنانے اور توسیع کیلئے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کے گھر کے کچھ حصے کی ضرورت تھی۔ حضرت داود علیہ السلام نے اس آدمی کو فرمایا، یہ فروخت کردیں تاکہ بیت المقدس کی توسیع کی جاسکے۔ اس آدمی نے انکار کردیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ میں اس سے زبردستی لے لوں اور یہ جگہ مسجد میں شامل کرلوں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی، اے داؤد! میں نے تجھے ایسا مکان بنانے کا حکم دیا تھا جس میں میرا ذکر کیا جائے، آپ نے ارادہ کیا ہے کہ میرے گھر میں مغصوبہ زمین داخل کردے، میری شان سے یہ بعید ہے کہ میں زمین غصب کروں لہٰذا آپ میرا گھر نہ بنائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا، میری اولاد کو اجازت ہو تو وہ بنالیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ کی اولاد بیشک بنائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس تعمیر فرمایا۔ حضرت عمر نے ابی ابن کعب کو پکڑا اور انہیں مسجد لے آئے اور مسجد میں موجود صحابہ کرام کے سامنے کھڑا کردیا۔ ان میں حضرت ابوذر غفاری بھی تھے۔ حضرت ابی ابن کعب نے فرمایا، اے صحابہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کیا تم میں سے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے بیت المقدس کے متعلق حضرت داؤد

علیہ السلام کی یہ حدیث سنی ہے؟ حضرت ابوذر نے کہا، میں نے سنی ہے۔ ہر ایک نے کہا میں نے یہ حدیث سنی ہے۔ اس پر حضرت ابی ابن کعب نے فرمایا، اے عمر مجھ پر تو جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیث میں کذب کی تہمت لگاتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قسم اے ابوالمنذر میں آپ پر تہمت نہیں لگاتا، میں چاہتا تھا کہ یہ حدیث لوگوں پر بالکل ظاہر ہو جائے۔ حضرت عمر نے اس کے بعد حضرت عباس سے کہا، جائیں آپ کے مکان کو ہم نہیں چھیڑیں گے۔ حضرت عباس نے فرمایا، جب فیصلہ میرے حق میں ہو گیا اور آپ نے کہہ دیا کہ ہم اس فیصلہ کی وجہ سے آپ کے مکان کو نہیں چھیڑیں گے، اب میں اپنے مکان کے اس حصہ کا مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں۔ آپ مسجد کی توسیع میں اس کو شامل کر لیں۔ حضرت عباس نے فرمایا، آپ جو چاہیں کریں۔ حضرت عمر نے حضرت عباس کے گھر کا اتنا حصہ جتنا مسجد کی توسیع کیلئے ضرورت تھا، لے لیا اور قبلہ کی جانب دس ہاتھ مسجد کی توسیع فرما دی۔

- حضرت داؤد علیہ السلام کے قصہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ بیت المقدس کی توسیع میں جو مکان آرہا تھا شاید وہ بنی اسرائیل سے ایک فقیر اور یتیم بچے کا مکان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا اسے امیر بنادے، تو اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ میں نے زمین کے سارے خزانے تجھے دے دیئے ہیں، اس غریب آدمی کو حسب خواہش قیمت ادا کرکے اور خوش کرکے اس کا مکان بیت المقدس میں شامل کرلو۔ چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اسے ایک قنطار سونے کی پیشکش کی پھر دو قنطار حتی کہ نو قنطار سونے کی قیمت پر راضی کر لیا اور اس کو نو قنطار سونا دے کر اس کا مکان لے کر مسجد میں شامل کر لیا۔ (وفاء الوفاء) (ایک قنطار گائے کے چمڑہ بھر سونے کو کہتے ہیں) جب اللہ تعالیٰ کسی کو عطا فرمانا چاہے تو اسی

طرح عطا فرما دیتا ہے اس کے خزانوں میں کمی نہیں آتی اور اس شان رحمت سے یہ بعید بھی نہیں۔ (رفیق حسنی)

- اس کے بعد حضرت عمر نے حضرت عباس کو بیت المال سے مقام زوراء کے قریب جگہ عطا فرما کر مکان بنوا دیا تھا۔

تنازعہ کا دوسرا واقعہ:

- بعض مؤرخین کے قول کے مطابق حضرت عباس کے بقیہ مکان کے ایک کمرہ پر پرنالہ لگا ہوا تھا، جس کا پانی مسجد میں یا مسجد کی طرف آنے والے راستہ میں گرتا تھا۔ حضرت عمر جمعہ کے دن جمعہ کی نماز پڑھانے کیلئے صاف لباس میں اس راستہ سے آرہے تھے، اچانک پرنالہ سے خون آلود پانی گرا کیونکہ چھت پر مرغی وغیرہ کے خون کو دھونے کیلئے پانی ڈالا گیا تھا۔ وہ پانی حضرت عمر کے کپڑوں پر گرا۔ آپ نے اوپر ہاتھ کرکے پرنالے کو نکال کر پھینک دیا، واپس گھر جاکر کپڑے بدلے اور خطبہ ارشاد فرمایا۔ نماز کے بعد حضرت عباس نے کہا:

"اَمَّا وَاللّٰہِ مَا شَدَّہٗ اِلَّا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَّہٗ لَعَلٰی مَنْکِبِیْ" (تاریخ دمشق، جلد ۲۶، ص: ۳۲۲)

ترجمہ: "لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم اس پرنالے کو نہیں لگایا تھا مگر خود رسول اللہ ﷺ نے یہ کہ وہ میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر۔"

اس پر حضرت عمر نے معذرت کرتے ہوئے عرض کیا "وَاللّٰہِ لَا تُعِیْدُہٗ اِلَّا وَاَنْتَ عَلٰی رَقَبَتِیْ" (اللہ تعالیٰ کی قسم! اے عباس تو اس کو دوبارہ نہیں لگائے گا مگر میری گردن پر چڑھ کر) یعنی آپ کے کندھوں پر رسول اللہ ﷺ نے چڑھ کر یہ پرنالہ لگایا تھا لیکن میں نے اسے نکال کر غلطی کی ہے لہٰذا اس کا کفارہ یہ ہے کہ آپ میرے کندھوں پر اور پشت پر پیر رکھ کر دوبارہ پرنالہ لگالیں۔ بعض

مؤرّخین کا خیال ہے کہ یہ واقعہ توسیع والے واقعہ سے پہلے کا ہے مگر امام سمہودی نے فرمایا، ہو سکتا ہے اس مکان کے دو پرنالے ہوں ایک کا پانی مسجد میں گرتا تھا اور دوسرے کا راستہ میں لہٰذا یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہو۔ امام سمہودی فرماتے ہیں:

"فَيُجْمَعُ بَيْنَ الرِّوَايَاتِ بِأَنَّهٗ كَانَ لِلدَّارِ الْمَذْكُوْرَةِ مِيْزَابَانِ مِيْزَابٌ يَصُبُّ فِي الْمَسْجِدِ وَ مِيْزَابٌ يَصُبُّ فِي الطَّرِيْقِ وَ اتَّفَقَ فِيْ كُلٍّ مِّنْهُمَا قُصَّةٌ" (وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۴۷)

ترجمہ: "روایات کو اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ حضرت عباس کے گھر کے دو پرنالے تھے، ایک پرنالے سے پانی مسجد میں گرتا تھا اور ایک پرنالے سے پانی راستے میں گرتا تھا۔ حضرت عمر کی جانب سے توسیع میں حضرت عباس کے مکان سے بقیہ حصہ جس میں ایک پرنالہ ابھی قائم رہا تھا، حضرت عثمان کے دور میں توسیع کے وقت خرید کر مسجد میں شامل کر لیا گیا تھا۔ لہٰذا روایات میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عباس نے کہا، اے عمر! یہ پرنالہ میں نے سرورِ دوعالم ﷺ کے کندھوں پر سوار ہو کر لگایا تھا۔ راوی کہتا ہے یہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ آدمی کا چچا باپ کے قائم مقام ہوتا ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ اپنے چچا کے کندھوں پر کھڑے ہو کر پرنالہ لگائیں۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔" (وفاء الوفاء)

بطیحاء:

- ابن شبہ اور یحییٰ نے حضرت سالم ابن عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے مسجد کے باب جبرئیل سے خارج ایک چبوترہ بنایا تھا جسے بطیحاء کہا جاتا تھا اور فرمایا جو شخص چاہے کہ لایعنی کلام کرے یا آواز بلند کرے یا شعر پڑھے پس وہ اس

جگہ کی طرف نکل آئے۔ یہ چبوترہ قائم رہا حتی کہ جب عمر ابن عبدالعزیز نے مسجد کی توسیع فرمائی تو اس چبوترہ کو مسجد میں شامل کر لیا۔

- عبدالرزاق نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر جب مسجد سے نکلتے تھے، بلند آواز سے فرماتے تھے "اِيَّاكُمْ وَ اللَّغَطَ وَ اِنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ اِرْتَفِعُوْا فِيْ اَعْلَى الْمَسْجِدِ" (مصنف عبدالرزاق، جلد ۱، ص: ۴۳۸) مسجد میں باتیں نہ کرو مسجد سے باہر بلند جگہ چلے جاؤ۔
- حضرت عاصم سے روایت ہے حضرت عمر نے سنا کہ لوگ مسجد میں تجارت اور دنیاوی امور کا ذکر کرتے ہیں، آپ نے فرمایا مساجد اللہ تعالیٰ کے ذکر کیلئے بنائی گئی ہیں جب تم تجارت اور دنیا کے امور کا ذکر کرنا چاہو تو بطیحاء جو بقیع کی جانب ہے، کی طرف نکل جایا کرو۔ ایک روایت میں ہے حضرت عمر نے ایک آدمی کا مسجد میں آواز بلند کرنا سنا تو آپ نے فرمایا "اَتَدْرِيْ اَيْنَ اَنْتَ؟" (کیا تو جانتا ہے تو کہاں ہے؟) یعنی آپ نے اسے ناپسند فرمایا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد ۲، ص: ۱۸۲)
- حضرت عبدالرحمٰن بن حاطب روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان اور حضرت طلحہ کا مسجد میں تنازعہ ہو گیا کسی نے جا کر حضرت عمر کو بتایا۔ حضرت عمر مسجد میں پہنچے، حضرت عثمان جا چکے تھے اور حضرت طلحہ موجود تھے۔ حضرت عمر نے کہا، کیا رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں تم جھگڑا کرتے ہو اور نامناسب اقوال ذکر کرتے ہو۔ دوزانو ہو کر حضرت طلحہ نے کہا "اِنِّيْ وَاللّٰهِ لَاَنَا الْمَظْلُوْمُ الْمَشْتُوْمُ" (اللہ تعالیٰ کی قسم! میں مظلوم ہوں اور مجھے گالیاں دی گئیں۔)

حضرت عمر اپنی بات بار بار غصہ سے دہرا رہے تھے اور حضرت طلحہ معذرت کر رہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا "مَا اَنْتَ مِنِّيْ بِنَاجٍ" (تو مجھ سے نجات نہیں پائے گا) میں تجھے سزا دوں گا اس پر ام المومنین ام سلمہؓ نے اپنے حجرہ سے آواز دی

"وَاللّٰہِ اِنَّ طَلْحَةَ لَهُوَ الْمَظْلُوْمُ الْمَشْتُوْمُ" (اللہ تعالیٰ کی قسم! طلحہ مظلوم اور مشتوم ہے۔) تو حضرت عمر نے سزا روک دی۔(تاریخ المدینہ، جلد ۱، ص: ۳۳)

• حضرت سائب ابن یزید سے روایت ہے کہ میں مسجد میں لیٹا ہوا تھا، مجھے ایک آدمی نے کنکری ماری۔ میں نے سر اٹھایا تو حضرت عمر تھے۔ آپ نے فرمایا اٹھو ان دو آدمیوں کو بلا کر لاؤ جو مسجد میں بلند آواز سے باتیں کر رہے ہیں۔ میں ان کو لے آیا تو حضرت عمر نے فرمایا "مِنْ اَیْنَ اَنْتُمَا؟" (تم کہاں سے آئے ہو؟) انہوں نے کہا، طائف سے۔ آپ نے فرمایا، اگر تم اہل بلد یعنی مدینہ منورہ کے رہنے والے ہوتے تو میں اس وقت جانے نہ دیتا جب تک تمہیں سزا نہ دیتا۔ تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آواز بلند کرتے ہو۔ (بخاری، جلد ۱، ص: ۱۷۹)

• ابو عثمان روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود سے سنا کہ انہوں نے ایک آدمی کو مسجد میں آواز بلند کرتے ہوئے سنا تو اس کو گالی دے دی۔ آپ سے کہا گیا "مَا كُنْتَ فَحَّاشًا" (آپ فحش گو نہیں تھے) آپ نے جواب دیا "اُمِرْنَا بِذَالِكَ" (ہمیں اسی کا امر دیا گیا ہے۔)(صحیح ابن خزیمہ، جلد ۲، ص: ۲۷۳)

• حضرت سعید ابن مسیب سے ابن زبالہ اور یحییٰ نے روایت کیا کہ حضرت حسان بن ثابت مسجد میں اشعار پڑھ رہے تھے اور حضرت عمر وہاں سے گذرے "فَلَحَظَ اِلَيْهِ" حضرت عمر نے حضرت حسان کو غصے سے دیکھا۔ حضرت حسان نے عرض کیا "قَدْ كُنْتُ اُنْشِدُ وَ فِيْهِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِّنْكَ" میں اس وقت اشعار پڑھتا تھا اور اس مسجد میں وہ ذات ہوتی تھی جو تجھ سے بہتر تھی۔ یعنی رسول اللہ ﷺ موجود ہوتے تھے۔ پھر حضرت حسان وہاں موجود حضرت ابوہریرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، اے ابوہریرہ! تجھے میں اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں، کیا تو نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا جب آپ نے فرمایا تھا "اَجِبْ عَنِّيْ"

(میری طرف سے جواب دو) اور فرمایا تھا "اَللّٰهُمَّ اَيِّدْهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ" (اے اللہ حسان کی جبرئیل امین کے ذریعہ مدد اور تائید فرما۔) حضرت ابو ہریرہ نے تصدیق کرتے ہوئے کہا "اَللّٰهُمَّ نَعَمْ" اے اللہ! (ہاں میں نے سنا تھا۔) (صحیح مسلم، جلد ۴، ص: ۱۹۳۲)

• بخاری نے بھی اسی طرح اپنی صحیح میں اس کو روایت کیا ہے اور ترمذی شریف میں ابی الزناد کے طریقہ سے عروۃ نے حضرت عائشہ سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَنْصِبُ لِحَسَّانٍ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ فَيَقُوْمُ عَلَيْهِ يَهْجُو الْكُفَّارَ" (رسول اللہ ﷺ حسان کیلئے مسجد میں منبر نصب کرتے تھے، وہ اس پر کھڑے ہو کر (اشعار میں) کفار کی ہجو اور مذمت کرتے تھے۔) (وفاء الوفاء، ج ۲، ص ۸۲) منبر سے مراد یہاں مربع شکل میں لکڑی کا اسٹول تختہ اور میز اور ٹیبل ہے، وہ رکھا جاتا تھا جس پر کھڑے ہو کر حضرت حسان نعت پڑھتے تھے۔ منبر سے خطبہ دینے والا منبر مراد نہیں ہے بلکہ اسٹول ہے۔ شاید اسی اسٹول پر اذان بھی دی جاتی تھی۔ (محمد رفیق حسنی)

• آگے یحییٰ کی روایت میں ہے، اس کے بعد حضرت عمر خاموشی سے واپس چلے گئے اور حضرت حسان سے تعرض نہ کیا۔

• معلوم ہوا جن احادیث میں مسجد میں اشعار پڑھنے سے منع کیا گیا، ان کے جاہلیت کے اشعار اور فحش اشعار مراد ہیں اور حضرت عمر کی بھی یہی مراد تھی جس میں فرمایا، جو شخص شعر پڑھنا چاہے وہ مسجد سے بطیحاء کی طرف نکل آئے اور جن اشعار کا مسجد میں پڑھنا ماذون ہے وہ اشعار ہیں جن میں اللہ اور اس کے رسول کی مدح اور ثناء ہے کیونکہ ابن زبالہ نے علی بن زید بن جدعان سے روایت کیا کہ حضرت کعب ابن زبیر نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں یہ اشعار سنائے جن کی

ابتدا ہے:

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِيَ الْيَوْمَ مَبْتُوْلٌ
مُتَيَّمٌ اَثْرَهَا لَمْ يُفْدَ مَكْبُوْلٌ

(مستدرک علی الصحیحین، جلد ۱۵، ص:۱۱۹)

ترجمہ: ''سعاد جدا ہو گئی پس میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے، اس کے نشانات کا ارادہ کیا، اس نے مغموم کو فائدہ نہ دیا۔''

• خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت عمر نے مسجد کے آداب کے پیش نظر دنیاوی امور اور کلام اور اشعار سے مسجد کو پاک رکھنے کیلئے بطیحاء کا چبوترہ مسجد سے باہر بنایا تھا۔ اور ان روایات سے معلوم ہوا مسجد میں حضرت حسان اور کعب ابن زبیر کی نعتیں اتنی قلیل اور کم وقت میں ہوتی تھیں کہ حضرت عمر جیسے ہمرکاب صحابی کو بھی اس کا علم نہیں ہوتا تھا لہٰذا ساری ساری رات مسجد میں نعتیں پڑھنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدین کے دور میں ثابت نہیں ہے۔

مسجد نبوی شریف کے توسیعی حصہ کا حکم:

• مسجد نبوی شریف میں توسیع کا سلسلہ خود سرورِ دوعالم ﷺ نے شروع فرمایا تھا۔ جسے حضرت عمر فاروق نے مزید وسعت دے کر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ مسجد نبوی شریف کی توسیع جتنی ہی کر دی جائے اس کی تمام تر توسیع کا حکم مسجد نبوی شریف کا ہو گا۔ توسیعی حصے کے فضائل اور برکات اور اجر و ثواب اسی قدیم مسجد نبوی شریف کے ہوں گے جس کو خود سرورِ دوعالم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے تعمیر فرمایا تھا۔ چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ سے روایت ہے اگر میری اس مسجد کو صنعاء (یمن) تک وسیع کر دیا جائے تب بھی یہ میری مسجد ہو گی۔

(وفاء الوفاء)

• حضرت ابو ہریرہ فرماتے تھے، اگر مسجد نبوی میرے دروازے تک کشادہ ہو جائے تو مجھے دروازے پر نماز پڑھنے میں کوئی عذر مانع نہیں ہو سکتا۔

• حضرت عمر الفاروق کا قول مبارک ہے، اگر مسجد نبوی شریف کو ذوالحلیفہ (بیر علی تک) وسیع کر دیا جائے تب بھی یہ مسجد نبوی ہو گی۔ اس کی فضیلت برقرار رہے گی۔ (وفاء الوفاء)

حضرت عمرؓ کی توسیع کی خصوصیات:

• پہلے مسجد نبوی شریف کا طول اور عرض ۱۰۰ x ۱۰۰ ہاتھ تھا، حضرت عمر نے توسیع فرما کر ۱۴۰ x ۱۲۰ کر دیا۔

• آپ ﷺ کے زمانہ میں چھت تقریباً ۹ فٹ اونچی تھی۔ آپ نے تقریباً گیارہ ہاتھ یعنی ساڑھے پندرہ فٹ اونچی کر دی۔

• آپ ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی شریف کے تین دروازے تھے۔ حضرت عمر نے تین دروازوں کا اضافہ فرما کر چھ دروازے کر دیئے۔

• دنیاوی گفتگو اور مشاعرہ کیلئے مسجد سے مشرقی جانب بطیحاء کے نام سے الگ چبوترہ بنا دیا۔

تیسری مرتبہ توسیع عثمانی:

• فتوحات اسلامی کا دائرہ جوں جوں وسیع ہوتا گیا، مسجد نبوی شریف میں لوگوں کا جمعہ کی نماز کیلئے اجتماع بڑھتا گیا اور مسجد نبوی شریف تنگ پڑ گئی۔ چنانچہ حضرت عثمان نے مزید توسیع کا ارادہ فرمایا۔ بخاری شریف میں حضرت نافع سے روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ سرورِ دوعالم ﷺ کے دور میں مسجد کی دیواریں اینٹوں اور چھت کھجور کی شاخوں اور ستون کھجور کے تنوں سے بنائے گئے تھے۔ آپ کے بعد حضرت ابو بکر نے کوئی چیز زیادہ نہ فرمائی مگر حضرت

عمر نے مسجد کی ہیئت اور شکل کو برقرار رکھتے ہوئے ستون لکڑی کے بنوا دیئے پھر حضرت عثمان نے مسجد شریف میں کافی زیادہ توسیع فرمائی۔ دیواریں اور ستون منقش پتھروں اور چونے سے بنوائے اور چھت ساگوان (برماٹیک) کی لکڑی کی بنوائی۔ (وفاء الوفاء)

● مسلم شریف میں محمود بن لبید سے مروی ہے حضرت عثمان بن عفان نے جب مسجد کی توسیع اور تجدید کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے اس کو ناپسند کیا۔ وہ چاہتے تھے توسیع کی جائے، تجدید نہ کی جائے، اسی ہیئت اور شکل پر توسیع ہو جو پہلے موجود ہے مگر حضرت عثمان نے جواب دیا، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ نے فرمایا "مَنْ بَنٰی مَسْجِدًا لِلّٰهِ بَنَى اللّٰهُ لَهٗ فِي الْجَنَّةِ مِثْلَهٗ" (جس شخص نے اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں اس کی مثل گھر بنائے گا۔) (صحیح مسلم، جلد ا، ص: ۳۷۸)

● حضرت عبداللہ ابن حنطب بیان کرتے ہیں جب حضرت عثمان ۲۴ ہجری میں خلیفہ منتخب ہوگئے، لوگوں نے مسجد کے تنگ ہونے کی شکایت کی اور عرض کیا جمعہ کے دن لوگ مسجد سے باہر میدانوں میں نماز ادا کرتے ہیں۔ حضرت عثمان نے اہل الرائے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ سب نے اتفاق کیا کہ اس مسجد کو گرا کر اس میں توسیع کر دی جائے۔ آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی، فارغ ہونے کے بعد آپ نے منبر پر خطبہ دیا اور فرمایا، لوگو! میں چاہتا ہوں کہ موجودہ مسجد نبوی شریف کی دیواریں گرا کر دوبارہ بناؤں اور اس میں توسیع کر دوں اور میں گواہی دیتا ہوں، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا جس شخص نے اللہ تعالیٰ کیلئے مسجد بنائی، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں گھر بنائے گا۔ مجھ سے پہلے توسیع کے جواز میں ہمارے لئے عمر فاروق کی توسیع نمونہ ہے۔ لوگوں نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا

اور تحسین کی۔ اس کے بعد آپ نے عمال اور کاریگروں کو بلایا اور کام شروع کرا دیا۔ آپ خود بنفس نفیس مسجد کے کاموں میں شریک رہتے تھے۔ آپ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ مسجد سے باہر نہیں جاتے تھے۔ آپ نے مسجد کی تعمیر کی ابتداء ربیع الاول ۲۹ ہجری سے فرمائی اور محرم ۳۰ ہجری میں تکمیل سے فارغ ہوگئے تقریباً دس ماہ میں کام مکمل ہو گیا۔ (وفاء الوفاء)

● جب مسجد بنائی جا رہی تھی، حضرت کعب احبار کہا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ مسجد مکمل نہ ہو ایک سمت میں برج مکمل ہو اور دوسرا برج گر جائے۔ آپ سے پوچھا گیا، ایسا کیوں ہوتا رہے؟ حالانکہ آپ کہا کرتے تھے کہ اس مسجد میں ایک نماز کا دوسری مسجدوں کی نماز سے ایک ہزار گنا زیادہ ثواب ہے مگر مسجد حرام۔ حضرت کعب نے فرمایا: جی ہاں! میں اب بھی یہ کہتا ہوں لیکن ایک فتنہ آسمان سے نازل ہونے والا ہے، اس فتنہ کے اور اس کے زمین پر واقع ہونے کے درمیان صرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ اگر حضرت عثمان مسجد کی تعمیر سے فارغ ہوگئے تو وہ فتنہ واقع ہو جائے گا اور یہ فتنہ اس شیخ عثمان بن عفان کے قتل پر منتج ہوگا۔ ایک آدمی نے کہا، کیا عثمان کا قاتل عمر کے قاتل کی طرح ہوگا۔ حضرت کعب نے کہا، نہیں بلکہ اس فتنہ میں ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگ قتل ہوں گے۔ یہ فتنہ اور قتل عدن سے لے کر روم کے شہروں تک پھیلے گا۔ (وفاء الوفاء)

● حضرت مالک بیان کرتے ہیں چنانچہ مسجد کی تکمیل کے بعد بغاوت کا فتنہ شروع ہو گیا اور حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اور پھر قتال کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا جس میں جنگ جمل اور جنگ صفین بھی واقع ہوئیں، جن میں ہزارہا لوگ شہید ہوگئے۔

• مسجد کی تکمیل سے آپ ۳۰ ہجری میں فارغ ہوئے اور ٹھیک پانچ سال بعد ۳۵ ہجری بمطابق ۶۵۶ عیسوی میں آپ کو قتل کر دیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

• حضرت عثمان نے جب پہلی مسجد کو مسمار کرکے دوبارہ بنانے کے ارادے کا اظہار کیا تو بعض صحابہ کرام جن کے مکانات مسجد سے متصل تھے، انہوں نے تحفظات کا اظہار کیا۔ چنانچہ حضرت افلح سے روایت ہے جب حضرت عثمان نے اپنے منصوبہ کا اظہار فرمایا، مروان بن حکم نے کہا، بلاشبہ یہ کارِ خیر ہے، آپ کو مشورہ کرنے کی کیا ضرورت ہے، کیا حضرت عمر نے توسیع کے وقت مشورہ کیا تھا؟ اس پر حضرت عثمان نے مروان سے فرمایا، براہو تیرا اے مروان! میں جبر واکراہ کا قائل نہیں ہوں، تم خاموش رہو۔ یہ صرف عمر فاروق کی شخصیت تھی جس کے سامنے کسی کو جرأت نہیں ہوتی تھی کہ ان کے آگے زبان کھولے۔ ان کی جلالت کا تو یہ عالم تھا کہ اگر وہ کسی کو حکم دینا چاہتے کہ وہ کسی صحرائی گرگٹ کے سوراخ میں داخل ہو جائے، تو وہ شخص اس کے حکم سے عدولی نہ کرتا۔ پھر آپ نے مشاورت جاری رکھی۔ حتی کہ اس میں چار سال گذر گئے۔ آخر کار لوگوں کو راضی کر لیا اور ان صحابہ کرام کے مکانات بھاری معاوضہ دے کر خرید کر لئے جن کے مکانات مسجد کی توسیع میں آتے تھے۔

• ان مکانات میں ام المومنین حضرت حفصہ کا مکان شامل تھا۔ سیدہ حضرت حفصہ کو قبلہ کی دیوار سے متصل جنوبی مشرقی کونے پر متبادل مکان دے دیا گیا تھا اور آپ کیلئے ایک کھڑکی کے ذریعہ آپ ﷺ کے حجرہ مطہرہ کی طرف اور مسجد کی طرف آمدورفت آسان بنا دیا گیا تھا۔ حضرت جعفر ابن ابی طالب کے ورثاء سے ان کے مکان کا نصف حصہ ایک لاکھ درہم میں خرید کر مسجد میں شامل کر لیا گیا۔ دار عباس کا بقیہ حصہ بھی خرید کر مسجد میں شامل کر لیا گیا۔

• آپ نے جنوب یعنی قبلہ کی جانب مسجد کو اتنی توسیع دی جہاں آج قبلہ کی جانب دیوار ہے۔ شمالی جانب مزید پچاس ہاتھ کا اضافہ فرمایا اور کچھ اضافہ مغربی جانب بھی کیا۔ مسجد شریف کا کل احاطہ ۱۶۰x۱۵۰ ہاتھ ہو گیا۔ اس طرح مسجد شریف میں ۴۹۶ مربع میٹر کا اضافہ ہوا۔ آپ نے مسجد کے دروازے حسب سابق چھ رکھے۔ مشرق میں باب النبی موجودہ باب جبرئیل اور باب انبیاء اور مغرب میں باب مروان جسے باب السلام کے نام سے یاد کیا جاتا تھا اور باب عاتکہ جسے باب الرحمت کہا جاتا ہے اور دو دروازے شمال کی دیوار میں رکھے گئے تھے، جن کے نام مذکور نہیں ہیں۔

• دیوار قبلہ کو مزید جنوب لے جانے کی وجہ سے لامحالہ محراب مصطفوی کی جگہ محراب عثمانی جو کہ آج قبلہ کی دیوار میں موجود ہے، بنانا پڑا۔ مسجد کی چھت ساگوان (برماٹیک) کی لکڑی سے بنائی گئی تھی، جن کو لکڑی کے شہتیروں گاڈروں پر رکھا گیا تھا اور لکڑی کے شہتیروں (گاڈروں) کو منقش سیسہ پلائے پتھروں کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ (جستجوئے مدینہ)

• حضرت عمر الفاروق نے منبر شریف سے غربی جانب ساتویں ستون تک اضافہ کیا تھا یعنی انہوں نے پہلے سے موجود ستونوں سے مغرب کی جانب دو دو ستونوں کا اضافہ قبلہ کی جنوبی حد سے شمالی حد تک کر دیا اور ستونوں کی دو صفیں جنوب سے شمالی تک بڑھ گئیں پھر حضرت عثمان نے غربی جانب ایک ایک ستون مزید بڑھا دیا جس کی انتہاء آٹھواں ستون ہے۔ پھر عمر ابن عبد العزیز نے ولید ابن عبد الملک کے حکم سے مزید دو ستونوں کی مغرب کی جانب جنوباً شمالاً بڑھا دیئے۔ اس کے بعد آج تک مغرب میں اضافہ نہیں ہوا۔ (وفاء الوفاء)

• سرورِ دو عالم ﷺ کے گنبد خضراء کے حجرہ کی مغربی جالی سے مسجد کی مغربی

دیوار تک ستونوں کی کل تیرہ صفیں ہیں یعنی ہر صف میں تیرہ تیرہ ستون ہیں۔ جالی شریف سے منبر شریف تک چار ستون ہیں جبکہ منبر شریف سے مغرب میں پانچ ستونوں تک سرورِ دوعالم ﷺ کی مسجد کی آخری حد ہے اور آخری حد کے ستونوں پر لکھا ہوا ہے ''هٰذَا حَدُّ مَسْجِدِ النَّبِيِّ ﷺ'' حضرت عثمان کے اضافہ کے بعد مسجد کا طول ۱۶۰ ہاتھ یعنی ۲۴۰ فٹ اور عرض ۱۵۰ ہاتھ یعنی ۲۲۵ فٹ ہو گیا۔

مسجد میں مقصورہ کا ذکر:

- حضرت عمر الفاروق کی شہادت صبح کی نماز پڑھاتے ہوئے محراب مصطفوی میں ہوئی تھی۔ آئندہ اس قسم کے حادثہ سے بچنے کیلئے حضرت عثمان الغنی نے محراب کی جگہ مقصورہ (گول کمرہ) بنوایا جو کہ مٹی کی اینٹوں کا تھا۔ اس میں روشن دان رکھے تاکہ امام کو مقتدی دیکھتے رہیں۔ اس کے بعد یہی حفاظتی طریقہ دمشق میں بنوامیہ کے حکمرانوں نے اختیار کر لیا اور مزید حفاظت کیلئے ایک محافظ کا تقرر فرمایا۔ جس کو ماہانہ تنخواہ دو درہم یا دو دینار ملتی تھی۔ مروان ابن الحکم کی گورنری تک یہ مٹی کا مقصورہ شریف قائم رہا۔ پھر مروان نے نہایت خوبصورت پتھروں سے مقصورہ بنوایا جس میں کھڑے ہو کر امامت کرائی جاتی رہی اور مروان کا مقصورہ زمین پر کئی فٹ اونچے چبوترہ پر بنایا گیا تھا۔ ابن زبالہ کی روایت کے مطابق چبوترہ کی اونچائی دو ہاتھ (ایک میٹر) بلند تھی۔ حضرت عمر ابن العزیز نے پتھروں سے بنا مقصورہ مسمار کر کے اسی جگہ لکڑی کا مقصورہ بنوا دیا۔ یہ حفاظتی مقصورہ ۶۵۴ھ تک قائم رہا مگر ۶۵۴ھ کی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا۔

(کتب تاریخ مدینہ)

تعمیرِ عثمانی کی خصوصیات ایک نظر میں:

- حضرت عمر الفاروق کے اضافہ میں مسجد کا طول و عرض ۱۴۰x۱۲۰ ہاتھ کا تھا جبکہ عثمانی توسیع کے بعد ۱۶۰x۱۵۰ ہاتھ ہو گیا۔
- سیدنا عثمان نے تمام دیواریں اور ستون منقش پتھروں کے بنوائے اور ستونوں میں لوہا اور سیسہ بھر دیا۔
- مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں کی بجائے عمدہ اور مضبوط ساگوان لکڑی (برماٹیک) کی بنوائی۔
- حسب سابق مسجد کے چھ دروازے رکھے۔
- امام کی حفاظت کیلئے محراب میں مقصورہ تعمیر کرایا۔

چوتھی مرتبہ ولید ابن الملک کی توسیع:

- حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی خلیفہ منتخب ہوئے۔ آپ کے بعد حضرت حسن اور پھر حضرت امیر معاویہ خلیفہ مقرر ہوئے۔ اس کے بعد یزید ابن امیر معاویہ خلیفہ بنے۔ اس کے بعد چند دنوں کیلئے معاویہ ابن یزید نے حکومت کی پھر مروان ابن الحکم نو ماہ کیلئے امیر منتخب ہوا۔ اس کے بعد عبدالملک ابن مروان حکمران بنا۔ ذکر کردہ حکومتوں کے ایام میں مسجد نبوی شریف میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ جب ولید ابن عبدالملک کی امارت کا دور شروع ہوا تو اس نے ربیع الاول ۸۷ ہجری / ۷۰۵ عیسوی میں مدینہ منورہ کی گورنری سے ہشام ابن اسماعیل مخزومی کو ہٹا دیا اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ اس وقت حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی عمر ۲۵ سال تھی۔ (تاریخ مدینہ)
- محمد ابن جعفر ابن وردان بیان کرتے ہیں ۸۸ ہجری / ۷۰۶ عیسوی میں ولید ابن عبدالملک نے دمشق سے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو حکم جاری کیا کہ مسجد

نبوی شریف کی تجدید اور توسیع اور تزیین کا کام شروع کیا جائے اور مسجد کے ساتھ ملحق تمام مکانات خرید کر مسجد کو وسیع کر دیں۔ اگر کوئی برضا مکان دینے سے انکار کردے تو معززینِ شہر سے اس مکان کی قیمت لگوا کر اسے نقد ادا کریں اور جو آدمی معاوضہ لینے سے انکار کرے تو وہ رقم فقراء میں تقسیم کر دیں اور مکان پر جبراً قبضہ کر کے اسے گرا کر مسجد میں شامل کر دیں۔ اس معاملہ میں حضرت عمر اور حضرت عثمان کی توسیع کے عمل کو استدلال میں پیش کریں۔ ازواجِ مطہرات کے حجرے بھی منہدم کر کے مسجد کی توسیع میں شامل کر لئے جائیں۔ (وفاء الوفاء) ولید ابن عبدالملک نے کہا مسجد کی توسیع میں مسجد کا رقبہ موجودہ رقبہ سے ڈبل کر دیا جائے یعنی ۲۰۰ x ۲۰۰ ہاتھ کر دیا جائے۔

• اس حکمنامہ کو حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مسجد میں جمعہ کے اجتماع میں پڑھ کر سنایا اور اس حکمنامے کی تعمیل میں مسجد کے ارد گرد مکانات خرید کر کے مسجد کا رقبہ ۲۰۰ x ۲۰۰ ہاتھ کر دیا۔ ازواجِ مطہرات کے حجرات تقریباً خالی ہو چکے تھے۔ کیونکہ سب امہات المومنین ولید ابن عبدالملک کے دور سے پہلے وفات پا چکی تھیں۔ سب سے آخر میں ام المومنین سیدہ عائشہ ۵۸ ہجری میں حضرت امیر معاویہ کے دور میں فوت ہو گئی تھیں۔ صحابہ کرام وقتاً فوقتاً ان حجرات مبارکہ میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ خصوصاً جمعہ کے دن حجرات مبارکہ میں لوگ نماز پڑھا کرتے۔ مگر سیدۃ النساء حضرت فاطمہ الزہراء کے حجرہ مبارکہ میں حضرت حسن المثنیٰ ابن حسن ابن علی اور ان کی زوجہ سیّدہ فاطمہ بنت الحسین ابن علی اپنے بچوں کے ساتھ مقیم تھے۔ اور ام المومنین سیدہ حفصہ کا حجرہ جو انہوں نے اپنے بھائی عبداللہ ابن عمر کو ہبہ کر دیا تھا، اس میں حضرت عبداللہ کے بیٹے عبید اللہ ابن عبداللہ ابن عمر مقیم تھے۔ اس اموی دور میں امام عالی مقام امام حسین کی شہادت

اور حضرت عبداللہ ابن زبیر کی شہادت کے بعد عام مجالس میں حضرت علی اور اہل بیت عظام پر محراب و منبر سے دشنام طرازی اور پروپیگنڈہ جاری رہتا تھا۔ یہاں تک کہ دمشق سے حکم جاری ہوا کہ ائمہ مساجد حضرت علی اور آل پاک کے خلاف پبلک کو آگاہ کرتے رہیں مگر لوگ والہانہ عشق کی حد تک آل پاک کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ اس دوران ولید ابن عبدالملک کو مدینہ منورہ سے حکومتی جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ لوگ بنی ہاشم کے ساتھ خصوصاً حضرت حسن المثنیٰ کے ساتھ محبت کرتے ہیں شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا مکان مسجد نبوی شریف کے ساتھ ملحق ہے۔ اگر یہ مکان مسمار کر کے حضرت حسن کو نکال دیا جائے تو لوگوں کا آپ کے ساتھ رابطہ نہیں رہے گا۔ اس خبر کی بنیاد پر ولید نے حکم بھیجا کہ مسجد کی توسیع کر کے تمام حجرات مسجد میں شامل کر لئے جائیں۔ اگر دیکھا جائے تو مسجد کی توسیع کا مسئلہ سیاسی تھا مگر انتہائی چالاکی سے اسے مذہبی رنگ دے دیا گیا تا کہ لوگ اسے سیاسی مسئلہ سمجھ کر اعتراض نہ کریں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم) (جستجوئے مدینہ)

• ابن زبالہ کی روایت میں ہے ولید ابن عبدالملک حج کرنے کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ منبر پر کھڑے ہونے کی حالت میں جمعہ کے خطبہ کے دوران حضرت حسن المثنیٰ کے گھر کا پردہ کھل گیا۔ ولید نے دیکھا حضرت حسن کے ہاتھ میں آئینہ ہے اور آپ داڑھی میں کنگھا دے رہے ہیں۔ جب ولید منبر سے اترا تو گورنر مدینہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو حکم دیا کہ آئندہ میں اس گھر کو یہاں نہ دیکھوں، اس کو خرید کر مسجد میں شامل کر لو۔ جب ولید کے نمائندوں نے حضرت حسن مثنیٰ اور سیدہ فاطمہ بنت حسین سے بات کی تو انہوں نے اپنی نانی اور دادی کا مکان چھوڑنے سے انکار کر دیا حتیٰ کہ سات ہزار دینار تک معاوضہ لینے کو ان دونوں شہزادوں نے ٹھکرا دیا اور کہا ہم اس گھر کے پیسے نہیں کھائیں گے۔ اوپر سے حکم ہوا کہ سرورِ دو

عالم ﷺ کے نواسے کو جبراً گھر سے نکال دیا جائے۔ اگر نہ نکلیں تو مکان ان کے سروں پر گرادیا جائے۔ چنانچہ ولید کے نمائندوں نے مکان کو گرانا شروع کر دیا۔ بنی ہاشم کے کچھ لوگ اور محبین اہل بیت نے حضرت حسن اور سیدہ فاطمہ سے عرض کیا کہ آپ ضد چھوڑدیں، مکان سے نکل جائیں ورنہ جس شخص کے بڑوں نے امام حسین اور آپ کے خاندان کو کربلا میں قتل کر دیا وہ آپ لوگوں پر مکان گراکر قتل کرنے میں شرمندگی بھی محسوس نہیں کریں گے۔ چنانچہ حضرت حسن مثنٰی اور شہزادی آل پاک حضرت فاطمہ بنت حسین مکان چھوڑ کر حضرت علیؓ کے مکان میں چلے گئے۔ (وفاءالوفاء)

● اسی طرح حضرت عبیداللہ ابن عبداللہ ابن عمر نے حضرت حفصہ کا مکان چھوڑنے سے انکار کر دیا اور فرمایا یہ وہ مکان ہے جس میں خود سرورِ دوعالم ﷺ اپنی زوجہ کے ساتھ قیام پذیر رہے لہٰذا میں یہ مکان نہیں چھوڑوں گا۔ مگر بعد میں حضرت عبیداللہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ انہیں دارالرفیق مکان دے دیا جائے جو کہ قبلہ کی جانب اس کے مکان کے ساتھ متصل تھا۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اس مکان دارالرفیق سے مسجد کی طرف آنے اور جانے کیلئے دروازہ رکھ دیا، وہ دروازہ صدیوں تک قائم رہا جو خوخہ دار حفصہ کے نام سے معروف تھا۔ (جستجوئے مدینہ)

● آج بھی محراب عثمانی کی بائیں جانب قبلہ کی دیوار میں ایک کھڑکی ہے جس میں ٹیلی ویژن کیمرہ نصب ہے جو اسی روشن دان کی جگہ بطور علامت باقی ہے۔

● ام المومنین سیدہ حفصہ کے مکان کی جائے وقوع جنوب قبلہ کی جانب ام المومنین حضرت عائشہ کے حجرہ مبارک (گنبد خضرا) کے محاذی تھا۔ قبلہ کی جانب سے اسی کونے سے مسجد نبوی میں اضافہ ہوا یعنی قبلہ کی دیوار کو طول دے کر موجودہ مشرقی دیوار تک بڑھا دیا گیا تو مشرقی جانب حجرات مبارکہ کے انہدام

سے تیس ہاتھ (۴۵ فٹ) مسجد میں اضافہ ہو گیا۔

● ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ نے ۴۵ ہجری میں وفات پائی۔ وفات سے پہلے اپنا مکان سیدہ عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا۔ اور یہ مکان سیدہ عائشہ سے حضرت معاویہ نے ایک لاکھ اسی ہزار درہم میں خرید لیا تھا۔ ام المومنین حضرت صفیہ بنت حُیّ کے وارثوں نے بھی حضرت معاویہ کے ہاتھ ایک لاکھ اسی ہزار درہم میں مکان فروخت کر دیا تھا۔ لہٰذا ازواجِ مطہرات کے حجرات مبارکہ ریاست کے ملک میں آچکے تھے اور دیگر مکانات مسجد کی توسیع کیلئے خرید لئے گئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے تین مکان شمالی جانب جو قرائن کہلاتے تھے اور حضرت عبداللہ ابن مسعود کا مکان دار القراء شمالی جانب اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ اور حضرت عمار ابن یاسر اور ابی سبرہ ابن رحم کے مکانات مغربی جانب حاصل کر کے مسمار کر دیئے گئے۔

حجرات مبارکہ کے انہدام کے وقت اہل مدینہ کی حالت کا ذکر:

● خلیفہ ولید ابن عبدالملک کے حکم ملنے پر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ منورہ کے دس فقہاء کرام کو بلا کر خلیفہ کا خط سنایا اور مشورہ طلب کیا۔ فقہاء کرام یہ خبر سن کر سخت پریشان ہوئے اور کہنے لگے اگر ازواج مطہرات کے ان سادہ چھوٹے چھوٹے مکانوں کو رہنے دیا جائے تو حجاج اور زائرین ان سادہ حجروں کو دیکھ کر دنیا کی زیب و زینت سے نفرت کریں گے اور بڑے بڑے مکانات نہیں بنائیں گے، انہیں رہنے دیا جائے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے فقہاء اہل مدینہ کا مشورہ لکھ کر دمشق بھیج دیا مگر وہاں سے دوبارہ سخت حکم آیا کہ ہمارے حکم پر ہر صورت عمل کیا جائے اور اس عمل میں سستی اور تاخیر نہ کی جائے چنانچہ حجرات ازواج مطہرات کے مسمار کرنے کی جب کارروائی شروع ہوئی تو اہل مدینہ زار و قطار

روتے لگے۔ چیخ و پکار اور غم والم کی کیفیت اس دن کی طرح تھی جس دن سرورِ دوعالم ﷺ کا وصال ہوا تھا۔ مدینہ منورہ کا ہر گھر ماتم کدہ بن گیا تھا۔

- حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مسجد کی توسیع اور تعمیرِ نَو کیلئے حضرت صالح کو انچارج بنایا۔ نور حسین کے بیان کے مطابق مسجد شریف کی قدیم عمارت کا انہدام ماہ صفر ۸۸ ہجری میں شروع ہوا۔ سب سے پہلے ازواجِ مطہرات کے حجرات مسمار کئے گئے۔ تعمیرِ نَو اور تجدید کیلئے مزدور مدینہ منورہ سے لیے گئے اور کاریگروں اور ماہرین کا بندوبست ولید ابن عبدالملک نے روم اور مصر سے کیا تھا۔
- ولید نے شاہ روم جسٹینین دوم کو خط لکھا کہ ہم اپنے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی تعمیر نو اور تجدید کرنا چاہتے ہیں، اس سلسلہ میں کاریگروں اور سنگ مرمر کے پتھروں سے ہماری مدد کی جائے۔ چنانچہ قیصر روم نے ایک لاکھ مثقال سونا (جس کا وزن گیارہ من سے زائد بنتا ہے) ایک سو ماہرین کاریگر بھیج دیئے۔ بعض روایات میں ہے چالیس افراد کاریگر روم سے آئے تھے اور چالیس قبطی مصر سے آئے تھے اور قیصر نے چالیس اونٹ سنگ مرمر کے بھیجے اور بڑی تعداد میں فسیفساء (جواہرات کے ٹکڑے) اور روشنی کیلئے فانوس اور قندیلیں بھیجیں۔ یہ سامان ماہ ربیع الاول ۸۸ ہجری میں مدینہ منورہ پہنچا۔ مسجد کی تکمیل میں تین سال لگے۔ ۸۸ ہجری سے ۹۱ ہجری تک مسجد مکمل ہوگئی۔ غربی جانب بیس ہاتھ وسعت دی گئی اور حجرات مبارکہ کی جانب تیس ہاتھ اور شمالی جانب اسی ہاتھ وسعت دی گئی تو مسجد شریف کا رقبہ ۲۰۰ x ۲۰۰ ہوگیا۔
- چھت کی کل اونچائی پچیس ہاتھ (۱۲/۵ میٹر) تھی۔ سیسہ کی پلیٹیں اور لوہے کے گارڈر ڈالے گئے تھے۔ برآمدوں کی محرابوں کے بالائی حصوں میں لکڑی کی خوبصورت جالی لگوائی گئی۔ اگلے حصہ کی چھت سے دو ہاتھ نیچے خوبصورتی کیلئے

دوسری چھت بنادی گئی تھی۔ چھت سے پانی کے اخراج کیلئے چار پرنالے رکھے گئے اور حضرت عثمان کے دور سے مٹی سے بنائے گئے مقصورہ کی جگہ لکڑی کا مقصورہ بنادیا گیا جو سطح زمین سے دو ہاتھ (ایک میٹر) بلند تھا۔

- حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے پہلی بار مسجد کی قبلہ کی دیوار پر خوبصورت خطاطی میں قرآنی آیات اور سورتیں لکھوائیں۔ قبلہ کی دیوار کی پیشانی پر قرآنی آیات کے ساتھ "اَمَرَ عَبْدُاللهِ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْدُ ابْنُ عَبْدِالْمَلِكِ ..الخ" لکھوادیا۔ سورۃ الشمس سے لے کر سورۃ الناس تک باب السلام سے باب جبرئیل سے پہلے موجود پہلی کھڑکی تک لکھائی کرادی۔
- قبلہ کی دیوار پر زیادہ تر مصری کاریگروں نے کام کیا جبکہ رومیوں نے پچھلی جانب کام کیا۔ رومیوں میں سے ایک بدبخت کاریگر نے جب دیکھا کہ مزار انور پر کوئی آدمی نہیں ہے، اس ارادے سے حجرہ مبارک میں جانے لگا کہ مزار انور پر پیشاب کروں گا، اچانک اوپر سے بجلی گری اور وہ بدبخت مرگیا۔ جب اس کے ساتھیوں نے یہ معجزہ دیکھا تو ان میں سے اکثر عیسائی کاریگر مسلمان ہوگئے۔ چنانچہ وفاء الوفاء میں ابن زبالہ سے روایت ہے، جب رومی کاریگروں کیلئے مسجد خالی ہوگئی تو ان میں سے ایک کاریگر نے کہا:

"اَلَا اَبُوْلُ عَلٰی قَبْرِ نَبِیِّهِمْ فَتَهَیَّاءَ لِذَالِكَ فَنَهَاهُ اَصْحَابُهٗ فَلَمَّا هَمَّ اَنْ یَّفْعَلَ اِقْتَلَعَ فَاُلْقِیَ عَلٰی رَأْسِهٖ فَانْتَثَرَ دِمَاغُهٗ فَاَسْلَمَ بَعْضُ اُوْلٰٓئِكَ النَّصَارٰی وَ عَمَلَ اَحَدُ اُوْلٰٓئِكَ الرُّوْمِ عَلٰی رَأْسِ خَمْسِ طَاقَاتٍ فِیْ جِدَارِ الْقِبْلَةِ فِیْ صَحْنِ الْمَسْجِدِ صُوْرَةَ خِنْزِیْرٍ فَظَهَرَ عَلَیْهِ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِالْعَزِیْزِ فَاَمَرَ بِهٖ فَضُرِبَتْ عُنُقُهٗ"

(خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، جلد ا، ص: ۱۳۲)

ترجمہ: ”کیا میں ان کے نبی کی قبر پر پیشاب نہ کروں؟ (العیاذ باللہ)
اس کیلئے اس نے تیاری کی۔ اس کے ساتھیوں نے اسے روکا پھر جب اس نے ارادہ کر لیا یہ کہ کر گزرے، اوپر سے کوئی چیز اس کے سر پر گری، اس کا دماغ پھٹ کر باہر جا گرا۔ ان نصاریٰ میں سے بعض نے اسلام قبول کر لیا۔ ان رومیوں میں سے ایک بدبخت نے قبلہ کی دیوار میں پانچ روشن دانوں پر خنزیر کی صورت بنادی۔ اس پر عمر ابن عبدالعزیز مطلع ہوئے تو آپ نے اس کی گردن اڑادی۔“

- ان واقعات سے عیسائیوں کے تعصب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے مگر سمجھ نہیں آتی کہ ولید ابن عبدالملک نے مسجد الرسول ﷺ اور حجرہ مقدسہ کی تعمیر نو کیلئے نصاری کاریگروں کو کیوں بلایا تھا۔ (محمد رفیق حسنی)
- بعض لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں کوئی کافر، یہودی اور عیسائی نہیں جاسکتا۔ جب وہ اس قسم کے واقعات سنتے ہیں فوراً انکار کر دیتے ہیں۔ اور بعض لوگوں نے جب اپنی آنکھوں سے غیر مسلموں کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں موجود دیکھا، انہیں سمجھ نہ آیا کہ یہاں غیر مسلم کیسے آ گئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ غیر مسلموں کو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے کی قدرت ہی نہیں ہے۔ حالانکہ یہ ان کی غلط فہمی ہے، صرف دجال کیلئے احادیثِ مبارکہ میں مروی ہے کہ اسے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں داخل ہونے کی قدرت نہیں ہوگی باقی غیر مسلموں کیلئے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب ﷺ کا حکم ہے کہ مسلمان حکمران غیر مسلموں کو حرمین طیبین میں داخل نہ ہونے دیں۔ قرآن و حدیث میں یہ نہیں ہے کہ غیر مسلم حرمین طیبین نہیں جاسکیں گے۔ لٰہذا غیر مسلم اگر حرمین طیبین میں موجود ہوں تو یہ مسلم حکمرانوں کی غلطی ہے۔ قادیانی اقلیت

کافر قرار پانے سے پہلے حرمین طیبین جایا کرتے تھے مگر اب سعودی حکومت اور مسلم ممالک کی جانب سے انہیں حرمین طیبین جانے کی اجازت نہیں دی جاتی۔
(محمد رفیق حسنی عفی عنہ)

شانِ الٰہی کا مظاہرہ:

- حضرت امیر معاویہ کے دور میں مسجد نبوی شریف میں کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا تھا اور شہر مدینہ کی گلیاں کچی مٹی کی تھیں۔ بارشوں کے موسم میں گلیوں سے مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ مروان کا باپ الحکم (جس کو سرورِ دو عالم ﷺ نے مدینہ منورہ سے جلاوطن کر دیا تھا) بارش کے دنوں میں بڑھاپے کی وجہ سے مدینہ منورہ کی گلیوں میں سلپ ہو کر گر گیا۔ مروان نے مسجد شریف کے ارد گرد تمام گلیاں ٹائلیں لگوا کر پختہ کرادیں اور پانی کی نکاسی کیلئے گلیوں کے کنارے نالیاں بنادیں۔ ٹائلوں کا فرش مسجد سے مشرق میں جنت البقیع تک اور مغرب میں مسجد الغمامہ تک اور شمال میں حش ابو طلحہ (بیر حاء) تک چلا گیا تھا اور پانی کی نالیاں ایک بڑے نالے میں گر کر شمال مشرق میں الزوراء کے علاقہ سے نکل کر مدینہ طیبہ کے مضافات میں پانی پہنچاتی تھیں۔ (جستجوئے مدینہ) یہاں دو شانیں ہیں ایک یہ کہ اللہ نے مروان جیسے آدمی سے مدینہ منورہ کی گلیاں پکی کروائیں اور دوسری شان یہ کہ مروان کے والد کی اتنی عزت ہو گئی کہ مدینہ میں پھسل جائے تو گلیاں پکی ہونے لگیں۔ (محمد رفیق حسنی)
- بہر حال ان بدبختوں نے قبلہ کی دیوار کے روشن دانوں پر خنزیر کی تصویریں بنادی تھیں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو علم ہوا، آپ نے ان رومی عیسائی کاریگروں کے سر قلم کرادیئے اور تصویریں ہٹادیں۔ خوبصورتی کیلئے کاریگروں نے قبلہ کی دیواروں پر درختوں اور پرندوں کی تصویریں بھی بنادیں تھیں جو کہ

خیالی انداز میں جنت کی تصویر کشی کرتی تھیں۔

● ''العقد الفرید'' کے مصنف لکھتے ہیں مسجد کا خوبصورت فرش بنایا گیا۔ قبلہ کی جانب ایک حصہ میں مشرق سے مغرب تک دو لائنیں تھیں اور ہر لائن میں سترہ ستون تھے۔ اس حصے میں واقع ستونوں پر سفید جپسم کیا گیا تھا اور یہ بہت بلند تھے۔ تمام ستونوں پر سنگ مرمر لگایا گیا تھا۔ ان ستونوں پر رکھے شہتیروں پر سونے کے پانی سے نقش و نگار کئے گئے تھے۔ محراب کا اگلا حصہ بھی سونے کے استعمال سے سنہری ہے۔ محراب قبلہ کے فرش میں سونا استعمال کیا گیا ہے اور محراب کی منحنی چھت پر بھی سونے کا رنگ کیا گیا ہے۔ برآمدوں میں پردے لگائے گئے تھے۔ نچلی چھت کی بلندی ۲۳ ہاتھ جبکہ اوپر والی چھت کی بلندی ۲۵ ہاتھ تھی۔ مسجد کی تعمیر نو کے ساتھ قبور مبارکہ کا حجرہ مبارکہ کالے پتھروں سے دوبارہ بنا کر اس کے ارد گرد پنج گوشہ عمارت بنادی گئی۔ جیسا کہ اسکا مفصل بیان اپنے باب میں مذکور ہے۔ اب مسجد کی حدود حجرہ مبارکہ سے مشرق کی جانب چلی گئی تھیں، جس کی وجہ سے حجرہ مبارکہ مسجد کے اندر آگیا۔ چاروں طرف نماز کی صفیں قائم ہونے لگیں تھیں۔ ولید ابن عبدالملک نے مسجد نبوی کی تعمیر نو کی طرح دمشق میں بھی عالیشان اموی جامع مسجد تعمیر کروائی۔

● جامع اموی کے صحن میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا مزار مبارک ہے۔ اس کے ارد گرد مسجد بنادی گئی۔ مسجد نبوی شریف کے چاروں کونوں پر چار مینار بنادیئے گئے۔ آئندہ آذانوں کا سلسلہ میناروں سے شروع کیا گیا جس طرح تفصیل گزر چکی ہے۔

● حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے امہات المومنین کے حجرات مسمار کردیئے تھے مگر ان کے ملبہ سے برکت حاصل کرنے کیلئے اس ملبہ سے انہوں نے اپنا مکان

تعمیر کرلیا تھا۔ وہ مکان عرصہ دراز تک لوگوں کی زیارت گاہ رہا۔ یعنی چھٹی صدی ہجری تک صحیح حالت میں تھا اور لوگ جاکر زیارت کرتے تھے۔ (جستجوئے مدینہ)

● ۸۸ ہجری سے ۹۱ تک مسجد اور حجرہ مبارکہ اور اس کے ارد گرد پنجگوشہ عمارت مکمل ہوگئی اور مسجد ۲۰۰ x ۲۰۰ ہاتھ یعنی ۱۰۰ x ۱۰۰ میٹر وسیع ہوگئی۔ ۹۱ ہجری میں ولید ابن الملک حج سے فارغ ہوکر مدینہ منورہ پہنچا۔ اس نے مسجد نبوی شریف کو دیکھا۔ پوری عمارت کو دیکھ کر جب مقصورہ شریف کی چھت کو دیکھا تو کہنے لگا: اے عمر ابن العزیز! تم نے مسجد کی ساری چھت اسی طرح خوبصورت کیوں نہیں بنوائی؟ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے کہا اس پر کافی زیادہ خرچہ آرہا تھا۔ اس نے کہا پھر بھی؟ انہوں نے جواب دیا، مزید چالیس ہزار دینار خرچ ہو جاتے۔ ولید مسجد شریف کا جائزہ لیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کے قریب پہنچا۔ ابن شبہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بیان کیا کہ ولید میرے ہاتھ پر تکیہ اور آسرا لگا کر مسجد میں گھوم کر دیکھتا رہا پھر قبر انور پر حاضر ہوا اور کہنے لگا، کیا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ابو بکر اور عمر کی قبر بھی ہے؟ حضرت عمر نے عرض کیا: ہاں۔ کہنے لگا ''فَاَیْنَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عُثْمَانُ؟'' (تاریخ المدینہ، جلد ا، ص: ۱۱۴) (امیر المومنین عثمان کہاں ہیں؟) عمر نے کہا، بس اللہ زیادہ جانتا ہے۔ عمر ابن عبدالعزیز کہتے ہیں کہ میں نے گمان کیا کہ ولید حضرت ابو بکر اور عمر کو حجرہ مبارکہ سے نکال دینے کا حکم دے گا۔ میں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! جب عثمان کو قتل کیا گیا لوگ فتنہ اور شغل میں مصروف تھے۔ پس یہ چیز تھی جس کی وجہ سے حضرت عثمان کو ان کے ساتھ دفن نہیں کیا جاسکا۔ پھر ولید خاموش ہوگیا۔ (وفاء الوفاء)

● یحییٰ نے جعفر ابن مروان سے روایت کیا ہے جب ولید ابن الملک نے مسجد کا

دورہ کیا تو حضرت ابان ابن عثمان کو اپنے ساتھ دیکھتے ہوئے خوش ہو کر کہنے لگا "اَیْنَ بِنَاءُنَا بِنَاءُ کُمْ ؟" آپ لوگوں کی عمارت سے مسجد کی ہماری عمارت کتنی خوبصورت ہے، کہاں تمہاری عمارت اور کہاں ہماری عمارت۔ حضرت ابان ابن عثمان بن عفان نے فوراً جواب دیا "اِنَّا بَنَیْنَاہُ بِنَاءَ الْمَسَاجِدِ وَ بَنَیْتُمُوْہُ بِنَاءَ الْکَنَائِسِ" (ہم نے مساجد کی طرح مسجد بنائی تھی اور تم نے کنیسہ اور چرچ کی طرح مسجد بنادی۔) اس پر ولید خاموش ہو گیا۔

(خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفیٰ، ج ۱، ص: ۱۳۳)

مسجد شریف میں نمازِ جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا گیا:

- ابن شہاب زہری سے روایت ہے۔ ابتداء میں جب کوئی شخص فوت ہوتا تھا، آپ ﷺ اس آدمی کی تدفین کی جگہ تشریف لے جاتے اور نماز جنازہ پڑھا دیتے تھے۔ جب آپ ﷺ بوڑھے ہونے لگے، لوگ اپنے مردوں کو آپ ﷺ کے پاس لے جاتے اور آپ اپنے گھر کے قریب جو جنازہ گاہ تھی، اس میں نماز پڑھا دیتے تھے پھر ہمیشہ ایسا ہوتا رہا۔
- یہ جنازہ گاہ باب جبرئیل سے مسجد سے باہر مشرق کی جانب تھی مگر حضرت ابو بکر کی نماز جنازہ حضرت عمر نے مسجد میں پڑھائی اور حضرت عمر ابن خطاب کی نمازِ جنازہ حضرت صہیب رومی نے مسجد شریف میں پڑھائی اور مسلم شریف میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ حضرت عائشہ نے حکم دیا کہ سعد ابن وقاص کی میت مسجد میں رکھ کر پڑھی جائے تاکہ میں آپ پر نماز پڑھ سکوں۔ لوگوں نے اس کو اچھا نہ سمجھا اور آپ پر اعتراض کیا۔ جواب میں آپ نے فرمایا لوگ کتنا جلدی بھول گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سہیل اور سہل (بیضاء کے بیٹوں) پر مسجد میں نما پڑھی تھی مگر بعد میں اکثر جنازے مسجد سے باہر ہوتے رہے۔ عمر ابن

عبد العزیز نے سختی سے مسجد میں نمازِ جنازہ پڑھنے کو منع کر دیا تھا۔ نمازِ جنازہ مسجد کی مشرقی دیوار کے باہر ہوتی رہی۔ مگر پھر مسجد میں نماز جنازہ کا رواج ہوتا گیا۔ اعیان مملکت اور اشراف کی میت قبر انور اور منبر کے درمیان ریاض الجنۃ میں رکھ کر نماز پڑھی جاتی تھی اور عام لوگوں کی میت حجرہ مبارکہ اور مواجہہ شریف سے قبلہ کی جانب رکھی جاتی تھی اور امام نماز پڑھا دیتا تھا۔ یعنی عام آدمی کی نماز ریاض الجنت میں ادا نہیں کی جاتی تھی۔ حتیٰ کہ ۸۴۲ ہجری میں سلطان ظاہر جقمق کے دور تک اسی طرح نماز جنازہ مسجد میں پڑھی جاتی رہی مگر سلطان جقمق کی جانب سے شیخ الحرم اور ناظم اور متولی مسجد شریف کو خط بھیجا گیا کہ آئندہ مسجد میں عام شیعوں کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے مگر علوی شیعوں کی نمازِ جنازہ مسجد میں پڑھنے کی اجازت ہے۔ امام سمہودی فرماتے ہیں، یہی طریقہ آج ۹۱۱ ہجری تک جاری ہے "لَا یُدْخَلُ الْمَسْجِدَ اِلَّا جَنَائِزُ الْاَشْرَافِ وَ اَھْلُ السُّنَّۃِ" (مسجد میں جنازے داخل نہیں کئے جاتے مگر اشراف شیعوں کے اور اہل السنت کے)۔

- امام سمہودی فرماتے ہیں، ترکی شیخ شہاب الدین احمد بن یونس القسطنطینی المالکی نے فتوی دیا کہ ریاض الجنت اور مسجد کی اگلی جانب میت رکھ کر نمازِ جنازہ پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں میت کے پیر رسول اللہ ﷺ کی جانب ہونے سے آپ ﷺ کی بے ادبی ہوتی ہے۔ اگر میت ریاض الجنت میں ہو تو میت کے قدموں کا آپ کی طرف ہونا ظاہر ہے اور اگر مسجد کے اگلے حصہ میں میت رکھی جائے، یا آپ ﷺ کی محاذاۃ سے آگے یا پیچھے میت رکھی جائے تب بھی بے ادبی ہے اور ناجائز ہے۔ کیونکہ میت کے قدم سرورِ دو عالم ﷺ کی جہت کی جانب ہوں گے۔ جس طرح عین کعبہ اور جہت کعبہ کا ادب اور تعظیم مسلمانوں پر واجب ہے، اسی طرح قبر عین ذات پاک رسول اللہ ﷺ اور آپ کی جہت کی طرف

پاؤں پھیلانا بھی بے ادبی ہے۔ (خلاصہ از وفاء الوفاء)

- افسوس کہ آج سعودی حکومت کے دور میں بعض زندہ لوگ سرورِ دو عالم ﷺ کے گنبد خضراء کی جانب ٹانگیں پھیلا کر سو جاتے ہیں۔ یہ سمجھا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی آخری آرام گاہ کا ادب اور تعظیم شرک ہے اس لئے آپ ﷺ کی تعظیم نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔ الحمد للہ! سلف صالحین کا عقیدہ ہمارے عقیدۂ ادب اور تعظیم کے موافق تھا۔ (محمد رفیق حسنی)
- آج کل سعودی حکومت میں میت مسجد سے باہر محراب عثمانی سے آگے رکھ کر نماز جنازہ ہوتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ میت کی ٹانگیں جہت گنبد خضراء کے محاذات میں نہیں ہوتیں۔

ولید بن عبدالملک کی تعمیر کی خصوصیات:

- حضرت عثمان کی توسیع میں مسجد کا طول و عرض ۱۶۰ x ۱۵۰ ہاتھ ہو گیا تھا اور ولید ابن عبدالملک کی توسیع کے بعد طول و عرض ۲۰۰ x ۲۰۰ ہاتھ ہو گیا تھا۔
- پہلے مسجد کا رقبہ ۴۰۷۱ مربع میٹر تھا۔ ولید نے ۲۳۶۹ میٹر کا اضافہ کیا جس سے مجموعی رقبہ ۶۴۴۰ میٹر ہو گیا۔
- ولید ابن عبدالملک پہلا شخص ہے جس نے مسجد کی تزیین میں مبالغہ کیا۔ دیواریں اور چھت جواہرات سے اور سونے کے پانی سے مرصع کرائے۔
- مسجد میں محراب کی شکل گولائی میں ولید ابن عبدالملک نے کرائی۔ پہلے محراب موجودہ شکل میں نہیں ہوتے تھے۔
- ولید نے مسجد کی دیواروں پر قرآنی آیات لکھنے کی رسم ڈالی جو آج تک جاری ہے۔

- ولید نے پہلی مرتبہ مینار تعمیر کرائے۔
- ولید نے سیکورٹی کیلئے حارس اور آدمی مقرر کئے۔

پانچویں مرتبہ توسیع خلیفہ المہدی عباسی کی جانب سے:

- جیسا کہ اہل علم پر واضح ہے بنو امیہ کے دور خلافت میں ولید کے بعد سلیمان ابن عبدالملک خلیفہ بنے اور سلیمان بن عبدالملک کے بعد حضرت عمر ابن عبدالعزیز، اس کے بعد یزید ابن عبدالملک، اس کے بعد ہشام ابن عبدالملک، اس کے بعد ولید ابن یزید ابن عبدالملک، اس کے بعد ابراہیم ابن الولید بن عبدالملک۔ اس طرح بنو امیہ کے آخری خلیفہ مروان ابن محمد ابن مروان ابن الحکم کو ۱۳۳ ہجری میں قتل کر دیا گیا اور بنو امیہ کے چودہ (۱۴) اموی امراء کی خلافت تقریباً ایک ہزار ماہ (یعنی ۸۳ سال اور چار ماہ) قائم رہی اور ۱۳۳ ہجری میں ختم ہو گئی۔
- اس کے بعد عباسی خلفاء کا دور شروع ہوا۔ سب سے پہلے عباسی خلیفہ ابوالعباس السفاح عبداللہ ابن محمد ابن علی ابن عبداللہ ابن عباس خلیفہ منتخب ہوا۔ اس کی بیعت تیرہ ربیع الاول ۱۳۲ ہجری میں شروع ہو گئی تھی۔ اس نے چار سال اور نو ماہ حکومت کی اور بتیس (۳۲) سال کی عمر میں یہ فوت ہو گیا۔ اس کے بعد ابوالعباس السفاح کا بھائی ابو جعفر عبداللہ بن محمد المنصور خلیفہ مقرر ہوا۔ اکیس سال گیارہ ماہ اور چار ماہ حکومت کرنے کے بعد ۱۵۸ ہجری میں ام المومنین حضرت میمونہ کی مزار کے شہر ''سرف'' میں احرام کی حالت میں تریسٹھ سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ اس کے بعد ان کا بیٹا ابو عبداللہ محمد المہدی باللہ خلیفہ مقرر ہوا۔ اس نے دس سال اور ایک ماہ خلافت کی۔ ۱۶۹ ہجری محرم کی بائیس کو بیالیس (۴۲) سال کی عمر میں فوت ہو گیا۔ مہدی نہایت سخی آدمی تھا، کبھی کبھی ایک ہی شاعر کو دس دس ملین (یعنی ایک ایک کروڑ) درہم ہدیہ دے دیتا تھا۔

- ولید ابن عبدالملک کے بعد مذکورہ خلفاء میں سے کسی سربراہ نے مسجد نبوی شریف میں توسیع نہیں کی تھی مگر محمد مہدی جب ۱۶۱ ہجری/ ۷۷۵ عیسوی میں حج کرکے مدینہ منورہ حاضر ہوا تو اس نے جعفر ابن سلیمان بن علی بن عبداللہ ابن عباس کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا اور مسجد شریف کی توسیع کا حکم دیا۔اس سلسلہ میں عبداللہ بن عاصم بن عمر ابن عبدالعزیز اور عبدالملک بن شبیب الفعانی کو معاون مقرر کیا مگر تعمیر شروع ہونے سے پہلے عبداللہ ابن عاصم فوت ہوگئے تو ان کی جگہ عبداللہ ابن موسیٰ الحمصی کو مقرر کیا گیا۔انہوں نے صرف مسجد شریف کی شمالی جانب ایک سو ہاتھ یعنی پچاس میٹر مسجد شریف میں اضافہ کیا۔ غربی اور شرقی اور جنوبی جانب اضافہ نہ کیا اور مسجد کے ماتھے پر لکھوایا ''وَ کَانَ مُبْتَدَاءُ مَا اَمَرَ بِهٖ عَبْدُاللهِ الْمَهْدِیُّ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَکْرَمَ اللهُ مِنَ الزِّیَادَةِ فِیْ مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِیْ سَنَةِ اثْنَتَیْنِ وَ سِتِّیْنَ وَ مِأَةٍ وَ فَرَغَ مِنْهُ سَنَةَ خَمْسٍ وَ سِتِّیْنَ مِأَةٍ'' (وفاء الوفاء) یعنی اس کام کی ابتدا جس کا عبداللہ المہدی امیر المومنین (اللہ اس کو عزت دے) نے زیادہ کرنے کا مسجد رسول اللہ ﷺ میں حکم دیا تھا، ۱۶۲ ہجری میں ہوئی اور اس سے فراغت ۱۶۵ ہجری میں ہوئی۔''
- پہلے مسجد میں بارش کا سیلابی پانی بھی داخل ہوجایا کرتا تھا تو مہدی نے تقریباً ایک میٹر فرش بلند کروادیا۔اس وجہ سے مسجد کی چھت بھی ایک میٹر بلند کرنی پڑی۔مہدی نے وہ مقصورہ جو محراب عثمانی پر حفاظت کیلئے بنایا گیا تھا، وہ ہٹادیا۔اس مقصورہ کا فرش نیچے کرکے مسجد کے صحن کے برابر کردیا۔ مہدی نے آل عمر کا دروازہ جو مسجد میں کھلتا تھا، اس کو بند کروادیا مگر شدید احتجاج پر ان کیلئے مسجد میں آنے کیلئے سرنگ بنادی اور مہدی نے مسجد شریف کے چوبیس (۲۴) دروازے رکھ دیئے۔ آٹھ شرقی جانب اور آٹھ غربی جانب اور چار شمالی جانب اور چار جنوبی

جانب۔ باب مروان صرف وی آئی پی اور بڑے بڑے لوگوں کیلئے کھلتا تھا اور محراب عثمانی کے دائیں جانب کا دروازہ قنادیل اور چراغوں کے اسٹور کی طرف جاتا تھا اور بوقت ضرورت کھلتا تھا۔ میناروں کی تعداد پہلے کی طرف تین رہی کیونکہ چوتھا مینارہ سلیمان ابن الملک نے گرادیا تھا۔ قبلہ کی دیوار میں محراب نما گیارہ روشن دان بنوائے اور گیارہ شمالی جانب بنوادیئے۔اور شرقی اور غربی دیواروں میں انیس انیس روشن دان اور کھڑکیاں بنوائیں۔(جستجوئے مدینہ)

دیگر عباسی امراء کے ادوار میں مسجد شریف کی مرمت:

- ہارون الرشید کے دور ۱۷۳ ہجری میں چھت کی ستر (۷۰) کے لگ بھگ پلیٹیں جو کہ بوسیدہ ہوچکی تھیں، تبدیل کردی گئیں۔ہارون الرشید کے بعد مامون الرشید کے دور میں معمولی کام ہوتا رہا۔ پھر متوکل علی اللہ کے دور ۲۴۶ ہجری میں مسجد کے فرش کو بہت اونچا کرکے ٹائلیں لگوادی گئیں۔اس کے بعد تقریباً کام بند رہا پھر خلیفہ المقتفی باللہ کے دور ۵۴۸ ہجری میں سلطان نورالدین زنگی اور ان کے وزیر جمال الدین اصفہانی نے گنبد خضراء کے ارد گرد پانی تک زمین کی سطح کے نیچے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنائی۔ابن نجار کے قول کے مطابق مہدی کے دور میں مسجد نبوی شریف کا فرش زمین کی سطح سے اڑھائی ہاتھ یعنی تقریباً سوا ایک میٹر بلند تھا۔ (الدرۃ الثمینۃ)

نوٹ: اس سے اندازہ لگائیں کہ حجرۂ مبارکہ میں قبور مطہرہ جہاں کبھی سطح زمین کو بلند نہیں کیا گیا، وہ آج سطح مسجد کے فرش سے کتنی نیچے ہوں گی۔ سنا ہے وہاں جانے کیلئے سیڑھیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

مسجد نبوی شریف میں آتش زدگی:

- اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور حکمت غالبہ انسانی عقل اور فہم سے ماوراء

ہے۔اللہ تعالیٰ نے جن مقامات مقدسہ کی عزت اور عظمت کو بڑھا کر عرش عظیم کے برابر کر دیا یا بڑھا دیا، انہی مقامات کو ناگہانی آفات سے ایسے دوچار کیا کہ وہ مقامات و آثار جل کر راکھ ہو گئے۔ ”كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ“ کا عملی اظہار فرما کر کائنات میں رہنے والے اہلِ عقل و دانش کو پیغام دیا ”لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ“ کہ میرے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور میں قادر مطلق ہوں۔

● اسی نوعیت کا واقعہ ۶۵۴ ہجری/ ۱۲۶۵ عیسوی میں پیش آیا کہ مسجد نبوی میں آگ لگ گئی اور مسجد جل کر راکھ ہو گئی۔ یکم رمضان المبارک ۶۵۴ ہجری/ ۱۲۶۵ عیسوی جمعہ کی رات ابو بکر الفراش ابن اوحد مسجد میں غربی جانب اسٹور میں روشن چراغ لے کر مناروں پر مزید چراغ جلا کر رکھنے کی غرض سے داخل ہوا۔ جتنے چراغوں کی ضرورت تھی ان کو نکالا اور وہ چراغ روشن کردہ جوان کے ہاتھ میں تھا، وہ وہیں رہنے دیا۔ یہاں اسٹور میں تیل بھرے مزید چراغ پڑے ہوئے تھے۔ اچانک ان میں آگ بھڑک اٹھی۔ جب اسے پتہ چلا اس نے آگ بجھانے کی کوشش کی مگر آگ پر قابو نہ پاسکا۔ اسٹور میں موجود چٹائیاں اور بستر اور چراغوں کے پنجرے وغیرہ سب جل گئے حتیٰ کہ مسجد کی چھت میں آگ پھیل گئی۔ اس آگ کا تفصیلی ذکر حادثات مدینہ کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

آتش زدگی کے بعد مسجد شریف کی تعمیرِ نَو:

● اس حادثہ کی اطلاع فوراً بغداد میں خلیفہ المستعصم باللہ کو دی گئی مگر تاتاریوں کے ساتھ جنگی مصروفیات کے باعث خلیفہ کی جانب سے جواب موصول ہونے میں طویل عرصہ گذر گیا۔ ۶۵۶ ہجری میں عباسی خلیفہ المستعصم باللہ کو بغداد میں قتل کر دیا گیا۔ عباسی خلافت اور حکومت سقوطِ بغداد سے ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی۔ عباسی خلفاء کی حکومت کا دورانیہ پانچ سو چوبیس (۵۲۴) سال رہا۔ تاتاریوں کے

حاکم ہلاکو خان نے سازش کر کے المستعصم کے وزیر ابن العلقمی شیعی کو اپنے ساتھ ملالیا تھا۔ المستعصم کو پکڑ کر بوری میں بند کر کے لوہے کے گرزوں سے مار مار کر قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہلاکو خان ابن قبلائی خان ابن چنگیز خان نے بغداد کے تمام فقہاء اور صوفیاء کو قتل کر دیا۔ آخری حادثہ محرم کی اٹھائیس ۶۵۶ ہجری میں یوں واقع ہوا۔ ابن العلقمی نے خلیفہ المعتصم کو مشورہ دیا کہ مجھے ہلاکو خان کے پاس جانے دیں، ان کو میں صلح پر آمادہ کرتا ہوں۔ چنانچہ ابن العلقمی جا کر واپس آیا اور کہا کہ ہلاکو خان چاہتا ہے کہ اپنی بیٹی کا تیرے بیٹے کے ساتھ عقد کر دے اور یہ کہ حکومت ہلاکو کیلئے ہوگی اور ہلاکو اس عقد کے بعد بغداد سے چلا جائے گا، آپ کی حکومت اس کے ماتحت رہے گی۔ چنانچہ خلیفہ اپنے وزراء اور علماء کے ساتھ عقد نکاح کیلئے متعینہ جگہ پہنچا تو ہلاکو خان نے جمع ہونے والے سارے لوگوں کو قتل کر دیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ اور خلیفہ کو بھی گرفتار کر کے درج بالا طریقہ سے قتل کرادیا۔ اس حادثہ عظیمہ کی وجہ سے مسلمان ریاستوں اور صوبوں کے سلاطین اور گورنر نہایت پریشان ہو گئے۔ پوری امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس وجہ سے آگ کے بعد مسجدِ نبوی کی تعمیرِ نَو کیلئے تقریباً ایک سال تک وسائل اکٹھے نہ ہو سکے۔ اس کے بعد مصر کے شاہ نورالدین ایبک الصالحی اور شمس الدین یوسف یمن کے سلطان کی جانب سے تعمیراتی سامان پہنچا۔ ابھی باب السلام تک تجدیدی کام ہوا تھا کہ ملک نورالدین کو معزول کر دیا گیا۔ ان کی جگہ محمود بن ممدود سیف الدین کو ۶۵۷ ہجری میں حکومت سپرد کی گئی۔ موصوف کی والدہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی بہن تھی۔ محمود کے حکم سے ۶۵۸ ہجری میں دوبارہ مسجد کا کام شروع ہوا۔ باب السلام سے باب الرحمت تک کام مکمل ہوا تھا کہ اسی سال مصر کیلئے بادشاہ ملک الظاہر رکن الدین بیبرس الصالحی البندقداری مقرر ہو گئے۔ ان

کے دور میں مسجد کی دیواریں اور ڈبل چھت جس طرح پہلے تھی، مکمل ہوئی۔ دو سال کے عرصہ میں مسجد شریف دوبارہ مکمل ہوگئی۔ شاہ بیبرس کے بعد مملوک خاندان کے متعدد بادشاہ مسجد شریف کی خدمت کرتے رہے۔ ۶۸۰ ہجری میں الشیخ طوغان نے محراب حنفی بنوایا۔ ان سلاطین میں سے سلطان المنصور سیف الدین قلاوون الصالحی نے ۶۷۸ ہجری/ ۱۲۷۹ عیسوی میں قبور مبارکہ کے حجرہ مبارکہ پر پہلی مرتبہ گنبد بنوایا، جس کی تفصیل گنبد کی تعمیر کے ابواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری مرتبہ آتش زدگی:

● ۱۳ رمضان ۸۸۶ ہجری کی شام شمس الدین ابن الخطیب رئیس المؤذنین اذان دینے کی غرض سے سحری کے ٹائم منارہ رئیسہ، جو کہ گنبد خضراء کے ساتھ ہے، پر چڑھے ہی تھے کہ اچانک باد باراں کے طوفان میں بینارہ رئیسہ پر آسمانی بجلی گری، جس سے بینارہ منہدم ہو کر قبور مطہرہ کے حجرہ کی چھت پر گر گیا۔ اسی جانب مسجد کی دوہری چھت بھی حجرہ مبارکہ پر گر گئی۔ مؤذن موقع پر ہلاک ہوگیا۔ مسجد میں آگ بھڑک اٹھی۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ صرف بھگدڑ میں دس آدمی شہید ہوگئے اور اس کے علاوہ بے شمار لوگ شہید ہوئے۔ حجرہ مطہرہ کی چھت کو بھی نقصان پہنچا اور چھت میں موجود لکڑی جل گئی۔ پنج گوشہ عمارت پر لکڑی کی جالی جل کر حجرہ مبارکہ پر گر گئی۔ مسجد کا مشرقی حصہ زیادہ متاثر ہوا۔ محراب و منبر سب جل گئے، جس کی تفصیل حادثات کے باب میں ملاحظہ کیجئے۔

سلطان محمد اشرف قائتبائی کی جانب سے تعمیرِ نَو:

● اس المناک حادثے کی اطلاع ۱۷ رمضان المبارک ۸۸۶ ہجری کو مصر کے سلطان قائتبائی کی خدمت میں پہنچائی گئی۔ حکومت کی جانب سے انتظامات کرنے سے پہلے اہل مدینہ نے امیر مدینہ کے حکم سے صفائی کا کام شروع کردیا۔ باب

جبرئیل کے علاوہ دوسرے دروازے عارضی طور پر بنائے گئے۔ اس کے بعد سلطان قائتبائی نے امیر سنقر جمالی کی سربراہی میں ایک سو کاریگر جن میں معمار سنگ تراش لوہے اور لکڑی کا کام کرنے والے اور کثیر تعداد میں خچر اور گدھے باربرداری کیلئے اور دوسو اونٹ وغیرہ بھیج دیئے اور تعمیرات کا سامان اور آلات وغیرہ سمندر کے راستے مدینہ منورہ روانہ کردیئے اور ساتھ زر نقد بیس ہزار دینار نقد بھیج دیئے۔ شمس الدین بن الزمان کی زیر نگرانی ربیع الاول ۸۸۷ ہجری / ۱۴۸۲ عیسوی میں کام شروع ہوا۔ مسجد کی تمام دیواریں منہدم کرنے کے بعد چھت اور دیواریں نئے سرے سے بنوائیں۔ سادہ چھت کی بجائے اس نے دو گنبد بنائے ایک مسجد کی چھت پر محراب عثمانی کے اوپر اور دوسرا حجرہ مطہرہ کے محاذی مسجد کی چھت پر۔ اور مشرقی جانب سوا دو ہاتھ تقریباً ایک میٹر ۱۰ سینٹی میٹر کا اضافہ کیا۔ بینارۂ رئیسہ دوبارہ تعمیر کردیا گیا۔ تمام حصوں پر ایک چھت بنائی گئی۔ نئی تعمیر میں دو دو ستونوں کے درمیان کمان نما محرابیں بنائی گئیں۔ مؤذن کیلئے مکبریہ بنایا گیا ہے جو آجکل بھی موجود ہے۔ اس سے پہلے اذان کی جگہ یہ مکبرہ نہیں تھی۔ سلطان اشرف قائتبائی نے ایک لاکھ بیس ہزار دینار خرچ کئے۔ مسجد کی تعمیر ۸۸۸ ہجری/ ۱۴۸۳ عیسوی میں مکمل ہوئی۔ سلطان اشرف نے چند مسافر خانے اور مدرسے بھی بنوائے۔ پہلے جو مدرسہ باب الرحمۃ اور باب السلام کے درمیان ہوا کرتا تھا اور حصن العتیق کے نام سے مشہور تھا، اس کی تعمیرِ نو اور توسیع کرائی اور وہ مدرسہ اشرفیہ نام سے موسوم ہوگیا۔ عثمانی دور میں سلطان محمود عثمانی نے پھر دوبارہ تعمیر کرایا تو اس کا نام محمودیہ پکارا جانے لگا اور سلطان اشرف نے حجرہ مطہرہ پر بھی گنبد بنوایا۔

● قارئین سابقہ روایات سے معلوم ہوا مساجد میں محراب اور بینار حضرت عمر

ابن عبدالعزیز کے دور سے شروع ہوئے۔ اور مساجد اور مقابر پر گنبد سلطان اشرف کے دور سے شروع ہوئے اور ہر دور کے علماء اور صلحاء نے انہیں قبول کیا۔ معلوم ہوا اسلف صالحین سے لے کر آج تک علماء اور صلحاء اہلسنت و جماعت مولانا الشاہ احمد رضا کے پیروکاروں کے ہم عقیدہ تھے۔ یہ امر یقینی ہے مگر موجودہ سعودی حکومت جس نے مزارات مقدسہ کے گنبد گرادیئے اور اپنے اکابر پر مزارات نہیں بنائے۔ اگر اسلاف ان کے ہم عقیدہ ہوتے تو کبھی گنبد خضراء وجود میں نہ آتا اور گنبد بنانا گمراہی اور ضلال ہوتا تو ائمہ اطہار کے عراق اور شام اور جنت البقیع اور جنت المعلی میں ہمارے اسلاف علماء اور صلحاء کبھی اس کا ارتکاب نہ کرتے۔ اہلسنت و جماعت کے جملہ امور میں عقیدہ کے حق ہونے پر یہ واضح اور کھلی دلیل ہے۔ "فَاعْتَبِرُوْا يَآاُوْلِي الْاَبْصَارِ"۔ (محمد رفیق حسنی)

قاتیبائی تعمیر کی خصوصیات:

- پہلی مرتبہ برآمدوں کے ستونوں کے درمیان اینٹوں سے محرابیں ڈاٹیں بنائی گئیں۔ چھت ڈاٹوں پر قائم کی گئی۔ پہلے چھت تک ستون جاتے تھے اور ستونوں پر شہتیر (گارڈر) رکھے جاتے تھے۔
- موذن کیلئے محراب عثمانی کے محاذات میں چبوترہ بنایا گیا جو آج تک موجود ہے۔ مسجد اور حجرہ مبارکہ پر گنبد بنایا گیا۔ حالانکہ پہلے عمر ابن عبدالعزیز کے دور سے اذانیں میناروں سے دی جاتی تھیں۔
- ۶۵۲ ہجری میں خاندان سلطان صلاح الدین ایوبی کی حکومتوں کا خاتمہ ہو گیا۔ سلطان صلاح الدین کے خاندان کے آخری حکمرانوں کی یہ حکمت عملی تھی کہ خارجہ اور ارمینیا کے غلاموں کو خرید خرید کر ان غلاموں کی ایک زبردست فوج تیار رکھی جائے تاکہ کسی سردار کو بغاوت کی جرأت نہ ہو اور ان شاہی غلاموں کی

فوج سے ہر باغی اور سرکش کی سرزنش کی جائے۔ ان غلاموں کو مملوک کہا جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ ان غلاموں نے اس قدر قوت حاصل کرلی کہ سلطنت مصر کے مالک بن گئے۔

- ۵۲۱ ہجری میں عماد الدین زنگی نے ملک شام میں خود مختار حکومت قائم کی۔ ۵۴۴ ہجری میں جب عماد الدین زنگی نے وفات پائی تو ان کا بیٹا نور الدین زنگی شام کا حکمران مقرر ہوا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے والد نجم الدین ایوب کرد عماد الدین زنگی کی فوج کا کمانڈر (سپہ سالار) تھا اور عماد الدین ان کے بیٹے صلاح الدین ایوبی پر بھی بہت مہربان تھا۔ نور الدین زنگی نے اپنے والد کی وفات کے بعد نجم الدین زنگی کو دمشق کا ناظم بنادیا تھا اور اس کے بیٹے صلاح الدین کو اس کا معاون بنادیا تھا۔ پھر نجم الدین ایوب کی وفات کے بعد اس کے بیٹے سلطان صلاح الدین کو دمشق کا ناظم بنادیا گیا۔
- مصر پر عیسائیوں کے حملہ کے خطرہ کے پیش عبیدی شیعی حکمرانوں کے آخری حاکم عاضد نے دمشق سے نور الدین زنگی سے مدد طلب کی تو نور الدین زنگی نے اپنی فوج کے کمانڈر شیر کوہ کی قیادت میں فوج مصر روانہ کردی اور ساتھ سلطان صلاح الدین کو بھی بھیج دیا۔ ۵۶۷ ہجری میں سلطان صلاح الدین عاضد عبیدی کی وفات کے بعد مصر کا بادشاہ بن گیا۔ جب مصر پر عبیدی شیعوں کی حکومت تھی تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے گورنر کچھ عرصہ کیلئے ان کے ماتحت رہتے تھے۔ جب سلطان صلاح الدین ایوبی مصر کا بادشاہ مقرر ہوا تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور یمن کے گورنر بھی سلطان صلاح الدین کی حکومت کے ماتحت ہوگئے۔ یہ حکومت ۵۶۷ ہجری سے ۶۵۲ ہجری تک قائم رہی پھر سلطان صلاح الدین کے خاندان کے افراد کی حکومت مصر اور دیگر علاقوں سے ختم ہوگئی۔ اس طرح وہ غلام اور

مملوک جو آخری ایوبی حکمران اپنی مدد کیلئے جمع کرتے رہے۔ آخر میں مصر کی سلطنت پر قابض ہوگئے۔ اب مصر پر ممالیک کی حکومت شروع ہوگئی اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی ان کی حکومت کے ماتحت ہوگئے۔ ممالیک نے انتخاب کے ذریعے مصر کا پہلا حکمران بادشاہ معز عزیز الدین ایبک کو ۶۵۲ ہجری میں بنایا۔ ان ممالیک لوگوں کی حکومت ۹۲۳ ہجری تک مصر اور حجاز مقدس پر قائم رہی اور ۹۲۳ ہجری میں عثمانی ترکی حکمرانوں نے مصر پر قبضہ کرلیا اور حجاز مقدس کو اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ (تاریخ الاسلام، جلد دوم)

- ممالیک حکمرانوں کے نام: (۱) معز عزیز الدین ایبک۔ (۲) ملک منصور۔ (۳) ملک مظفر۔ (۴) ملک الظاہر رکن الدین۔ (۵) ملک سعید ناصر الدین۔ (۶) ملک عادل بدر الدین۔ (۷) ابوالمعانی ملک منصور قلاوون نے ۶۷۸ ہجری تا ۶۸۹ ہجری تک گیارہ سال حکومت کی۔ (۸) ملک ناصر محمد ابن قلاوون نے ۷۳۷ ہجری تک ۴۴ سال حکومت کی۔ (۹) ملک عادل کتبغا منصوری ایک ماہ حاکم رہا۔ (۱۰) ملک منصور حسام دو سال حاکم رہا۔ (۱۱) ملک ظفر رکن الدین ایک سال کیلئے منتخب ہوا۔ (۱۲) ۷۴۱ ہجری میں ملک منصور ابو بکر بادشاہ بنا مگر دو ماہ تک۔ (۱۳) اس کے بعد ملک اشرف آٹھ ماہ تک۔ (۱۴) پھر ۷۴۲ ہجری میں ملک ناصر احمد بادشاہ بنا دو سال تک۔ (۱۵) ابوالفدا الملک صالح اسماعیل ایک سال تک بادشاہ رہا۔ (۱۶) ۷۴۶ ہجری میں ملک کامل شعبانی بادشاہ بنا اور چند ماہ کے بعد معزول ہوا۔ (۱۵) ۷۴۷ ہجری میں ملک مظفر حاجی بادشاہ بنا ایک سال تک مگر قتل کر دیا گیا۔ (۱۶) ۷۴۸ ہجری ناصر حسن چودہ سال تک بادشاہ رہا۔ (۱۷) ۷۶۲ ہجری میں ملک صالح بادشاہ مقرر ہوا۔ (۱۸) ۷۶۵ ہجری میں ملک منصور بن حاجی۔ (۱۹) ۷۶۷ ہجری میں ملک شعبان اشرف بادشاہ بنا۔ (۲۰) ۷۷۸ ہجری میں

ملک منصور علی تخت نشین ہوا۔ (۲۱) ۷۸۳ ہجری میں صالح حاجی بادشاہ بن گیا۔ ۷۹۲ ہجری تک بادشاہ رہا اس کے بعد (۲۲) ملک طاہر برقوق بادشاہ بنا جو غلامان ایوبیہ میں قبیلہ چرکس سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے ۷۹۲ ہجری سے ۸۰۱ ہجری تک حکومت کی۔ (۲۳) ملک ناصر نے اس کے بعد چار سال حکومت کی۔ اس کے زمانے میں تیمور لنگ نے مصر کی طرف پیش قدمی کی مگر دولت مملوکیہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ ملک ناصر نے خانہ کعبہ میں حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی چار مصلے قائم کئے تھے۔ ابتدا میں اس کی مخالفت کی گئی مگر بعد میں ہر مذہب کے عالم نے اس کے ساتھ اتفاق کرلیا۔ (۲۴) اس کے بعد ملک منصور اور ابوالنصر شیخ بادشاہ ہوئے پھر ملک مظفر احمد تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد ملک ابوالفتح کا نمبر آیا۔ اس کے بعد ملک صالح کا نمبر آیا۔ یہ ۸۲۲ ہجری میں تخت نشین ہوا۔ چار ماہ بعد ملک اشرف ابوالنصر تخت نشین ہوا۔ یہ شخص ۸۴۱ تک تخت نشین رہا۔ اس کے بعد ابوالمحاسن تین ماہ کیلئے۔ اس کے بعد ابوسعید ملک الظاہر پندرہ سال تک تخت نشین رہا۔ اس کے بعد ملک منصور عثمان تخت نشین ہو کر ۸۵۷ ہجری میں معزول ہوا۔ اس کے بعد ۸۶۵ ہجری تک ملک اشرف ابوالنصر بادشاہ رہا۔ اس کے بعد ملک موید چند روز کیلئے۔ اس کے بعد ملک ظاہر خوش قدم ۸۶۵ ہجری سے ۸۹۲ ہجری تک بادشاہ رہا۔ اس کے بعد چند ماہ کیلئے ملک ظاہر ابوسعید تمریغا بادشاہ رہا۔ اس کے بعد ابوالنصر اشرف نے ۹۰۲ ہجری تک حکومت کی۔ اس کے بعد اڑھائی سال تک ملک ابوالسعادت تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد ملک اشرف قالضوہ گیارہ روز کیلئے حاکم بنا اور پھر گم ہوگیا۔ پھر ملک ظاہر قالضوہ ۹۰۶ تک حاکم رہا۔ اس کے بعد حنبلاط ایک سال کیلئے۔ اس کے بعد ملک عادل ۹۰۷ ہجری میں بادشاہ بنا۔ ساڑھے چار ماہ بعد ملک اشرف قالضوہ تخت نشین ہوا۔ پندرہ سال تک حکومت کی۔ ۹۲۲

ہجری تک اس کی حکومت رہی۔ ۹۲۲ ہجری میں ترکی سلطان سلیم ثانی نے مصر پر چڑھائی کردی۔ ملک اشرف طومان جو اسی سال مصر کا بادشاہ بنا تھا، کو شکست دے کر ممالیک ایوبیہ کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اب مصر عثمانیہ حکومت میں شامل ہوگیا۔ مصر میں ایوبی مملوک اور غلاموں کی دو سو ستر (۲۷۰) سال حکومت قائم رہی۔ ان ممالیک کے ابتدائی دور میں ہلاکو خان نے ۶۵۶ ہجری میں بغداد کے اندر خلافت عباسی ختم کردی تھی مگر چند دنوں کے بعد مصر میں خلافت عباسیہ کا سلسلہ ان مملوک بادشاہوں کے ساتھ شروع ہوگیا تھا اور یہ سلسلہ ۹۲۲ ہجری تک قائم رہا۔ مصر میں عباسی خلفاء کی حیثیت پیروں اور وظیفہ خوروں سے زیادہ نہ تھی مگر عباسی خلفاء کو مذہبی پیشوا مانا جاتا تھا اس لئے ان کیلئے ممالیک بادشاہوں کی سرپرستی مناسب سمجھی جاتی تھی مگر سلطان سلیم ثانی نے خلافت اور بادشاہت دونوں کو اپنے لئے خاص کر لیا۔ اب اسلامی خلافت اپنی قوت اور پاور کے لحاظ سے دوبارہ بحال ہوگئی۔ (تاریخ اسلام، ص ۶۵۵)

خلافت عثمانیہ کا اجمالی تذکرہ:

- ترکوں کی حکومت کا دورانیہ تقریباً چھ سو سال ہے۔ ترکوں سے پہلے سلجوقی حکومت کا آخری حکمران غیاث الدین ابو شجاع تھا۔ جس کا پایہ تخت ماوراء النہر کا علاقہ تھا اور خراسان اور ایران اور عراق کے علاقوں پر بھی ان کی حکمرانی تھی۔ بالآخر ۵۲۲ ہجری / ۱۱۲۸ عیسوی میں سلجوقی سلطنت شاہان خوارزم کے ہاتھوں ختم ہوگئی چونکہ سلجوقی حکمران متعدد گروہوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ ہر ایک فرد نے اپنے زیر تسلط علاقہ پر مستقل حکومت قائم کرلی تھی۔ اس افتراق اور انتشار کی وجہ سے ماوراء النہر سے ایک اور طاقت ابھر کر آئی، یہ خوارزمی سلطنت تھی۔ پھر خوارزمی سلطنت منگولیوں کے حملوں کا مقابلہ نہ کر سکی اور خوارزمی سلطنت بھی

ختم ہوگئی۔

- سلجوقی حکومت کی وجہ سے عباسی خلافت کا زوال دو صدیوں تک مؤخر ہوگیا۔ اگر سلجوقی نہ ہوتے تو شیعہ رافضیوں کے ہاتھوں عباسی خلافت کا وجود بہت پہلے مٹ چکا ہوتا۔
- مصر کے شیعی سلطنت عبیدی فاطمی سلجوقیوں کی طاقت کی وجہ سے مشرق کے عرب مسلمانوں کو باطنی عبیدی رافضی سلطنت کے جھنڈے تلے جمع نہ کر سکی۔ اس وجہ سے رافضیوں کے مذموم مقاصد پورے نہ ہو سکے۔
- ساتویں صدی ہجری بمطابق تیرہویں صدی عیسوی عثمانی ترکوں کا قبیلہ ترکمانی کردستان میں آباد تھا۔ چنگیز خان کی قیادت میں جب منگولوں نے عراق اور ایشیا کوچک کے مشرقی علاقوں پر حملے کئے تو عثمان ترکی کا دادا سلیمان اپنے قبیلہ کے ساتھ ہجرت کرکے اناضول کے علاقوں میں مقیم ہوگیا۔ یہ ۶۱۷ ہجری / ۱۲۲۰ عیسوی کی بات ہے۔ سلیمان ۶۲۸ ہجری / ۱۲۳۰ عیسوی میں فوت ہوا اور اس نے اپنے چھوٹے بیٹے ارطغرل کو جانشین نامزد کیا۔ ارطغرل اپنے قبیلہ کے ایک سو خاندان اور چار سو سے زائد شاہسواروں کے ساتھ اناضول سے شمال مغرب کی جانب مسلسل بڑھتا رہا۔ ارطغرل نے بازنطینی عیسائیوں اور مسلمانوں کی جنگ میں مسلمانوں کی مدد کی اور عیسائیوں کو شکست دے دی۔ اس وقت کے سلجوقی کمانڈر نے اناضول کی مغربی سرحد کے ساتھ ان کو ایک عظیم جاگیر عطا کی۔ جب ۶۹۹ ہجری / ۱۲۹۹ عیسوی میں ارطغرل فوت ہوا تو اس نے اپنے بیٹے عثمان کو جانشین مقرر کیا۔ ۶۵۶ ہجری / ۱۲۵۸ عیسوی میں عثمان پیدا ہوا۔ اسی سال ہلاکو خان کی قیادت میں منگولیوں نے بغداد کی عباسی خلافت کا خاتمہ کر دیا تھا۔ اسی عثمان کی وجہ سے ترکوں کی سلطنت کو عثمانیہ سلطنت کہا جاتا ہے۔ انہوں نے

عیسائیوں کے ساتھ جنگوں میں پے درپے فتح حاصل کی۔

ترکی عثمانی دور میں مسجد نبوی شریف کی تعمیر اور تجدید:

● سقوطِ بغداد کے بعد چین سے لے کر بغداد تک اکثر ریاستیں تاتاریوں کے قبضہ میں آگئی تھیں اور تاتاریوں کا یہ قبضہ صرف ایک سال کی مدت میں ہو گیا تھا۔ تاتاریوں کے ہلاکو خان نے اکثر دنیا پر ایک سال کی مدت میں قبضہ کر لیا تھا حالانکہ سکندر ذوالقرنین کو پوری دنیا پر قبضہ کرنے میں دس سال لگے تھے مگر سکندر کے جہاد میں انسانی جانیں ضائع نہیں ہوئی تھیں۔ تاتاریوں نے صرف بغداد پر قبضہ کرنے میں بیس لاکھ انسانوں کا خون بہا دیا۔ علماء و فقہاء و مشائخ و خواتین اور بچے اس حد تک قتل کیے گئے کہ دریائے دجلہ خون کا بہنے لگا اور مکانوں چھتوں پر پناہ لینے والی عورتوں اور بچوں کو جب ذبح کیا گیا تو چھتوں کے پرنالے خون پھینکنے لگے۔ بغداد کی گلیاں خون سے بھر گئیں۔ چالیس دن رات تک لوگوں کا خون بہتا رہا۔ صرف یہودی اور رافضی محفوظ رہے کیونکہ یہ سارا حادثہ وزیر ابن العلقمی کی وجہ سے تھا جو کہ رافضی تھا۔ مگر مصر کی سلطنت تاتاریوں کے قبضے سے محفوظ رہی جیسے یمن وغیرہ کی اسلامی ریاستیں بھی تاتاریوں سے محفوظ رہیں مگر مصر اور یمن کی سلطنتیں بغداد کی خلافت کے تحت نہ رہیں۔ بغداد کی خلافت کے قیام سے لے کر بقا تک حرمین طیبین بغداد کے ماتحت تھے۔ جب بغداد کی خلافت نہ رہی تو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی حکومت کئی سال آزاد رہنے کے بعد مصری سلاطین کے تحت آگئی تھی اور تقریباً ۶۵۸ ہجری سے ۹۲۳ ہجری تک مصری سلاطین حرمین طیبین کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ مگر ۹۲۳ ہجری میں مملوک خاندان سے مصر کی حکومت ترکی عثمانیوں نے چھین لی اور حجاز کے گورنر نے قاہرہ میں آکر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی چابیاں ترکی سلطان کو پیش کرکے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ

ترکوں کی عملداری میں دے دیا۔ ترک سلطان نے ملک الحجاز کہلوانے کی بجائے اپنے لئے خادم الحرمین الشریفین کا لقب پسند کر لیا اس کے بعد مدینہ منورہ خصوصاً مسجد نبوی اور گنبد خضراء ترکوں کی توجہ کا خاص مرکز رہا۔ (جستجوئے مدینہ)

● سلطان محمد اشرف کی بنائی ہوئی مسجد شریف شاندار حالت میں تھی۔ ترکوں نے اسے ویسے ہی رہنے دیا۔ یوں قدیم عمارت تقریباً تین صدیوں تک قائم رہی۔ پہلی بار ترکوں کی عملداری میں سلطان سلیمان القانونی نے گورنر مدینہ سے باب الرحمت اور شمال مشرقی میناروں کی تجدید کروائی۔

● محمد خضر الرومی جو دسویں صدی ہجری کے ایک مورخ تھے، نے بیان کیا کہ سلطان سلیمان نے الشیخ طوغان کی بنائی ہوئی محراب حنفی کو ۹۴۸ ہجری میں دوبارہ تعمیر کروایا۔ اسی وجہ سے اس محراب حنفی کو محراب سلیمانی بھی کہا جاتا ہے اور مسجد شریف کی غربی دیوار جو بوسیدہ ہو چکی تھی، اس کو دوبارہ بنوایا اور ریاض الجنت میں مسجد کا فرش سنگ مرمر سے بنوایا اور مقصورہ شریفہ کی چھت کی مرمت کرائی اور گنبد مبارک کی بوسیدہ پلیٹیں نکال کر نئی پلیٹیں لگوائیں۔ اپنے تیئیس (۲۳) سالہ دور حکومت میں سلطان سلیمان نے کافی کام کروائے۔ ابتداء میں تمام اخراجات مصری خزانے سے آتے تھے مگر سلطان سلیمان نے اپنے مال سے اخراجات اٹھانا شروع کر دیئے۔ جب بھی تعمیرِ نَو کی ضرورت ہوتی مواد اور سامان اور معمار اور کاریگر استنبول سے مدینہ منورہ بھیجے جاتے۔ محراب سلیمانی کی پشت پر لکھا ہے کہ اس کی تعمیر ۱۷ محرم الحرام ۹۴۸ ہجری / ۱۵۴۱ عیسوی کو شروع ہوئی تھی۔ سلطان سلیمان کی وفات کے بعد ان کے جانشین سلطان سلیم دوم نے محراب سلیمانی میں سنگ مرمر میں نقش و نگار بنوائے۔ ۹۸۰ ہجری میں سلطان سلیمان الکامل نے بھی مرمت کا کام کروایا۔ سلطان مراد سوم کے دور میں باب النساء سے

مینارہ سنجاریہ شرقی شمال تک پوری دیوار دوبارہ تعمیر کروائی۔ ایک مرتبہ زلزلہ کی وجہ سے مسجد نبوی شریف کی چھت متاثر ہوئی تو ۹۹۷ ہجری میں دوبارہ چھت کی مرمت کرائی گئی اور قرآنی آیات کی خطاطی اور نقش و نگار سے زینت اور ستونوں پر سونے کا پانی چڑھایا گیا۔

- ترکی سلطان مراد کا یادگار کام منبر شریف بنوا کر ارسال کرنا ہے جو کہ ۹۹۸ ہجری میں انہوں نے بھیجا اور آج بھی وہی منبر استعمال میں ہے اور پہلا منبر مسجد قباء میں رکھ دیا گیا۔ وہ بھی آج تک استعمال میں ہے۔ سلطان مراد چہارم کے دور میں مسجد کی چھت نئے سرے سے ڈلوائی گئی اور چھت پر چھوٹے چھوٹے گنبد بنائے گئے۔ سلطان عبدالمجید اول کے دور میں غربی دیوار سے مشرقی دیوار تک سنگ مرمر کا فرش ڈالا گیا۔

گنبدِ خضراء پر پہلی مرتبہ سبز رنگ:

- ترکی سلطان محمود دوم نے سلطان اشرف قائتبائی کے دور میں حجرہ مبارکہ پر بنائے گئے گنبد کو نئے گنبد میں تبدیل کیا۔ **۱۲۲۳ ہجری میں پہلی بار گنبد مبارک پر سبز رنگ کیا گیا جو کہ آج تک ہو رہا ہے۔** عثمانی ترکوں کی جانب سے مصر کے گورنر محمد علی پاشا نے حجرہ مبارکہ کی مرمت کرائی۔ حجرہ مطہرہ کی قبلہ کی دیوار پر ۱۲۲۸ ہجری کنداں نظر آتا ہے۔ مقصورہ مبارکہ پر خوبصورت ٹائلیں لگائی گئیں۔ عثمانیوں کی جانب سے حجاز کے گورنر ابراہیم پاشا نے مسجد شریف میں وسیع پیمانے پر مرمت کروائی اور یہ کام ۱۲۳۰ ہجری ۱۸۱۵ عیسوی میں مکمل ہوا۔

- سلطان محمود اشرف قائتبائی کی تعمیر کردہ مسجد شریف صدیوں قائم رہی۔ ۱۲۶۳ ہجری ۱۸۴۷ عیسوی چار سو سال بعد چھت کے بوسیدہ ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا کیونکہ ایک شخص سیدنا عمرؓ کے مواجہہ شریف میں کھڑا تھا کہ پرانے گنبد سے

ایک پتھر کی لوح گر گئی اور آدمی مر گیا۔ اسی طرح بعض دیگر حادثات کی وجہ سے شیخ الحرم (داؤد پاشا) نے سلطان عبدالمجید ثانی کو استنبول میں ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ سلطان نے دو آدمیوں رمزی آفندی اور انجنیئر آفندی کو حکم دیا کہ مسجد شریف کا توسیعی نقشہ تیار کریں اور اس کا ماڈل تیار کیا جائے۔ انجنیئر آفندی نے ۱/۱۵۳ سکیل پر سنگ مرمر کا ایک ماڈل تیار کیا جو کہ لکڑی کے مضبوط تختوں پر رکھ کر استنبول بھیج دیا گیا۔ سلطان نے استنبول کی مسجد خرقہ شریف میں یہ ماڈل رکھوا دیا جو آج بھی موجود ہے۔ سلطان نے مسجد کی تعمیرِ نَو کا حکم جاری فرمایا اور حکم دیا کہ تمام تاریخی ستونوں اور مواضع میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جائے۔ ہر چیز کو اپنی جگہ رہنے دیا جائے تاکہ ان کی برکات حاصل ہوتی رہیں۔

- چنانچہ ماہرین ارضیات نے وادی عقیق میں آبار علی کے قریب چند پہاڑ ایسے پا لیئے جہاں نفیس پتھر مل سکتا تھا۔ ایسے پتھر تین پہاڑوں سے لیئے گئے جن کو جبال الحرم کہا جاتا ہے۔ یہ پہاڑ مسجد شریف سے دس کلومیٹر کے فاصلہ پر ہیں۔ ان پہاڑوں کی چٹانیں سرخ سینڈ سٹون سے بنی ہوئی ہیں۔ جب انہیں رگڑا جائے تو سنگ عقیق جیسی چمک آنے لگتی ہے۔

منصوبے پر کام کرنے والے عمال کا ہر وقت باادب اور باوضو رہنا:

- اس منصوبے پر کام کرنے والے انجینئروں سے لے کر عام مزدوروں تک سب لوگ متقی اور پرہیزگار اور سب قرآن کے حافظ تھے اور استنبول سے یکم رجب المرجب ۱۲۶۶ ہجری میں ایک بحری جہاز کے ذریعہ ینبوع کی بندرگاہ پر پہنچے تھے۔ جن کی سربراہی انجینئر عبدالحکیم کر رہے تھے۔ تمام کاریگروں کو انہیں پہاڑوں کے دامن میں بسایا گیا اور انہیں مکانات اور دیگر ضروریات دی گئیں۔ کاریگروں کی بستی آباد ہوگئی اور ایک ورکشاپ تعمیر کی گئی۔ تمام معماروں اور

کاریگروں کو حکم دیا گیا کہ کام شروع کرنے سے پہلے ہر شخص وضو کرے اور دو نفل ادا کرے اور درود شریف پڑھ کر کام شروع کرے۔(تاریخ مدینہ از عبدالمعبود) سارا کام اسی جگہ کیا جاتا تھا۔ پتھروں کو تراش کر مطلوبہ شکل میں تیار کرنا، شہتیر اور دروازوں کو چوکھٹیں غرضیکہ ہر چیز کو قابلِ استعمال کر کے گدھا گاڑیوں کے ذریعہ مدینہ منورہ روانہ کیا جاتا تھا تاکہ مدینہ منورہ میں شور شرابہ نہ ہو اور ادب رسول ﷺ کا لحاظ کرتے ہوئے مطلوبہ سامان خاموشی سے مسجد شریف کی تعمیر میں لگایا جاتا رہے۔۱۲۶۶ ہجری میں تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔

- ڈاکٹر محمد اسعد الوکیل کے قول کے مطابق باہر کی دیواریں کالے پتھر سے بنائی گئی تھیں جو کہ حرۃ کے علاقہ سے حاصل کیا جاتا تھا۔ ریاض الجنت کے ستون سرخ پتھروں سے بنائے گئے تھے جن پر سفید سنگ مرمر لگایا گیا تھا۔ ان میں نقش و نگار سنہری رنگ سے بھرے گئے تھے۔ ستونوں کے کراؤن سونے کے پانی سے پالش کئے گئے تھے۔

- مسجد نبوی شریف کے سارے کام کی تکمیل تیرہ سال ۱۲۷۷ ہجری میں ہوئی۔ اس پر ایک لاکھ چالیس ہزار سونے کے تھیلے استعمال ہوئے تھے۔ جب منصوبہ مکمل ہو گیا اور موجودہ سرخ اینٹوں اور نہایت حسین نقش و نگار کی حامل مسجد تیار ہو گئی تو جبل الحرم کے دامن میں ایک شاندار پارٹی کا اہتمام کیا گیا۔ اختتام پر لوگوں کا جم غفیر جلوس کی صورت میں بارگاہِ رسالت میں حاضری کیلئے روانہ ہوا۔ راستے میں نعتیں اور قصیدے پڑھتے ہوئے بارگاہ نبوی میں صلوٰۃ و سلام اور دعا پر ختم ہوا۔ سید جعفر البرزنجی جو اس جلوس میں شامل تھے، بیان کرتے ہیں کہ میرے دادا کا لکھا ہوا قصیدہ برزنجیہ ہر شخص کی زبان پر تھا۔ تزئین اور آرائش کے کام کیلئے مشاہیر خطاطوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ حافظ عبداللہ زہدی بیگ نے

تین سال کی محنت شاقہ سے قبلہ کی دیوار پر، محرابوں، ستونوں، گنبدوں کے اندر اور مختلف دروازوں کے محرابوں پر خط ثلث میں قرآن مجید کی سورتوں اور آیات کو اتنی خوبصورتی کے ساتھ لکھا جسکی مثال نہیں ملتی۔ بعض ستونوں پر قصیدہ بردہ شریف کے اشعار بھی تحریر کئے تھے۔

- ترکی کے دور میں تعمیر اور توسیع نو میں اس بات کا خیال رکھا گیا کہ ستونوں کے ڈیزائن اور تزیین میں مختلف ادوار میں تعمیر ستونوں کے ڈیزائنوں کی طرف اشارہ ہو۔ وہ ستون جو ریاض الجنت میں جن پر نقش و نگار موجود ہیں، یہ ستون دور رسالت کی پہلی مسجد ۶۰ x ۷۰ ہاتھ کے وقت یکم ہجری میں موجود تھے۔ ان کو سرخ اور سفید پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ مقصورہ شریف منبر شریف مغربی دیوار محراب نبوی محراب عثمانی اور بڑے مینار کے سوا ساری مسجد دوبارہ تعمیر کی گئی کیونکہ یہ چیزیں بہت خوبصورت اور پائیدار تھیں۔ عثمانیوں نے نہایت خوبصورت کام کرایا۔ مسجد کے تمام فرش اور قبلہ کی دیوار کے نصف تک سنگ مرمر لگوایا۔ ستونوں پر ایسی پالش کی جو پتھروں کے رنگ سے ملتی ہے۔ چھت کے گنبدوں میں نقش و نگار اور قرآنی آیات لکھوائیں۔ اس عمارت میں ایک نیا دروازہ "باب مجیدی" کے نام سے بنایا گیا۔ اس سعودی توسیع میں اس کے مقابل اسی نام سے دروازہ باب مجیدی رکھا گیا ہے۔ مسجد کی زمین کا آخری حصہ ابتدائی حصہ سے اونچا تھا، اسے برابر کیا گیا۔ میناروں کی بنیادیں پانی تک کھودی گئیں اور ان کی بنیادیں سیاہ پتھروں سے بنائی گئیں۔ یہ عمارت ۱۲۷۷ ہجری میں مکمل ہوئی۔ سعودی توسیع میں اس عمارت مجیدیہ کا جنوبی حصہ جو کہ چھت دار تھا، اپنی مضبوطی اور خوبصورتی میں ممتاز تھا، اسے باقی رکھا گیا۔ اس کی پیمائش ۴۰۵۶ مربع میٹر ہے۔

(تاریخ مدینہ دارالسلام)

• دوسری توسیع جس میں مسجد کا رقبہ ۱۰۰ x ۱۰۰ ہاتھ ہو گیا تھا، اس جگہ جو ستون تیار کئے گئے ان پر چھت کے قریب ''ہٰذا حد النبی ﷺ'' تحریر کیا گیا ہے، جو شمالاً جنوباً سب ستونوں پر دیکھا جاسکتا ہے اور دور رسالت آپ ﷺ میں چھت کی بلندی کو چند ستونوں پر پھول بنا کر ظاہر کیا گیا ہے۔(جستجوئے مدینہ)

• جب ترکوں کے دور میں کھدائی ہو رہی تھی، ریاض الجنۃ میں موجود اُسطوانہ عائشہ کے قریب میٹھے پانی کا زوردار چشمہ بہنے لگا تھا۔ وہاں ایک منہل یعنی سبیل بنادی گئی۔ لوگ اسے جنت کا پانی سمجھ کر استعمال کرتے تھے کیونکہ ریاض الجنت سے یہ پانی نکلا تھا۔ اس پانی کو زمزم کے پانی سے زیادہ بابرکت سمجھا جاتا تھا مگر سعودی حکومت نے اس چشمہ کو مٹی ڈال کر بالکل بند کردیا جس طرح سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مکان سے نکلنے والے چشمہ کو بند کردیا گیا تھا۔(جستجوئے مدینہ)

• مشہور مورخ مصری جنرل ابراہیم پاشا نے مرءۃ الحرمین سفرنامہ حجاز ۱۹۲۵ عیسوی میں شائع کیا، اس میں انہوں نے تحریر کیا، ترکی تعمیر میں مسجد کا حدود اربعہ شرقی جانب شمال سے جنوب کی طوالت ۶۶۲۵ میٹر۔ جانب قبلہ مشرق سے مغرب عرض ۸۶۲۵ میٹر۔ شمالی جانب مشرق سے مغرب ۶۶۰۰ میٹر ہے۔

• گنبد خضریٰ کے مقصورہ مقدسہ کی پیمائش:

شمال سے جنوب لمبائی: ۱۲ میٹر

مشرق سے مغرب چوڑائی: ۱۵ میٹر

اس وقت ستونوں کی تعداد ۳۲۷ تھی اور اس وقت پانچ دروازے تھے۔ مغربی جانب دو دروازے باب السلام اور باب الرحمت موجود تھے۔ شمالی جانب صدر دروازہ جسے باب التوسل کہا جاتا تھا اور مشرقی جانب دو دروازے تھے: باب جبرئیل علیہ السلام اور باب النساء۔

اس وقت مسجد کے پانچ مینار ہوتے تھے۔ چار مینار چاروں کونوں پر اور پانچواں مینار باب الرحمت کے سامنے تھا۔ اذان کیلئے مینارہ رئیسہ جو گنبد خضراء کے قریب تھا، یہ مینارہ سلطان اشرف قائتبائی کی تعمیر کا حصہ ہے، جو انہوں نے ۸۸۶ ہجری میں بنوایا تھا، پھر ۸۹۲ ہجری میں تعمیر کرایا گیا جبکہ بجلی گرنے سے یہ مینارہ منہدم ہو گیا تھا۔ اسی طرح باب السلام پر چھوٹا مینارہ سلطان ناصر محمد ابن قلاؤون نے ۷۰۶ میں بنوایا تھا۔

سعودی دورِ حکومت میں مسجد نبوی شریف کی تعمیرِ نَو:

• ۱۹۲۵ عیسوی میں شاہ عبدالعزیز ابن محمد ابن سعود نے مدینہ منورہ کا کنٹرول سنبھالا۔ انہوں نے ابتدائی چند سالوں میں حجرہ مقدسہ کی دیواروں پر جو تحریریں ان کے (وہابی) عقیدہ کے خلاف تھیں، ان پر پلستر کروادیا یا پھر اسے بدل دیا۔ مثلاً جالی مبارک میں یا محمد تحریر تھا اسے یا مجید کے الفاظ سے بدل دیا اور قصیدہ بردہ شریف کے بعض اشعار پر سیمنٹ کا پلستر کرادیا۔(جستجوئے مدینہ)

• سعودی دور میں آج سے پچھتر سالوں میں دو بار مسجد کی توسیع کی گئی۔ سعودی توسیع کے بعد مسجد کا احاطہ ترک دور کی مسجد سے دس گنا بڑھ گیا ہے مگر آج تک ترک دور کی تعمیر میں قبلہ شریف میں موجودہ مسجد اور قبلہ کی دیوار پر قرآنی آیات کی لکھائی اور گنبد خضراء کا کام ترک دور اور سلطان عبدالمجید ثانی کے عشق رسول کی یاد دلاتا رہتا ہے۔

• ۱۳۶۸ ہجری / ۱۹۵۱ عیسوی رمضان المبارک میں عبدالعزیز آل سعود نے بیان نشر کیا کہ انہوں نے مسجد نبوی شریف کی توسیع کا ارادہ کرلیا ہے۔ پھر اسی سال ابتدائی کام بھی شروع کردیئے گئے۔ مسجد کے شمال، مشرق اور مغرب کے مکانات خرید کر ان کو گرادیا گیا اور ہموار میدان بنادیا گیا۔ اسی طرح مسجد کی

عمارت کے شمالی جانب ترکوں کے بنے ہوئے برآمدے بھی گرادیئے گئے۔ان کا رقبہ ۶۲۴۰ مربع میٹر تھا۔ان کے ساتھ مزید ۶۰۲۴ مربع میٹر جگہ شامل کر کے نئ توسیع کیلئے ۱۲۲۷۰ مربع میٹر جگہ مہیا ہوگئی۔ترکی تعمیر میں چھت دار گنبد خضرا پر شامل جنوبی مسجد کو رہنے دیا گیا۔ چھت دار مسجد کی پیائش ۴۰۵۶ مربع میٹر تھی،اس مسجد نبوی کی کل پیائش ۱۶۳۲۶ مربع میٹر ہوگئی۔نومبر ۱۹۵۲ عیسوی میں تعمیر کا آغاز ہوا۔ شاہ عبدالعزیز کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شاہ سعود بن عبدالعزیز کے دور میں بھی تعمیر کا کام ہوتا رہا۔اکتوبر ۱۹۵۵ عیسوی میں پانچ کروڑ ریال لاگت سے یہ تعمیر مکمل ہوئی۔ سعود ابن عبدالعزیز نے ۵ ربیع الاول ۱۳۷۵ ہجری/ اکتوبر ۱۹۵۵ عیسوی کو اس مکمل شدہ عمارت کا افتتاح کیا۔

- اس سعودی توسیع میں جو کہ سعودی حکومت کی جانب سے پہلی توسیع تھی، مسجد کی عمارت مستطیل ہوگئی۔ لمبائی ۱۲۸ میٹر اور چوڑائی ۹۱ میٹر تھی اور مسجد کی یہ جدید عمارت مسقف مجیدی مسجد کے شمالی جانب صحن میں بنائی گئی۔اس جدید عمارت کا فرش ٹھنڈے سنگ مرمر سے لگایا گیا۔ صحن کے مشرقی اور مغربی دونوں طرف تین تین برآمدے بنائے گئے۔ صحن کے درمیان میں مشرق سے مغرب تک ایک طویل سلسلہ قائم کیا گیا جس میں تین برآمدے تھے۔ مشرقی جانب باب الملک عبدالعزیز کھلتا تھا اور غربی جانب باب الملک سعود کھلتا تھا۔یہ دونوں بڑے دروازے تین چھوٹے چھوٹے دروازوں سے مل کر بنتے تھے۔اس صحن کی شمالی جانب بھی پانچ برآمدے تھے۔ہر برآمدے کی چوڑائی ۶ میٹر تھی۔ شمالی دیوار میں تین دروازے بنائے گئے تھے۔ کنکریٹ سے بنائی گئی یہ سعودی عمارت کا مضبوط اور بلند و بالا ڈھانچہ ۲۳۲ ستونوں پر قائم تھا۔ مسجد کے ستونوں اور دیواروں کی گہرائی ساڑھے سات میٹر تھی۔ پہلے مسجد میں پانچ مینار تھے،ان میں سے تین

گرادیئے گئے اور مشرقی اور مغربی کونوں پر دو اور مینار بنادیئے گئے۔ہر مینار کی بلندی ۷۲ میٹر رکھی گئی۔اس طرح مسجد کے چار مینار ہوگئے۔

شاہ فیصل کے تعمیر کردہ شیڈ:

- حجاج اور زائرین کی بڑھتی تعداد کی وجہ سے شاہ فیصل نے مسجد کی مغربی جانب نماز کیلئے مزید جگہ حاصل کرنے کا حکم دیا۔لٰہذا مغربی جانب عمارتیں گرادی گئیں اور ان کے مالکوں کو پانچ کروڑ ریال معاوضہ تقسیم کیا گیا۔ زمین کو ہموار کر کے وہاں شیڈ تعمیر کردیئے گئے جن کا رقبہ ۳۵۰۰۰ ہزار میٹر تھا۔ان شیڈوں کا کام ۱۳۹۳ ہجری/ ۱۹۷۳ عیسوی میں شروع ہوا۔(وہ شیڈ ۱۹۸۴ عیسوی کے حج کے بعد مدینہ منورہ حاضری کے موقع پر ہم نے بھی دیکھے تھے۔مفتی رفیق)

دوسری مرتبہ سعودی توسیع:

- ۱۴۰۵ ہجری تا ۱۴۱۴ ہجری مطابق ۱۹۸۴ عیسوی تا ۱۹۹۴ عیسوی۔
- شاہ فہد ابن عبدالعزیز نے مسجد نبوی شریف کی توسیع فرمائی اور مسجد نبوی کی تاریخ میں یہ توسیع سب سے بڑی توسیع شمار کی جاتی ہے۔اس توسیع کے بعد نمازیوں کی گنجائش پہلی سعودی توسیع کے مقابلہ میں نوگنا زیادہ ہے اور اس توسیع میں عمارت کی خوبصورتی قلوب اور اذہان کو حیرت زدہ کردیتی ہے۔یہ تعمیر آئندہ کئی صدیوں تک زائرین اور حجاج کی بڑھتی کثرت کے پیش نظر کافی نظر آتی ہے۔
- شاہ فہد نے اس توسیع کا سنگ بنیاد جمعۃ المبارک ۹ صفر ۱۴۰۵ ہجری (۲ نومبر ۱۹۸۴ عیسوی) میں رکھا۔ابتدائی کام محرم الحرام ۱۴۰۶ ہجری (۱۹۸۵ عیسوی) میں شروع ہوا۔اس کی تکمیل ۱۴۱۴ ہجری/ ۱۹۹۴ عیسوی میں ہوئی۔

اس توسیع کی خصوصیات:

- اس توسیع سے مراد وہ عظیم الشان مسجد کی عمارت ہے جس نے پہلی مرتبہ

سعودی توسیع شدہ مسجد کو تین اطراف سے گھیر رکھا ہے۔ مسجد شریف کا اگلا حصہ جو ترکوں نے تعمیر کرایا تھا، اپنی خوبصورت پرانی حالت پر قائم ہے تاکہ سلطان عبدالمجید دوم کی عمارت قائم رہے اور وہ حصہ صاف الگ نظر آتا ہے۔ اس نئی توسیع کے برآمدے ستون چھتیں اور نقش و نگار پہلی سعودی توسیع کے عین مطابق ہیں۔ لہٰذا اب دونوں عمارتیں ایک عمارت نظر آتی ہیں۔ بیرونی دیواروں پر گرینیٹ (عمارتی پتھر) لگایا گیا ہے۔ اس توسیع میں مسجد شریف کے چھ نئے مینار بنائے گئے ہیں۔ مسجد کی اس عمارت کے نیچے تہہ خانہ یعنی زمین پر موجود مسجد کے فرش کے نیچے تحتانی مسجد بنائی گئی ہے اور اس کے اوپر ایسی چھت جس پر نماز پڑھی جاسکے۔ گویا نماز پڑھنے کیلئے خودکار الیکٹرک سیڑھیوں کے ذریعہ تین منزلہ تحتانی اور زمینی اور سقفی مسجد بنائی گئی ہے۔ اصل مسجد جو زمین کے اوپر ہے اس کی پیمائش ۸۲۰۰۰ ہزار مربع میٹر ہے۔ اس عمارت کے پورے فرش پر سنگ مرمر لگایا گیا ہے۔ اس مسجد کی بلندی ۱۲/۵۵ میٹر ہے اور اس منزل میں ۲۱۰۴ ستون ہیں۔ یہ ستون ایک دوسرے سے ۶، ۶ میٹر دور ہیں تاکہ ۶ x ۶ کے دالان بن سکیں اور جس جگہ چھت گنبد کی صورت میں ہے وہاں ستونوں کا درمیانی فاصلہ ۱۸ میٹر ہے تاکہ ۱۸ x ۱۸ میٹر کے دالان بن سکیں۔ نئی توسیع میں اس قسم کے ستائیس دالان ہیں اور ان کی چھتیں متحرک گنبدوں کی صورت میں بنائی گئی ہیں۔ گنبد ہٹانے سے موسم کی طبعی ہوا اور روشنی حاصل ہوتی ہے۔ ان گنبدوں کا اندرونی نصف قطر ۷.۳۵ میٹر ہے اور ایک گنبد کا مجموعی وزن ۸۰ ٹن ہے۔ گنبدوں کی اندرونی سطح لکڑی سے بنائی گئی ہے جس پر ہاتھ سے کھدائی کرکے مختلف ڈیزائن بنائے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر سونے کی خاص شیٹس لگائی گئی ہیں۔ گنبدوں کی بیرونی سطح گرینیٹ کے طور پر جرمن سرامکس سے بنائی گئی ہے۔ یہ گنبد بجلی سے متحرک اور

کھلتے اور بند ہوتے ہیں۔

- چھت کے اوپر بھی نماز کی ادائیگی کیلئے وسیع صحن بنائے گئے ہیں، جن کی پیمائش ۵۸۲۵۰ مربع میٹر ہے۔ ویسے مکمل چھت کی پیمائش ۶۷۰۰۰ ہزار مربع میٹر ہے۔ قابل استعمال فوقانی چھت پر یونانی سنگ مرمر لگایا گیا ہے جو کہ دھوپ والی جگہوں کیلئے مہیا کی گئی ہے۔ چھت پر تقریباً ۹۰۰۰۰ افراد نماز ادا کر سکتے ہیں۔ چھت کے اوپر ۱۱۰۰۰ مربع میٹر جگہ پر برآمدے بنائے گئے ہیں، جن کی بلندی ۵ میٹر ہے۔ چھت پر بوقت ضرورت دوسری منزل بھی بنائی جاسکتی ہے۔

مسجد کے صحن:

- مسجد کے چھت والے حصہ میں دیواروں کے باہر جنوب شمال اور غربی اطراف وسیع صحن اور کھلے میدان بنائے گئے ہیں۔ جن کی پیمائش ۲۳۵۰۰۰ مربع میٹر ہے۔ ان کے کچھ حصہ کے فرش پر سفید ٹھنڈا سنگ مرمر لگایا گیا ہے جو گرم نہیں ہوتا اور باقی حصوں پر گرینیٹ پتھر کا فرش لگایا گیا ہے۔ ان صحنوں میں روشنی کیلئے مصنوعی پتھر اور گرینیٹ والے ۱۵۱ ستون بنائے گئے ہیں، جن پر بڑے بڑے گلوب لگائے گئے ہیں۔ ان صحنوں میں ۴۳۰۰۰۰ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ ان صحنوں میں متعدد زیر زمین بڑے بڑے وضو خانے اور باتھ رومز اور غسل خانے بنائے گئے ہیں۔ خودکار الیکٹرک سیڑھیوں کے ذریعہ بھی نیچے اترا جاسکتا ہے۔ ان صحنوں اور کھلے میدانوں کے نیچے وسیع بس اسٹینڈ بنائے گئے ہیں۔ گویا صحنوں کے نیچے دو منزلیں ہیں، اب ۱۴۳۲ ہجری/ ۲۰۱۱ عیسوی مسقف مسجد کے ارد گرد مشرقی اور شمالی جانب خودکار چھتریاں بنادی گئی ہیں تاکہ نماز پڑھنے والوں کو سایہ میسر ہو۔ اَللّٰھُمَّ فَزِدْ۔ (رفیق حسنی)

بے مثال توسیع:

• یہ دوسری سعودی توسیع مسجد نبوی کی تاریخ میں سب سے بڑی توسیع ہے۔ پہلی سعودی توسیع کے بعد ۲۸۰۰۰ نمازیوں کی گنجائش تھی۔ اب دوسری توسیع کے بعد ۲۶۸۰۰۰ نمازیوں کی گنجائش ہو چکی ہے اور چھت پر ان میں ۹۰۰۰۰ نمازی شامل ہیں۔ اگر صحنوں کو شامل کرلیں کہ جن میں ۴۳۰۰۰۰ افراد نماز پڑھ سکتے ہیں تو نمازیوں کی مجموعی تعداد ۶۹۸۰۰۰ (چھ لاکھ اٹھانوے ہزار) سے بڑھ جاتی ہے۔ (تاریخ مدینہ از مولانا مبارک پوری)

• الحمدللہ! موجودہ سعودی حکومت کا یہ شاہکار دنیا بھر میں ایک عجوبہ عمارت ہے۔

• جستجوئے مدینہ کے مصنف لکھتے ہیں ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری کو شاہ سعود ابن عبدالعزیز نے جو کہ اپنے باپ کے ولی عہد تھے، مدینہ منورہ کا دورہ کیا۔ ۱۱ شعبان ۱۳۷۲ ہجری میں غربی جانب باب الرحمت کے قریب نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا۔ منصوبے کی تکمیل پر یکم ربیع الاول ۱۳۷۵ ہجری / ۱۹۵۵ عیسوی کو شاہ سعود نے اس کا رسمی افتتاح کیا۔ اس افتتاحی تقریب میں مصر کے شاہ فاروق اور پاکستان کے صدر غلام محمد اور دیگر عمائدین اسلامی نے بھی شرکت کی۔ مسجد کی توسیع میں چند تبدیلیاں لائی گئی تھیں۔ پہلے ابو بکر الصدیق کا ایک دروازہ تھا، اب تین دروازے کردیئے گئے۔ شرقی جانب اسی قسم کا نیا دروازہ باب عبدالعزیز بنایا گیا۔ اس کے بالکل محاذی مغربی جانب اسی قسم کا دروازہ باب السعود بنایا گیا اور شمالی جانب باب التوسل کا نام تبدیل کر کے باب المجیدی رکھا گیا پھر شاہ فیصل مرحوم کے دور میں اس کے حکم سے غربی جانب مکانات خرید کر مسمار کردیئے گئے۔ ان مسمار شدہ مکانات میں سرورِ دو عالم ﷺ کے والد حضرت عبداللہ کا مزار اور

حضرت مالک بن سنان کا مشہد بھی شامل تھا۔ شاہ سعود کی تعمیر والے حصے میں کھلے صحنوں میں بجلی سے کھلنے اور بند ہونے والی چھتریاں نصب کی گئیں۔ شاہ سعود کی توسیع مسجد اور شاہ فہد کی توسیع مسجد کا کام بن لادن کمپنی کو دیا گیا۔

• شاہ فہد کی توسیع میں ستونوں کیلئے بعض جگہ کھدائی ۵۴ میٹر تک چلی گئی۔ لوہے کے لاکھوں ٹن اور جال ان میں بچھائے گئے اور اس کا لحاظ کیا گیا کہ یہ ستون زلزلہ پروف ہوں۔ ان اسٹیل اور لوہے کے خولوں میں خاص قسم کا کیمیائی مادہ ڈالا گیا جس کی وجہ سے صدیوں اسٹیل زنگ آلود نہ ہو۔ تقریباً ۲۱۷۰ ایسے ستون تعمیر کیے گئے۔

• تزیین کے مقاصد کیلئے امیز مائیٹ سنگ مرمر کینیا سے منگوایا گیا۔ ۷۵۰۰۰ مربع میٹر فرش پر برازیل سے چکرو سنگ مرمر منگوایا گیا۔ سفید سنگ مرمر جسے کرا کرہ کہا جاتا ہے، اٹلی کے پہاڑوں سے حاصل کیا گیا جسے زیادہ تر چھتوں اور زینوں پر استعمال کیا گیا۔ یہ سنگ مرمر سخت دھوپ میں بھی ٹھنڈا رہتا ہے۔ دیواروں پر لگی چمکدار ٹائلیں برطانیہ سے درآمد کی گئیں۔ ان ٹائلوں سے باب فہد پر سات مینار مزین کیئے گئے۔ یہاں کھڑے ہو کر ایک طرف سیدنا امیر حمزہ کا مزار مبارک اور دوسری طرف ریاض الجنت نظر آتا ہے۔

• لکڑی کے کام کیلئے مراکش کے جنگلات سے مضبوط برماٹیک (ساگوان) کی لکڑی منگوائی گئی۔ دروازوں کی لکڑی بارسلونا سے منگوائی گئی۔ دھات کے ذریعے خطاطی کا کام اور زیبائشی کام سوئٹزرلینڈ سے کرایا گیا۔ بلند و بالا میناروں پر کراؤن (کلس) چاند مضبوط پیتل سے بنائے گئے۔ پہلے انہیں سوئٹزرلینڈ کی بھٹیوں میں ڈھالا گیا اور پھر ان کلسوں پر ۲۳ قیراط سونے سے ملمع کیا گیا۔ کھڑکیوں اور خوبصورت جالیوں کی ڈیزائننگ اور تیاری اور وارنش جدہ کی ورک شاپوں میں کی

گئی۔ کھڑکیوں کیلئے ساگوان اور اخروٹ کی لکڑی مراکش سے منگوائی گئی۔ قرآنی آیات کی لکھائی کیلئے مصری خطاطوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جنہوں نے منتخب آیات ایک خاص قسم کے اوراق پر لکھیں۔اس کے بعد اس خطاطی کو پولی کاربن کو اسٹینسلوں پر اتارا گیا پھر خاص تکنیکی عمل سے اس خطاطی کو بھورے رنگ کے سنگ مرمر کی ٹائلوں پر اتارا گیا۔ پھر رگڑائی کرائی گئی اور پالش کی گئی پھر ان الواح اور پتھروں کو مسجد شریف کے اندر چہار دیواری اسکرٹنگ کے اوپر چسپاں کر دیا گیا۔ قرآنی آیات کی چاروں دیواروں پر لکھائی کی کل لمبائی چار کلو میٹر بنتی ہے۔ مسجد شریف میں پہلی بار نقاشی اور خطاطی کیلئے کمپیوٹر کو استعمال کیا گیا۔ جن کیلئے بہترین فونٹ اور خطوط کا انتخاب کیا گیا۔ خطاطی کی خوبصورتی ایک دفعہ ہر ناظر کو حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ عامۃ الناس کی سہولت کیلئے مسجد کے چاروں طرف زیر زمین دو منزلہ کار پارکنگ بنائی گئی ہے۔ جہاں مقرر نرخوں کے معاوضہ پر گاڑیاں پارک کی جاسکتی ہیں۔ پارکنگ کی زیر زمین منزل میں ۲۲۲۲ خصوصی گاڑیاں اور ۸۲ بڑی گاڑیاں ٹرک وغیرہ پارک کرنے کی گنجائش ہے جبکہ نچلی منزل پر ۲۲۲۲ کاریں اور ۴۴ بڑی گاڑیوں کی پارکنگ کی گنجائش ہے۔

- خواتین و حضرات کیلئے زیر زمین علیحدہ علیحدہ وضو خانے اور غسلخانے مسجد کے چاروں طرف بنائے گئے ہیں۔ جن سے لاکھوں افراد استفادہ کرتے ہیں۔ غسل خانوں میں فلش کے ذریعہ نکاسی آب کا انتظام کیا گیا ہے۔ حرم النبوی میں ایک پائیدار پانی کی سپلائی کا نظام بنایا گیا ہے۔ وضو کیلئے کل ٹوٹیوں کی تعداد ۲۴۳۲ ہزار ہے۔ پانی کی نکاسی نالیوں کے ذریعے پھر ایک بڑے نالے کے ذریعے مدینہ منورہ کے ارد گرد زرخیز علاقوں کو پانی سپلائی کیا جاتا ہے۔ نکاسی آب کا انتظام اتنا بہترین ہے کہ شدید بارشوں کے ایام میں بھی پانی کا ایک قطرہ کبھی نہیں ٹھہرا۔

دروازے:

- باب السلام سے لے کر جسے باب نمبر (۱) دیا گیا ہے، باب البقیع تک ۸۶ چھوٹے بڑے دروازے ہیں۔ مسجد کی چاروں طرف نمازیوں کی آمد و رفت کیلئے لگائے گئے ہیں۔ پہلے صرف آٹھ دروازے ہوتے تھے مگر تعمیرِ نو میں بڑے مداخل کی تعداد ۲۵ ہو گئی ہے جن میں ۶۵ دروازے نصب ہیں۔ تہہ خانوں کو جانے کیلئے علیحدہ دروازے ہیں۔ صدر دروازوں کو بار سلونا میں ڈیزائن کیا گیا اور بنایا گیا ان میں استعمال ہونے والے دھات کے حصے فرانس میں تیار ہوئے تھے۔ ہر صدر دروازہ کا وزن اڑھائی ٹن ہے لیکن ان کی تنصیب اس انداز سے کی گئی ہے کہ صرف ایک آدمی بھی باآسانی کھول اور بند کر سکتا ہے۔ مسجد شریف کی چھت پر چڑھنے کیلئے ۱۸ عدد سیڑھیاں ہیں، چھت کیلئے سیڑھیوں کے ذریعہ دروازے ایام حج اور رمضان المبارک میں یا پھر نماز جمعہ اور عیدین کے دنوں میں کھولے جاتے ہیں۔ کمزور اور بوڑھوں کیلئے الیکٹرک سیڑھیاں موجود ہیں۔اس بڑی توسیع سے پہلے چار مینار ہوا کرتے تھے، اب ان کی تعداد دس ہو گئی ہے۔ نئے تعمیر شدہ مینار ناظرین کو دور سے نظر آتے ہیں۔ مسجد شریف کے نئے حصے میں کل ۲۵۶۷ ستون ہیں جن میں ۲۰۱۷ ستونوں کا قطر ۶۴ سنٹی میٹر ہے جبکہ باقی ۵۵۵ ستون مختلف حجموں میں ہیں۔ جب ایک نو مسلم جرمن انجینئر نے مسجد شریف کے صحن میں آٹو میٹک کھلنے اور بند ہونے والی چھتریاں ڈیزائن کیں اور نصب کر دیں تو اس نے سرکنے اور متحرک گنبدوں کی تجویز پیش کی۔ خادم الحرمین الشریفین کی منظوری کے بعد ایسے گنبد ۲۷ عدد تیار کیے گئے۔ ہر گنبد کا وزن ۸۰ ٹن ہے۔ کینیا سے درآمد کردہ امیز و نائیٹ سنگ مرمر سے ان کے اندرونی حصوں میں نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ ان گنبدوں میں بعض حصے خالص سونے سے ملمع کیے گئے ہیں۔

یوں ہر گنبد میں اڑھائی کلو گرام سونا استعمال کیا گیا ہے۔ ان گنبدوں کے باہر جرمنی سے درآمد شدہ ٹائلیں لگائی گئی ہیں۔

● مسجد میں سردی اور گرمی کی مناسبت سے پیچیدہ ایئر کنڈیشنگ کا نظام نصب کیا گیا ہے۔ جس میں چیلر یونٹ دنیا میں کسی بھی عمارت میں استعمال ہونے والے سب سے بڑے یونٹ ہیں، پارک کمپنی نے مدینہ طیبہ سے سات کلومیٹر باہر دور دنیا کے سب سے بڑے چیلر یونٹ کی تنصیب کی۔ جہاں سے زیر زمین سرنگ میں سے نالیوں کے ذریعے ٹھنڈا پانی مسجد نبوی شریف کے تہہ خانوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ دارالعقیق کے اس پار واقع اس چیلر کمپلیکس کا رقبہ ۷۰۰۰ (سات ہزار) کلومیٹر ہے۔ مسجد سے دور اس کمپلیکس کے بنائے جانے کا مقصد یہ تھا کہ مسجد کے ارد گرد کا علاقہ بہت قیمتی ہو چکا تھا اور اس کی تجارتی قیمت کروڑوں ریالوں تک پہنچ چکی تھی نیز اہل مدینہ کو چیلر کے چلنے کے شور و غوغا سے بچانا تھا۔

● مسجد شریف میں ایئر کنڈیشننگ (Air Conditioning) کیلئے سات بڑے بڑے یونٹ نصب ہیں۔ پانچ ہمہ وقت چالو رہتے ہیں اور دو احتیاطی طور پر بند رہتے ہیں تاکہ ایمرجنسی کے وقت کام آسکیں۔ چلر پلانٹ سے مسجد شریف تک ٹھنڈا پانی صرف چند سیکنڈ میں ۱۳۶۰۰ گیلن فی فٹ کے حساب سے پہنچ جاتا ہے۔ جہاں بڑے بڑے کنڈیشنروں کے ذریعے ہوا کو ٹھنڈا کر کے نالیوں کے ذریعے اوپر لے جایا جاتا ہے۔ ۴۵۰ ہارس پاور کے بڑے بڑے بلور اس ٹھنڈی ہوا کو ان کے مخرجوں اور جالیوں تک اوپر لے جاتے ہیں۔ چلنگ پلانٹ میں فی گھنٹہ ۱۷۰۰۰ (سترہ ہزار) ٹن ہوا کو ٹھنڈا کرنے کی گنجائش ہے۔ جہاں تک مسجد شریف کے پرانے حصے کا تعلق ہے وہاں اب بھی بجلی کے پنکھے چلتے ہیں اور یہ آج کل یعنی ۲۰۰۳ عیسوی میں محمد دین پاکستانی کے نیشنل پنکھے خدمت مہیا کر رہے

ہیں۔ (جستجوئے مدینہ)

● ہر ستون کے نچلے حصہ میں پیتل کی جالیاں لگائی گئی ہیں جو کہ نہایت خوبصورت ہیں۔ انہی سے ایئر کنڈیشنوں کی ٹھنڈی ہوا مسجد میں خارج ہوتی ہے۔ مسجد میں ٹھنڈی ہوا اتنی وافر مقدار میں پہنچائی جاتی ہے کہ مسجد سے دور دور تک اس کی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے۔

● پانی اور ایئر کنڈیشننگ کے نظام کی طرح بجلی کے علاوہ مسجد نبوی شریف کا الگ پاور جنریٹنگ پلانٹ (Power Generating Plant) بھی ہے جس میں ۱۲۵۰۰۰ (ایک لاکھ پچیس ہزار) کیلوواٹ بجلی پیدا کرنے کی گنجائش ہے جو کہ احتیاطی تدابیر پر نصب ہے تاکہ ایمرجنسی کی صورت میں بجلی کی سپلائی منقطع نہ ہو۔ یہ نظام خودکار الیکٹرونک ذرائع سے یا مشینی ذرائع سے ہاتھ سے چلایا جاتا ہے۔

● مسجد شریف میں روشنی کیلئے خوبصورت فانوس نصب کیے گئے ہیں۔ یہ تمام فانوس جدہ کی ایک فیکٹری میں بنائے گئے تھے۔ مسجد شریف کے فانوسوں میں مسجد کے تقدس کے پیش نظر نہایت ہی دیدہ زیب انداز میں قرآنی آیات لکھی گئی ہیں۔ مسجد شریف میں کل ۶۸ فانوس ہیں۔ ان میں پیتل پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہے۔ میناروں پر اتنی روشنی پڑتی ہے کہ رات کو کئی میل دور سے یہ مینار نظر آتے ہیں۔

● مسجد شریف میں سیکورٹی نظام کیلئے مختلف جگہوں پر کافی اونچے کیمرے نصب ہیں جو کہ کلوز سرکٹ ٹیلی ویژن کے ذریعے سیکورٹی ہیڈ کوارٹر سے منسلک ہیں۔ چوبیس گھنٹے مسجد کے اندر اور مسجد کے باہر نقل و حرکت پر نظر رکھتے ہیں۔ اگر کہیں تنازع یا مشکوک اجتماع ہو تو فوراً پولیس اور مطوعے پہنچ جاتے ہیں۔

• مسجد شریف میں نہایت جدید صوتی نظام اور ٹیلی ویژن نظام بھی نصب ہے جو کہ براہ راست ریڈیو اسٹیشن سے منسلک ہے۔ جسکو بوقت ضرورت سعودی ٹیلی ویژن کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے۔ خاص مواقع مثلاً عیدین اور تراویح کے وقت سعودی عرب اور دنیا کی دیگر نیٹ ورکوں سے ملایا جاسکے اور عامۃ المسلمین اس کی نشریات سے مستفید ہو سکیں۔

• حادثات سے بچاؤ کیلئے دفاع المدنی کے زیر اہتمام مسجد شریف میں ۶۵ مختلف مقامات پر پانی کے پائپ اور آگ بجھانے کے آلات نصب ہیں۔ بروقت اقدام کیلئے سیکورٹی نظام مسجد شریف کی تینوں اطراف کام کرتا ہے۔ کسی نمازی کو اچانک حادثہ پیش آنے کی صورت میں فوری طبّی امداد کا بندوبست ہے اور ایمبولینس فوراً پہنچ جاتی ہے۔ مسجد کے طول و عرض میں وائرلیس سیٹ بردار کارندے ہر وقت پھرتے رہتے ہیں اور ہر بات پر نظر رکھتے ہیں۔

• مسجد شریف کے اندر مکہ مکرمہ سے آب زم زم منگوا کر واٹر کولروں میں بھرا رہتا ہے اور ہر وقت ٹھنڈا آب زم زم دستیاب ہوتا ہے۔

• چونکہ مسجد شریف کا رقبہ پہلے کی نسبت سے دس گنا بڑھ گیا ہے اور مسجد شریف سے باہر کے خالی صحن بھی مسجد کے حکم میں ہیں، اس لئے صفائی کا ٹھیکہ سعودی کمپنیوں کو دے دیا جاتا ہے۔ اندر تو عموماً صفائی چھوٹے ویکیوم کلینروں یا چھوٹی مشینوں کے ذریعہ کی جاتی ہے مگر باہر کی جانب بڑی بڑی مشینیں استعمال ہوتی ہیں۔ دیواروں سے گرد و غبار جھاڑنے کیلئے خاص گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں جن پر چھوٹی چھوٹی کرینیں نصب ہوتی ہیں۔ صفائی کا عملہ ہر وقت مصروف کار رہتا ہے۔ صفائی کا انتہائی اچھا انتظام دیکھ کر انسانی عقل محوِ حیرت ہو جاتی ہے۔

• مسجد شریف کے لئے بچوں کی تعلیم کا سلسلہ حسب سابق جاری ہے۔ مسجد

کے مختلف حصوں میں بچوں کی کلاسیں حفظ و ناظرہ کیلئے جمع رہتی ہیں۔

• باب عثمان بن عفان کے اوپر بہت بڑی لائبریری قائم ہے جس میں تاریخ مدینہ پر نادر کتب موجود ہیں اور قدیم لائبریریوں سے قلمی نسخے اور مخطوطے بھی جمع کرکے اس لائبریری میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

• مسجد کے اوپر بھی کئی منزلیں بنائی جاسکتی ہیں تاکہ مستقبل میں حجاج اور زائرین کی کثرت کے پیش نظر جگہ کی ضرورت ہو تو اوپر منزلیں بنائی جاسکیں۔

• ماسٹر پلان کے مطابق چودہ سال سے مسجد شریف کی تعمیر کا کام مکمل ہو چکا ہے مگر گرد و نواح میں تجارتی بنیادوں پر فور اسٹار اور فائیو اسٹار اور سیون اسٹار ہوٹلوں اور قیام گاہوں کی تعمیر جاری ہے۔ عنابیہ اور سمانیہ کی قدیم آبادی کو صاف کرکے وہاں بڑے بڑے تجارتی پلازے بنائے جارہے ہیں۔

• جس طرح پہلے بیان ہو چکا ہے مسجد میں پہلے ۱۸ مدخل تھے جہاں سے لوگ مسجد میں داخل ہوتے تھے مگر اب ۸۱ مدخل بنائے گئے ہیں، جن میں آٹھ تو صرف تہہ خانوں میں جانے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔

سعودی حکومت کی عقائد میں سختی:

• مدینہ منورہ مختلف ادوار میں مختلف سلطنتوں کے ماتحت رہا اور ہر دور میں ہر سلطنت کی جانب سے مسجد نبوی شریف کی دیکھ بھال ہوتی رہی مگر سعودی دور میں مسجد شریف کی خدمات اور تعمیر اور توسیع کی مثال ملنا مشکل ہے۔ کاش سعودی حکومت جنت البقیع اور قبور مطہرہ کو مسمار کرنے والی نہ ہوتی اور آداب نبوی اور تعظیم و تکریم انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو شرک قرار نہ دیتی اور آثار نبوی اور صحابہ کرام کو ختم نہ کرتی تو اس حکومت کی جانب سے حرمین طیبین کی خدمات ایک ایسی مثال تھی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

• سعودی حکومت نے اپنے عقیدہ کی سختی کی وجہ سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو جس عقیدہ کی تعلیم دی اور پیغام دیا وہ انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاء کرام کی وفات کے بعد ان کی مزارات کی تعظیم اور تکریم کو شرک قرار دینا ہے۔ اس سختی میں غلو کی بنیاد پر آثار نبوی اور قبور مطہرہ کو مسمار کیا گیا۔ مگر اس کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ عشق اور محبت کا دعویٰ کرنے والے جاہلوں کی مزارات پر بدعات اور رسومات سے نجات مل گئی۔ اگر موجودہ حکومت نہ ہوتی تو آج گنبد خضراء اور کعبہ مطہرہ کے سامنے ڈھول ڈھمکے کے ساتھ مردوزن کے اختلاط کے ساتھ قوالیاں ہو رہی ہوتیں۔ جیسا کہ پاکستان میں اولیاء کرام کے مزارات پر ہو رہا ہے۔ مگر آج سخت حکومت کا نتیجہ یہ ہے کہ دن رات حرمین طیبین میں قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی ہوتی ہے۔ تاریخ کی بعض کتابوں میں مذکور ہے، ترکوں کے آخری دور میں قافلے شام اور متعدد علاقوں سے مدینہ منورہ حاضری کیلئے ڈھول ڈھمکوں کے ساتھ حاضر ہونے لگے تھے۔ شاید سخت وہابی حکومت کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے حرمین طیبین پر مسلط کر دیا ہے۔ مگر اتنی سخت کہ آثار متبرکہ اور قبور مطہرہ کو بھی مسمار کر دیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (محمد رفیق حسنی عفی عنہ)

مسجد نبوی شریف کے متعلق چند متفرق معلومات:

• سرورِ دوعالم ﷺ کے دور مبارک میں عبادات کے علاوہ اس مسجد میں دین اور دنیا کے معاملات کے فیصلے بھی کیے جاتے تھے۔ وفود سے ملاقات اور مذاکرات بھی مسجد میں ہوتے تھے۔ گویا مدینہ منورہ دارالخلافت تھا اور مسجد نبوی شریف مرکزی دفتر اور اسمبلی ہال اور سپریم کورٹ کی عدالت بھی تھی۔ یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک دارالخلافہ مدینہ منورہ سے کوفہ اور کوفہ کے بعد دمشق منتقل نہیں ہوا۔ سیدنا ابو بکر کے ساتھ سرورِ دوعالم ﷺ کے وصال کے

بعد کھلے عام بیعت مسجد شریف میں ہوئی۔ اگرچہ پہلے سقیفہ بنی ساعدہ میں بعض صحابہ کرام نے آپ کی بیعت کرلی تھی، اس کے بعد حضرت عمر الفاروق اور حضرت عثمان بن عفان اور حضرت علی کی بیعت خلافت بھی مسجد شریف میں ہوئی۔ سیدنا عمر فاروقؓ کی شہادت اور نماز جنازہ اور حضرت ابو بکرؓ کی نمازِ جنازہ مسجد میں ہوا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت مسجد سے باہر ان کے گھر واقع ہوئی اور نمازِ جنازہ مسجد سے باہر پڑھی گئی۔ حضرت علیؓ کی شہادت کوفہ میں ہوئی اور نمازِ جنازہ ان کے گھر میں ہوئی۔ متعدد صحابہ کرام کی نماز جنازہ مسجد شریف میں ہوتی رہی حتیٰ کہ حضرت سعد ابن وقاص کی نماز جنازہ بھی مسجد میں پڑھی گئی مگر بعد میں نماز جنازہ باب جبرئیل سے باہر جنازہ گاہ میں پڑھی جاتی تھی۔

مسجد کے فرش کی سطح:

• مصر کے مملوک سلطان بیبرس نے چوتھا منارہ جسے سلیمان ابن عبدالملک نے گرادیا تھا، دوبارہ بنایا اور اس منارہ کیلئے جب زمین میں کھدائی کی گئی تقریباً کھدائی پانچ چھ فٹ نیچے گئی تو مسجد شریف کا وہ فرش ظاہر ہو گیا جو حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے گورنری کے دور میں تھا۔ فرش پر کالے رنگ کی ریت ڈلی ہوئی تھی جو کہ وادی بطحان سے لی گئی تھی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مسجد شریف کا فرش اونچا کر دیا تھا تاکہ بارشوں کے موقعہ پر پانی مسجد میں نہ آئے اور مشرقی دیوار کو بھی اونچا کر دیا تھا۔ جب ۸۸۱ ہجری میں قبور مطہرہ کے حجرہ کو دوبارہ بنایا گیا تھا تو اس وقت ملبہ ہٹانے کے بعد حجرہ مبارکہ کا اصل فرش ظاہر ہوا تھا جو کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی پنجگوشہ عمارت کے باہر کے فرش سے ڈیڑھ ہاتھ یعنی پونا میٹر نیچے تھا۔ جس طرح امام سمہودی نے تحریر کیا ہے کہ پنجگوشہ عمارت کا باہر کا فرش مسجد شریف کے فرش سے ڈیڑھ ہاتھ نیچے تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حجرہ مبارکہ

کے اندر کا فرش مسجد کے فرش سے تین ہاتھ (ڈیڑھ میٹر) نیچے تھا۔ یہ ڈیڑھ میٹر کا تفاوت ۸۸۱ ہجری میں تھا۔ اب جبکہ چھ صدیاں گزر چکی ہیں، اس دوران مسجد شریف کو کم از کم تین مرتبہ تعمیر کیا گیا ہے۔ دوبار عثمانی ترکی دور میں اور ایک بار سعودی دور میں اور ہر بار اس پر سنگ مرمر کا فرش بچھایا گیا ہے، اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ حجرہ مبارکہ جو قبور مقدسہ پر مشتمل ہے، کے فرش اور مسجد کے فرش میں کتنا تفاوت بڑھ گیا ہوگا۔

• پچھلے پانچ چھ سو سال میں مسجد کا فرش اتنا اونچا ہو گیا ہے کہ باب جبرئیل سے باہر قدیم آبادیوں حارۃ الاغوات اور دیگر تاریخی عمارتیں جو ۱۹۸۰ تک اچھی حالت میں موجود تھیں، ان کے دروازوں کے سامنے گذرنے والی تنگ گلیوں کو بھی مسجد کے فرش کی بلندی کے برابر لایا گیا تھا جس کی وجہ سے مکانات کے دروازے آدھے نظر آتے تھے اور آدھے دروازے زیر زمین چلے گئے تھے۔ ان دروازوں سے مکانات میں داخل ہونے کیلئے جھک کے گذرنا پڑتا تھا۔ اسی لئے عبدالقدوس انصاری لکھتے ہیں کہ سڑکوں اور گلیوں کی سطح اتنی بلند ہو گئی ہے کہ مکانات میں داخل ہوتے وقت یا تو چھلانگ لگانا پڑتی ہے یا پھر پتھروں کی سیڑھیوں کے ذریعے نیچے اترنا پڑتا ہے۔ (آثار المدینہ)

• انہوں نے اپنی کتاب ۱۳۵۳ ہجری / ۱۹۳۳ عیسوی میں تحریر کی تھی۔ انصاری صاحب لکھتے ہیں، جب ۱۳۳۵ ہجری / ۱۹۱۵ عیسوی میں فخری پاشا نے سوق المناخہ کے علاقے میں کھدائی کا حکم دیا تھا، جو کہ مسجد شریف سے غربی علاقہ تھا تو دوران کھدائی زیر زمین ایسے مکانات دریافت ہوئے جن میں انسانوں کی ضروریات موجود تھیں اور دیواروں کے ساتھ کپڑے لٹکے ہوئے تھے اور بوسیدہ ہو چکے تھے۔ انصاریؒ صاحب لکھتے ہیں، عین ممکن ہے موجودہ مدینہ شریف کی

زمینی سطح اتنی بلند ہو گئی ہے کہ قدیم مدینہ منورہ کے مکانات دفن ہو کر رہ گئے ہوں۔

آٹومیٹک کھلنے اور بند ہونے والی چھتریاں:

• قدیم مسجد نبوی شریف کی شمالی جانب دو بڑے کھلے صحن ہیں۔ اس حصے میں ٹیفلون کے مادے سے بنی دبیز چادر سے خوبصورت چھتریاں نصب کی گئی ہیں۔ جب آہستہ آہستہ کھلتی ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے پھول اپنی پنکھڑیاں کھول رہا ہے۔ یہ چھتریاں نمازیوں کو موسمی اثرات سردی اور گرمی سے بچاتی ہیں۔ جب مکمل کھل جاتی ہیں تو خوبصورت ستونوں کا منظر پیش کرتی ہیں۔ جرمنی کی کمپنی بوڈوریش نے یہ چھتریاں ڈیزائن کیں اور بورو ہیپولڈ نے بنائیں۔ ان چھتریوں کی کل تعداد بارہ (۱۲) ہے۔ ہر صحن میں چھ چھ چھتریاں ہیں۔ ہر چھتری ۳۰۰ مربع میٹر کو گھیر لیتی ہے۔ ہر چھتری کے نیچے چار چار فانوس لگے ہوئے ہیں۔ اگر بجلی کا نظام معطل ہو جائے تو بھی یہ چھتریاں سورج سے توانائی حاصل کر کے چلتی رہتی ہیں کیونکہ چھتریوں کے اوپر سولر سیلز لگائے گئے ہیں جو ری چارج ایبل بیٹریوں میں شمسی توانائی جمع کرتے رہتے ہیں۔ (جستجوئے مدینہ)

• آج ۲۰۱۲ عیسوی مطابق ۱۴۳۳ ہجری میں سعودی حکمران ملک عبداللہ بن عبدالعزیز نے مسجد شریف کے باہر تین اطراف مشرق، شمال اور مغرب میں اسی قسم کی بیشمار چھتریاں نصب کرادی ہیں۔

مسجد شریف میں تاریخی دلچسپ معلومات:

ماہ ربیع الاول کی برکت:

• ماہ ربیع الاول مسجد مصطفوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حق میں نہایت اہم مہینہ ہے۔ مسجد شریف کی خشت اول سرورِ دو عالم ﷺ نے یکم ہجری ربیع

الاول میں رکھی۔ فتح خیبر کے بعد تعمیرِ نَو میں دوبارہ خشت اول بھی سرورِ دو عالم ﷺ نے ماہ ربیع الاول ۷ ہجری میں رکھی۔ سیدنا عمر الفاروق نے توسیع اور تعمیرِ نو بھی ۱۷ ہجری میں ماہ ربیع الاول میں شروع فرمائی۔ حضرت عثمان نے بھی تعمیر نو ماہ ربیع الاول ۲۹ ہجری میں شروع فرمائی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی توسیع کی ابتداء ماہ ربیع الاول ۸۸ ہجری میں فرمائی۔ سلطان اشرف قانیبائی نے بھی تعمیر نو کی ابتداء ربیع الاول ۸۸۷ ہجری میں رکھی۔ شاہ سعود نے اس توسیع کی ابتداء بھی ربیع الاول ۱۳۷۲ ہجری میں کی اور منصوبہ کا باقاعدہ افتتاح ۱۳ ربیع الاول ۱۳۷۵ ہجری کو کیا گیا۔

- مسجد نبوی شریف میں قدیم ترین تعمیر وہ پنج گوشہ عمارت ہے جسے حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے قبور مبارکہ کے حجرہ کے ارد گرد بنایا تھا۔ یہ عمارت آپ کی گورنری ۸۸ تا ۹۱ ہجری کے زمانہ میں بنائی گئی۔
- جانب قبلہ قدیم مسجد اور اس میں جو کام کروایا گیا ہے یہ کام ترکی سلطان عبدالمجید دوم ۱۲۶۵ تا ۱۲۷۷ ہجری کے دور کی یادگار ہے۔
- مقصورہ شریف سبز جالی والے حصے کی بنیادیں اور وہ ستون جن پر سبز گنبد قائم ہے، یہ سلطان قانیبائی کے دور ۸۸۷ ہجری کی یادگار ہے۔
- مقصورہ شریف کی سبز جالی اور مواجہہ شریف کے سامنے سنہری جالی مصری شاہ ظاہر بیبرس ۶۶۸ ہجری کی یادگار ہے۔ پہلے لکڑی کی جالی لگائی گئی تھی جو آگ لگنے کی وجہ سے جل گئی تھی۔ ۶۹۴ ہجری میں سلطان زین الدین کتبغا نے مرمت کرائی۔
- موجودہ سبز گنبد ترکی سلطان عبدالحمید عثمانی نے ۱۲۳۳ ہجری میں تعمیر کرایا۔ پہلی بار اس پر سبز رنگ کرایا۔ پہلے ادوار میں گنبد نیلگون اور پھر سفید رنگ کا ہوتا

تھا۔

- گنبد خضراء کے قریب مینارہ رئیسہ سلطان اشرف قانیبائی ۸۸۸ ہجری کی یادگار ہے۔ باب السلام کا مینار اس وقت قدیم ترین مینار ہے جسے سلطان ناصر محمد قلاوون نے ۷۰۶ ہجری میں تعمیر کروایا۔ اس سے پہلے اس جگہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مینار بنایا تھا مگر سلیمان ابن عبدالملک نے گرادیا تھا۔ پھر چھ سو سال تک یہاں مینار نہیں تھا۔
- محراب نبوی موجودہ صورت میں سلطان اشرف قانیبائی نے ۸۸۸ ہجری تا ۸۹۰ ہجری تعمیر کرایا۔ پھر سعودی دور میں اسکی تزیین اور آرائش کی گئی۔ یہ محراب حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے قائم کیا تھا۔
- محراب عثمانی کو خوبصورت انداز میں ۸۸۸ ہجری — ۸۹۰ ہجری میں سلطان قانیبائی نے تعمیر کرایا۔
- سنگ مرمر کا مکبریہ جس پر آج کل اذانیں دی جاتی ہیں، سلطان اشرف قانیبائی نے بنوایا تھا۔
- دوسرا صحن شاہ سعود بن عبدالعزیز کے دور ۱۹۵۲ عیسوی میں بنا تھا۔
- اس کے علاوہ باقی کام شاہ فہد ابن عبدالعزیز کے دور میں ہوئے۔
- موجودہ منبر شریف سلطان مراد کا بھیجا ہوا ہے۔ اس سے پہلے سنگ مرمر سے بنا ہوا منبر سلطان قانیبائی نے ۸۸۸ ہجری میں بھیجا تھا۔ آج کل وہ منبر شریف مسجد قباء میں زیر استعمال ہے۔

خاکِ پائے اہل مدینہ
محمد رفیق حسنی
عفی عنہ

جنابِ سرورِ دوعالم ﷺ کے وصال مبارک کی تفصیل

- ✓ حضور ﷺ کا اپنے وصال کی تاریخ کے اشارات دینا
- ✓ حضور اکرم ﷺ کے وصال کی تفصیل
- ✓ جماعت کے ساتھ آخری نماز
- ✓ حضور اکرم ﷺ کے وصال کی تاریخ کی تحقیق
- ✓ آیات جن میں سرورِ دوعالم ﷺ کو وصال کی خبر
- ✓ آپ ﷺ کے وصال پر صحابہ کرام کی حالت
- ✓ آپ ﷺ کے خلیفہ کا انتخاب
- ✓ آپ ﷺ کے غسل کی کیفیت
- ✓ آپ ﷺ کے کفن کا بیان
- ✓ آپ ﷺ پر نمازِ جنازہ کا بیان
- ✓ آپ ﷺ کی تدفین کا بیان

جنابِ سرورِ دوعالم ﷺ کے وصال مبارک کی تفصیل

- آپ ﷺ کا وصال مبارک بارہ (۱۲) ربیع الاول ۱۱ ہجری بمطابق مئی ۶۳۲ عیسوی بروز پیر صبح، دوپہر سے پہلے تقریباً چاشت کے وقت واقع ہوا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

- صحیح روایات کے مطابق وصال مبارک کے دوسرے دن بدھ کی رات آپ ﷺ کو قبر انور میں اتارا گیا۔(کتب سیر وحدیث)

حضور ﷺ کا اپنے وصال کی تاریخ کے اشارات دینا:

سن ۱۰ ہجری میں آپ نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرام اور صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ ماہ ذی الحج میں حج ادا فرمایا اور نو ذی الحج بروز جمعۃ المبارک میدانِ عرفات میں قیام کے دوران عصر کی نماز کے بعد اپنی اونٹنی عضباء پر خطبہ حجۃ الوداع ارشاد فرمایا۔ اور اسی دن قرآن مجید کی آیت ''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا'' (سورہ مائدہ:۳) نازل ہوئی۔ آپ ﷺ نے دورانِ خطبہ اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ اکثر صحابہ کرام دین کی تکمیل اور اتمامِ نعمت اور دین کے اسلام کی نام پر نامزدگی اور رضوان کی خبر ملنے پر خوش ہوئے مگر حضرت عمر فاروق ؓ رونے لگے۔ سرورِ دوعالم ﷺ نے پوچھا: عمر کیوں روتے ہو؟ عمر نے عرض کیا: آج تک دینی احکام میں زیادتی ہوتی رہی اب دین مکمل ہو گیا ہے اور جب بھی کوئی امر مکمل ہو جاتا ہے تو اس کے بعد کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: آپ نے سچ کہا۔(قرطبی، سورہ مائدہ، آیت ۳)

- ۱۰ ذی الحج کو منیٰ میں آپ ﷺ نے ایک سو اونٹوں کی قربانی ادا فرمائی مگر

ان میں سے تریسٹھ اونٹ خود اپنے مبارک ہاتھوں سے ذبح فرمائے۔ اونٹوں کو صحابہ کرام نے گھیرے میں لے رکھا تھا، جب اونٹوں نے خاتم الانبیاء ﷺ کے مبارک ہاتھ میں آلۂ ذبح (چھری) دیکھی اور اونٹوں کو علم ہوا کہ آج ہماری گردن سید المرسلین اپنے ہاتھوں سے کاٹیں گے تو اونٹ خوشی سے مچلنے لگے۔ ہر اونٹ کی خواہش تھی کہ یہ سعادت پہلے میں حاصل کروں۔ چنانچہ صحابہ کرام جب کسی اونٹ کو حصار سے نکلنے دیتے وہ اونٹ دوڑتا ہوا سرورِ دوعالم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر آرام سے کھڑا ہو جاتا۔ نہ اسے پکڑنے کی ضرورت ہوتی اور نہ باندھنے کی۔ سرورِ دوعالم ﷺ "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ" پڑھ کر نحر فرمادیتے اور اس کی گردن سینے کے قریب سے کاٹ دیتے۔ وہ اونٹ گر جاتا۔ باقی کام صحابہ کرام سنبھالتے۔ اس طرح آپ ﷺ نے تریسٹھ (۶۳) اونٹ ذبح کیے۔ پھر اس کے بعد چھری حضرت علیؓ کو دے دی۔ باقی سینتیس (۳۷) اونٹ حضرت علیؓ نے ذبح فرمائے۔

- حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں ایامِ منیٰ میں جب "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ...الخ" سورہ نازل ہوئی تو سرورِ دوعالم ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو طلب فرمایا اور انہیں پست آواز میں یہ اطلاع فرمائی کہ مجھے اپنی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ حضرت فاطمہ رونے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا نہ روئیں کیونکہ میری آل میں سے سب سے پہلے میرے ساتھ تو ملے گی۔ آپؓ ہنس پڑیں۔ حضرت فاطمہؓ کو اس حالت میں حضرت عائشہؓ نے دیکھ لیا اور پوچھا: اے فاطمہ! میں نے تجھے دیکھا پہلے تو روئی اور پھر ہنس پڑی؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا: بیشک رسول اللہ ﷺ نے مجھے خبر دی ہے کہ ان کو وصال کر جانے کی خبر دی گئی ہے تو میں رونے لگی پھر مجھے فرمایا مت روئیں کیونکہ تو میرے بعد سب

گھر والوں میں سے پہلے میرے پاس آئے گی تو میں ہنس پڑی۔ (مشکوٰۃ، حدیث ۵۹۶۹) چنانچہ ایسے ہی ہوا کہ سرورِ دوعالم ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کا وصال ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

- حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے، آپ ﷺ وصال سے پانچ دن پہلے منبر پر تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے سر پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ایک عبد کو اختیار دیا ہے اس کے درمیان کہ اسے دنیا کی زینتوں سے بندہ جو چاہے عطا کرے (یعنی طویل حیات کے ساتھ دنیا میں باقی رہنا اور دنیا کی زینتوں سے نفع اٹھانا) اور ان نعمتوں کے درمیان جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں (یعنی آخرت اور اس میں تیار کی گئیں نعمتیں)۔ اُس بندے نے ان نعمتوں کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اپنی طرف سے تیار کر رکھی ہیں۔ اس ارشاد مبارک کو سن کر ابو بکرؓ رونے لگے اور کہنے لگے "ہمارے آباء اور ہماری امہات آپ پر فدا ہوں۔" حضرت ابو سعید فرماتے ہیں، ہم حیران ہوئے اور ابو بکر کے رونے سے ہمیں تعجب ہوا۔ لوگ کہنے لگے، اس شیخ کی طرف دیکھو کہ رسول اللہ ﷺ ایک ایسے عبد کی خبر دے رہے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا ہے اور یہ شیخ کہتا ہے، ہمارے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں۔ پھر معلوم ہوا عبد مخیر خود رسول اللہ ﷺ تھے اور ابو بکر ہم سب سے زیادہ علم والے تھے۔ (حدیث ۵۹۵۷ مشکوٰۃ)

- حضرت عقبہ ابن عامر سے روایت ہے کہ آٹھ سال بعد سرورِ دوعالم ﷺ نے (دوبارہ) شہداءِ احد پر اسی طرح نماز پڑھی جس طرح زندوں اور مردوں سے الوداع کرنے والا نماز پڑھتا ہے۔ (حدیث کے الفاظ سے نماز پڑھنا مفہوم ہوتا ہے، ہو سکتا ہے دعا مراد ہو) پھر آپ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا میں

تمہارے لئے فرط (یعنی تم سے پہلے جانے والا) ہوں گا اور تمہارے اوپر گواہ ہوں گا اور تمہارے ساتھ ملاقات کیلئے وعدہ کی جگہ حوض ہے اور بیشک میں حوض کو دیکھ رہا ہوں حالانکہ میں اسی مقام پر ہوں اور بیشک مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں اور بیشک میں تمہارے اوپر اس امر کا خوف نہیں کرتا کہ میرے بعد تم شرک کرو گے لیکن تمہارے اوپر دنیا کی محبت کا مجھے ڈر ہے کہ تم اس میں نہایت رغبت کرو گے اور باہم ایک دوسرے کو قتل کرو گے پس تم ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ (مشکوٰۃ: ۵۹۵۸)

- حضرت عبداللہ ابن عمرو سرورِ دو عالم ﷺ کے غلام حضرت ابی مویہبہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابی مویہبہ نے بیان فرمایا کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے مجھے رات کے ایک حصہ میں بیدار کیا اور فرمایا، اے ابو مویہبہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل بقیع کیلئے مغفرت کی دعا کروں، میں آپ کے ساتھ گھر سے نکلا۔ ہم جنت البقیع میں آئے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور اہل بقیع کیلئے طویل وقت تک استغفار فرماتے رہے پھر فرمایا: اے اہل بقیع تمہارے لئے مبارک ہے، اس صبح جس میں تم صبح کرو گے، ان لوگوں سے جو صبح کریں گے مگر اس صبح میں فتنے متوجہ ہوں گے۔ یہ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے۔ ان فتنوں کا آخر پہلے کے پیچھے (متصل) ہے اور آخری فتنہ پہلے فتنہ سے زیادہ برا ہے۔ اے ابو مویہبہ مجھے دنیا کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں اور دنیا میں ہمیشہ رہنے پھر جنت میں جانے یا پھر ابھی اپنے رب سے ملاقات اور جنت میں جانے کے درمیان مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہو جائیں، آپ دنیا کے خزائن کی چابیاں اور دنیا میں ہمیشہ رہنا لے لیں پھر جنت لے لیں۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا اے ابو مویہبہ میں نے اپنے رب کی ملاقات

اور جنت اختیار کر لی ہے۔ ابو مویہبہ بیان کرتے ہیں پھر آپ ﷺ جنت البقیع سے واپس لوٹ آئے۔ جب آپ نے اسی دن صبح فرمائی۔ آپ کی وہ مرض شروع ہو گئی جس میں آپ کی روح قبض کی گئی۔ (اعلام النبلاء)

- حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں، آپ ﷺ اپنی وفات کے مرض میں فرماتے تھے، اے عائشہ! میں اس کھانے کا درد محسوس کرتا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اس وقت اس زہر سے اپنی دل کی بڑی شریان کو منقطع ہونا محسوس کر رہا ہوں۔ (مشکوٰۃ: ۵۹۶۵)
- سورہ نصر "اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ" کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ یہ سورت ایام تشریق کے دوران حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی۔ پس رسول اللہ ﷺ سمجھ گئے کہ یہ الوداع ہونے والا ہے پھر آپ نے طویل خطبہ دیا جس میں اوامر اور نواہی بیان فرمائے۔
- حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے جمرات کو کنکریاں مارتے ہوئے دیکھا پھر آپ ٹھہر گئے اور فرمایا مجھ سے اپنے مناسک اور حج کے احکام لے لو شاید اس سال کے بعد حج نہیں کروں گا۔
- آپ ﷺ نے سیدہ فاطمۃ الزہراء سے فرمایا: جبرئیل علیہ السلام ہر سال ایک مرتبہ میرے ساتھ قرآن کا معارضہ اور دور کرتے تھے اور اس سال دو مرتبہ دور کیا اور مجھے نہیں لگتا مگر یہ کہ میری اجل قریب ہے۔
- صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے مہینہ میں ہمیشہ دس روز اعتکاف بیٹھتے تھے اور جس سال آپ کا وصال ہوا، آپ ﷺ نے بیس روز اعتکاف فرمایا اور ہر رمضان میں آپ ﷺ پر ایک مرتبہ قرآن پیش کیا جاتا تھا جب وہ سال آیا جس میں آپ ﷺ کا وصال

ہوا، دو مرتبہ آپ پر قرآن پیش کیا گیا۔

• آیت کریمہ، ۶۳ اونٹوں کا ذبح کرنا اور حضرت فاطمہؓ کو خبر دینے میں آپ ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ تھا۔ کیونکہ جس دین کی تبلیغ کیلئے آپ ﷺ کو بھیجا گیا تھا وہ مکمل ہو گیا لہٰذا آپ ﷺ کو واپس بلایا جا رہا تھا۔ اور آپ ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ تریسٹھ (۶۳) برس تھی۔ اس لئے آپ ﷺ نے ہر ایک سال کے صدقہ کے حساب سے تریسٹھ (۶۳) اونٹ اپنے مبارک ہاتھوں سے ذبح فرمائے اور اشارہ فرمایا کہ میری وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔ (رفیق حسنی)

• بخاری و مسلم شریف میں حضرت مسروق سے روایت ہے کہ سیدہ عائشہ نے بیان کیا، آپ ﷺ کے پاس سب ازواج مطہرات جمع ہو گئیں۔ ان میں سے کوئی پیچھے نہیں رہی۔ پس سیدہ فاطمۃ الزہراء آئیں۔ فاطمہ کی چال ہر قدم پر اپنے والد کی چال کے مشابہ تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مَرْحَبًا بِابْنَتِیْ" مرحبا اے میری بیٹی۔ آپ ﷺ نے ان کو اپنے دائیں یا بائیں بٹھایا پھر کسی بات کو آہستہ ان کے کانوں میں بیان فرمایا۔ فاطمہ رونے لگ گئیں۔ پھر کانوں میں دوبارہ سرگوشی فرمائی تو فاطمہ ہنسنے لگیں۔ سیدہ عائشہ فرماتی ہیں، میں نے فاطمہ سے پوچھا آپ کو رسول اللہ ﷺ نے سرگوشی سے کچھ بتایا آپ رونے لگیں وہ کیا بات ہے؟ آپ نے جواب دیا میں آپ ﷺ کا راز افشا نہیں کرتی۔ جب آپ ﷺ وفات فرما گئے، میں نے فاطمہ سے کہا، میں تجھ سے اس حق کے واسطہ سے جو ماں کا بیٹی پر ہوتا ہے، آپ سے پوچھتی ہوں وہ راز کی بات کونسی تھی؟ آپ نے جواب دیا: ہاں اب ٹھیک ہے۔ پہلی مرتبہ آپ نے فرمایا تھا کہ جبرئیل ہر سال میرے ساتھ ایک مرتبہ قرآن کی تلاوت کا دور فرماتا تھا اور اس سال دو مرتبہ قرآن کا دور کیا۔ مجھے نہیں معلوم مگر یہ کہ میری اجل قریب ہے۔ آپ تقویٰ

اختیار کرنا اور صبر کرنا میں تیرے لئے اچھا سلف (پہلے جانے والا) ہوں گا۔ میں رونے لگی پھر آہستہ سے فرمایا، کیا تو راضی نہیں کہ تو جنت میں مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو گی۔ اس پر میں ہنس پڑی۔ (بدایہ ونہایہ، ص ۱۹۰، جلد ۴، مکتبہ دار الفکر)

• ایوب ابن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض میں فرمایا: میرے اوپر مختلف سات کنوؤں کے پانی کی سات مشکیزوں سے پانی ڈالو تاکہ میں نکل کر لوگوں سے عہد لوں۔ پس انہوں نے ایسا کیا۔ آپ گھر سے نکل کر منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ سب سے پہلے آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد اور ثنا فرمائی پھر شہدائے احد کا ذکر فرمایا اور ان کیلئے استغفار فرمایا اور دعا فرمائی پھر فرمایا: اے مہاجرین کی جماعت! تم روز بروز بڑھتے رہے مگر انصار اپنی پہلی ہیئت سے زائد نہ ہوئے۔ بیشک انصار میرے (رازدان) ہیں جن کی طرف میں نے ہجرت کی، ان کے کریم کا اکرام کرنا اور ان کے غلطی کرنے والے سے اجتناب کرنا۔ پھر فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے عباد سے ایک عبد کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اس چیز کے درمیان اختیار دیا ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس عبد نے اس کو اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس بات کو لوگوں میں سے ابو بکر سمجھ گئے اور رونے لگے اور عرض کیا، بلکہ ہم اپنے نفسوں اور اولادوں اور اموال سے فدیہ دیتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر! ٹھہر جاؤ۔ پھر فرمایا: دیکھو مسجد میں کھلنے والے سب دروازے بند کر دو مگر ابو بکر کے گھر کا دروازہ بند نہ کیا جائے کیونکہ میں نہیں جانتا میرے نزدیک کوئی میری صحبت میں ابو بکر سے افضل ہو۔ ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں سے میرے اوپر سب سے زیادہ احسان کرنے والا اپنی صحبت اور مال میں ابو بکر ہے۔ اگر میں اپنے رب کے غیر کو خلیل بناتا تو ابو بکر کو خلیل بناتا مگر اسلامی اخوۃ اور مؤدۃ ہے مسجد میں کسی کا دروازہ نہ ہو، اسے بند کر دیا

جائے مگر ابو بکر کا دروازہ۔ (بدایہ ونہایہ)

• حضرت فضل ابن عباس سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ تشریف لائے حالانکہ آپ کو شدید بخار تھا، آپ نے سر پر پٹی باندھی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے فضل میرا ہاتھ پکڑو۔ میں نے آپ کا ہاتھ پکڑا حتی کہ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ ارشاد فرمایا: اے فضل لوگوں کو آواز دو۔ یعنی بلاؤ۔ حضرت فضل بیان کرتے ہیں کہ میں نے آواز دی ''اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ'' نماز کیلئے جمع ہو جاؤ۔ صحابہ کرام جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا۔ ارشاد فرمایا: اما بعد اے لوگو! تمہارے درمیان سے میرا غائب ہونا قریب ہو گیا ہے اور تم مجھے اس مقام میں ہر گز نہ دیکھو گے۔ میں جانتا ہوں حقوق میں مجھے میرا غیر کام نہیں آئے گا۔ جب تک میں خود صاحب حق کو راضی نہ کروں۔ خبردار! پس وہ شخص جس کی پشت پر میں نے ضرب لگائی پس یہ میری پشت ہے، وہ بدلہ لے لے اور وہ شخص جس کا میں نے مال لیا ہے، یہ میرا مال ہے وہ مال لے لے اور وہ شخص جس کو میں نے اس کی عزت کی گالی دی ہے پس یہ میری عزت ہے بدلہ لے لے اور کوئی کہنے والا یہ نہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب سے کینہ اور انتقام کا خوف ہے۔ خبردار! کینہ میری شان نہیں اور نہ میرے اخلاق سے ہے اور بیشک میرا محبوب تر وہ شخص ہوگا جو مجھ سے اپنا حق لے لے۔ (اگر اس کا حق میرے اوپر واجب ہے) یا مجھے معاف کر دے۔ میں اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کروں کہ میرے اوپر کسی کا حق نہ ہو۔ حضرت فضل بن عباس بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام میں سے ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اس نے عرض کیا، میرا آپ کے اوپر تین درہم دین ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں کسی کہنے والے کی تکذیب نہیں کرتا اور نہ اس سے حلف اٹھانے کا مطالبہ کرتا ہوں مگر یہ بتاؤ تمہارے

تین درہم کس سلسلہ میں میرے اوپر واجب ہیں۔ اس آدمی نے عرض کیا، آپ کو یاد نہیں، آپ کے پاس ایک سائل آیا تھا۔ آپ نے مجھے حکم فرمایا میں نے اسے تین درہم دے دیئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے فضل اس کو تین درہم دے دو۔ پھر آپ بیٹھ گئے۔ دوبارہ آپ نے یہی مقالہ دہرایا پھر فرمایا اے لوگو! جس شخص نے کسی آدمی سے فریب و مکر کر لیا اور اس کا مال ہتھیا لیا، وہ اسے واپس کر دے۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا، میرے پاس یہ تین درہم ہیں۔ یہ درہم میں نے بیت المال سے دھوکہ سے لئے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا تو نے یہ خیانت کس لئے کی تھی؟ اس نے عرض کیا، مجھے ان درہموں کی حاجت تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے فضل اس سے تین درہم لے لو۔ پھر پہلے مقالہ کا اعادہ فرمایا اور فرمایا اے لوگو! جو شخص اپنے نفس میں کوئی برائی محسوس کرتا ہے پس کھڑا ہو جائے میں اس کیلئے دعا کرتا ہوں۔ پس ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے عرض کیا: بیشک میں منافق ہوں، میں بہت جھوٹا ہوں، میں بہت سوتا ہوں۔ اس پر عمر ابن خطاب کھڑے ہوئے اور اس آدمی کو کہا، تیرے لئے افسوس ہے، اللہ تعالیٰ نے تیری ستر پوشی فرمائی تھی اگر تو اپنی ستر پوشی قائم رکھتا تو بہتر ہوتا۔ پس رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابن الخطاب رک جاؤ، دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے نہایت ہلکی اور خفیف ہے۔ دعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْهُ صِدْقًا وَ اِیْمَانًا وَ اَذْهِبْ عَنْهُ النَّوْمَ اِذَا شَاءَ'' (اے اللہ! اسے صدق اور ایمان نصیب فرما اور اس سے نیند کو دور کر دے جس وقت چاہے۔) پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''عُمَرُ مَعِیْ وَ اَنَا مَعَ عُمَرَ وَالْحَقُّ بَعْدِیْ مَعَ عُمَرَ'' (عمر میرے ساتھ ہے اور میں عمر کے ساتھ ہوں اور میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہوگا۔)

(بدایہ ونہایہ، ص۱۹۶، ج۴، دار الفکر)

- صحیح مسلم میں سیدہ عائشہ سے مروی ہے آپ بیان کرتی ہیں جب رسول اللہ ﷺ میری باری میں میرے گھر داخل ہوئے، آپ نے فرمایا (میری جانب سے) ابو بکر کو حکم دو لوگوں کو نماز پڑھائے۔ آپ فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ابو بکر رقیق القلب آدمی ہے جب (آپ کی جگہ کھڑے ہو کر) قرآن پڑھے گا آنسو روکنے پر قدرت نہیں پائے گا۔ آپ ابو بکر کے علاوہ کسی دوسرے کو حکم فرمائیں (تو مناسب ہوگا)۔ آپ فرماتی ہیں، میرا یہ عرض کرنا اللہ تعالیٰ کی قسم اس لئے تھا کہ لوگ بدفالی پکڑیں گے اس اول آدمی کے ساتھ جو رسول اللہ ﷺ کے مقام میں کھڑا ہوگا۔ آپ فرماتی ہیں، میں نے دو یا تین مرتبہ آپ ﷺ کی طرف اس بات کی مراجعت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابو بکر ہی لوگوں کو نماز پڑھائے گا بیشک تم خواتین یوسف علیہ السلام کی صواحب ہو۔ دوسری روایت میں ہے پھر رسول اللہ ﷺ کی حیات تک ابو بکر نماز پڑھاتے رہے۔
- مختلف روایات سے معلوم ہوا آپ ﷺ نے اشارۃ اور کنایۃً اپنی نیابت اور خلافت کیلئے ابو بکر صدیق کو نامزد فرمایا اور ان روایات میں یہ بھی اشارہ تھا کہ یہ مرض مرض الوفاۃ ہے اور اس مرض میں حقوق اور دیگر فرائض کے حوالہ سے مختلف مواقع اور اوقات میں آپ نے خطبات دیئے۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ دَائِمًا اَبَدًا۔ (رفیق حسنی)

حضور اکرم ﷺ کے وصال کی تفصیل:

صحابہ کرام کو حضرت عائشہؓ کے گھر جمع فرما کر وصیت کرنا:

- حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بیان فرمایا، رحمتِ کائنات ﷺ نے وفات سے ایک ماہ پہلے اپنے وصال کی خبر دے دی تھی مگر جب فراق قریب ہو گیا، ہمیں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے گھر جمع فرمایا، جب ہماری طرف توجہ فرمائی، آپ کی

آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آپ نے زمین کی طرف دیکھا اور فرمایا: خوش آمدید۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سلامتی عطا فرمائے، تمہارے اوپر رحم فرمائے، اچھا ٹھکانہ عطا فرمائے اور تمہیں قبول فرمائے۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کو تمہارا محافظ بناتا ہوں اور تمہیں اللہ تعالیٰ یاد دلاتا ہوں اور تمہیں گواہ بناتا ہوں بیشک میں تمہارے لئے اللہ کی جانب سے نذیر اور بشیر ہوں، یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر اور شہروں میں علو اور فساد نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمہیں فرماتا ہے (ترجمہ آیت) ''وہ دار آخرت ہم ان لوگوں کیلئے کریں گے جو زمین میں علو اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور اچھی عاقبت متقیوں کیلئے ہے۔'' (قصص:۸۳) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا نہیں جہنم میں جگہ متکبرین کیلئے؟'' (زمر:٦) ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کی اجل اور وفات کب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری اجل اور اللہ عزوجل کی جانب اور سدرۃ المنتہیٰ کی جانب اور جنت الماویٰ کی طرف اور فردوس اعلیٰ کی طرف اور کاس ادنیٰ اور عیش اور لذت مبارک کی طرف میرا لوٹنا قریب ہے۔ ہم نے عرض کیا: آپ کو غسل کون دے گا؟ فرمایا: میرے اہل بیت میں سے اقرب پس اقرب۔ ہم نے عرض کیا: آپ کو کس چیز میں ہم کفن دیں؟ آپ نے فرمایا: انہی کپڑوں میں اگر چاہو یا مصری سفید کپڑوں میں یا یمانی سفید کپڑوں میں۔ ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کا جنازہ کون پڑھائے گا؟ حضرت عبداللہ ابن مسعود کہتے ہیں، اس بات کے بعد آپ ﷺ رونے لگے اور ہم بھی رونے لگے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ٹھہریے، اللہ تعالیٰ آپ لوگوں پر رحم فرمائے اور تمہیں اپنے نبی کی جانب سے اچھی جزاء عطا فرمائے، جب مجھے تم غسل دے دو اور کفن پہنا دو اور مجھے میری چارپائی پر رکھ کر میرے اس گھر میں بنائی گئی میری قبر کے

کنارے رکھ دو تو ایک ساعت کیلئے تم اس کمرہ سے نکل جانا۔ کیونکہ سب سے پہلے جو شخص میرے اوپر صلوٰۃ بھیجے گا وہ میرا خلیل اور حبیب جبرئیل علیہ السلام ہے، پھر میکائیل علیہ السلام، پھر اسرافیل علیہ السلام پھر عزرائیل علیہ السلام۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ فرشتوں کے لشکر ہوں گے۔ پھر تم لوگ میرے حجرہ میں داخل ہوتے جانا گروہ در گروہ میرے اوپر صلوٰۃ اور سلام بھیجنا۔ تم میں سے کوئی کسی کا امام نہ ہو۔ مجھے تزکیہ اور بھیڑ اور بلند آواز سے رونے سے ایذاء نہیں پہنچانا۔ میری طرف سے سب کو سلام پہنچانا اور میرے اصحاب سے جو لوگ غائب ہوں، انہیں میرا سلام پہنچانا اور میں تمہیں گواہ بناتا ہوں، بیشک میں ان سب لوگوں کو سلام کہتا ہوں جو اسلام میں داخل ہوئے اور ہوں گے اور جنہوں نے میرے دین میں میری اتباع کی قیامت کے دن تک۔

ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو قبر میں کون اتارے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میرے اہل بیت میں سے کچھ آدمی اقرب پس اقرب۔ کثیر ملائکہ کی معیت میں کہ وہ ملائکہ تمہیں دیکھ رہے ہوں گے اور تم انہیں نہیں دیکھ رہے ہوگے۔ (سبل الہدیٰ، ص ۳۰۵ / ۱۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔)

● حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں سب لوگوں کے آخر میں آپ ﷺ کے ساتھ ہمکلام حضرت علیؓ ہوئے تھے۔ جب علی آپ کے پاس آئے سب عورتیں حجرہ سے باہر چلی گئیں۔ حضرت علی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لپٹ گئے اور آہستہ آہستہ راز کی باتیں کرتے رہے اور اسی دن آپ کا وصال ہوگیا۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ۔ (سبل الہدیٰ، جلد ۱۲)

جماعت کے ساتھ آخری نماز:

● راجح روایات کے مطابق آپ ﷺ نے آخری نماز جو جماعت کے ساتھ

پڑھی، وہ جمعرات کے دن ظہر کی نماز تھی۔ اس کے بعد کمزوری اور ضعف کی وجہ سے تین دن پیر کی صبح تک گھر میں نماز پڑھتے رہے اور مسجد میں تشریف نہ لاسکے۔ یوم وفات پیر کے روز صبح کی نماز ابو بکر الصدیق پڑھا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے مبارک حجرہ کے دروازے سے کپڑا ہٹایا اور صحابہ کرام کو ابو بکر الصدیق کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا اور خوشی کا اظہار فرمایا۔

● زہری نے ابو بکر ابن ابو سبرہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ کی حیات مبارکہ میں ابو بکر نے صحابہ کرام کو سترہ نمازیں پڑھائیں اور زہری کے علاوہ دوسرے لوگوں نے بیس نمازوں کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کے ساتھ آپ ﷺ نے آخری نماز کونسی پڑھی، اس میں بھی اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ بعض روایات میں ہفتہ کی ظہر اور بعض روایات میں اتوار کی ظہر کا ذکر ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے مسجد نہ آنے کے ایام میں اختلاف ہے۔ مذکورہ روایت میں جمعرات کے بعد پانچ دنوں تک مسجد تشریف نہ لانے کا ذکر ہے۔ اگر ایسا ہے کہ مسلسل ابو بکر الصدیق نے خمیس کی عصر سے پیر کی صبح تک انیس نمازیں صحابہ کو پڑھائیں جبکہ اکثر روایات میں سترہ (۱۷) نمازیں پڑھانے کا ذکر ملتا ہے۔ پھر بعض روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے ابو بکر کی اقتداء میں بھی نمازیں ادا کیں۔ حضرت مسروق حضرت عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو بکر نے لوگوں کو نماز پڑھائی اور رسول اللہ ﷺ صف میں تھے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ابو بکر کے پیچھے نماز بیٹھ کر ادا کی۔ ان روایات کی تطبیق مشکل ہے۔ شاید روایات کا اختلاف اس لئے ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ کے مرض کی شدت میں صحابہ کرام نہایت پریشان تھے، کسی نے کچھ دیکھا اور کسی نے کچھ اور کچھ بھول گئے۔ اس لئے روایات کا اختلاف ہے۔ زیادہ صحیح یہ

لگتا ہے کہ حضرت ابو بکر نے سترہ نمازیں پڑھائیں اور دو نمازوں میں سرورِ دو عالم ﷺ نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ ﷺ جمعہ اور ہفتہ اور اتوار مرض کے آخری تین دن مسجد تشریف نہیں لاسکے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)
(خلاصہ از بدایہ ونہایہ) (محمد رفیق حسنی)

• سن ۱۰ ہجری کے ماہ ذی الحج کے آخر میں آپ ﷺ حج ادا فرما کر مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے۔ ۱۱ ہجری صفر المظفر کی تیسویں (۳۰) تاریخ بروز بدھ آپ ﷺ کا مرض سر کے درد سے شروع ہوا۔ مدینہ منورہ میں جمعرات کے دن ربیع الاول ۱۱ ہجری کی یکم تھی اور بارہ (۱۲) ربیع الاول کو پیر کا دن تھا۔ آپ ﷺ تقریباً تیرہ (۱۳) دن بیمار رہے اور تیرویں دن صبح چاشت کے وقت وصال فرمایا۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ اور سبل الہدیٰ)

• سرورِ دو عالم ﷺ کے مرض کی ابتداء ام المومنین حضرت عائشہ کے حجرہ سے ہوئی تھی اور وصال بھی آپ کے حجرہ مبارکہ میں ہوا اور قبر مبارک بھی آپ کے حجرہ میں بنی۔ (مشکوٰۃ)

• بعض روایات میں ہے کہ آپ کے مرض کی ابتداء حضرت ریحانہ کے گھر اور بعض میں ہے کہ حضرت میمونہ کے گھر سے مرض کی ابتدا ہوئی۔ (بدایہ ونہایہ)

• ام المومنین حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں، ایک دن رسول اللہ ﷺ جنت البقیع کے قبرستان سے ایک جنازہ سے فارغ ہو کر میرے پاس واپس تشریف لائے۔ مجھے سر میں شدید درد تھا۔ میں نے کہا "وَا رَأْسَاهُ" (ہائے میرا سر) آپ ﷺ نے فرمایا بلکہ میں کہتا ہوں "وَارَاسَاهُ" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! تجھے کوئی نقصان نہیں ہوگا اگر تو مجھ سے پہلے فوت ہوگئی۔ میں تجھے غسل دوں گا اور کفن دوں گا اور تیری نماز جنازہ پڑھوں گا اور تجھے دفن کروں گا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا، اللہ کی قسم! گویا میں دیکھ رہی ہوں آپ میرے فوت ہونے کے بعد جب مذکورہ امور کرلیں گے تو آپ میرے حجرہ میں واپس آئیں گے اور بعض ازواج کے ساتھ مباشرۃ فرمائیں گے۔ اس کلام پر سرورِ دو عالم ﷺ ہنس پڑے اور آپ کے سر مبارک میں شدید درد شروع ہوگیا جس میں آپ کی وفات واقع ہوگئی۔ (مشکوٰۃ/ سبل الہدیٰ)

• اس مکالمہ مبارکہ سے سرورِ دو عالم ﷺ اور ام المومنین حضرت عائشہ کے درمیان شدید محبت کا اشارہ ملتا ہے۔ کیونکہ ایسی گفتگو محبوب اور محب کرتے ہیں۔ (رفیق حسنی)

حضور اکرم ﷺ کے وصال کی تاریخ کی تحقیق:

• آپ ﷺ کی وفات بارہ (۱۲) ربیع الاول پیر کے دن اس صورت میں بنتی ہے جب ۱۰ ہجری میں ذی الحج کی پہلی تاریخ جمعہ کا دن ہو، حالانکہ مکہ مکرمہ میں ذی الحج کی پہلی تاریخ جمعرات تھی، اسی لئے جمعہ ۹ ذوالحج کو وقوف عرفات ہوا اور حج "حج اکبر" ہوا۔ لہٰذا مکہ مکرمہ میں ذوالحجہ ۱۰ ہجری کی پہلی تاریخ کو جمعرات (خمیس) کا ہونا بالاتفاق ہے۔ اب محرم کی پہلی تاریخ جمعہ ہوگا یا ہفتہ ہوگا کیونکہ مہینہ ۲۹ دن کا ہوتا ہے یا تیس کا۔ اگر ذی الحج انیتس دن کا مہینہ تھا تو یکم محرم ۱۱ ہجری جمعہ کا دن ہوگا اور اگر ذی الحج تیس دن کا تھا تو یکم محرم ہفتے کو ہوگی پھر محرم کی یکم اگر جمعہ ہو اور محرم انیتس (۲۹) دن کا ہو تو صفر کی پہلی تاریخ ہفتہ ہوگا اور اگر محرم تیس کا ہو تو یکم صفر اتوار کو ہوگی پھر اگر محرم کی یکم ہفتہ کا دن تھا تو صفر کی یکم اتوار یا پیر ہوگا۔ صفر کی یکم میں تین دن ہفتہ، اتوار اور پیر کا امکان ہے۔ پھر صفر کی یکم اگر ہفتہ ہو تو ربیع الاول کی پہلی تاریخ اتوار یا پیر کو ہوگی اور اگر صفر کی یکم اتوار کو ہو تو ربیع الاول کی یکم کو پیر یا منگل ہوگا اور صفر کی یکم پیر ہو تو ربیع الاول کی یکم کو منگل یا

بدھ ہوگا۔ سب صورتوں میں یہ کہ ربیع الاول کا پہلا دن اتوار ہو یا پیر ہو یا منگل ہو یا بدھ ہو، ربیع الاول کی بارہ (۱۲) پیر کا دن نہیں بنتا اور مشہور یہ ہے کہ آپ ﷺ کا وصال بارہ (۱۲) ربیع الاول پیر کے دن ہوا تھا۔ لہٰذا اس کی ایک ہی صورت ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ ۱۰ ہجری ذی الحج کا چاند مکہ والوں کو خمیس کی رات نظر آ گیا تھا، اسی لئے حج جمعہ ۹ ذی الحج کو واقع ہوا اور مدینہ منورہ میں ذی الحج کا چاند جمعہ کی رات نظر آیا اور جمعہ ذی الحج کی پہلی تھی۔ جب مدینہ منورہ میں ذی الحج کی یکم جمعہ ہوا اور ذی الحج تیس کا ہوا تو محرم کی یکم اتوار کی ہوگی اور محرم کی یکم اتوار ہو اور محرم بھی تیس کا ہو تو صفر کی یکم منگل کو ہوگی اور یکم صفر منگل کا دن ہوا اور صفر بھی تیس دن کا ہو تو یکم ربیع الاول جمعرات کو ہوگی۔ اور ربیع الاول کی پہلی تاریخ جمعرات ہو تو سن ۱۱ ہجری میں ربیع الاول کی بارہ (۱۲) پیر کا دن ہوگا جو کہ آپ ﷺ کی وفات کا دن ہے۔ (سبل الہدیٰ)

- صاحب عمدۃ القاری شرح بخاری نے اس سوال کا جواب اسی طرح نقل فرمایا۔ چنانچہ آپ نے لکھا:

"اُجِيْبَ بِاخْتِلَافِ الْمَطَالِعِ بِاَنْ يَّكُوْنَ اَهْلُ مَكَّةَ رَاَوْا هِلَالَ ذِي الْحِجَّةِ لَيْلَةَ الْخَمِيْسِ وَ اَمَّا اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ فَلَمْ يَرَوْا اِلَّا لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ" (ص ۶۰، ج ۱۸، دار الفکر بیروت)

ترجمہ: "اختلاف مطالع کے ساتھ جواب دیا گیا ہے اس طرح کہ اہل مکہ نے خمیس کی رات چاند دیکھا اور اہل مدینہ نے نہیں دیکھا مگر جمعہ کی رات۔"

آیات جن میں سرورِ دو عالم ﷺ کو وصال کی خبر دی گئی:

۱۔ "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ

تَخْتَصِمُوْنَ۔" (سورۃ الزمر: ۳۰-۳۱)

ترجمہ: "بیشک تو فوت ہونے والا ہے اور بیشک وہ فوت ہونے والے ہیں، پھر قیامت کے دن اپنے رب کے نزدیک تم جھگڑا کرو گے۔"

۲۔ "وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔" (سورۃ الانبیاء: ۳۴)

ترجمہ: "اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کیلئے ہمیشہ رہنا مقدر نہیں کیا پس کیا آپ وفات پائیں گے اور وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟"

۳۔ "كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَ الْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔" (الانبیاء: ۳۵)

ترجمہ: "ہر نفس موت چکھنے والا ہے اور شر و خیر کے ساتھ ہم تمہارا امتحان لیں گے اور ہماری طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔"

۴۔ "وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔" (آل عمران: ۱۸۵)

ترجمہ: "قیامت کے دن تمہارے اجر تمہیں دیئے جائیں گے پس وہ شخص جو جہنم کی آگ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہے اور دنیا کی حیات نہیں مگر فریب کا نفع اٹھانا۔"

۵۔ "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۔" (آل عمران: ۱۴۴)

ترجمہ: "اور نہیں محمد مگر رسول بیشک ان سے پہلے رسول وفات پا چکے

ہیں پس کیا اگر محمد وفات پاجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے اور وہ شخص جو اپنی ایڑیوں پر پھر گیا (اسلام کو چھوڑ دیا) پس ہر گز نقصان نہیں پہنچائے گا اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا، عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزاء دے گا۔"

- سیدہ عائشہ بیان فرماتی ہیں، رسول اللہ ﷺ میرے گھر آئے اور آپ کا مرض میرے گھر میں شدید ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے اوپر پانی کے سات مشکیزوں سے جن کے منہ نہ کھولے گئے ہوں اور سات مختلف کنوؤں سے لئے گئے ہوں، ڈالو شاید کہ میں لوگوں کے پاس جاؤں۔ ہم نے سیدہ حفصہ کے برتن (ٹب) میں آپ کو بٹھایا پھر ہم ان مشکیزوں سے آپ پر پانی ڈالنے لگے حتی کہ آپ نے اشارہ فرمایا کہ تم نے پورا کام کر لیا پھر آپ ﷺ لوگوں کے پاس گئے، نماز پڑھائی اور خطاب فرمایا۔ (بدایہ ونہایہ)

نوٹ: صاحب فتح الباری شرح صحیح بخاری اس حدیث کے تحت بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سات کے عدد میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص تاثیر ہے اس لئے آپ ﷺ نے سات مشکیزوں کے پانی سے غسل کرانے کا حکم فرمایا۔ اسی طرح مریض کیلئے فرمایا، وہ سات مرتبہ پڑھے "بِسْمِ اللّٰهِ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَ قُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَ اُحَاذِرُ" اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ اور صحابہ کرام نے سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر لدیغ (سانپ کا کاٹا ہوا) پر دم فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء عطا فرمائی اور آپ ﷺ نے فرمایا، مریض پر سات مرتبہ پڑھو "اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ" اگر مریض کا مرض مرض الموت نہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جلد شفا عطا فرمائے گا۔ اسی طرح کائنات تخلیق کے بے شمار مناظر میں سات کے عدد کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سات

کے عدد میں ایک خاص تاثیر ہے۔

- سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں، جب رسول اللہ ﷺ بیمار ہوتے تھے تو معوذات (سورۃ الفلق اور سورۃ الناس) پڑھ کر اپنے اوپر پھونک مارتے تھے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے جسم کو چھوتے تھے جب آپ ﷺ اس مرض میں مریض ہوئے جس میں آپ نے وفات پائی، میں معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی تھی اور آپ کے ہاتھوں کو آپ کے بدن پر پھیرتی تھی۔ (بدایہ ونہایہ، ص۱۸۹، بحوالہ بخاری)
- آپ ﷺ بیماری کے ایام میں بھی قسامت یعنی ہر بیوی کے پاس ایک رات گزارنے کا اہتمام فرما رہے تھے مگر آپ روزانہ ارشاد فرماتے "اَيْنَ اَنَا غَدًا" (میں کل کہاں ہوں گا۔ میں کل کہاں ہوں گا)۔ ازواجِ مطہرات نے سمجھ لیا کہ آپ ﷺ ام المومنین حضرت عائشہ کے پاس رہنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ چنانچہ سب نے آپ ﷺ کو اجازت دے دی پھر آپ ﷺ مسلسل وفات کے دن تک حضرت عائشہ کے حجرہ میں قیام فرمانے لگے۔ مرض کے ایام میں بار بار آپ پر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ جب افاقہ ہوتا تھا تو آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھاتے اور جب آپ مسجد نہ جا سکتے، آپ ﷺ ابو بکر صدیق کو حکم فرماتے کہ تم نماز پڑھایا کرو۔ چنانچہ آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں حضرت ابو بکر صدیق نے سترہ (۱۷) نمازوں کی امامت فرمائی۔ ایک مرتبہ ابو بکر کی امامت میں جماعت شروع کر دی گئی تھی، آپ ﷺ نے افاقہ محسوس کیا۔ حضرت عباس اور حضرت علی کے سہارے سے مسجد تشریف لے گئے۔ جب ابو بکر کو محسوس ہوا کہ آپ ﷺ تشریف لے آئے ہیں تو ابو بکر امامت کی جگہ سے پیچھے ہونے لگے۔ آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو۔ آپ ﷺ ابو بکر کے آگے جا کر بیٹھ گئے اور نماز کی امامت شروع کرا دی۔ گویا

آپ ﷺ ابو بکر الصدیق کے امام تھے اور ابو بکر الصدیق باقی صحابہ کرام کے امام تھے۔اسی طرح نماز مکمل فرمائی۔(کتب حدیث)

● علماء فرماتے ہیں اس انداز سے امامت کرنے میں اشارہ تھا کہ میرے وصال کے بعد میرا خلیفہ اور نائب ابو بکر صدیق ہو گا۔

● **مسواک کا استعمال:** ایک دن سرورِ دو عالم ﷺ مرض کی شدت سے بات نہیں کر سکتے تھے۔ام المومنین حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں آپ ﷺ نے میرے سینے کے ساتھ آسرا لگایا ہوا تھا،اسی دوران میرے بھائی عبدالرحمٰن ابن ابی بکر مسواک کرتے ہوئے داخل ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے عبدالرحمٰن کی طرف مسلسل نظر فرمائی۔میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ مسواک کرنا پسند فرما رہے ہیں (مگر بات نہیں کر پارہے تھے) میں نے عرض کیا: آپ کیلئے مسواک کا انتظام کروں؟ آپ ﷺ نے سر کے اشارہ سے فرمایا،ہاں۔میں نے آپ کو مسواک دیا وہ سخت تھا۔میں نے عرض کیا،کیا میں اس کو نرم کر دوں؟ آپ ﷺ نے سر کے ساتھ اشارہ فرمایا،ہاں۔میں نے مسواک کو اپنے دانتوں میں لے کر اپنے دانتوں اور لباب سے نرم کیا تو پ ﷺ نے بغیر دھوئے اس مسواک کو استعمال فرمایا۔(مشکوٰۃ)

● حضرت انس بیان کرتے ہیں،جب آپ ﷺ کا مرض شدید ہو گیا،آپ پر کرب اور غشی طاری ہو گئی اور سانس کی تنگی عارض ہو گئی،سیدہ فاطمہ نے کہا''وَا کُرْبَ اَبَاہُ'' (ہائے میرے باپ کا کرب اور شدۃ مرض) تو سرورِ دو عالم ﷺ نے حضرت فاطمہ سے فرمایا''لَیْسَ عَلٰی اَبِیْكِ كُرْبٌ بَعْدَ الْیَوْمِ'' آج کے بعد تیرے باپ پر تکلیف کی شدت اور کرب نہیں ہو گا۔جب آپ ﷺ وصال فرما گئے سیدہ فاطمہ نے اس طرح غم کا اظہار کیا''یَا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ'' اے

میرے وہ باپ جس نے اپنے رب کے بلاوے پر لبیک کہا اور اس کے بلاوے کو قبول کیا۔اے میرے وہ باپ جنت الفردوس جس کا ماویٰ ہے۔اے میرے وہ باپ جبرئیل کی طرف ہم ان کی وفات کی خبر دیتے ہیں۔جب آپ ﷺ کو دفن کر دیا گیا،سیدہ فاطمہ نے فرمایا: اے انس! تم نے کیسے برداشت کیا کہ تم لوگوں نے رسول اللہ ﷺ پر مٹی ڈالی؟ سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ نے یہ شعر بھی پڑھے:

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدَ
اَنْ لَّا یَشُمَّ مُدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

ترجمہ: جس شخص نے تربت احمد ﷺ کی خوشبو سونگھ لی،اسے ہمیشہ غالیہ خوشبو سونگھنے کی ضرورت نہیں۔

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّهَا
صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

ترجمہ: میرے اوپر ایسے مصائب گرائے گئے،اگر دنوں پر گرائے جاتے تو دن راتیں بن جاتے۔

مرض میں زبان پر جاری کلمات:

● شدت مرض کے آخری ایام میں آپ ﷺ کی زبان پر ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' جاری رہتا تھا۔ام المومنین حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں،سرورِ دو عالم ﷺ میرے حجرہ میں فوت ہوئے اور وفات کا دن میری باری کا دن تھا اور میرے حلقوم اور سینے کے درمیان آسرا لگائے آپ کی روح مقدس نے عالم بالا کی طرف پرواز کی اور آپ کی موت کے وقت اللہ تعالیٰ نے مسواک کے ذریعے میرے لعاب اور آپ کے لعاب کو جمع فرمایا اور سکرات کے وقت آپ ﷺ کے سامنے پانی کا

برتن رکھا تھا۔ پانی میں آپ دونوں ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے پر مسح کرتے تھے اور فرماتے تھے ''لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَكَرَاتٍ'' (عبادت کا کوئی مستحق نہیں مگر اللہ، بیشک موت کی کئی سختیاں ہیں)۔ ایک روایت میں ہے، آپ فرماتے تھے، اے اللہ موت کی سختیوں پر میری اعانت فرما۔ پھر آپ نے ہاتھ مبارک بلند فرمایا(دعا کیلئے) اور بار بار فرمانے لگے: اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں کر دے۔ (مشکوٰۃ شریف)۔ علماء فرماتے ہیں، رفیق اعلیٰ سے انبیاء کرام اور رسل عظام مراد ہیں۔ رفیق رفقاء جمع کے معنی میں ہے۔ جس طرح ''حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا'' میں رفیق جمع کے معنی میں مستعمل ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں رفیق اعلیٰ سے مراد مقام محمود ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں، آپ نے ہاتھ بلند فرمائے اور یہ کلمات کہتے رہے حتیٰ کہ آپ ﷺ وفات پاگئے اور آپ کے ہاتھ نیچے لوٹ آئے۔

- ام المومنین حضرت عائشہ کی روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، ہر نبی کو مرض میں دنیا اور آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے اور جب آپ کو مرض کی شدت پہنچی تو آپ ﷺ فرماتے تھے:

''مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ''

ترجمہ: ''اے اللہ! مجھے ان لوگوں کے ساتھ کر دے جن پر تو نے انعام فرمایا نبیوں اور صدیقوں اور شہداء اور صالحین سے۔''

آپ فرماتی ہیں، میں سمجھ گئی کہ آپ نے آخرت کو اختیار فرمالیا ہے۔

- حضرت امام جعفر صادق ابن امام محمد باقر اپنے باپ محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی قریش سے میرے والد علی بن الحسین (زین العابدین) کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا، کیا میں آپ کو جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے

متعلق بیان نہ کروں؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں، آپ ضرور ابوالقاسم محمد ﷺ کے متعلق بیان کریں۔ اس آدمی نے عرض کیا: جب رسول اللہ ﷺ مریض ہوئے، آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا: یا محمد (ﷺ) بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی تکریم اور تشریف خاص کی وجہ سے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ سے اللہ تعالیٰ وہ چیز پوچھتا ہے جس کو وہ آپ سے زیادہ جانتا ہے اور فرماتا ہے، آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے جبرئیل! میں مغموم ہوں۔ اے جبرئیل میں مکروب اور محزون ہوں۔ پھر جبرئیل علیہ السلام دوسرے دن حاضر ہوئے اور وہی کہا جو پہلے دن کہا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے وہی جواب دیا جو پہلے دن دیا تھا۔ جبرئیل علیہ السلام تیسرے دن حاضر ہوئے اور اسی طرح کہا جس طرح پہلے دن کہا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے وہی جواب دیا جو پہلے دن دیا تھا مگر اس دن جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ایک اور فرشتہ بھی حاضر ہوا تھا، جس کو اسماعیل کہا جاتا ہے۔ اس کے ماتحت ایک لاکھ فرشتے کام کرتے ہیں اور ان ایک لاکھ فرشتوں میں ہر ایک فرشتہ کے ماتحت بھی ایک ایک لاکھ فرشتہ ہے۔ اس اسماعیل عظیم فرشتہ نے اندر آنے کی اجازت مانگی اور وہ اندر آگیا اور اس نے آپ ﷺ کی عیادت کی اور طبیعت کے متعلق سوال کیا۔ اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: یارسول اللہ! ملک الموت حاضر ہے، آپ سے اندر آنے کی اجازت طلب کرتا ہے، اس نے آج تک اندر آنے کیلئے آپ سے پہلے کسی آدمی سے اجازت نہیں مانگی اور آئندہ بھی کسی آدمی سے اجازت نہیں مانگے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اسے اجازت دے دو۔ جبرئیل علیہ السلام نے اسے (اندر آنے کی) اجازت دے دی۔ ملک الموت (عزرائیل علیہ السلام) نے سلام پیش کیا۔ پھر عرض کیا: یا محمد (ﷺ) اللہ

تعالیٰ نے مجھے آپ کی طرف بھیجا ہے، اگر آپ اجازت دیں یہ کہ آپ کی روح قبض کروں تو روح قبض کروں گا اور اگر آپ حکم دیں کہ آپ کی روح قبض نہ کروں تو قبض نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ملک الموت! کیا میرے کہنے کے مطابق عمل کرے گا؟ ملک الموت نے عرض کیا: ہاں مجھے اسی طرح حکم دیا گیا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کی اطاعت کروں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا: "یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰہَ قَدِ اشْتَاقَ اِلٰی لِقَائِكَ"

ترجمہ: اے محمد! (ﷺ) بیشک اللہ تعالیٰ آپ کی ملاقات کیلئے مشتاق ہے۔

اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا، اے ملک الموت! جس چیز کا تجھے حکم دیا گیا ہے اسے شروع کردو۔ پھر ملک الموت نے آپ کی روح قبض کرلی۔ جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے اور تعزیت ہونے لگی، لوگوں کو گھر کے ایک کونے سے آواز آئی "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ" بیشک اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہر مصیبت کیلئے تسلی ہے اور ہر فنا ہو جانے والے امر میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کا خلف اور نائب ہے اور ہر فوت ہونے والی چیز میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تدارک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عون اور قوۃ سے پس جزع اور نزع سے اجتناب کرو اور اسی کی طرف ہی رجوع کرو۔ پس بیشک مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم ہے۔ حضرت علی نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو یہ کس کی آواز ہے؟ یہ آواز حضرت خضر علیہ السلام کی ہے۔ (مشکوۃ باب وفات النبی ﷺ)

حضور ﷺ کے مرض میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی امامت میں حضور ﷺ کی نمازوں کی تعداد کی تحقیق:

- چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں، مرض کے ایام میں ابوبکر نمازیں پڑھاتے رہے پھر ایک دن آپ ﷺ نے مرض میں خفت محسوس کی۔ آپ ﷺ دو آدمیوں کے درمیان ان کے آسرے کے ساتھ ظہر کی نماز کیلئے مسجد میں تشریف لائے، ان میں سے ایک آدمی حضرت عباس تھا (دوسرے حضرت علیؓ تھے مگر اس روایت میں حضرت علیؓ کا ذکر نہیں ہے)۔ آپ فرماتی ہیں، گویا میں آپ کے قدموں کے زمین پر نشانات اور لائنیں شدتِ مرض کی وجہ سے دیکھ رہی ہوں۔ یعنی آپ ﷺ کمزوری کی وجہ سے دونوں آدمیوں کے درمیان قدم گھسیٹ کر چل رہے تھے۔ آپ فرماتی ہیں، جب ابوبکر نے آپ ﷺ کو آتے دیکھا، ابوبکر نے امامت کی جگہ سے پیچھے ہٹنا شروع کردیا مگر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیچھے نہ ہٹو۔ آپ نے کندھا دینے والے دونوں آدمیوں سے بٹھادینے کا فرمایا۔ انہوں نے حسب ارشاد آپ ﷺ کو ابوبکر کی بائیں جانب بٹھا دیا۔ آپ فرماتی ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی آیت سے تلاوت شروع فرمائی جس آیت تک ابوبکر نے اختتام کیا تھا۔ آپ ﷺ تلاوت فرما رہے تھے، ابوبکر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے اور آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک روایت میں ہے، ابوبکر آپ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھا رہے تھے اور لوگ ابوبکر کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ (سبل الہدیٰ) یہ نماز خمیس کے دن ظہر کی نماز تھی جو کہ آپ ﷺ کی جماعت کے ساتھ آخری نماز تھی۔ (سبل الہدیٰ)
- روایات میں اختلاف ہے کہ مسجد میں جماعت کے ساتھ آخری نماز کس دن اور کونسی نماز تھی۔ حضرت ام الفضل کی روایت میں خمیس کے دن آخری نماز

مغرب کی نماز پڑھانے کا ذکر ہے جس میں آپ ﷺ نے سورۃ المرسلٰت تلاوت فرمائی اور حضرت اسامہ ابن زید کو جس دن جہاد کیلئے جانے والے صحابہ کرام کا امیر مقرر کیا گیا اور بعض صحابہ کرام نے حضرت اسامہ بن زید کی نو عمری پر تقریباً اٹھارہ سال کے حوالہ سے آپ کی امارت پر اعتراض کیا اور آپ ﷺ کو علم ہوا تو آپ نے نہایت غصہ میں صحابہ کرام سے خطاب فرمایا اور اعتراض کرنے والوں کے جواب دیئے۔ وہ ہفتہ کا دن تھا۔ معلوم نہیں ہفتہ کے دن آپ ﷺ نے کس نماز کے بعد خطاب فرمایا۔ اس لئے یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ آپ کی جماعت کے ساتھ آخری نماز کونسی تھی۔ لیکن حضرت ابو بکر الصدیق کے متعلق مورخین نے لکھا، آپ نے سترہ (۱۷) نمازیں آپ ﷺ کی زندگی میں پڑھائیں۔
(رفیق حسنی)

- ابن سعد نے حضرت انس سے روایت کیا، بیشک ابو بکر آپ ﷺ کے مرض الوفاۃ کے ایام میں نماز پڑھاتے رہے حتی کہ جب پیر کا دن تھا اور لوگوں نے نماز میں صفیں قائم کی ہوئی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے حجرہ کے دروازے سے پردہ ہٹایا اور ہماری طرف دیکھا جبکہ آپ کھڑے ہو کر صحابہ کو دیکھ رہے تھے گویا کہ آپ کا چہرہ (انور) قرآن مجید کا ورق تھا۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں، آپ کو میں نے اس وقت سے زیادہ حسین شکل اور ہیئت میں کبھی نہیں دیکھا اور رسول اللہ ﷺ کا یہ دیکھنا میرا آخری دیکھنا تھا۔ حالانکہ صحابہ کرام نماز کی صفوں میں تھے۔ پھر آپ نے ہنستے ہوئے تبسم فرمایا۔ پس ابو بکر نے پیچھے ایڑیوں پر ہٹنا شروع کیا تاکہ صف میں چلے جائیں۔ ابو بکر نے گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز کیلئے نکلنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں ہم رسول اللہ ﷺ کے خروج پر خوشی سے دہشت میں پڑ گئے۔ ایک روایت میں ہے، مسلمانوں نے ارادہ

کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خروج کی خوشی میں اپنی نمازوں میں فتنہ ڈال دیں (نماز توڑ دیں) جب انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا اور ابو بکر نے اپنی ایڑیوں پر پیچھے ہٹنا شروع کیا تاکہ صف میں چلے جائیں۔ ابو بکر نے گمان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نماز کیلئے نکلنے والے ہیں لیکن آپ ﷺ نے اشارہ فرمایا کہ تم نماز پوری کرلو۔ ارشاد فرمایا: اے لوگو! نبوت کے مبشرات سے کوئی چیز باقی نہیں رہی مگر رویا صادقہ (سچے خواب) جو خود مسلم دیکھے یا اس کیلئے کوئی دیکھے اور بیشک مجھے منع کیا گیا ہے کہ رکوع یا سجدوں میں قرآن کی تلاوت کروں۔ پس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرو اور سجدوں میں دعا مانگنے میں زور لگاؤ۔ پس سجدے کی دعائیں اس لائق ہیں کہ تمہارے لئے قبول کی جائیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ حجرہ مبارکہ میں داخل ہو گئے اور پردہ لٹکا دیا۔ حضرت انس فرماتے ہیں، آپ ﷺ اسی دن فوت ہو گئے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۳۰۵، ج ۱۲، مکتبہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

- ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں، پیر کے دن صبح لوگوں نے گمان کیا کہ آج سرورِ دوعالم ﷺ کے مرض میں افاقہ ہے۔ لوگ اپنے اپنے کاروبار اور اشغال میں مصروف ہو گئے اور ابو بکر اجازت لے کر مدینہ منورہ سے باہر مقام سنخ اپنی بیوی کے پاس چلے گئے۔ خواتین حجرہ میں جمع ہو گئیں۔ جب سورج بلند ہوا آپ ﷺ پر سکرات اور وفات کی علامات شروع ہو گئیں۔ آپ میری گود میں میرے سینے کے ساتھ سر مبارک لگائے ہوئے تھے اور "اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی سَکَرَاتِ الْمَوْتِ" کا بار بار تکرار فرماتے تھے۔ اسی دوران آپ ﷺ کی مبارک زبان سے "اُدْنُ مِنِّیْ یَا جِبْرِیْلُ اُدْنُ مِنِّیْ یَا جِبْرِیْلُ" کی آواز سنائی دینے لگی اور جبرئیل علیہ السلام کی جانب سے "لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ" کی آواز آنے لگی۔ پھر آپ ﷺ کے مبارک منہ سے نہایت ٹھنڈے لعاب مبارک کا قطرہ

خارج ہوا اور میرے سینے پر گرا جس سے میری جلد ٹھنڈی ہو گئی اور میرے چہرے میں مشک (کستوری) کی خوشبو پھیل گئی اور آپ ﷺ کا سر مبارک لڑھک گیا۔ میں نے گمان کیا آپ پر غشی طاری ہو گئی ہے۔ میں نے آپ ﷺ کو بستر پر لٹا دیا اور آپ کے مبارک چہرہ پر کپڑا ڈال دیا۔ حالانکہ آپ ﷺ وصال فرما چکے تھے۔ (سبل الہدیٰ)

- حضرت ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں، اسی دوران میں نے آپ ﷺ کے سینہ مبارک پر ہاتھ رکھا تھا، میرا ہاتھ خوشبودار ہو گیا تھا، آپ کی وفات کو کئی ہفتے گزر گئے، میں کھاتی پیتی رہی اور وضو کرتی رہی مگر میرے ہاتھ سے مشک کی خوشبو نہیں گئی۔
- جب سرورِ دوعالم ﷺ کے مرض میں شدت شروع ہوئی تو ہر عورت نے اپنے لوگوں کی طرف آدمی بھیجے۔ حضرت فاطمۃالزہراء نے حضرت علی کی طرف اور حضرت حفصہ نے حضرت عمر کی طرف مگر لوگوں کے آنے سے پہلے آپ ﷺ کا وصال ہو گیا تھا۔

آپ ﷺ کے وصال پر صحابہ کرام کی حالت:

- آپ کے وصال پر خواتین زار و قطار رونے لگیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں، میں نے پہلے کسی آدمی کی موت نہیں دیکھی تھی، آپ ﷺ کی موت کے وقت سکرات کی شدت کو دیکھ کر کبھی کسی آدمی کی موت کی خفت کو دیکھ کر رشک نہیں کروں گی۔ ام المومنین فرماتی ہیں، دیگر خواتین کی طرح میں بھی رونے لگی اور بے صبری سے اپنے ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر مارنے لگی۔ (سبل الہدیٰ)
- علماء فرماتے ہیں، مصیبت میں نوحہ کرنا اور بلند آواز سے چیخنا اور کپڑے پھاڑنا اور سینہ کوبی یا اپنے چہرہ پر تھپڑ مارنا جائز نہیں مگر سرورِ دوعالم ﷺ کی وفات پر

بے صبری میں چہرے پر تھپڑ مارنے میں کوئی حرج نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے:

فَالصَّبْرُ يُحْمَدُ فِي الْمَصَائِبِ
كُلِّهَا إِلَّا عَلَيْكَ فَإِنَّهُ مَذْمُومٌ
وَقَدْ كَانَ يُدْعٰى لَابِسُ الصَّبْرِ حَازِمًا
فَأَصْبَحَ يُدْعٰى حَازِمًا حِيْنَ يَجْزَعُ

- ترجمہ: ”تمام مصائب میں صبر کرنا محمود ہے مگر تیرے اوپر صبر کرنا مذموم ہے۔ صبر کرنے والے کو حازم اور صاحب عقل کہا جاتا ہے مگر آپ ﷺ پر جو بے صبری کرتا ہے وہ حازم ہے۔“ (سبل الہدیٰ)
- یعنی آپ ﷺ کے صدمہ میں بے صبری کا جواز آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے۔ (ﷺ)
- حضرت عبداللہ ابن عمر بیان فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے دن لوگ بہت روئے حتیٰ کہ عورتیں پردوں میں روئیں، قریب تھا کہ چیخ و پکار سے کمروں کی چھتیں گر جائیں اور اس طرح رونے سے بلند آوازیں اٹھ رہی تھیں جس طرح حجاج کرام کی احرام کے وقت تلبیہ پڑھنے سے آوازیں بلند ہوتی ہیں۔
- حضرت انس بیان کرتے ہیں، جس دن رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے، مدینہ منورہ کی ہر چیز روشن ہو گئی تھی اور جس دن آپ کا وصال ہوا اس دن ہر چیز تاریکی میں ڈوب گئی تھی حتیٰ کہ ہم ایک دوسرے کو نظر نہیں آتے تھے۔ (سبل الہدیٰ)
- ابن منیر بیان کرتے ہیں، جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے، آپ ﷺ کو فرشتوں نے ڈھانپ لیا۔ لوگوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ دہشت میں لوگوں کے

احوال مختلف تھے۔ کچھ لوگ پاگلوں کی طرح باتیں کرنے لگے، کچھ لوگ بیٹھ گئے، کچھ لوگوں پر خاموشی طاری ہوگئی۔ وہ لوگوں سے بات نہیں کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروق بدحواس ہوگئے تھے اور چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے:

"مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلٰكِنَّهٗ ذَهَبَ اِلٰى رَبِّهٖ كَمَا ذَهَبَ مُوْسَى ابْنُ عِمْرَانَ حِيْنَ غَابَ عَنْ قَوْمِهٖ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً"

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے بلکہ وہ اپنے رب کے پاس گئے ہوئے ہیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام چالیس دن اپنی قوم سے غائب ہوئے تھے اور اپنے رب کے پاس گئے تھے پھر واپس آگئے تھے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی واپس آجائیں گے۔"

• حضرت علیؓ ان لوگوں میں سے تھے جو مفلوج شخص کی طرح بیٹھ گئے تھے، چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رہی تھی اور عبداللہ ابن انیس صدمہ برداشت نہ کرسکے اور فوت ہوگئے اور عبداللہ ابن زید نے سجدہ میں گڑگڑا کر دعا کی، یااللہ میری آنکھیں لے لے کیونکہ ان سے میں سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت کرتا تھا، جب آپ وصال فرماگئے ہیں تو مجھے کسی دوسرے کو دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ صبح اٹھے تو آپ نابینا ہوچکے تھے۔ والہانہ عشق میں اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہے جس کا مصداق یہ شعر ہے:

تجھے دیکھ کر پھر نہ دیکھوں کسی کو
نگاہوں کو اس درجہ محدود کردے۔

• حضرت عثمانؓ حواس کھو بیٹھے تھے۔ حضرت عمر نے سلام کیا تو اس کا جواب تک نہیں دیا۔ آپ ﷺ کی اونٹنی عضباء کے آنسو بہنے لگے، تین دن تک کچھ نہیں کھایا پیا اور گریں اور فوت ہوگئی۔ آپ کا گدھا یعفور نے جمپ لگایا اور رسی توڑ

دی اور مدینہ منورہ کی گلیوں میں دوڑتے دوڑتے ایک کنویں میں چھلانگ لگائی اور اسی میں گم ہوگیا۔ کوشش کے باوجود اس کی لاش نہ ملی۔ (سبل الہدیٰ ودیگر کتب)

• الغرض! آپ کے فراق سے صحابہ کرام کو نہایت صدمہ پہنچا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حواس کھو بیٹھے تھے مگر اصحاب کرام میں سے حضرت ابو بکر الصدیق کے حواس قائم رہے۔ بالفرض آپ بھی بدحواس ہوجاتے تو خلافت اور تکفین اور تدفین کے امور انتشار کا شکار ہوجاتے، جس سے دشمنانِ اسلام خوش ہوتے۔

آپ ﷺ کے وصال پر حضرت عمر فاروقؓ کی حالت:

• مختلف روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ پیر کی صبح جب سرورِ دوعالم ﷺ نے دروازے کا پردہ ہٹا کر نماز پڑھتے صحابہ کرام کو ایک نظر دیکھا۔ صحابہ کرام نے گمان کیا کہ الحمدللہ! آج آپ کا مرض کم ہوگیا ہے۔ ابو بکر نے جاکر عرض کیا: یا رسول اللہ! آج آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل اور نعمت کے ساتھ صبح فرمائی ہے، جس طرح آپ پسند فرماتے تھے۔ آج میری بیوی بنت خارجہ کا دن ہے، کیا میں ان کے پاس چلا جاؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں چلے جاؤ۔ ابو بکر مسجد نبوی شریف سے ایک میل دور بنی الحارث کی آبادی سخ میں اپنی بیوی کے پاس چلے گئے مگر اسی روز پیر کے دن چاشت کے وقت سرورِ دوعالم ﷺ کا وصال ہوگیا۔ آپ ﷺ کے جسم اقدس پر کپڑا ڈال دیا گیا۔ حضرت عمر نے حضرت عائشہ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے حجاب کا پردہ درمیان میں کھینچ کر اجازت دے دی۔ حضرت عمرؓ نے داخل ہوتے ہی عرض کیا: یارسول اللہ! مگر جواب نہ آیا، تو حضرت عائشہ نے فرمایا، آپ پر غشی طاری ہے۔ عمر نے آپ کے چہرہ انور سے کپڑا ہٹایا اور کہا "وَاغَشْيَاهُ مَا اَشَدَّ

غِشْیُ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ" (ترجمہ: "افسوس کتنی شدید بے ہوشی رسول اللہ ﷺ پر طاری ہے۔) مگر حضرت مغیرہ ابن شعبہ خاموش رہے۔ جب حضرت عمر اور حضرت مغیرہ واپس دروازے تک پہنچے تو حضرت مغیرہ نے کہا، اے عمر! رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا "کَذِبْتَ مَا مَاتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ وَاللّٰہِ لَا یَمُوْتُ حَتّٰی یُؤْمَرَ بِقِتَالِ الْمُنَافِقِیْنَ ..الخ" (اے مغیرہ! تو جھوٹ بولتا ہے، رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے۔ اللہ کی قسم! اس وقت تک آپ فوت نہیں ہوں گے جب تک منافقوں سے قتال نہیں فرمائیں گے۔ ابھی اپنے رب کے پاس گئے ہیں اور واپس آئیں گے جس طرح موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کیلئے رب کے پاس گئے تھے پھر واپس آگئے تھے۔ آپ واپس آکر منافقوں کے ہاتھ اور ٹانگیں اور زبانیں کاٹیں گے۔) حضرت عمر باتیں کرتے کرتے منہ سے جھاگ گرانے لگے، فرمانے لگے: اے مغیرہ! تجھے فتنہ برپا کرنا یہ کہلوا رہا ہے۔ اسی دوران حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم مسجد کے آخر میں "وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ" تلاوت فرمارہے تھے اور لوگ زاروقطار رو رہے تھے اور تلاوت سن رہے تھے۔ (سبل الہدیٰ)

حضور ﷺ کے وصال پر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی حالت:

- سالم بن عبید حضرت ابو بکر کو آپ ﷺ کی وفات کی اطلاع دینے اور بلانے کیلئے مقام سنح گئے ہوئے تھے۔ جوں ہی ابو بکر نے آپ ﷺ کی وفات کی خبر سنی، فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ منورہ واپس آئے اور سیدھا آپ ﷺ کے حجرہ کے دروازے پر اترے۔ دوسری طرف عمر بولے جارہے تھے مگر ابو بکر نے عمر کی طرف توجہ نہیں دی اور سیدھا اندر گئے۔ رسول اللہ ﷺ پر حجرہ کے آخر میں چادر ڈال دی گئی تھی۔ ابو بکر کے آنسو جاری تھے اور آپ کا جسم صدمہ کی

شدت سے تھر تھرا رہا تھا۔ آپ نے سرورِ دوعالم ﷺ کے چہرہ انور سے کپڑا ہٹایا اور آپ ﷺ کی مبارک پیشانی پر آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ روتے ہوئے کہا "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"۔ رسول اللہ ﷺ فوت ہوگئے ہیں۔ حضرت ابو بکر کے آنسو سرورِ دوعالم ﷺ کے چہرہ مبارک پر گرتے رہے اور آپ رو رو کر کبھی دائیں کبھی بائیں ہو کر کھڑے ہوتے اور کہتے "وَا نَبِیَّاہُ وَا صَفِیَّاہُ وَا خَلِیْلَاہُ" اور کہنے لگے، آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں لیکن وہ موت جو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے لکھی ہے، وہ واقع ہو چکی ہے، اس کے بعد دوبارہ ابد تک آپ پر موت نہیں آئے گی۔ پھر ابو بکر نے آپ ﷺ کے چہرہ انور پر کپڑا ڈال دیا اور مسجد میں جمع لوگوں کے پاس چلے آئے۔

مسجد میں حضرت ابو بکرؓ کی آمد:

- جیسا کہ قارئین پڑھ چکے، حضرت عمرؓ سختی سے لوگوں کو منع کر رہے تھے کہ آپ ﷺ کے متعلق یہ نہ کہو کہ وہ فوت ہوگئے ہیں، حضرت ابو بکرؓ جب مسجد میں آئے، حضرت عمرؓ خطاب کر رہے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا "اَنْصِتْ یَا عُمَرُ" (چپ ہو جاؤ اے عمر!) مگر حضرت عمرؓ چپ نہ ہوئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے تین مرتبہ فرمایا خاموش ہو جاؤ۔ مگر حضرت عمرؓ بدحواس آدمی کی طرح بات کرتے رہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر خطاب شروع کر دیا۔ لوگ حضرت ابو بکرؓ کی طرف متوجہ ہوگئے اور عمرؓ کو چھوڑ دیا۔ ابو بکرؓ منبر پر چڑھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور صلوٰۃ و سلام کے بعد کلمہ شہادت اور دیگر اجزائے ایمان کی تصدیق ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

"اَیُّھَا النَّاسُ مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ
وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ"

ترجمہ: ”اے لوگو! جو شخص محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا، بیشک محمد (ﷺ) فوت ہو گئے ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا، بیشک اللہ تعالیٰ زندہ لا یموت ہے۔“

- پھر آپ نے درج ذیل آیت تلاوت فرمائی:

”وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْــًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ○“(آل عمران:۱۴۴)

ترجمہ: ”اور نہیں ہیں محمد (ﷺ) مگر رسول بیشک آپ سے پہلے رسول وفات پا چکے ہیں اور کیا اگر وہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے (یعنی اسلام ترک کر دو گے) اور جو شخص اپنی ایڑیوں پر پھر گیا پس نہیں ضرر دے گا اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔“

- اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ“ (زمر:۳۰) (بیشک آپ فوت ہونے والے ہیں اور بیشک وہ فوت ہونے والے ہیں۔) پھر یہ آیت تلاوت کی ”كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ“ (قصص:۸۸) (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات۔) پھر فرمایا: ”كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ“ (آل عمران:۱۸۵) (ہر نفس موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے۔) پھر فرمایا: ”كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ“ (رحمٰن: ۲۷-۲۶) (ہر وہ شخص جو زمین پر ہے وہ فنا ہونے والا ہے اور تیرا رب جو صاحب جلال اور اکرام ہے، باقی رہے گا۔) حضرت ابو بکر کا خطاب سن کر لوگوں کو یقین ہو گیا کہ سرورِ دو عالم ﷺ وفات پا چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں، ”اللہ تعالیٰ

کی قسم! جب ابو بکر مذکورہ آیات تلاوت کر رہے تھے، مجھے ایسا لگا میری ٹانگیں بوجھ نہیں اٹھا رہیں حتیٰ کہ میں گر گیا اور مجھے یقین ہو گیا رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ پھر حضرت ابو بکر حضرت عمر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: اے عمر! تو نے قسم اٹھائی تھی کہ جناب رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے کیا تو نہیں جانتا جناب رسول اللہ ﷺ نے فلاں دن یہ یہ فرمایا تھا اور فلاں دن یہ یہ فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ“ (الزمر:۳۰)۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے ایسے لگا گویا میں نے یہ آیات پہلے نہیں سنی تھیں اور اب سن رہا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں، قرآن اسی طرح ہے جیسے نازل کیا گیا اور حدیث اسی طرح ہے جیسے بیان کی گئی اور اللہ تعالیٰ ”حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ“ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صلوات اور سلام نازل ہوں اس کے رسول پر۔ اس کے بعد آپ نے کافی اشعار پڑھے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے صدمہ کی شدت کی وجہ سے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اس لئے میں نے جو کچھ کہا تھا وہ بدحواسی کے عالم میں کہا تھا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد)

آپ ﷺ کے خلیفہ کا انتخاب:

- سرورِ دو عالم ﷺ نے اپنی طرف سے کسی معین شخص کو اعلانیہ خلیفہ نامزد نہیں کیا تھا۔ وفات سے تین دن قبل جمعرات کے دن حدیث قرطاس وجود میں آئی مگر قرطاس (کاغذ) کے سلسلہ میں صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے آپ نے قرطاس (کاغذ) منگوا کر کتابت کرانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ پہلے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

”اُدْعِیْ لِیْ اَبَابَكْرٍ اَبَاكِ وَ اَخَاكِ حَتّٰى اَكْتُبَ كِتَابًا فَاِنِّیْ اَخَافُ اَنْ يَّتَمَنّٰى مُتَمَنٍّ وَيَقُوْلَ قَآئِلٌ اَنَا ...الخ“

ترجمہ: ”اے عائشہ! اپنے والد اور بھائی کو بلاؤ تا کہ میں خط لکھ دوں

پس بیشک میں خوف کرتا ہوں کہ تمنیٰ کرنے والا تمنیٰ کرے گا اور کہے گا میں مستحق ہوں اور میرا غیر نہیں۔"

مگر پھر ارشاد فرمایا، لکھوانے کی ضرورت نہیں کیونکہ "یَأْبَی اللّٰهُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلَّا اَبَابَكْرٍ" "اللہ اور مومنین ابو بکر کے سوا کسی دوسرے کو خلیفہ بنانے سے انکار کر دیں گے۔" (مشکوٰۃ)

مگر اشاروں اور کنایات سے خلافت کیلئے ابو بکر الصدیق کو نامزد کر دیا تھا۔ مثلاً اپنی ظاہری حیات میں امامت کی نیابت ابو بکر الصدیق کو سپرد فرمائی۔ پہلے دن اتفاق سے حضرت بلال نے نماز پڑھانے کیلئے حضرت عمرؓ کو بلا لیا تھا اور انہوں نے نماز پڑھا دی۔ جب آپ ﷺ کو علم ہوا کہ عمر نے نماز پڑھائی ہے آپ نے سختی سے فرمایا کہ نماز ابو بکر پڑھائیں گے۔ اسی طرح ام المومنین حضرت عائشہؓ نے جب عرض کیا کہ ابو بکر رقیق القلب اور کثیر البکاء آدمی ہیں، آپ کے مصلی پر کھڑے ہو کر امامت کرنا ان کیلئے مشکل ہو جائے گا تو آپ ﷺ نے سختی سے ارشاد فرمایا

"مُرُوْا اَبَابَكْرٍ يُصَلِّيْ بِالنَّاسِ اِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوْسُفَ اَوْ كَمَا قَالَ"

ترجمہ: "ابو بکر سے کہو نماز پڑھائے، تم یوسف علیہ السلام کی صواحب ہو"

- شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

"آزاد کرد آنحضرت ﷺ در مرض خود چہل تن از بندگان را و نمازے گذارد با صحاب در مدت مرض مگر سہ روز بعضے گفتہ ہفدہ (۱۷) نماز بود کہ ابو بکر را فرمود کہ بامردم نماز کند۔" (باب وفات النبی ﷺ)

ترجمہ: "آنحضرت ﷺ نے اپنے مرض میں چالیس غلام آزاد فرمائے اور مرض کے ایام میں صحابہ کو خود نماز پڑھاتے رہے مگر تین دن بعض علماء کہتے ہیں سترہ (۱۷) نمازوں میں ابو بکر کو آپ نے فرمایا

نماز پڑھائیں۔"

- شیخ عبد الحق فرماتے ہیں حضرت عبد اللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے سوائے ابو بکر کے کسی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی اور سفر میں ایک مرتبہ عبد الرحمٰن بن عوف کے پیچھے ایک رکعت ادا فرمائی تھی۔ (اشعۃ اللمعات)
- آپ ﷺ کے مرض الوصال میں تقریباً سترہ (۱۷) نمازیں ابو بکر صدیقؓ نے پڑھائیں۔ صحابہ کرام بشمول حضرت عباس اور حضرت علیؓ نے ابو بکر کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں۔ پھر وصال کے دن صبح کے وقت دروازے سے پردہ ہٹا کر امامت کراتے ابو بکر الصدیق اور اقتداء کرتے صحابہ کرام کو دیکھ کر آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا تھا۔ تو ان حوالوں سے خلافت کیلئے ابو بکر الصدیق کو نامزد کرنا سمجھا جا رہا تھا۔ (سبل الہدی)
- چونکہ حکومت اور خلافت کے قیام کے بغیر متنازع امور کے حل کیلئے مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں اس لئے صحابہ کرام نے خلافت کے مسئلہ کو اہمیت دی اور اس کو سب مسائل سے پہلے طے کیا۔
- جب آپ ﷺ کے وصال کا صحابہ کرام کو یقین ہو گیا تو خلافت کیلئے کسی آدمی کی نامزدگی کیلئے غور و خوض شروع ہو گیا۔ چنانچہ ابن اسحاق نے روایت کیا کہ اس مسئلہ کیلئے انصار صحابہ کرام سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور حضرت علی اور حضرت زبیر بن عوام اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ حضرت فاطمہ کے گھر آ گئے اور مہاجرین صحابہ کرام حضرت ابو بکر کے پاس جمع ہو گئے۔ اسی دوران ایک آدمی حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے پاس آیا اور اطلاع دی کہ انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں سعد بن عبادہ کے ساتھ جمع ہیں، اگر تمہیں لوگوں کو اختلاف اور انتشار سے بچانا ہے تو انصار کے پاس جاؤ، اس امر سے پہلے کہ آپ ﷺ اپنے حجرہ میں

موجود ہوں، دفن ہونے سے پہلے اختلاف شروع ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ کو کہا، اٹھو انصار کے پاس چلیں، دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔ چنانچہ ابو بکر الصدیق اور عمر فاروق مہاجرین صحابہ کی جمعیت میں سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے تو سعد ابن عبادہ جو امارت کے امیدوار تھے، بخار کی وجہ سے کمبل میں ملبوس درمیان میں لیٹے ہوئے تھے۔ انصار میں سے ایک آدمی نے کھڑے ہو کر حمد و ثنا کے بعد مسلمانوں کی امارت کیلئے انصار صحابہ کا استحقاق پیش کیا اور دلائل پیش کئے اور کہا "مِنَّا اَمِیْرٌ" کہ امیر انصار میں سے ہوگا۔ پھر بعض انصار نے یہ اعلان بھی کیا "مِنَّا اَمِیْرٌ وَ مِنْکُمْ اَمِیْرٌ" ایک امیر انصار سے ہوگا اور ایک امیر مہاجرین سے ہوگا۔ متعدد خطابات کے بعد حضرت ابو بکر الصدیق نے حمد و ثنا کے بعد طویل خطبہ دیا جس میں امارت کیلئے مہاجرین کا استحقاق ثابت کیا اور فرمایا "مِنَّا اَمِیْرٌ وَ مِنْکُمْ وَزِیْرٌ" امیر تو مہاجرین سے ہی ہوگا مگر انصار سے وزیر ہوں گے۔ کیونکہ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا "اَلْاَئِمَّۃُ مِنْ قُرَیْشٍ" امام قریش سے ہوگا۔ پھر حضرت ابو بکر الصدیق نے حضرت سعد بن عبادہ کو مخاطب ہو کر فرمایا: اے سعد! تم فلاں دن بیٹھے تھے اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا، اس امارت کے والی قریش ہوں گے۔ حضرت سعدؓ نے کہا "صَدَقْتَ" آپ سچ کہتے ہیں۔ (نبراس/سبل الہدی) اور انصار میں سے حضرت زید ابن ثابت نے حضرت ابو بکر الصدیق کی نہایت جرأت سے تائید کی اور فرمایا: امارت اور خلافت مہاجرین صحابہ کرام کا استحقاق ہے۔ (عمدۃ القاری)

- اس کے بعد انصار امارت کے مطالبہ سے دست بردار ہو گئے اور کہنے لگے "صَدَقْتَ" آپ نے سچ کہا ہے۔ حضرت ابو بکر نے حضرت عمر اور حضرت ابو عبیدہ ابن جراح کا نام پیش کیا اور ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ان دو میں سے

کسی ایک کے ہاتھ پر بیعت کر لی جائے مگر فوراً حضرت عمر فاروق اور اسید ابن حضیر اور بشر ابن سعد حضرت ابو بکر کی طرف دوڑے تاکہ ان کی بیعت کریں۔ حضرت عمر پہلے پہنچ گئے اور حضرت ابو بکر الصدیق کا ہاتھ پکڑ کر بیعت کر لی پھر حضرت اسید بن حضیر اور بشر ابن سعد نے بیعت کر لی۔ اس طرح وہاں موجود مہاجرین اور پھر انصار نے یوم وصال پیر کے دن بیعت کر لی اور حضرت ابو بکر الصدیق خلیفہ مقرر ہو گئے۔

- حضرت ابن عقبہ بیان کرتے ہیں، قریب تھا کہ کثرت اصوات اور تنازعہ سے قتال ہو جاتا مگر اللہ تعالیٰ نے شیطان کو رسوا کیا اور سب مسلمانوں کو ابو بکر پر جمع فرما دیا۔ پھر سفیقہ بن ساعدہ سے اٹھ کر حضرت ابو بکر الصدیق مسجد میں منبر پر بیٹھ گئے اور لوگ آپ کی بیعت کرتے رہے حتیٰ کہ شام ہو گئی اور سرورِ دو عالم ﷺ کی تجہیز و تکفین کا مسئلہ مؤخر ہو گیا۔
- حضرت انس بن مالک کی روایت سے معلوم ہوتا ہے، حضرت ابو بکر پھر دوسرے دن منگل کے روز مسجد میں تشریف لائے اور لوگ جمع ہو گئے۔ لوگوں سے دوبارہ اعلانیہ بیعت عامہ لی اور حضرت ابو بکرؓ نے اپنی امارت کی بنیادی پالیسی کا اعلان فرمایا۔
- بلاذری اور بیہقی نے صحیح اسناد کے ساتھ دو طریقوں سے روایت کیا۔ حضرت ابو سعید خدری نے بیان کیا، جب ابو بکر مسجد کے منبر پر بیٹھے، لوگوں میں دیکھا تو زبیر ابن عوام نظر نہ آئے۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا، زبیر کہاں ہیں؟ انصار میں سے کچھ لوگ اٹھے اور زبیر بن عوام کو لے آئے۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: میں کہتا ہوں کیا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی کا بیٹا اور آپ ﷺ کا حواری چاہتا ہے کہ مسلمانوں میں انتشار ہو؟ حضرت زبیرؓ نے کہا، نہیں، آپ سے کوئی شکایت

نہیں۔ حضرت زبیر اٹھے اور لوگوں کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت فرمائی پھر حضرت ابو بکر نے دیکھا تو لوگوں میں حضرت علیؓ نظر نہ آئے۔ آپ نے حضرت علیؓ کے متعلق پوچھا، کچھ لوگ انصار سے اٹھے اور حضرت علیؓ کو مسجد میں لے آئے۔ جب حضرت علیؓ تشریف لائے، حضرت ابو بکر نے فرمایا: کیا رسول اللہ ﷺ کے چچا کا بیٹا اور آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا داماد چاہتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت میں انتشار ہو؟ حضرت علیؓ نے عرض کیا: نہیں، آپ پر کوئی شکایت نہیں۔ حضرت علیؓ اٹھے اور لوگوں کے سامنے بیعت کی پھر حضرت علی اور حضرت زبیر نے تاخیر کی وجہ بیان فرمائی۔ ابن عقبہ کی روایت میں ہے:

"قَالَ عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ مَا غَضِبْنَا اِلَّا اِنَّا اُخِّرْنَا عَنِ الْمَشْوَرَةِ"

ترجمہ: "ہم اس لئے ناراض تھے کہ ہمیں مشورہ میں شریک نہیں کیا گیا۔"

- چونکہ سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونے کے دن حضرت علی اور حضرت زبیر حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کے گھر باہم مشورہ کر رہے تھے اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہونے والے لوگوں نے مشورہ کرکے حضرت ابو بکر الصدیق کی بیعت کرلی تھی اور ان سے مشورہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ ناراض تھے مگر بعد میں اعلانیہ مسجد میں بیعت کرلی تھی۔
- آپ ﷺ کے وصال کے بعد پہلا اختلاف یہ تھا کہ آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے یا نہ۔ اس کا فیصلہ حضرت ابو بکر الصدیق کے بیان کرنے سے ہو گیا۔
- دوسرا اختلاف آپ ﷺ کی خلافت کیلئے کسی آدمی کے چناؤ کیلئے پیدا ہوا گیا تو الحمدللہ! دوسرے دن کی شام تک سارے لوگ ابو بکر الصدیق کی خلافت پر متفق ہوگئے اور آپ کی خلافت پر اجماع ہو گیا۔ تیسرا اشتباہ آپ کے غسل کی کیفیت پر تھا جو کہ غیبی آواز سے دور ہو گیا۔ اور چوتھا اختلاف آپ کے کفن کے

سلسلہ میں تھا، وہ بھی غیبی آواز سے ختم ہو گیا اور پانچواں اختلاف آپ ﷺ کی نمازِ جنازہ پر تھا کہ نماز کس طرح پڑھی جائے۔ وہ بعض صحابہ کرام کے اقوال سے دور ہو گیا اور چھٹا اختلاف آپ ﷺ کی تدفین کی جگہ پر تھا جو کہ حضرت ابو بکر الصدیق کی بیان کردہ حدیث سے ختم ہو گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰالِكَ۔ (محمد رفیق حسنی)

آپ ﷺ کے غسل کی کیفیت:

- صحیح سند کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے (منگل کی شام کو) کہ جب صحابہ کرام نے آپ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو اس میں اختلاف ہو گیا۔ بعض صحابہ کہنے لگے، آپ طاہر ہیں غسل کی ضرورت نہیں اور بعض کہنے لگے غسل ضروری ہے۔ اور کہنے لگے، اللہ کی قسم! ہم نہیں جانتے کس طرح کریں، آپ کے کپڑے اتار کر غسل دیں یا کپڑے نہ اتاریں۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام پر غنودگی طاری فرمادی حتیٰ کہ لوگوں کی ٹھوڑیاں ان کے سینے میں جا لگیں پھر حجرہ کے کونے سے آواز آئی کہ آپ ﷺ کو غسل اس حالت میں دو کہ آپ ﷺ پر کپڑے موجود رہیں لہٰذا آپ ﷺ کو قمیص کے اوپر سے پانی ڈال کر غسل دیا گیا۔ (سبل الہدیٰ)
- امام محمد باقر روایت کرتے ہیں، سرورِ دوعالم ﷺ کو بیری کے پتوں کے پانی سے تین مرتبہ غسل دیا گیا اور آپ کے جسم اقدس پر قمیص موجود تھی اور اس کنویں سے غسل دیا گیا جس کو بیر غرس کہا جاتا تھا جو کہ قباء میں سعد ابن خیثمہ کا کنواں تھا۔ آپ ﷺ اس کنویں کا پانی پیا کرتے تھے۔ (بدایہ ونہایہ)
- حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں جب فوت ہو جاؤں مجھے بیر غرس کے پانی کے سات مشکیزوں سے غسل دینا۔ چنانچہ مسجد قباء کے قریب واقع بیر غرس سے پانی لایا گیا اور اس میں بیری کے پتے ڈال کر آپ

ﷺ کو غسل دیا گیا۔ غسل حضرت علیؓ نے دیا۔ فضل ابن عباس اور شقران اور اسامہ ابن زید اور خود حضرت عباس پانی لانے اور پلٹنے میں تعاون کرتے رہے۔ ایک روایت میں آپ ﷺ کے غلام صالح کی شرکت بھی منقول ہے۔(بدایہ ونہایہ)

- آپ ﷺ کے جسم انور کو قمیص کے اوپر سے حضرت علیؓ ملتے رہے مگر آپ کے ستر سے کپڑا نہیں ہٹایا۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا تھا، جو شخص میرے ستر کو دیکھے گا وہ اندھا ہو جائے گا۔ حضرت علی بیان کرتے ہیں، جب میں آپ ﷺ کی کروٹ بدلنا چاہتا تھا، ایسا لگتا تھا کہ میرے ساتھ تیس آدمی کروٹ بدلنے میں تعاون کر رہے ہیں۔ خود بخود اعضاء مبارک اس پوزیشن میں ہو جاتے تھے جس کا ہم ارادہ کرتے تھے۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ کے جسم اقدس سے میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی جو عام طور پر اموات کو غسل دیتے وقت دیکھی جاتی ہے بلکہ خوشبو پھیل رہی تھی۔ حتیٰ کہ آپ سے مشک کی خوشبو مدینہ منورہ کی گلیوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ نے کہا "بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَّ مَیِّتًا" (آپ پر میری ماں اور باپ فدا ہوں، آپ حیات اور موت میں خوشبو والے تھے۔) کہ آپ کا جسم خوشبو سے مہک رہا ہے۔(بدایہ ونہایہ)
- غسل دینے کے بعد جب آپ ﷺ کا جسم اقدس خشک ہو گیا تو آپ ﷺ کو تیار شدہ حنوط (ایک قسم کی خوشبو جو میتوں کو لگائی جاتی ہے) لگائی گئی اور کچھ حنوط بچ گئی، حضرت علیؓ نے وہ محفوظ کر لی اور وصیت فرمائی، جب میں مر جاؤں تو یہ حنوط میرے لئے استعمال کرنا۔(سبل الہدیٰ)
- بعض روایات میں ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی پلکوں میں پانی کی ایک بوند باقی تھی جس کو حضرت علی نے چوس لیا تھا۔ حضرت علیؓ سے جب نہایت حافظہ

کے متعلق پوچھا گیا، آپ نے کہا، جب سے سرورِ دو عالم ﷺ کی پلکوں میں موجود پانی کا قطرہ چوسا ہے، اس وقت سے حافظہ اتنا تیز ہو گیا ہے کہ کوئی چیز نہیں بھولتی۔

- شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں:

"در شواہد النبوۃ مے آرد کہ پرسیدہ شد علیؓ از سبب قوۃ حفظ وے گفت چوں غسل دادہ شد آنحضرت ﷺ را جمع شد آب در پلک ہائے وے پس برداشتم من بزبان خود آنرا وفرو بردم پس میدانم قوۃ حفظ خود از وے۔" (باب الوفاۃ)

ترجمہ: "شواہد النبوۃ میں مذکور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کے قوۃ حافظہ کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، جناب سرورِ دو عالم ﷺ کو جب غسل دیا گیا، آپ کی پلکوں میں پانی جمع ہو گیا، میں نے وہ پانی اپنی زبان سے اٹھایا اور پی لیا، میری قوۃ حافظہ اسی وجہ سے ہے۔"

آپ ﷺ کے کفن کا بیان:

- ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں، آپ ﷺ کو کپاس سے بنائے گئے سفید تین سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا جو کہ یمن کے شہر سحول کے بنے ہوئے تھے۔ ازار اور رداء اور لفافہ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔
- اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ غسل میں موجود قمیص مبارک کو اتار لیا گیا تھا اور عمامہ مبارک ساتھ نہیں تھا۔
- بعض علماء اس عبارت کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ تین کپڑے قمیص اور عمامہ مبارک کے سوا تھے۔ یعنی آپ کے کفن میں قمیص اور عمامہ بھی تھا۔ گویا پانچ

کپڑے کفن میں تھے مگر زیادہ صحیح پہلی تاویل ہے۔(سبل الہدیٰ)

آپ ﷺ پر نمازِ جنازہ کا بیان:

● غسل اور کفن کی تکمیل کے بعد آپ ﷺ کو چارپائی پر لٹا دیا گیا۔ غسل حضرت عائشہؓ کے گھر کے اندر دیا گیا تھا۔ غسل کے بعد آپ ﷺ کو حجرہ مبارکہ کے اندر رکھا گیا جیسا کہ آپ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی۔ آپ کے حجرہ سے سارے لوگ کچھ وقت کیلئے باہر چلے گئے۔ سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام اپنے جنود کے ساتھ حاضر ہوئے اور آپ ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہوئے چلے گئے، پھر میکائیل علیہ السلام اپنے جنود کے ساتھ، پھر حضرت اسرافیل اور عزرائیل اور دیگر ملائکہ اور جنات گروہوں میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرکے جاتے رہے۔ اس کے بعد لوگوں کے گروپ ایک دروازے سے داخل ہو کر حاضر ہوتے اور صلوٰۃ و سلام پیش کرتے اور دوسرے دروازے سے باہر چلے جاتے۔ جب مرد حضرات حاضری دے چکے پھر خواتین حجرہ مبارکہ کے ایک دروازے سے داخل ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرتیں اور دوسرے دروازے سے چلی جاتیں۔ پھر بچوں کے گروپ اور غلاموں کے گروپ حاضر ہوئے اور سلام پیش کیا حتیٰ کہ صلوٰۃ و سلام کی سعادت سے کوئی حر اور عبد کوئی مرد اور عورت اور کوئی بچہ باقی نہیں تھا جس نے حاضری نہ دی ہو۔ آخر میں حضرت ابو بکر الصدیق حضرت عمر اور ساتھیوں کے ساتھ حاضر ہوئے کہ حجرہ بھر گیا۔ انہوں نے سلام پیش کیا۔ حضرت ابو بکر اور عمر پہلی صف میں تھے۔ حضرت ابو بکر دعا فرماتے جاتے تھے لوگ آمین کہتے جاتے تھے۔ اس عرصہ میں حضرت علیؓ مسلسل آپ کی چارپائی کے ساتھ کھڑے رہے اور حضرت علی نے فرمایا کہ یہاں کوئی امام نہیں کیونکہ حیات اور موت کی حالت میں خود رسول اللہ ﷺ امام ہیں۔ لہٰذا کسی امام کی

گنجائش نہیں، سب سلام پیش کریں، واپس تشریف لے جائیں۔ چنانچہ آپ کیلئے نماز جنازہ اور تکبیریں نہیں کہیں گئیں۔ لوگ آتے اور عرض کرتے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' اور اس کے بعد آپ کی تبلیغ اور امت کے ساتھ اخلاص کی گواہی دیتے اور پھر آپ کی اتباع پر قائم رہنے کی دعا مانگتے اور چلے جاتے۔

آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری تین دن جاری رہی۔(سبل الہدیٰ)

آپ ﷺ کی تدفین کا بیان:

● تدفین کی جگہ کے انتخاب میں صحابہ کرام کے درمیان اختلاف تھا۔ بعض صحابہ کرام کہتے تھے، آپ ﷺ کی قبر انور اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ بیت المقدس میں بنائی جائے اور بعض صحابہ کی تجویز تھی کہ آپ ﷺ کی قبر مکہ مکرمہ، جہاں اللہ کا گھر بھی ہے، بنائی جائے۔ اور ایک تجویز یہ تھی کہ آپ ﷺ کی قبر جنت البقیع مدینہ منورہ کے قبرستان میں بنائی جائے۔ اور ایک تجویز یہ تھی کہ آپ کی آخری آرام گاہ مسجد نبوی کے اندر منبر شریف کی جگہ پر بنائی جائے۔ چنانچہ جب مختلف اطراف سے مختلف تجاویز کا ذکر آیا تو حضرت ابو بکر الصدیق نے فرمایا:

''سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ مَا قُبِضَ نَبِيٌّ اِلَّا دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ فَرُفِعَ فِرَاشُ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ الَّذِيْ تُوُفِّيَ عَلَيْهِ فَحَفَرُوْا لَهٗ تَحْتَهٗ''

(سبل الہدیٰ)

ترجمہ: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ کسی نبی کی روح قبض نہیں کی جاتی مگر اس جگہ اسے دفن کیا جاتا ہے جس جگہ اس کی روح قبض کی گئی ہو۔ چنانچہ آپ ﷺ کا بستر مبارک جس پر آپ کی وفات

ہوئی تھی، اٹھایا گیا اور اس کے نیچے کھدائی کرکے آپ ﷺ کو دفن کیا گیا۔ چونکہ آپ کا بستر مبارک حضرت عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ کی جنوبی (قبلی) دیوار کے ساتھ بچھا ہوا تھا، آپ کی قبر انور بھی اسی جگہ دیوار سے متصل بنائی گئی۔"

- جب تدفین کی جگہ کا فیصلہ ہو گیا تو اب دو تجویزیں آئیں کہ آپ ﷺ کیلئے لحد بنائی جائے یا شق اور زمین کو سیدھا پاٹ کر قبر بنائی جائے۔ فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت ابو عبیدہ ابن جراح شق بنانے کا کاریگر ہے اور حضرت ابی طلحہ لحد بنانے کا کاریگر ہے۔ بیک وقت دو آدمی دونوں کو بلانے چلے گئے، جو شخص پہلے آجائے وہی قبر کی کھدائی کرکے لحد یا شق بنائے اور ساتھ ہی صحابہ کرام نے دعا کی، اے اللہ! اپنے رسول ﷺ کیلئے ان دو لحد اور شق سے جو تجھے پسند ہو، اس کو توفیق عطا فرما۔ چنانچہ ابو عبیدہ ابن جراح نہ ملے اور ابو طلحہ مل گئے۔ انہوں نے آکر آپ ﷺ کی قبر انور کیلئے لحد تیار کی۔ (سبل الہدی)
- ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جنوبی قبلہ کی جانب قبلی دیوار کے ساتھ متصل قبر بنائی گئی تھی حتیٰ کہ قبلہ کی جانب دیوار اور قبر کے درمیان جگہ نہیں تھی، اس لئے آپ ﷺ کو بدھ کی شام خمیس کی آدھی رات وفات کے تیسرے دن سر کی جانب سے قبر میں اتارا گیا۔ (سبل الہدی)
- امام شافعی کا یہی مذہب ہے کہ میت کو قبر کے سرہانے سے اتارا جائے اور احناف کے نزدیک قبر سے قبلہ کی جانب سے میت کو قبر میں اتارنا افضل ہے۔ احناف کہتے ہیں، چونکہ قبلی دیوار اور قبر انور کے درمیان جگہ نہیں تھی، اس لئے آپ ﷺ کو سر کی جانب سے قبر میں اتارا گیا یعنی مجبوری تھی۔ اگر مجبوری نہ ہو تو قبلہ کی جانب سے قبر میں اتارا جائے۔

- قبر انور میں اتارنے والے حضرات کے نام یہ ہیں: حضرت علی ابن ابی طالب، حضرت فضل ابن عباس، حضرت قثم ابن عباس اور رسول اللہ ﷺ کا غلام شقران۔
- حضرت شقران نے رسول اللہ ﷺ کی سرخ چادر جو آپ استعمال فرمایا کرتے تھے، لحد میں بچھادی تاکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد اس چادر کو کوئی استعمال نہ کرے۔
- جب آپ ﷺ کو لحد میں اتار دیا گیا، حضرت علیؓ نگرانی فرما رہے تھے۔ اسی دوران حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے قصداً اپنی چاندی کی انگوٹھی لحد میں گرادی، جس کا علم حضرت علیؓ کو نہ ہو سکا۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے عرض کیا: اے علی! میری انگوٹھی لحد میں گر گئی ہے، مجھے لحد میں اترنے کی اجازت دیں تاکہ میں انگوٹھی اٹھالوں۔ آپ کو حضرت علی نے اجازت دی، آپ لحد میں اترے اور سرورِ دو عالم ﷺ کی قدم بوسی شروع کردی۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہ بطور فخر اور سعادت بیان کیا کرتے تھے کہ میں آخری شخص ہوں جس کو سرورِ دو عالم ﷺ کے جسم اقدس کے ساتھ تلمس حاصل ہوا۔ الحمد للہ۔
- پھر نو (۹) کچی اینٹوں سے لحد مبارک کو بند کردیا گیا۔ غالباً ہر اینٹ کا سائز 24x8 انچ ہوگا۔ مورخہ ۱۵ ربیع الاول بدھ کی رات آپ ﷺ کو ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں جنوبی قبلی دیوار کے ساتھ دفن کردیا گیا۔ یوم بعث قبروں سے خروج کے وقت تک آپ ﷺ اسی جگہ آرام فرما رہیں گے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

- اس کے بعد آپ ﷺ کی قبر انور پر کنکریاں اور مٹی تقریباً ایک بالشت زمین کی سطح سے بلند ڈال دی گئیں اور حضرت بلالؓ نے پانی کا چھڑکاؤ کیا۔ (بدایہ ونہایہ)

- آپ ﷺ کی تدفین کے وقت میں تین روایات ذکر کی جاتی ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ آپ ﷺ کا جسد اقدس تین دن کے بعد قبر انور میں اتارا گیا۔ اگر ایسا ہوا تو آپ کی تدفین بدھ کی شام تک مؤخر ماننا پڑے گی۔ اس روایت کو علماء نے رد کر دیا ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کو منگل یعنی وفات کے دوسرے روز دفن کیا گیا۔ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ تیسری روایت یہ ہے کہ آپ کو منگل کے دن کی شام بدھ کی رات تقریباً بارہ بجے کے بعد قبر انور میں اتارا گیا۔ یہ روایت صحیح ہے۔ آپ ﷺ کا وصال پیر کے روز تقریباً چاشت کے وقت ہوا۔ پیر کا دن خلافت کی مشاورت کے بعد حضرت ابو بکر الصدیق کی بیعت میں اور دیگر امور میں گزر گیا۔ دوسرے دن منگل کی ظہر کی نماز تک حضرت ابو بکرؓ کی دوبارہ بیعت عامہ اور دیگر امور میں گزر گئے۔ منگل کی شام کو آپ ﷺ کو غسل دیا گیا اور قبر مبارک کھودی گئی اور لوگوں نے آخری صلوٰۃ و سلام پیش کیا حتی کہ بدھ کی رات شروع ہو گئی اور رات کے آخری حصہ میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ چنانچہ بدایہ ونہایہ میں ہے:

"وَالصَّحِيْحُ اَنَّهٗ مُكِثَ بَقِيَّةَ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ وَيَوْمَ الثُّلَثَاءِ بِكَمَالِهٖ وَدُفِنَ لَيْلَةَ الْاَرْبِعَاءِ" (۴/۲۵۲ مکتبہ دارالفکر)

ترجمہ: "اور صحیح یہ ہے کہ آپ کو پیر کے بقیہ دن اور منگل کے سارے دن دفن نہیں کیا گیا اور بدھ کی رات دفن کیا گیا۔"

- واقدی کے طریقہ میں ام المومنین ام سلمہؓ سے مروی ہے:

"قَالَتْ بَيْنَا نَحْنُ مُجْتَمِعُوْنَ نَبْكِيْ لَمْ نَنَمْ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فِيْ بُيُوْتِنَا وَ نَحْنُ نَتَسَلّٰى بِرُؤْيَتِهٖ عَلَى السَّرِيْرِ اِذْ سَمِعْنَا صَوْتَ الْكَرَازِيْنَ فِي السَّحَرِ۔ قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ فَصِحْنَا وَ صَاحَ اَهْلُ

الْمَسْجِدِ فَارْتَجَّتِ الْمَدِيْنَةُ صَيْحَةً وَاحِدَةً وَ اَذَّنَ بِلَالٌ بِالْفَجْرِ فَلَمَّا ذَكَرَ النَّبِيَّ بَكٰى وَ انْتَحَبَ فَزَادَنَا حُزْنًا وَّ عَالَجَ النَّاسُ الدُّخُوْلَ اِلٰى قَبْرِهٖ فَغُلِقَ دُوْنَهُمْ فَيَا لَهَا مِنْ مُصِيْبَةٍ مَا اَصَبْنَا بَعْدَهَا بِمُصِيْبَةٍ اِلَّا هَانَتْ اِذَا ذَكَرْنَا مُصِيْبَتَنَا بِهٖ ﷺ"

(۴/۲۵۱ بدایہ ونہایہ، مکتبہ دارالفکر)

ترجمہ: "سیدہ ام سلمہ بیان فرماتی ہیں کہ اس حال میں کہ ہم جمع ہو کر رو رہے تھے، ہم سوئے نہیں تھے اور رسول اللہ ﷺ چارپائی پر ہمارے گھر موجود تھے۔ ہم چارپائی پر آپ کو دیکھ کر تسلی حاصل کر رہے تھے۔ اچانک ہم نے سحری کے ٹائم بیلچوں کی آواز سنی تو ہماری چیخیں نکل گئیں اور اہل مسجد چیخ پڑے۔ مدینہ ایک دم چیخ و پکار سے ملنے لگا اور بلال نے فجر کی آذان شروع کی۔ جب بلال نے "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پر آپ کا نام ذکر کیا تو رونے لگے اور بلند آواز سے روئے۔ بلال نے ہمارے حزن کو زیادہ کر دیا۔ آپ کی قبر کی طرف لوگوں نے داخل ہونے کا ارادہ کیا، ان کے آگے دروازہ لاک کر دیا گیا۔ اے کاش مصیبت! اس مصیبت کے بعد سب مصیبتیں ہلکی ہو گئیں جب ہم رسول اللہ ﷺ کی مصیبت کو یاد کرتے تھے۔"

- معلوم ہوا آپ کو بدھ کی رات دفن کیا گیا۔ واقدی کی روایت میں حضرت عبداللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ اپنی چارپائی پر پیر کے دن سورج کے زوال سے منگل کے دن زوال تک موجود رہے اور لوگ صلوٰۃ و سلام پڑھتے رہے اور آپ کی قبر کے کنارے چارپائی پر آرام فرما رہے تھے۔ جب انہوں نے ارادہ کیا کہ آپ کو دفن کیا جائے تو انہوں نے چارپائی کو قدمین مبارکین کی

جانب سے کھینچ لیا اور آپ کو قبر میں اتارا گیا۔ آپ کی قبر میں حضرت عباس، حضرت علی، حضرت قثم، حضرت فضل اور شقران اترے۔ (بدایہ ونہایہ، ص۲۴۸)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُوْحِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَرْوَاحِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی جَسَدِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْاَجْسَادِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی قَبْرِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ فِی الْقُبُوْرِ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ۔

● کسی نے کہا:

یَامَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظَمُہٗ
فَطَابَ مِنْ طِیْبِھِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ

ترجمہ: ”اے بہترین ذات! ان لوگوں سے جن کے اعضاء کو ہموار زمین میں دفن کیا گیا، جن کے اعضاء کی خوشبو سے ہموار اور غیر ہموار زمین خوشبودار بن گئی۔“

نَفْسِی الْفِدَاءُ عَلَی الْقَبْرِ اَنْتَ سَاکِنُہٗ
فِیْہِ الْعِفَافُ وَ فِیْہِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

ترجمہ: ”میری جان اس قبر پر قربان جس میں آپ رہائش رکھتے ہیں، اس قبر میں عفت اور جود وسخا اور کرم ہے۔“

اَنْتَ النَّبِیُّ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ
عِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا مَا زَلَّتِ الْقَدَمُ

ترجمہ: ”اور آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی شفاعت کی آس لگائے ہوئے ہیں، جس دن پلصراط پر قدم ڈگمگائیں گے۔“

حجرات مبارکہ کا بیان

- ✓ ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تفصیل
- ✓ محل وقوع اور رقبہ
- ✓ حجروں کا طول وعرض
- ✓ حجرہ مبارکہ میں مزاراتِ مقدسہ کی ترتیب
- ✓ پنج گوشہ کی تعمیر اور تفصیل

حجراتِ مبارکہ کا بیان

• ام المومنین سیدہ عائشہؓ کا یہی حجرہ مبارکہ آپ کی رہائش گاہ تھی اور یہی حجرہ مبارکہ آپ کی آخری آرام گاہ بنا اور اس حجرہ مبارکہ کی شان یہ ہے کہ یہ حجرہ کعبۃ اللہ اور عرش عظیم سے بھی افضل ہے۔ اسی حجرہ مقدسہ میں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر الصدیق اور حضرت عمر فاروق آرام فرما ہیں اور اسی حجرہ مقدسہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آخری آرام گاہ (قبر انور) بنے گی اور اسی حجرہ مبارکہ کی مٹی کے خمیر سے سرورِ دو عالم ﷺ اور آپ کے دونوں وزیر (حضرت ابو بکر و حضرت عمر) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اجسام مقدسہ بنائے گئے۔ ان حجروں کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور ان ہی حجروں کے نام سے قرآن میں سورہ حجرات ہے۔

• حضرت ایوب انصاریؓ کا ادب فرمانا: سید العالمین ﷺ ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ تشریف لائے آپ نے کچھ دن حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان کے زیریں حصہ میں قیام فرمایا۔ حضرت ابو ایوب انصاری بیان فرماتے ہیں کہ بے خیالی میں رات کے وقت ہم بیوی بچے بالائی منزل پر آرام کرنے کیلئے چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد خیال آیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ ہمارے نیچے ہیں اور ہم چھت پر ان کے اوپر ہیں۔ میں اور میری بیوی دونوں بالائی منزل کے کمرہ میں ایک کونے میں بیٹھ گئے تاکہ کم از کم آپ ﷺ کے محاذات سے اجتناب کرکے بے ادبی کا ارتکاب نہ ہو۔ ساری رات اسی طرح گذار دی۔ صبح بارگاہِ رسالت میں حاضری دی، عرض کیا: یارسول اللہ! آپ بالائی منزل پر قیام فرمائیں، ہم نے آج رات اس طرح گذاری ہے، ہمارے لئے بالائی منزل پر رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ آپ

ﷺ نے فرمایا: میرے پاس لوگ آتے جاتے ہیں اس لئے میرے لئے زیریں منزل مناسب ہے، آپ لوگ میری اجازت سے بالائی منزل میں قیام کریں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ قارئین اندازہ کریں کہ صحابہ کرام سرورِ دو عالم ﷺ کا ادب کس حد تک کرتے تھے۔

• جب آپ ﷺ نے مسجد کی تعمیر فرمائی اس کے ساتھ ہی مشرقی جانب ایک حجرہ حضرت عائشہؓ اور دوسرا حجرہ حضرت سودہ بنت زمعہ کیلئے بنوایا۔ جس مٹی کی اینٹوں سے مسجد بنائی گئی، انہی اینٹوں سے دو حجرے مبارکہ بھی بنائے گئے۔ حجروں مبارکہ کی زمین بھی سہل اور سہیل سے خریدی گئی، جس طرح مسجد کی زمین ان دو یتیم بچوں سے خریدی گئی تھی۔ چونکہ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ام المونین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے وصال کے بعد ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ کے ساتھ شادی فرمائی تھی اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کے ساتھ صرف نکاح فرمایا تھا، اس لئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عائشہؓ کیلئے بنائے گئے حجرہ سے مشرق کی جانب حضرت سودہ بنت زمعہ کا حجرہ بھی بنوالیا تھا۔ جب حضرت سودہ مدینہ منورہ تشریف لائیں تو اسی حجرہ میں جو پہلے سے تیار تھا، قیام فرمایا اور ۲ ہجری میں جب ام المومنین حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی تو حضرت عائشہ اپنے حجرہ میں دلہن بن کر تشریف لائیں۔

• اس حجرہ مبارکہ کا ایک دروازہ مغرب کی طرف مسجد میں کھلتا تھا۔ اس دروازے پر شیشم کی لکڑی سے ایک ہی پلہ کا دروازہ تھا اور اوپر سیاہ کپڑے کا تین ہاتھ (ڈیڑھ میٹر) لمبا اور ڈیڑھ ہاتھ (آدھا میٹر) چوڑا پردہ ڈالا گیا تھا اور ایک دروازہ شمال کی جانب سیدہ فاطمۃ الزہراء کے گھر کی طرف کھلتا تھا۔ شمالی دروازہ قدرے چھوٹا تھا۔ (جستجوئے مدینہ)

ازواجِ مطہرات کے حجروں کی تفصیل اور محل وقوع اور رقبہ:

• قرآن مجید میں ازواجِ مطہرات کے حجروں کا ذکر درج ذیل آیات میں موجود ہے:

"اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔" (حجرات:۴)

ترجمہ: "بیشک وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں اکثر عقلمند نہیں۔"

"وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ" (احزاب:۳۳)

ترجمہ: "اور اپنے گھروں میں رہا کرو۔"

"وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰى فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔" (احزاب:۳۴)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی آیات اور حکمت کی باتیں جو تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں، انہیں یاد کرو۔" (یعنی عمل کرو)

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّآ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ۔" (احزاب:۵۳)

ترجمہ: "اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو مگر یہ کہ تمہیں اذن دیا جائے۔"

حجرات شریفہ کا محل وقوع:

• ازواجِ مطہرات کے صرف پانچ حجروں کے محل وقوع پر مورخین کا اتفاق ہے، باقی حجروں کے محل وقوع میں اختلاف ہے۔ حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت سودہؓ بنت زمعہ، حضرت زینبؓ بنت خزیمہ پھر حضرت ام سلمہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔ یہ پانچوں حجرے مسجد نبوی کی بائیں جانب مشرقی طرف واقع تھے۔

• سیدہ عائشہؓ کا حجرہ مبارکہ مسجد کی مشرقی دیوار کے ساتھ ملحق تھا جس پر آج

گنبد خضراء کا بقعہ مبارک قائم ہے اور حضرت حفصہؓ کا حجرہ مبارکہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے جنوب میں تھا، جہاں آج زائرین کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے ہیں۔ اور حضرت سودہ بنت زمعہ کا حجرہ مبارکہ سیدہ عائشہؓ کے حجرہ مبارکہ کے مشرق میں تھا اور حضرت فاطمۃ الزہراء کا حجرہ مبارکہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کے شمال میں تھا، جس کی تفصیل قارئین آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت فاطمۃ الزہراء کے حجرہ مبارکہ کے عقب میں مشرقی جانب حضرت ام سلمہ کا مکان تھا اور حضرت زینب بنت خزیمہ کا حجرہ وہی حضرت ام سلمہ کا حجرہ تھا کیونکہ حضرت زینب سن ۴ ہجری میں فوت ہو گئیں تھیں تو ان کا حجرہ سرورِ دو عالم ﷺ نے حضرت ام سلمہ کو دے دیا تھا۔ باقی ازواجِ مطہرات کے حجروں کے محل وقوع میں اختلاف ہے مگر اکثر روایات میں ان کا محل وقوع مسجد سے مشرقی جانب تھا۔

• علامہ روح اللہ نقشبندی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، اس تجزیہ کے بعد واضح ہو گیا کہ تمام حجرات مبارکہ مسجد نبوی کی ایک ہی سمت مشرق میں ایک سیدھی قطار میں واقع تھے جو قطار مسجد کی محاذات سے شمال کی طرف آگے بڑھ کر ختم ہوتی تھی۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔

حجروں کا طول و عرض:

ع سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

• سرورِ دو عالم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے حجرات مبارکہ سادگی اور تواضع کی تصویر تھے۔ سارے کمرے مٹی اور گارے کی کچی اینٹوں سے اور ان کی چھتیں کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے بنائی گئی تھیں۔ اکثر حجروں کے دروازوں پر صرف موٹا ٹاٹ لگا ہوا تھا تاکہ پردہ پوشی قائم رہے۔ ہر مکان ایک کمرہ اور ایک مختصر صحن پر مشتمل تھا۔

- ہر کمرہ کی لمبائی دس ہاتھ تقریباً پانچ میٹر تھی اور چوڑائی سات ہاتھ تقریباً ساڑھے تین میٹر اور صحن کی لمبائی کمرہ کے برابر اور چوڑائی سات ہاتھ تقریباً ساڑھے تین میٹر تھی۔ شاید اس صحن میں واش روم اور چولہا اور کپڑے دھونے کی جگہ بنائی گئی تھی۔(وفاءالوفاء)
- اور چھتوں کی بلندی اتنی تھی کہ ہاتھ اٹھا کر چھت کو چھوا جا سکتا تھا۔ حضرت ابن یسار بصری (۲۱ — ۱۱۰ ہجری) جو کہ حضرت خیرہ کے بیٹے تھے۔ حضرت خیرہ حضرت ام سلمہ کی آزاد کردہ کنیز تھی۔ آپ سید الاولیاء تابعی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں، جب میں قریب البلوغ نوجوان تھا، ازواجِ مطہرات کے حجروں میں داخل ہوتا تھا، ہاتھ اٹھا کر چھتوں کو چھولیا کرتا تھا۔ شاید چھتیں زیادہ سے زیادہ آٹھ ہاتھ زمین کی سطح سے بلند تھیں۔ (وفاءالوفاء)

کمروں کی دیواریں عموماً کچی اینٹوں کی تھیں مگر صحن کھجور کی لمبی لمبی ٹہنیوں سے گھیر لئے گئے تھے اور پردہ کیلئے کھجور کی ٹہنیوں کو موٹے کپڑوں سے ڈھانپ دیا گیا تھا تاکہ کھجور کی ٹہنیوں کی باڑ کے جھروکوں سے بے پردگی نہ ہو۔

ان مقدس حجروں میں عموماً چراغ نہیں جلتے تھے۔ حجروں کی ترتیب کچھ اس طرح تھی، سیدہ عائشہ کے حجرہ کے ساتھ مشرقی جانب حضرت سودہ اور سیدہ صفیہ کا حجرہ تھا اور جنوبی جانب سیدہ حفصہ کا کمرہ تھا۔ شمالی جانب ام سلمہ اور سیدہ ام حبیبہ اور سیدہ زینب اور سیدہ جویریہ اور سیدہ میمونہ اور سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنھن کے حجرات تھے۔

سیدہ عائشہ کے حجرہ کے جنوب (قبلہ) کی جانب ام المومنین حضرت حفصہ کا حجرہ مبارکہ تھا۔ جہاں مواجہہ شریف میں آجکل لوگ کھڑے ہو کر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں سلام پیش کرتے ہیں۔ ان دونوں حجروں کے درمیان چھوٹی سی

گلی تھی جس میں ایک آدمی کے گذرنے کی گنجائش تھی، اسی گلی سے مسجد میں داخل ہونے کا راستہ تھا۔ ان دونوں حجروں کے درمیان اتنا قرب تھا کہ ام المومنین حضرت عائشہ اور ام المومنین حضرت حفصہ باہم کلام کر سکتی تھیں۔ شاید آج جہاں زائرین مواجہہ شریف کے سامنے صلوٰۃ و سلام پیش کرتے ہیں، اس کا کچھ حصہ حضرت حفصہ کا کمرہ تھا اور ام المومنین سیدہ عائشہ کے حجرہ مبارکہ کے شمال میں ام المومنین سیدہ فاطمۃ الزہراء کا مکان تھا اور یہی حضرت علی اور حسنین کریمین کی رہائش گاہ تھی۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء کے حجرہ کی قِبلی (جنوبی) دیوار اور سیدہ عائشہ کے حجرہ کی شمالی دیوار کے درمیان بھی نہایت قلیل فاصلہ تھا، جس کی وجہ سے حضرت عائشہ کے حجرہ مبارکہ کا شمالی دروازہ کھلتا تھا اور آنے جانے کی سہولت موجود تھی۔ ام المومنین حضرت فاطمۃ الزہراء کے مکان کا ایک دروازہ شمال کی جانب کھلتا تھا اور دوسرا دروازہ جنوبی مغربی کونے پر کھلتا تھا، جس دروازہ پر سرورِ دو عالم ﷺ صبح کی نماز کے وقت کھڑے ہو کر اہل خانہ کو آواز دیا کرتے تھے اور آیت "اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا" تلاوت فرما کر نماز کیلئے بیدار کرتے تھے۔

- ایک روایت کے مطابق ام المونین حضرت فاطمۃ الزہراء کا مزار مبارک بھی اسی مکان میں ہے۔(وفاءالوفاء)
- سیدہ فاطمۃ الزہراء کے حجرہ مبارکہ کے مغربی دروازہ کے ساتھ تکونی دیوار کے زاویہ انحراف کے ساتھ مقام جبرائیل علیہ السلام ہے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ نے جبرئیل علیہ السلام کو حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں اسی جگہ دیکھا تھا۔ اب یہ جگہ جالیوں کے اندر لے لی گئی ہے اور زائرین اس جگہ سے تبرک حاصل کرنے سے محروم کر دیئے گئے ہیں۔(کتب تاریخ مدینہ)

حجرہ مبارکہ میں مزاراتِ مقدسہ کی ترتیب

• سیدہ عائشہ کے حجرہ مقدسہ میں آپ ﷺ کی آخری آرام گاہ بن جانے کے بعد گنبد خضراء کے تدریجی مراحل کا آغاز ہو گیا تھا اور حجرہ مبارکہ کی کیفیت رہائش گاہ سے مزار اقدس ہونے میں تبدیل ہو گئی تھی۔ ۲۲ جمادی الثانیہ سن ۱۳ ہجری / ۶۳۴ عیسوی پیر کے دن ۶۳ سال کی عمر میں حضرت ابو بکر الصدیق کا وصال ہوا تو آپ کا مزار بھی اپنے محبوب آقا ﷺ کے پہلو میں بن گیا اور یکم محرم ۲۴ ہجری / ۶۴۵ عیسوی ۶۳ سال کی عمر میں حضرت عمر فاروق کا وصال ہوا تو آپ کا مزار بھی حضرت ابو بکر کے ساتھ اسی حجرہ مبارک میں بن گیا تو یہ حجرہ لوگوں کیلئے زیارتگاہ بن گیا۔

حضرت سعید ابن مسیب بیان کرتے ہیں، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ تین چاند میرے حجرہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ آپ نے اپنے والد حضرت ابو بکر الصدیق سے اس خواب کی تعبیر پوچھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تیرے حجرہ میں تین مقدس اشخاص مدفون ہوں گے۔ جب سید العالم ﷺ کا وصال ہوا اور آپ کی قبر انور حجرہ میں بنائی گئی اور آپ کو دفن کیا گیا تو حضرت ابو بکر نے اپنی بیٹی عائشہ سے فرمایا ''هٰذَا خَيْرُ اَقْمَارِكَ'' (یہ پہلا چاند ہے) جو تمہارے کمرے میں اترا ہے اور یہ تینوں میں سے سب سے افضل چاند ہے۔ (بدایہ ونہایہ)

• ام المومنین حضرت عائشہ سے مروی ہے سرورِ دو عالم ﷺ مرض کی شدت ایام میں بھی ازواج کو ایک ایک رات ان کے حجروں میں مقیم رہ کر ٹائم عطا فرماتے تھے۔ مگر آپ پوچھتے تھے ''اَيْنَ اَنَا غَدًا ۔ اَيْنَ اَنَا غَدًا'' (میں کل کہاں

رفیق المدینہ المنوّرہ

ہوں گا) بار بار فرماتے تھے۔ ازواج مطہرات سمجھ گئیں کہ آپ کی خواہش میرے پاس قیام فرمانے کی ہے۔ چنانچہ سب نے میرے پاس قیام کی اجازت دے دی۔ آپ بقیہ ایام میرے گھر رہے۔ آپ کی روح اقدس اسی حجرہ میں قبض کی گئی جبکہ آپ کا سر مبارکہ میرے سینہ پر دو بازوؤں کے درمیان تھا۔ (کتب سیرت)

• فتح خیبر کے موقعہ پر ایک یہودی عورت نے بھنے ہوئے گوشت میں زہر ملا کر آپ ﷺ اور آپ کے چند صحابہ کرام کی دعوت کی تھی۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے ایک لقمہ تناول فرمایا اور آپ کے صحابی بشر ابن البراء انصاری نے زیادہ لقمے کھا لئے تھے۔ گوشت بولنے لگا: یارسول اللہ! مجھے مت کھائیں، میرے اندر زہر ملا ہوا ہے۔ حضرت بشر ابن البراء تو اسی وقت فوت ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر زہر کے اثر کو روکے رکھا لیکن مرض الموت میں آپ ﷺ فرماتے تھے: اے عائشہ! اس زہر نے میری اَبْہَرْ (شہ رگ) کو کاٹ دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے متعلق علماء عظام نے تحریر فرمایا۔ آپ ﷺ کی موت بھی جہری شہادت کی موت ہے۔

• آپ ﷺ کی وفات کی تفصیل ایک مستقل باب میں لکھ دی گئی ہے۔ قارئین اس باب میں اس کو ملاحظہ کریں۔ آپ ﷺ کے مزار انور پر حضرت بلال نے پانی چھڑکا اور آپ کے مزار انور کا تعویذ اونٹ کی کوہان کی طرح ایک بالشت زمین سے اونچا رکھا گیا۔

• سیدنا علیؓ سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی قبر انور پر پانی چھڑکا جا چکا تو غم زدہ سیدہ فاطمۃ الزہراء حجرہ مطہرہ میں آئیں۔ انہوں نے قبر انور سے مٹھی بھر کر مٹی اٹھائی اور آنکھوں پر رکھی اور سونگھا اور یہ شعر کہا:

مَــــاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَــــةَ اَحْمَــــدٍ

اَنْ لَّا یَشُــمَّ مَــدَی الزَّمَــانِ غَوَالِیَــا

ترجمہ: ”جو بھی احمد مجتبےٰ ﷺ کی قبر اطہر کی مٹی سونگھ لے، اسے ساری عمر کسی دوسری خوشبو سونگھنے کی ضرورت نہیں۔“

صُــبَّتْ عَلَیَّ مَصَــائِبٌ لَــوْ اَنَّهَــا

صُــبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَــا

ترجمہ: ”میرے اوپر پہاڑ مصائب کے ٹوٹ پڑے، اگر وہ مصائب دن پر گریں تو وہ رات میں بدل جائیں۔“

(العقد الفرید، الجزء الثالث)

- سیدہ فاطمہؓ کے علاوہ اکثر صحابہ کرام نے اشعار لکھے جن میں آپ ﷺ کے فراق پر نہایت اندوہ اور غم کا اظہار موجود ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ سمہودی کی ”وفاء الوفاء“ ملاحظہ کریں۔

حضرت ابو بکر الصدیقؓ کا وصال:

- حضرت ابو بکر الصدیقؓ کا وصال ۶۳ سال کی عمر میں ۲۱ جمادی الثانیہ سن ۱۳ ہجری پیر کے دن ہوا۔ وفات سے پہلے تقریباً دو ہفتہ بیمار رہے تھے۔ آپ کی وفات غار ثور میں سانپ کے کاٹنے کے زہر سے واقع ہوئی۔ آپ کو بھی جہری شہادت کی موت کا اجر ملے گا۔ (کتب سیرت)
- دورانِ علالت آپ کا قیام اپنے گھر میں رہا جو کہ مشرقی جانب باب جبرئیل کے سامنے تھا۔ آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو غسل آپ کے بیٹے حضرت

عبدالرحمٰن اور آپ کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس نے دیا۔ تکفین کے بعد آپ کا جنازہ اسی چارپائی پر لایا گیا جس پر سرورِ دو عالم ﷺ کا جنازہ رکھا گیا تھا۔ سیدنا عمر الفاروق نے مسجد نبوی کے ریاض الجنۃ میں آپ کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ کی وصیت تھی کہ نماز کے بعد مجھے سرورِ دو عالم ﷺ کے حجرہ مبارک کے سامنے رکھ دینا اگر دروازہ کھل جائے، مجھے سرورِ دو عالم ﷺ کے پہلو میں دفن کر دینا اور اگر نہ کھلے تو جنت البقیع میں دفن کر دینا۔ چنانچہ آپ کا جنازہ حجرہ مبارکہ کے دروازے پر رکھا گیا۔ دروازہ کھل گیا اور آواز آئی ”اَوْصِلُوا الْحَبِیْبَ اِلَی الْحَبِیْبِ“ (حبیب کو حبیب کے ساتھ ملا دو)۔ آپ کی قبر لحدی کھودی گئی اور آپ کو حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر اور حضرت طلحہ نے قبر میں اتارا۔ (خصائص کبریٰ)

- حضرت ابو بکر کے وصایا میں ایک وصیت یہ تھی کہ اے عائشہ! مجھے بھی تین سوتی کپڑوں میں کفن دینا جس طرح رسول اللہ ﷺ کو کفن دیا گیا مگر میں نے جو چادر پہنی ہوئی ہے، اس کو دھو کر دو مزید چادریں ملا کر کفن دے دینا۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا، پہنی ہوئی چادر پرانی ہے۔ آپ نے فرمایا، نئے کپڑے پہننے کا زندہ زیادہ حقدار ہوتا ہے، مجھے اسی چادر کا کفن دینا۔
- اور ایک وصیت یہ بھی تھی کہ میرے ترکہ میں اپنی چھوٹی بہن کا حصہ ان کو ضرور دینا۔ سیدہ عائشہ نے عرض کیا: میری چھوٹی بہن تو نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں کے پیٹ میں ہے۔ چنانچہ آپ کی چھوٹی بہن ام کلثوم پیدا ہوئی۔
- اور ایک وصیت یہ بھی تھی، میرے پاس مسلمانوں کے بیت المال سے ایک پیالہ اور ایک گدا اور دودھ کیلئے ایک اونٹنی موجود ہے۔ یہ بیت المال میں واپس

کردیا جب تک میں زندہ رہا اور مسلمانوں کے امور انجام دیتا رہا، بیت المال کی ان چیزوں سے نفع اٹھانا میرے لئے جائز تھا لیکن وفات کے بعد ان اشیاء سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہوگا۔ جب اس وصیت کا علم حضرت عمر فاروقؓ کو ہوا تو آپ نے فرمایا: ابو بکر تشریف لے گئے مگر ہمارے لئے ایسے تقویٰ کی راہ پر چلنے کے درس سے مشکلات پیدا فرما گئے۔ (کتب سیرت)

حضرت عمرؓ کا وصال:

• حضرت زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ"

ترجمہ: "اے اللہ! مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما اور میری موت اپنے رسول کے شہر میں عطا فرما۔"

• ۶۳ سال کی عمر میں ایک سفر سے واپس آتے ہوئے دعا فرمائی، یا اللہ! بوڑھا ہوگیا ہوں۔ خلافت کا بوجھ پوری طرح اٹھانے کی طاقت نہیں رہی۔ مجھے اپنے پاس بلالے۔ آپ کی دعائیں قبول ہوئیں۔

• آپ کے وصال کا سبب یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کو کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے پیغام بھیجا میرا غلام ابولؤلؤ فیروز اچھا کاریگر ہے، حداد نقاش اور نجار (لوہار اور نقش و نگار بنانے والا اور درکھان) ہے کیا اسے مدینہ منورہ بھیج دوں تاکہ لوگ نفع اٹھائیں۔ حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی۔ حضرت مغیرہؓ نے فیروز مجوسی کو مدینہ بھیج دیا۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہ نے ابولؤلؤ فیروز پر ایک سو درہم ماہانہ ٹیکس لازم کیا اور فرمایا کہ مجھے ٹیکس ماہانہ بھیج دیا کرو۔ ابولؤلؤ فیروز مجوسی تھا۔ لؤلؤ اس کی بیٹی تھی، بیٹی کی نسبت سے اس کی کنیت ابولؤلؤ ہوگئی۔ مدینہ منورہ

میں اس نے کام شروع کردیا۔

• ایک دن ابولؤلؤ فیروز نے حضرت عمرؓ کو شکایت کی کہ میرا مولیٰ مغیرہ ابن شعبہ مجھ سے خراج زیادہ لیتا ہے۔ آپ نے پوچھا، تو کونسا کام کرنا جانتا ہے۔ اس نے بتایا کہ میں لوہار اور نقاش اور تیر کمان کا کام جانتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، تو اچھا کاریگر ہے، سو درہم خراج تیرے جیسے کاریگر پر زیادہ نہیں ہے۔ ابولؤلؤ غصے سے بھرا چلا گیا۔ چند دنوں کے بعد حضرت عمرؓ نے ابولؤلؤ کو بلایا اور فرمایا، میں نے سنا ہے تو آٹا پیسنے والی ایسی چکی بنا سکتا ہے جو ہوا پر چلے اور کہتا رہتا ہے، اگر عمر مجھے کہیں تو ان کو ایسی چکی بنادوں گا۔ فیروز نے جواب دیا، ہاں، میں آپ کو ایسی چکی بنادوں گا کہ لوگ یاد کریں گے۔ جب مجلس سے فیروز واپس لوٹ گیا حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس غلام نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔ بدبخت فیروز نے ایک دو دھاری والا خنجر تیار کرایا، جس کا دستہ درمیان میں تھا اور دونوں طرف کاٹتا تھا۔ اس کو زہر میں بجھایا پھر سن ۲۳ ہجری ذی الحج کی ۲۶ یا ۲۷ بدھ کی صبح کی نماز پڑھنے کیلئے پہلی صف میں حضرت عمرؓ کے مصلےٰ امامت کے محاذی چادر کے نیچے خنجر چھپا کر بیٹھ گیا۔ جوں ہی حضرت عمرؓ امامت کے مصلے پر کھڑے ہوئے، حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا، صفیں سیدھی کرلو۔ ابھی اللہ اکبر نہیں کہا تھا کہ فیروز مجوسی نے آپ کی کمر اور پیٹ خنجر سے کاٹ دیا۔ حضرت عمرؓ گر گئے۔ فیروز نے حضرت عمرؓ کے علاوہ تیرہ آدمیوں کو زخمی کیا، ان میں چھ آدمی شہید ہوگئے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو فرمایا: نماز پڑھائیں۔ انہوں نے مختصر سورتوں کے ساتھ نماز پڑھائی۔ حضرت عمرؓ کو گھر لایا گیا۔ آپ کو نبیذ پلایا گیا، نبیذ (میٹھا پانی) زخم کے سوراخ سے نکل گیا۔ پھر آپ کو دودھ پلایا گیا، وہ بھی زخم سے نکل گیا۔ لوگوں نے کہا، کوئی خوف نہیں۔ مگر خود حضرت عمرؓ نے فرمایا: اگر قتل ہونے میں خوف ہے

تو مجھے قتل کر دیا گیا ہے۔ آپ نے پوچھا، میرا قاتل کون ہے؟ لوگوں نے کہا: فیروز مجوسی۔ آپ نے فرمایا: الحمدللہ! میرا قاتل مسلمان نہیں ہے، ایک مجوسی کافر ہے۔ (اعلام النبلاء)

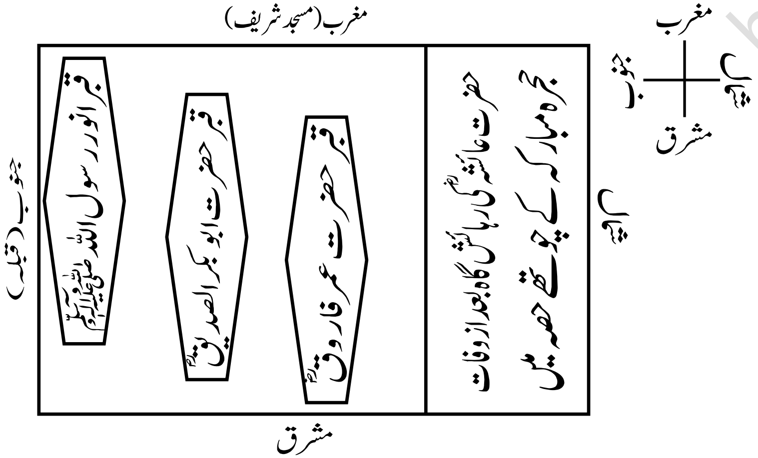
- لوگوں نے آپ کی تعریف شروع کر دی مگر آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میں پسند کرتا ہوں کہ میں دنیا سے اس حال میں جاؤں کہ مجھے اعمال خیر سے کچھ نہ دینا پڑے اور نہ مجھے کچھ ملے صرف صحبت رسول اللہ ﷺ سالم اور باقی رہے۔
- حضرت مسور ابن مخرمہ بیان کرتے ہیں، آپ گھر میں شدید زخمی تھے، لوگوں نے صبح کی نماز کیلئے کہا، ''یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَلصَّلٰوۃُ'' آپ گھبرا کر اٹھے اور فرمایا، ہاں، اس شخص کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں جس نے نماز ترک کر دی۔ چنانچہ آپ نے نماز پڑھی اور آپ کے زخموں سے خون جاری تھا۔ (اعلام النبلاء)
- فیروز مجوسی آپ کو زخمی کر کے بھاگنے لگا، ایک نمازی نے اس پر کپڑا پھینکا اور اس میں اسے بند کر دیا تو اس نے خود اپنے آپ کو خنجر سے کاٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا اور خودکشی کر لی۔
- حضرت عبداللہ بن عمر بیان کرتے ہیں، زخمی ہونے کے ایام میں ایک مرتبہ حضرت عمر کا سر مبارک میری گود میں تھا، آپ نے فرمایا، میرا سر زمین پر رکھ دے۔ جب آپ نے حضرت عمرؓ کا سر زمین پر رکھا تو آپ نے زمین پر رخسار رکھ کر فرمایا: ''وَیْلٌ لِّیْ وَوَیْلُ اُمِّیْ اَنْ لَّمْ یَرْحَمْنِیْ رَبِّیْ''

ترجمہ: ''میرے لئے اور میری ماں کیلئے ہلاکت ہے، اگر میرے رب نے میرے اوپر رحم نہ کیا۔'' (اعلام النبلاء)

- آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کو ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا کہ جا کر عرض کرو، عمر ابن الخطاب سلام عرض کرتا ہے (اور یہ خیال رہے کہ امیر

المومنین نہ کہنا) کہ عمر حجرہ مبارکہ میں دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر جب ام المومنین سیدہ عائشہ کے پاس حاضر ہوئے تو وہ اندر رو رہی تھیں۔ عبداللہ نے پیغام پہنچایا کہ عمر سلام پیش کرتا ہے اور آپ کے حجرہ میں دونوں ساتھیوں کے ساتھ دفن ہونے کی اجازت چاہتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: میرا ارادہ تو خود یہاں دفن ہونے کا تھا لیکن عمر کو میں اپنے اوپر ترجیح دیتی ہوں اور دفن ہونے کی اجازت دیتی ہوں۔ ابن عمر نے واپس آ کر اطلاع دی تو عمر نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی اور کہا، الحمدللہ۔ یکم محرم بروز اتوار سن ۲۴ ہجری آپ کا وصال ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حضرت صہیب رومی نے مسجد نبوی کے اندر آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ آپ کا جسد اطہر مسجد میں منبر اور حجرہ کے درمیان رکھا گیا تھا۔ پھر آپ کو حجرہ مبارک میں بنائی گئی لحدی قبر میں حضرت ابو بکر کی قبر کے عقب میں تقریباً ایک ہاتھ قدموں کی طرف نیچے دفن کر دیا گیا۔

حجرہ مقدسہ میں قبروں کی ترتیب اس طرح ہے:



نوٹ: حضرت ابن ابی نعیمؓ کے بیان کے مطابق قبور مطہرہ کا تقریبی خاکہ یہی ہے۔

• سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر انور قبلہ کی دیوار کے ساتھ متصل ہے اور سر مبارک مغربی دیوار کے ساتھ متصل ہے۔ اسی جگہ آپ ﷺ بستر بچھا کر سویا کرتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی قبر آپ ﷺ کی قبر کے پیچھے اور آپ ﷺ کی پشت کی جانب سے حضرت ابو بکرؓ کا سر آپ ﷺ کے شانوں کے محاذی ہے اور حضرت عمر فاروق کی قبر حضرت ابو بکر کی قبر کے پیچھے اور ایک ہاتھ نیچے حضرت عمر فاروقؓ کا سر مبارک حضرت ابو بکرؓ کے شانوں کے برابر ہے۔ (یہ ابن نجار کی روایت ہے) (وفاء الوفاء)

• سیدنا عمرؓ کی تدفین کے بعد حجرہ مطہرہ میں کسی دوسرے کو دفن نہیں کیا گیا۔ سیدنا حضرت عثمان بن عفانؓ کو باغی قاتلوں کی مزاحمت کی وجہ سے حجرہ مبارکہ میں دفن نہ کیا جاسکا اور چوتھے خلیفہ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو شہادت کوفہ میں حاصل ہوئی، اس لئے انہیں بھی حجرہ مبارکہ میں دفن نہیں کیا جاسکا۔ جب حضرت حسن بن علیؓ کو ان کی بیوی جعدہ بنت اشعث نے زہر دیا، آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ کو اسی حجرہ میں دفن کیا جائے مگر اس وقت مروان بن الحکم مدینہ منورہ کا گورنر تھا، اس کی ہٹ دھرمی آڑے آگئی۔ آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد تمام عرصہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اسی حجرہ کے ایک چوتھائی حصہ میں مقیم رہیں۔ جب آپ کا انتقال ہو گیا حجرہ مبارکہ کا دروازہ بند کر دیا گیا تاکہ کسی دوسرے کیلئے حجرہ میں دفن ہونے کا امکان نہ رہے۔ حالانکہ ام المومنین حضرت عائشہؓ جس حصہ میں رہتی تھیں، اس میں ایک قبر بنائی جاسکتی تھی۔ (کتب تاریخ مدینہ)

• حضرت سعید ابن مسیب سے مروی ہے کہ اس جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دفن کیا جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر حجرہ مبارکہ میں چوتھی قبر ہو گی۔

• حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں سے دمشق میں اتریں گے پھر آپ شادی کریں گے اور آپ کے بچے بھی پیدا ہوں گے پھر آپ مدینہ منورہ تشریف لے جائیں گے۔ ۴۵ سال حیات رہیں گے۔ جب ان کا انتقال ہو گا تو ان کو میرے ساتھ (حجرہ مطہرہ میں) دفن کیا جائے گا پھر قیامت کے دن میں اور عیسیٰ علیہ السلام اور ابو بکر اور عمر اسی حجرہ سے اکٹھے اٹھائے جائیں گے۔ (الوفاء ابن الجوزی)

قبور مبارکہ کی مزید تفصیل:

• حضرت امام مالک سے مروی ہے کہ سیدہ عائشہؓ کا حجرہ مبارکہ دو حصوں میں تقسیم تھا: ایک حصہ میں رسول اللہ ﷺ کی قبر انور تھی اور دوسرے حصہ میں ام المومنین سیدہ عائشہؓ رہائش پذیر تھیں۔ درمیان میں ایک دیوار ہوا کرتی تھی۔ ام المومنین حضرت عائشہ قبر انور والے حصہ میں بغیر حجاب آیا جایا کرتی تھیں اور لباس شب باشی یعنی گھر کا لباس استعمال فرماتی تھیں۔ مگر جب سیدنا عمر فاروق مدفون ہوئے تو ام المومنین قبور مبارکہ کے حصہ میں بغیر حجاب کے کبھی نہیں گئیں۔ (ابن سعد)

• ابن سعد نے روایت کیا کہ سفیان بن دینار بیان کرتے ہیں کہ میں نے قبور مبارکہ کو دیکھا، تمام قبور مُسَنَّم (اونٹ کی کوہان) کی طرح تھیں، درمیان میں کچھ حصہ اٹھا ہوا تھا۔

• ام المومنین حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر کی

وفات کے بعد عمر فاروق کی وفات تک میں اپنے حجرہ میں گھر میں بغیر نقاب کے لباس میں رہتی تھی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ میرے شوہر تھے اور ابو بکر میرے والد تھے مگر جب عمر فوت ہوئے تو میں حجاب کے ساتھ رہنے لگی کیونکہ عمر میرے محرم نہیں تھے حتیٰ کہ میرے اور قبور مبارکہ کے درمیان دیوار بنادی گئی۔

(وفاءالوفاء)

- حضرت ابو بکرؓ کی وفات ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳ ہجری بروز پیر مطابق ۶۳۴ عیسوی واقع ہوئی اور حضرت عمر فاروق کی وفات یکم محرم ۲۴ ہجری مطابق ۶۴۵ عیسوی واقع ہوئی۔ گویا ام المومنین حضرت عائشہؓ ۲۴ ہجری تک قبور مطہرہ پر بلا حجاب آیا جاتا کرتی تھیں۔

- روایت ہے، جناب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد (صحابہ کرام اور تابعین) آپ کے حجرہ میں داخل ہو جاتے اور آپ ﷺ کی قبر انور سے برکت حاصل کرنے کیلئے مٹی اٹھالے جاتے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے خواہش ظاہر فرمائی کہ ان کی رہائش کے حصہ اور قبور مبارکہ کے درمیان دیوار بنادی جائے اور اس میں روشن دان (کھڑکی) رکھ دی جائے۔ (اس کے دو فائدے تھے حجاب اور مٹی اٹھانے سے رکاوٹ) مگر روشن دان اس لئے رکھا گیا تا کہ لوگ قبور مطہرہ کی زیارت سے محروم نہ رہیں۔ چونکہ آپ کی خواہش کے مطابق مٹی کی دیوار بنادی گئی مگر پھر بھی لوگ دیوار کی مٹی کھود کر اور روشن دان سے بازو اندر داخل کر کے بطور تبرک مٹی اٹھالے جاتے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے روشن دان کو بند کرادیا۔ مروان نے دروازہ بند کر دیا تھا، اب روشن دان بند ہو گیا تو قبور مبارکہ کا دیدار ممکن نہ رہا۔ لوگ باہر سے صلوٰۃ و سلام پیش کرتے تھے۔

(وفاءالوفاء بروایت ابن النجار)

- سیدنا عمر فاروق نے اپنے دور خلافت میں حجرہ مبارکہ کو دوبارہ پتھروں سے تعمیر کرادیا تھا اور کچی اینٹوں کی دیواروں کے بعض حصے اور کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے چھت اور کھجور کی شاخوں سے بنائے گئے صحن کی دیواریں نکلوادی تھیں۔ (طبقات ابن سعد، ۳۹۶/۲)

- سیدنا عمر فاروق نے حجرہ مقدسہ کو دوبارہ تعمیر کرایا مگر دیواروں کی اونچائی کم تھی تو حضرت عبداللہ ابن زبیر نے اپنے دورِ خلافت میں دیواریں اونچی کرادیں۔

(طبقات ابن سعد)

- ولید بن عبدالملک کے دورِ حکومت میں مدینہ منورہ کیلئے ۸۹ ہجری سے ۹۳ ہجری تک گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز رہے۔ انہی دنوں کی ابتداء میں حجرہ مبارکہ کی مشرقی دیوار گر گئی تھی۔

- حضرت عبداللہ ابن محمد ابن عقیل ابن ابی طالب سے مروی ہے، ہر شب میرا معمول تھا کہ میں اپنے گھر سے رات کے آخری حصہ میں مسجد نبوی چلا جاتا تھا۔ پہلے سرورِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دیتا، سلام پیش کرتا۔ پھر مسجد نبوی چلا جاتا، فجر کی نماز تک وہیں رہتا۔ ایک رات حسبِ معمول گھر سے نکلا، جب حضرت مغیرہ ابن شعبہ کے گھر کے پاس پہنچا، مجھے ایک نہایت پیاری خوشبو آنے لگی۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! میں نے زندگی میں کبھی ایسی خوشبو نہیں سونگھی تھی، معلوم ہوا حجرہ مقدسہ کی مشرقی دیوار گر گئی ہے۔ میں حجرہ مقدسہ میں داخل ہوا۔ آپ ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کیا۔ اسی دوران گورنر مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خبر ہو گئی۔ انہوں نے حاضری دی اور قبور مبارکہ کے سامنے قبطی کپڑوں سے پردہ کھڑا کر کے قبور مقدسہ کو چھپادیا۔ (جستجوئے مدینہ)

- جب سورج طلوع ہوا حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ منورہ میں موجود

معروف معمار ابن وردان کو بلایا تاکہ حجرہ مبارکہ کی گری ہوئی دیوار کو دوبارہ بنائے۔ حجرہ مبارکہ کی صفائی کیلئے ابن وردان نے ایک آدمی کی مدد طلب کی، جس پر خود عمر بن عبدالعزیز تیار ہونے لگے تو ہاشمی خاندان اور دوسرے لوگوں نے بھی اندر جانے کی تیاری شروع کر دی۔ جن میں قاسم ابن محمد ابن ابی بکر اور سالم بن عبداللہ بن عمر اور حضرت زین العابدین پیش پیش تھے۔ جب عمر بن عبدالعزیز نے دیکھا، سارے لوگ آستینیں چڑھا رہے ہیں، سب کا مقابلہ شروع ہو گیا ہے تو خود پیچھے ہٹ گئے اور حضرت زین العابدین کو اندر جانے کی اجازت دے دی مگر پھر بھی قاسم ابن محمد اور سالم ابن عبداللہ اندر جانے کیلئے بضد تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سب کو روک دیا اور اپنے آزاد کردہ غلام مزاحم کو حکم دیا کہ تم اندر داخل ہو کر صفائی کرو۔ حضرت مزاحم صفائی کر کے باہر آئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مزاحم سے پوچھا، تم نے جناب سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر کو کیسے پایا؟ انہوں نے عرض کیا، آپ کی قبر مسنم (اونٹ کی کوہان کی طرح) تھی۔ پھر اس نے پوچھا، باقی دو قبریں کیسی تھیں؟ مزاحم نے جواب دیا، ان کی قبریں سطح زمین سے کچھ بلند تھیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے کہا، میں شہادت دیتا ہوں کہ (حضرت) محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ جب صفائی کا کام مکمل ہو گیا تو دوبارہ قبطی کپڑے کے پردہ سے قبور مطہرہ کو ڈھانپ دیا گیا۔ (وفاء الوفاء)

• صفائی کے بعد حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے ابن وردان کو حکم دیا کہ کھدائی کر کے اس گری ہوئی دیوار کو دوبارہ تعمیر کر دو۔ ابن وردان نے کھدائی شروع کرا دی۔ کھدائی کے دوران اچانک ایک آدمی کے قدم گھٹنے تک ظاہر ہوئے۔ ابن وردان اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز گھبرا گئے کہ شاید یہ قدم مبارک رسول اللہ ﷺ کے ہوں۔ وہاں موجود حضرت عمرؓ کے پڑپوتے عبید اللہ ابن عبداللہ بن عمر

نے کہا، یہ قدم حضرت عمر ابن خطاب کے ہیں۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے ابن وردان سے فرمایا، ان قدموں پر مٹی ڈال کر چھپا دو اور اس جگہ سے ہٹ کر دیوار کی کھدائی کر کے دیوار بنا دو۔ چنانچہ ابن وردان نے گری ہوئی مشرقی دیوار دوبارہ بنا دی۔ (وفاء الوفاء و دیگر کتب تاریخ مدینہ)

• ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارکہ کی مشرقی دیوار گر گئی اور آپ کی قبر انور لوگوں کو نظر آنے لگی۔ لوگوں پر رقت طاری ہو گئی اور ہر طرف آہیں اور سسکیاں سنائی دینے لگیں، اس لئے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فوراً ایک درزی کو بلایا جس نے قبطی کپڑے کا پردہ بنایا اور حجرہ مطہرہ کے ارد گرد لگا دیا جس سے قبور مبارکہ چھپ گئیں پھر ابن وردان کو بلا کر دیوار کی دوبارہ تعمیر کی گئی۔

• اسی معاملہ میں المراغی نے بیان کیا ہے کہ ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی وفات کے بعد کوئی شخص بھی حجرہ مطہرہ کے اندر داخل نہیں ہو سکتا تھا حتیٰ کہ حجرہ مبارکہ کی مشرقی دیوار گر گئی، جس سے تینوں قبور مطہرہ نظر آنے لگ گئیں۔ مدینہ باسکینہ میں کہرام مچ گیا۔ لوگوں کیلئے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ ہر طرف آہ و بکا کا عالم تھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے درزی کو بلا کر پردہ بنوایا اور قبور مطہرہ کو ڈھانپ دیا۔ پھر انہوں نے ابن وردان کو مشرقی جانب سے دیوار کی بنیاد کھدائی کر کے دیوار کی تعمیر کا حکم دیا۔ اچانک کھدائی میں قدمین ظاہر ہوئے۔ عمر ابن عبدلعزیز اور ابن وردان سہم گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اندر گئے، جا کر دیکھا کہ قدموں پر بال موجود تھے۔ عبداللہ ابن عبید اللہ ابن عبداللہ بن عمر نے کہا، اے عبدالعزیز! آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں، یہ آپ کے پڑ نانا حضرت عمر بن خطاب کے قدم ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا، قدمین کو

مٹی سے چھپادیا جائے۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ جب دیوار مکمل ہو گئی تو حضرت مزاحم نئی تیار شدہ دیوار کے روشن دان (کھڑکی) سے حجرہ مطہرہ کے اندر گئے، انہوں نے قبور مقدسہ سے دوبارہ مٹی صاف کی اور غبار وغیرہ نکال لیا۔ اس کے بعد پردہ ہٹادیا گیا۔

- ابن نجار نے ایک روایت یہ بھی ذکر کی ہے کہ جب مشرقی دیوار گر گئی، عمر بن عبدالعزیز نے سیدہ عائشہ کے غلام حضرت ابو حفصہ اور دیگر لوگوں کو از سر نو دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ دیوار بناتے وقت دیوار میں انہوں نے ایک کھڑکی رکھ لی تھی، جب سارا کام مکمل ہو گیا تو حضرت مزاحم کھڑکی سے اندر داخل ہوئے اور تمام حصے ملبہ وغیرہ سے صاف کئے۔ (ہو سکتا ہے ابن وردان معمار اور ابو حفصہ دونوں نے مل کر دیوار تعمیر کی ہو۔)
- ۴۵ ہجری میں ام المومنین سیدہ سودہ بنت ذمعہ فوت ہوئیں۔ انہوں نے وفات سے پہلے اپنا حجرہ مبارکہ سیدہ عائشہ کو ہبہ (گفٹ) کر دیا تھا۔ پھر حضرت امیر معاویہ نے ایک لاکھ اسی ہزار درہم دے کر وہ حجرہ سیدہ عائشہ سے خرید کر لیا تھا مگر ام المومنین سیدہ عائشہ نے فرمایا تھا، یہ بیع میرے فوت ہونے کے بعد نافذ ہوگی۔ جب تک میں زندہ ہوں، میں رہائش رکھوں گی۔ سیدہ عائشہ نے ایک ہاتھ سے رقم وصول فرمائی اور دوسرے ہاتھ سے وہ رقم فقراء میں تقسیم فرمادی۔ سن ۵۸ ہجری میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی وفات ہوئی حجرہ مبارکہ حضرت امیر معاویہؓ کی ملکیت ہو چکا تھا۔ اسی طرح ام المومنین حضرت صفیہؓ کا حجرہ مبارکہ بھی ورثاء نے حضرت امیر معاویہؓ کو فروخت کر دیا تھا۔ (جستجوئے مدینہ)
- ۵۸ ہجری میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کی وفات سے پہلے ایک واقعہ پیش آیا جس سے بنوامیہ کے طرزِ حکومت کا پتہ چلتا ہے۔ جب امام حسن ابن علی المرتضیٰ

فوت ہوئے، اس دن ۵۰ ہجری میں ربیع الاول کی پانچ تھی۔ انہوں نے وفات سے پہلے سیدہ عائشہؓ کو پیغام بھیجا کہ وہ انہیں حجرہ مبارکہ میں دفن ہونے کی اجازت فرمائیں۔ آپ نے اجازت دے دی اور فرمایا، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ آپ فوت ہو گئے اور تدفین کی خبر گورنر ہاؤس پہنچی تو وہاں گویا زلزلہ آ گیا۔ گورنر مدینہ مروان پوری طرح مسلح ہو کر غیض و غضب کے ساتھ باہر نکلا۔ ادھر اہل بیت عظام حضرت امام حسینؓ اور آپ کے اعزہ مسلح ہو کر باہر آ گئے۔ مدینہ منورہ میں ایک طوفان برپا ہو گیا۔ محسوس ہو رہا تھا فریقین میں تصادم ہو جائے گا مگر چند صحابہ کرامؓ آگے بڑھے تاکہ افہام و تفہیم سے مسئلہ حل ہو سکے۔ حضرت ابوہریرہؓ پیش پیش تھے۔ کافی گفت و شنید کے بعد تصادم کا خطرہ ٹل گیا اور امام حسنؓ کو حجرہ مبارکہ میں دفن نہ کیا جا سکا۔ چنانچہ آپ کو جنت البقیع میں سیدہ فاطمۃ الزہراء کی قبرِ انور کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔ (جستجوئے مدینہ)

- اس واقعہ کے بعد خلفائے بنوامیہ اور حکمرانوں کے محلات میں مشاورت ہونے لگی۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ کل پھر اہل بیت عظام میں سے کوئی عظیم شخصیت دفن ہونے کی امیدوار ہو جائے گی۔ بنوامیہ حکمران کسی صورت یہ نہیں چاہتے تھے۔ اس مبارک جگہ کسی سید زادہ کو دفن کیا جائے۔ لہٰذا جونہی ام المومنین سیّدہ حضرت عائشہؓ کی وفات ہوئی۔ حجرہ مطہرہ کے دروازے کے باہر پتھروں سے ایک مضبوط دیوار کھڑی کر کے اس دروازہ کو ہمیشہ کیلئے بند کر دیا۔
- وفاء الوفاء میں منقول ہے سیدہ عائشہؓ کی وفات کے بعد اس وقت کے حکمرانوں (عبدالمالک ابن مروان) وغیرہ نے دروازے کے آگے بہت جلدی دیوار کھڑی کر دی تاکہ کسی دوسرے کیلئے وہاں دفن ہونے کا امکان نہ رہے۔
- وفاء الوفاء کے مصنف علامہ سمہودی نے ابن زبالہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں

نے حضرت محمد بن بلال سے روایت کیا کہ وہ حجرہ جس میں رسول اللہ ﷺ کی قبر انور ہے، یہ وہی حجرہ ہے جہاں ام المومنین سیدہ عائشہؓ رہائش پذیر تھیں۔ یہ مربع شکل کا مکان ہے اسے سیاہ پتھروں اور جپسم سے بنایا گیا ہے۔ اس کی قبلہ کی دیوار قدرے طویل ہے۔ مشرقی اور مغربی دیواریں طوالت میں برابر ہیں لیکن شمالی دیوار قدرے چھوٹی ہے۔ گھر کا دروازہ شمالی جانب ہے جسے سیاہ پتھروں کو جپسم کے ساتھ ملا کر ہمیشہ کیلئے بند کر دیا گیا ہے۔ عمر ابن عبدالعزیز نے اس حجرہ مبارکہ کے ارد گرد ایک پنج گوشہ عمارت تعمیر کی ہے جس کا تکونی (مثلث) حصہ شمال کی جانب ہے۔ انہوں نے اس طرح عمارت اس لئے بنوائی کہ کوئی شخص شمالی جانب نماز پڑھنے والا قبر انور کی طرف منہ نہ کرے۔ یہ عمل رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ یہود کو غارت کرے، انہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی قبور کی عبادت شروع کر دی تھی اور ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "اے اللہ! میری قبر کو (بت) معبود نہ بنانا۔" (جستجوئے مدینہ)

• تواریخ مدینہ منورہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مسجد شریف کی توسیع کے وقت سیدہ عائشہ کے حجرہ مبارکہ جس میں قبور مقدسہ ہیں، کو دوبارہ بنوایا۔ کچی اینٹوں کی دیواریں نکلوا دی تھیں اور کالے پتھروں کی مضبوط دیواریں بنوا دی تھیں۔ جس کا عنقریب ذکر آئے گا کیونکہ شروع میں گذر چکا ہے، سرورِ دو عالم ﷺ نے حجرے اس مٹی کی اینٹوں سے بنائے تھے جس سے مسجد شریف کی دیواریں بنائی گئی تھیں۔ (از محمد رفیق حسنی)

• ابن زبالہ نے مزید بیان کیا کہ حجرہ مبارکہ کی دیواروں اور پنج گوشہ عمارت کی دیواروں کے درمیان فاصلہ کچھ اس طرح ہے، مشرقی جانب سے یہ فاصلہ دو

ہاتھ ہے، مغربی جانب سے یہ فاصلہ ایک ہاتھ ہے اور قبلہ (جنوب) کی جانب سے یہ فاصلہ آدھا ہاتھ ہے۔ یعنی ایک بالشت ہے اور شمالی جانب ایک مثلث تکون بن جاتی ہے۔ اس لئے حجرہ مقدسہ کی دیوار اور تکونی کونے (زاویہ) کے درمیان کافی فاصلہ ہے جہاں غسل کیلئے استعمال ہونے والا ٹب پڑا ہوا ہے۔ شاید یہ ٹب تعمیر کرتے وقت رہ گیا تھا۔ (جستجوئے مدینہ)

• حضرت عمر بن عبدالعزیز کی بنائی گئی تکونی عمارت کی چھت نہیں تھی۔ صرف اس سے حجرہ مقدسہ کو چھپانا مقصود تھا۔ عنقریب مخمس عمارت کی تفصیل ذکر کی جائے گی۔ مسجد نبوی میں عمر ابن عبدالعزیز کی توسیع سے پہلے حجرہ مبارکہ پر اپنی ایک ہی چھت تھی۔ کیونکہ حجرہ مبارکہ مسجد سے خارج مشرقی دیوار کے ساتھ مسجد کی ایک سائیڈ میں تھا اور حجرہ مبارک مسجد سے خارج تھا۔ مسجد کی ابتداء مشرق کی جانب سے حجرہ مبارکہ کی دیوار سے ہوتی تھی یعنی ریاض الجنۃ کا بقعہ مبارکہ حجرہ سے مغرب میں شروع ہوتا تھا۔ مگر ولید ابن عبدالملک کی جانب سے مسجد کی توسیع کے بعد حجرہ مبارکہ کے اوپر دو چھتیں ہو گئی تھیں۔ اب حجرہ مبارکہ مسجد کے اندر آ گیا تھا۔ مسجد شریف حجرہ مبارکہ سے مشرق میں موجودہ دیوار تک چلا گیا تھا۔ ایک چھت خود حجرہ مبارکہ کی تھی جس میں ایک چھوٹا روشن دان (کھڑکی) حضرت عائشہؓ کے دور سے موجود تھی۔ اور ایک چھت مسجد نبوی کی حجرہ مبارکہ کی چھت سے اوپر تھی۔ دونوں چھتوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ مسجد کی چھت میں بھی حجرہ مبارکہ کے روشن دان کی محاذات میں روشن دان بنایا گیا تھا۔

مسجد نبوی میں روشن دان کے ہونے کا سبب:

• حجرہ مبارکہ کی چھت میں روشن دان ہونے کا سبب یہ تھا کہ ایک مرتبہ قحط

کے ایام میں اہل مدینہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہوئے تھے اور دعا کی درخواست کی تھی کہ بارش ہو جائے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، سرورِ دو عالم ﷺ کے حجرہ مبارکہ کی چھت میں جنوبی دیوار کے قریب قبر انور کی محاذات میں چھت کا ایک حصہ ہٹا دیا جائے۔ جب قبر انور آسمان کیلئے ظاہر ہو گی تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آسمان سے بارش شروع ہو جائے گی۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ اسی وقت مدینہ منورہ پر بادل چھا گئے اور فوراً بارش شروع ہو گئی۔ اتنی بارش ہوئی کہ سفید میدان اور پہاڑیاں گھاس سے سرسبز ہو گئیں۔ جانور اس قدر فربہ ہو گئے گویا ان کا گوشت ان کے اجسام کو پھاڑ دے گا اسی لئے اس سال کا نام عام الفتق (جسموں پر جلدوں کو پھاڑنے والا سال) رکھا گیا۔

• پھر اس سوراخ کو لکڑی کے تختوں سے بند کر دیا گیا تاکہ اندر بارش نہ جائے اور تالا لگا دیا گیا تاکہ ہر شخص روشن دان کو نہ کھولے۔ جب بھی بارش طلب کرنے کی حاجت ہوتی تھی، اہل مدینہ چھت کا روشن دان کھلواتے تو بارش ہو جاتی۔ جب مسجد کی توسیع ہو گئی اور مسجد کی چھت حجرہ مبارکہ سے گذر کر حجرہ کی مشرقی دیوار سے آگے چلی گئی تو مسجد کی چھت میں بھی حجرہ مبارکہ کی چھت میں بنائے گئے روشن دان کے محاذی روشن دان بنایا گیا **پھر مسجد کی چھت کے روشن دان کو جب بھی کھولا جاتا تھا بارش شروع ہو جاتی تھی**[1] پھر حجرہ مبارکہ پر گنبد بن گیا تو گنبد

[1] میرے خیال میں روشن دان کھولتے ہی بادلوں کا فوراً آ جانا اس وجہ سے ہے کہ آپ ﷺ جب بھی سخت دھوپ میں نکلتے، آپ ﷺ کے اور آسمان کے درمیان بادل حائل رہتا اور آپ ﷺ پر سایہ فگن رہتا ہے۔ لہٰذا اب بھی جب کبھی اس روشن دان کو کھولا جاتا ہے تو آپ ﷺ کے اور آسمان کے درمیان بادل، جہاں کہیں ہوں، کھنچے چلے آتے ہیں اور درمیان میں حائل ہو کر آپ ﷺ پر سایہ فگن ہوتے ہیں۔ (اویس رفیق)

مبارک میں بھی قبلہ کی جانب روشن دان رکھا گیا۔ یہ روشن دان موجودہ سعودی حکومت کے آنے تک موجود تھا مگر اس حکومت نے بند کر دیا ہے۔ (جستجوئے مدینہ)

• گنبدِ خضریٰ کی قبلہ جانب اب بھی ایک سوراخ نظر آتا ہے مگر اسے بارش کی طلب کے لیے کھولنا بند کر دیا گیا ہے۔ موجودہ حکومت وہابی نظریات کی وجہ سے اس عمل کو ناجائز سمجھتی ہے۔ (رفیق حسنی)

حجرۂ انور کے دروازے کو بند کرنے کی تاریخ:

• حجرہ مبارکہ کے دروازے کو کب بند کیا گیا، اس کے تعین میں مختلف روایات ہیں۔ ایسی روایات بھی ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مروان ابن الحکم جب مدینہ منورہ کا گورنر تھا، اس وقت تک دروازہ بند نہیں کیا گیا تھا۔ مروان دو مرتبہ مدینہ منورہ کا گورنر رہا۔ پہلی مرتبہ مروان کی گورنری سے معزولی ۵۴ ہجری میں ہوئی تھی۔ شاید یہ ۵۴ ہجری سے پہلے کا واقعہ ہے کہ عبد المطلب ابن حنطب بیان کرتے ہیں کہ مروان حجرہ مقدسہ میں داخل ہوا، دیکھا تو ایک شخص قبر انور سے لپٹا ہوا ہے۔ مروان نے اس کی ٹانگ سے کھینچا اور کہنے لگا، جانتے ہو تم کیا کر رہے ہو؟ اس شخص نے قبر انور کو بوسہ دیا اور فرمایا، میں ان اینٹوں اور پتھروں کی زیارت کو نہیں آیا، میں یہاں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا ہوں۔ ہم پر ایسا وقت آ گیا کہ اپنے اوپر مسلط حکمرانوں پر نوحہ کرنا چاہیے کیونکہ حکمرانوں کا تعلق اسلام سے نہیں رہا۔ یہ حضرت ایوب انصاریؓ صحابی رسول اللہ ﷺ تھے۔ (جستجوئے مدینہ)

لیکن یہ مروان کی امارت اور صدارت کے دور کا واقعہ نہیں ہو سکتا اس کی امارت کا زمانہ ۶۴—۶۵ ہجری ہے اور صرف نو ماہ ہے۔ اس وقت مروان دمشق میں تھا، اس سے مدینہ منورہ آنے کی توفیق بھی نہیں ہوئی ہو گی۔ دوم یہ کہ حضرت ایوب انصاری قسطنطنیہ پر حملہ کے دوران ۵۱ ہجری میں شہید ہو گئے تھے اور ۵۱ ہجری

میں حجرہ مبارکہ کا دروازہ کھلا رہتا تھا کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہؓ حیات تھیں۔ آپ ۵۸ ہجری حضرت امیر معاویہ کے دور میں فوت ہوئیں۔ معلوم ہوا حضرت ایوب انصاریؓ کا واقعہ ۵۱ ہجری سے پہلے ہوا تھا۔ (جستجوئے مدینہ)

● اس واقعہ کے علاوہ ایسا ہی ایک واقعہ مسعودی نے مروج الذہب میں نقل کیا ہے۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ۶۳ ہجری میں یزید نے مسلم بن عقبہ کی کمان میں مدینہ منورہ پر بارہ ہزار شامی فوج کے ساتھ حملہ کیا اور مدینہ منورہ میں خون کی ندیاں بہائیں اور شامی درندوں نے مدینہ منورہ میں تین دن تک زناکاری کی، جس سے ایک ہزار کنواری لڑکیاں حاملہ ہو گئیں اور تین دن تک مسجد الرسول ﷺ میں نماز نہیں ہوئی اور شامی درندوں نے مسجد شریف میں گھوڑے باندھے۔ اسی دوران لوگ امام زین العابدین کی تلاش میں نکلے تو انہوں نے دیکھا کہ زین العابدین رسول اللہ ﷺ کی قبر اطہر کے ساتھ لپٹے ہوئے گریہ وزاری کر رہے ہیں۔ (مروج الذہب و معادن الجواہر، ص۳/۸۵)

● اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے ۶۳ ہجری تک بھی حجرہ مبارکہ کا دروازہ بند نہیں ہوا تھا۔

● اسی طرح کتبِ تاریخ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ۶۰ ہجری میں جب یزید نے حکومت سنبھالی، اس وقت اموی حکمرانوں کی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر گرفت کمزور ہو چکی تھی اور ان دونوں مقدس شہروں میں حضرت عبداللہ ابن زبیر کے احکام نافذ ہوتے تھے، جیسا کہ ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن زبیر نے حضرت عمر فاروق کی تعمیر کردہ احاطہ کی دیواروں کو اونچا کر دیا تھا۔ معلوم ہوا اموی حکمرانوں کا مدینہ منورہ پر دوبارہ کنڑول ۶۳ ہجری میں ہوا، جب یزیدی فوجوں نے بے دریغ قتال اور فساد کے بعد مدینہ منورہ پر قبضہ کیا اور مقام

حرۃ تک مسلمانوں کے خون کی ندیاں جاری ہوئیں۔ اس واقعہ میں صرف ان لوگوں کو چھوڑا گیا جنہوں نے یزید کی دوبارہ بیعت کر لی۔ حضرت سعید ابن مسیب کا بیان ہے کہ واقعہ حرۃ کے ایام میں تین دن تک مسجد میں نماز باجماعت نہیں ہوئی۔ مجھے نماز کے وقت حجرہ مبارکہ سے اذان کی آواز آتی تو میں نماز ادا کرتا تھا۔

حجرہ مبارکہ کی دیوار کی بناوٹ کی تفصیل:

● حجرہ مبارکہ کی کچی اینٹوں سے بنائی گئی دیواروں اور کھجور کی شاخوں اور پتوں سے بنائی گئی چھت کی جگہ کالے پتھروں سے بنائی گئی دیواروں کی تعمیرِ نو، جس کا ذکر ابن زبالہ کی روایت میں ملتا ہے اور جس کا علامہ سمہودی نے بھی ذکر کیا ہے، کہ حجرہ مبارکہ کی سب دیواریں کعبۃ اللہ کی دیواروں میں لگے پتھروں جیسے کالے پتھروں سے بنی ہوئی تھیں۔ چنانچہ امام سمہودی متوفی ۹۱۱ ہجری روضہ اقدس کے اندرونی حصہ کی چشم دید کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں، ''میں نے حجرہ مبارکہ کے اندرونی حصہ کو مربع شکل تراشیدہ سیاہ پتھروں سے تعمیر شدہ پایا۔ پتھر رنگ اور قسم کے اعتبار سے کعبۃ اللہ کے پتھروں سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ حجرہ مقدسہ اور پنج گوشہ احاطہ کی مغربی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ ان کے درمیان فاصلہ نہیں ہے۔ البتہ مشرقی دیوار اور حجرہ مبارکہ کی دیوار کے درمیان شمال کی طرف ایک زراع (ڈیڑھ فٹ) اور جنوب کی جانب تین ذراع (ساڑھے چار فٹ) کا فاصلہ ہے۔ اسی طرح جنوب کی جانب بھی دونوں دیواروں کے درمیان یکسانیت نہیں ہے۔ ان کے درمیان مشرق کی طرف ایک ذراع کے قریب جبکہ مغرب کی طرف مواجہہ شریف سے کچھ آگے صرف ایک بالشت کا فاصلہ ہے اور حجرہ شریفہ کے شمال میں مثلث شکل کی دیوار بنی ہوئی ہے جس کا مثلث زاویہ (کونہ) آٹھ ذراع (۱۲ فٹ) کا فاصلہ ہے۔ حجرہ مقدسہ میں کسی بھی

سمت دروازہ نہیں ہے نہ کھلنے والا اور نہ بند شدہ''۔(وفاء الوفاء)

- یہ تعمیرِ نَو کب ہوئی اور کس نے کرائی، اس سلسلے میں بعض علماء نے ذکر فرمایا کہ حضرت عروہ ابن زبیر کی روایت کے مطابق ولید ابن عبدالملک کی امارت کے دور میں جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے گورنر تھے، حجرہ مبارکہ کی مشرقی دیوار گر گئی تھی اور عمر ابن عبدالعزیز نے وہ دیوار دوبارہ پتھروں سے بنوائی تھی مگر باقی تین دیواروں (جو کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھیں) ان کو باقی رکھا گیا اور عمر ابن عبدالعزیز کی گورنری کا دور ۸۶ ہجری تا ۹۳ ہجری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مشرقی دیوار ۸۶ یا ۸۷ ہجری میں دوبارہ بنائی گئی تھی پھر ربیع الاول ۸۸ ہجری میں امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ علیہن اجمعین کے حجرے ولید ابن عبدالملک کے حکم سے عمر بن عبدالعزیز نے معاوضہ ادا کر کے مسجد کی توسیع کیلئے خالی کرالئے تھے اور مسجد نبوی کی توسیع اور تعمیرِ نَو ۹۱ ہجری میں مکمل ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حجرہ مبارکہ کی مکمل تعمیر جس میں بقول ابن زبالہ سیاہ پتھر اور جپسم استعمال ہوا تھا، وہ بھی حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے ہاتھوں سے ہوئی ہوگی۔ حجرہ مبارکہ کی تعمیرِ نَو کے بعد حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے پنج گوشہ عمارت تعمیر کی ہوگی لہٰذا کالے پتھروں سے حجرہ مبارکہ کی تعمیر کا وقت بھی مسجد کی تعمیر و توسیع کی طرح ۸۸ تا ۹۱ ہجری ہوگا۔ اور حجرہ مبارکہ کا دروازہ بھی حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بند کر دیا ہوگا اور حجرہ مبارکہ کی چھت لکڑی کے شہتیر اور تختوں سے بنائی ہوگی اور اس چھت میں روشن دان بھی رکھا ہوگا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)
- حضرت عمر ابن عبدالعزیز ۸۶ ہجری تا ۹۳ ہجری ولید ابن عبدالملک کی جانب سے مدینہ منورہ کے گورنر رہے۔ شام سے ولید ابن عبدالملک کا حکم آیا کہ ازواجِ مطہرات کے حجرے معاوضہ دے کر ازواج مطہرات کے وارثوں سے خالی

کرالئے جائیں اور مسجد کی مشرقی جانب توسیع کر دی جائے۔ غالباً ۸۸ ہجری سے مسجد کی توسیع اور تجدید کا کام شروع ہوا اور ۹۱ ہجری میں ختم ہوا۔ سیدہ حضرت فاطمۃ الزہراء اور ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حجرے بھی مسجد کی توسیع میں شامل کئے گئے۔ مشرقی جانب تقریباً ۴۵ فٹ اور مغربی جانب تقریباً ۳۰ فٹ اور شمال کی جانب بھی قدرے اضافہ کیا گیا۔ (تاریخ مدینہ)

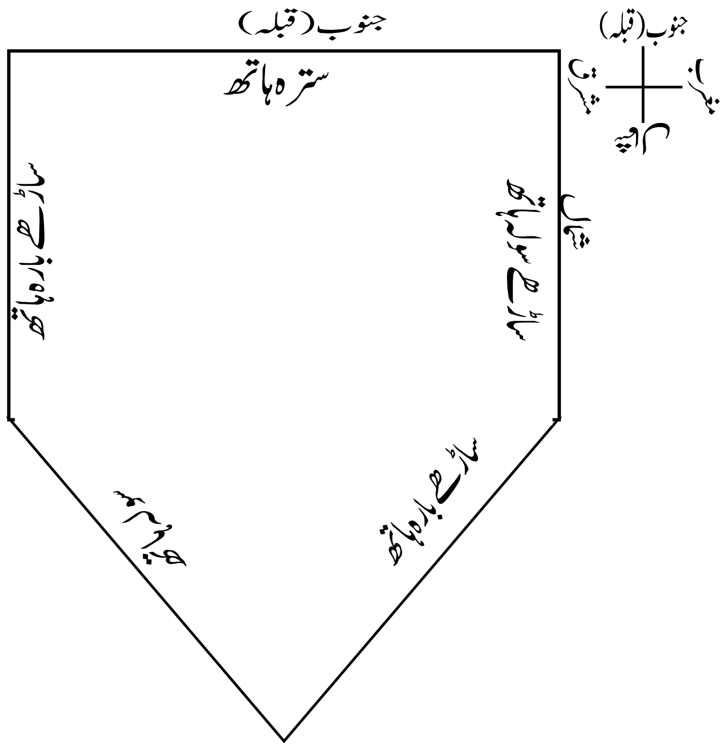
- ابن جبیر جنہوں نے ۵۸۰ ہجری میں مدینہ منورہ حاضری دی، انہوں نے اپنے سفر نامے میں لکھا ہے، پنج گوشہ عمارت کے جنوب اور قبلہ کی جانب دیوار کا طول ۳۶ بالشت یعنی تقریباً چھ میٹر ہے اور مشرقی جانب کی دیوار مثلث تکون کے شروع ہونے کے زاویہ تک ۳۰ بالشت ہے۔ یعنی پانچ میٹر ہے اور پوری مشرقی دیوار مثلث کے آخری زاویہ تک ۳۵ بالشت ہے اور اسی شمالی زاویہ سے مغربی دیوار ۳۹ بالشت ہے اور اگر مثلث کی پیمائش کے سوا مغربی دیوار کی پیمائش کریں تو ۲۴ بالشت ہے۔ (ابن جبیر رحلہ، ص ۱۴۱)
- وہ مزید لکھتے ہیں، پنج گوشہ عمارت پر خوبصورت ٹائلیں لگی ہوئی ہیں۔ یہ ٹائلیں ایک تہائی بلندی تک ہیں اور ان دیواروں کے اوپر مسجد کی چھت تک لکڑی کی جالیاں لگی ہوئی ہیں اور دیواروں پر مشک اور عنبر کی خوشبویات مل مل کر جگہ سیاہ رنگ کی ہوگئی ہے اور بعض مقامات سے خستہ ہوگئی ہے۔ (ابن جبیر رحلہ، ص ۱۴۱)

پنج گوشہ کی تعمیر اور تفصیل:

- مسجد شریف کی موجودہ مشرقی دیوار قدمین مبارکین کی جانب سے توسیع کی آخری حد تھی۔ اسی دوران حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مزارات مبارکہ پر محیط بیت عائشہ اور حجرہ مبارکہ کو دوبارہ تراشیدہ کالے پتھروں سے بنوایا، جیسا کہ ابن زبالہ کی روایت میں ہے اور حجرہ مبارکہ کے ارد گرد پتھروں سے پانچ کونوں (پنج

گوشہ) عمارت بنوادی۔ اس پنج گوشہ عمارت کی دیواروں کی اونچائی (بلندی) تقریباً ۱۳ ہاتھ یعنی ساڑھے انیس فٹ اور دیواروں کی چوڑائی (عرض) دو ہاتھ (ایک میٹر) تھی۔ یہ دیواریں مسجد کی چھت سے دس ہاتھ یا چار ہاتھ (پانچ میٹر یا دو میٹر) نیچے تک بنائی گئی تھیں اور دیواروں کے اوپر خوبصورت جالیاں لگوائی گئیں جو مسجد کی چھت سے مل گئی تھیں تاکہ پرندوں وغیرہ کا اندر جانا ممکن نہ رہے۔ پنج گوشہ عمارت کی جنوبی قبلہ کی جانب دیوار مغربی زاویہ (کونہ) سے مشرقی زاویہ (کونے) تک سترہ (۱۷) ہاتھ ہے۔ تقریباً ساڑھے پچیس فٹ بنتی ہے۔ کیونکہ ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے اور دو ہاتھ تقریباً ایک میٹر (تین فٹ) بنتے ہیں۔ اور مغربی دیوار کا طول مغربی جنوبی زاویہ (کونہ) سے مقام جبرئیل اور تکون کے زاویہ تک ساڑھے سولہ ہاتھ ہے اور مقام جبرئیل (جہاں جبرئیل علیہ السلام کو حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے دیکھ لیا تھا) وہ جگہ تقریباً اڑھائی ہاتھ ہے۔ کل انیس ہاتھ لمبائی ہے اور تکون کے ابتدائی زاویہ سے آخری شمالی زاویہ تک دیوار کا طول تقریباً ساڑھے بارہ ہاتھ ہے یعنی چھ میٹر ہے۔ ساڑھے سولہ اور ساڑھے بارہ ٹوٹل مغربی دیوار انیتس (۲۹) ہاتھ ہے اور مشرقی دیوار کا طول جنوبی قبلی زاویہ کونہ سے تکون کے انحراف کے زاویہ تک ساڑھے بارہ ہاتھ ہے اور تکون کے ابتدائی زاویہ سے شمالی زاویہ تک چودہ ہاتھ ہے۔ کل ساڑھے چوبیس ہاتھ ہے۔ (وفاء الوفاء)

تصویری خاکہ



عیسائی معماروں کا ذکر:

- نہایت حیرت ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی گورنری کے ایام میں مسجد مبارک کی توسیع اور حجرہ مبارکہ کی مکمل دوبارہ پتھروں سے تعمیر کے وقت کچھ معمار اور کاریگر غیر مسلم عیسائی لوگ تھے جو کہ ولید ابن عبدالملک نے روم سے بلوا کر بھجوائے تھے، جن کی تفصیل امام سمہودی نے تحریر فرمائی ہے، آپ بیان کرتے ہیں کہ مسجد شریف کی قدیم عمارت کا انہدام ماہ صفر ۸۸ ہجری میں شروع ہوا۔ حضرت صالح بن کیسان کو اس کام کا نگران مقرر کیا گیا۔ سب حجرات مقدسہ کو مسمار کیا گیا۔ اس سلسلہ میں عام مزدور مدینہ منورہ سے لئے گئے تھے مگر

کاریگروں کا انتظام ولید ابن عبدالملک نے روم سے کرایا تھا۔

- ابن زبالہ بیان کرتے ہیں، ولید نے شاہ روم شہنشاہ بازنطینی (جسٹینین دوم) کو خط لکھا کہ ہم اپنے رسول اللہ ﷺ کی مسجد کی تعمیرِ نو کرانا چاہتے ہیں، اس معاملہ میں کاریگروں اور سنگ مرمر سے ہماری مدد کیجئے۔ بعض روایات کے مطابق روم کے شہنشاہ نے ایک سو کاریگر، چالیس اونٹ سنگ مرمر اور ایک لاکھ مثقال سونا بطور ہدیہ بھیجا۔ یہ کاریگر بمعہ سامان مدینہ طیبہ ربیع الاول ۸۸ ہجری / فروری ۷۰۷ عیسوی کو پہنچ گئے۔ بعض روایات میں رومی عیسائی کاریگروں کی تعداد چالیس لکھی گئی ہے اور چالیس سے زائد مصری قبطی مصر سے بلائے گئے تھے۔ مسجد اور حجرہ مبارکہ کی دوبارہ تعمیر کے دوران عیسائی گستاخانِ رسول ﷺ میں سے ایک معمار نے آپ ﷺ کی مزار اقدس پر پیشاب کرنے کے ارادہ سے گستاخی کرنا چاہی مگر اچانک گر گیا اور تڑپتے ہوئے ہلاک ہو گیا۔ جس سے دوسرے معماروں نے آپ ﷺ کا یہ معجزہ دیکھا تو ان میں سے بعض لوگ مسلمان ہو گئے۔ ایک معمار نے مسجد شریف کی دیوار پر ایک دن خنزیر کی تصویر بنا ڈالی۔ جب حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو اس کا علم ہوا تو آپ نے اس معمار کا سر قلم کر دیا۔ (جستجوئے مدینہ اور وفاء الوفاء) مسجد شریف اور حجرہ مقدسہ کی تعمیرِ نَو کا کام ۸۹ ہجری میں شروع ہوا اور ۹۱ ہجری میں مکمل ہو گیا۔

(کتب تاریخ اور جستجوئے مدینہ، ص: ۴۷۰)

سلطان نورالدین زنگی کا سیسہ پلائی دیواروں کا تعمیر کرانا:

- ۵۵۵ ہجری میں جب صلیبیوں کے دو جاسوسوں نے قبر اطہر تک ایک سرنگ کھودنے کی کوشش کی مگر ان کی سازش ناکام ہو گئی تو سلطان نورالدین زنگی نے اس مخمس عمارت کے ارد گرد زیر زمین پانی تک خندق کھدوائی۔ یہ خندق اس

مخمس عمارت سے ۲۰ ہاتھ دور اور بیس ہاتھ یعنی دس میٹر گہری کھودی گئی تھی پھر اس خندق میں دوہری پتھروں کی دیوار چنی گئی اور ان دونوں دیواروں کے درمیانی خلا کو سیسہ، فولاد اور تانبہ پگھلا کر پُر کیا گیا تھا۔ اس طرح حجرہ مبارکہ کو ایک ناقابلِ تسخیر فولادی دیوار سے تحفظ دیا گیا۔ (جستجوئے مدینہ)

- یہاں ایک عام غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ بعض علماء نے اپنی تصنیفات میں بھی اس غلطی کا ارتکاب کیا ہے، وہ یہ کہ سلطان نورالدین زنگی نے حجرہ مبارکہ کے ارد گرد زیر زمین پانی سے مسجد کی چھت تک ایک آہنی دیوار بنا دی تھی۔ یہ بات غلط ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ آہنی دیوار زیر زمین پانی سے صرف سطح زمین تک تھی اور زمین کے اوپر اس کو تعمیر نہیں کیا گیا تھا تاکہ پنج گوشہ عمارت کو احاطہ کر لیتی۔

- بڑے پیمانے پر سیسہ اور فولاد پگھلانے کیلئے خاص انتظامات کئے گئے تھے۔ مسجد نبوی کے جنوب مغرب میں ایک مکان اس کیلئے مختص کیا گیا تھا، جس کا صدیوں تک نام بیت الرصاص مشہور رہا۔ اسی دوران نورالدین زنگی کے وزیر جمال الدین اصفہانی نے پانچ کونوں والی عمارت کی دیواروں پر سنگ مرمر لگوایا اور دیواروں کے اوپر صندل اور آبنوس کی لکڑی سے مسجد کی چھت تک خوبصورت جالی نصب کر دی کیونکہ مخمس عمارت کی دیواریں مسجد کی چھت سے چار ہاتھ (دو میٹر) نیچے تھیں۔ ذکر کردہ روایات سے معلوم ہوا نورالدین زنگی کی امارت کے زمانہ میں قبور مبارکہ پر دو عمارتیں تھیں، ایک حجرہ مبارکہ جو بیت عائشہ کہلاتا ہے، جس کی اونچائی تقریباً نو (۹) یا دس (۱۰) فٹ ہو گی۔ اور دوم پنج گوشہ عمارت جو حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بنوائی، جس کی اونچائی اٹھارہ (۱۸) ہاتھ (۹ میٹر) تھی۔ اور حجرہ مبارکہ پر ایک چھت حجرہ مبارکہ کی دیواروں پر قائم تھی اور ایک

چھت مسجد شریف کی تھی جو حجرہ مبارکہ کی چھت کراس کرکے آگے مشرقی دیوار تک پہنچتی ہوئی تھی اور اس کی اونچائی تقریباً بائیس (۲۲) ہاتھ (۱۱ میٹر) تھی۔(وفاءالوفاء)

- حضرت نورالدین زنگی کی زیر زمین بنائی گئی فولادی دیوار مخمس عمارت کے ارد گرد تھی مگر سطح زمین پر ظاہر نہیں تھی۔

مستعصم باللہ کے دور میں چھت کا گرنا:

- ۶۵۴ ہجری میں جب مسجد شریف میں آگ لگی تو حجرہ مبارکہ کے اوپر مسجد کی لکڑیوں کی چھت اور پنج گوشہ عمارت کی دیواروں کے اوپر قائم لکڑی کی جالیاں خاکستر ہو گئیں اور سارا ملبہ حجرہ مقدسہ کی چھت پر گر گیا۔ حجرہ مبارکہ کی چھت ملبہ کا بوجھ برداشت نہ کر سکی تو دونوں چھتوں کا ملبہ حجرہ مقدسہ کے اندر قبور مبارکہ پر گر گیا۔(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ لَہُ الۡمُلۡکُ وَلَہُ الۡحَمۡدُ)۔ فوری طور پر اس حادثہ کی تفصیل بغداد میں عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو بھیجی گئیں مگر تاتاریوں کی شورش کی وجہ سے مستعصم کوئی مدد نہ کر سکا۔ مستعصم کو قتل کر دیا گیا اور ۶۵۶ ہجری میں بغداد پر تاتاریوں کا قبضہ ہو گیا۔ عباسی خلافت ختم ہو گئی۔ چونکہ اسی حادثہ سے اسلامی دنیا میں ایک خلا پیدا ہو گیا، وسائل کی کمی کی وجہ سے مسجد شریف اور حجرہ مبارکہ کی تعمیرِ نَو کا کام دو سال تک شروع نہ ہو سکا۔ دو سال کے بعد بعض دوسرے اسلامی حکمرانوں نے تعمیرِ نَو کا کام شروع کرایا۔ یوں حجرہ مبارکہ کی دوبارہ تعمیر ۶۵۶ ہجری میں مکمل ہو گئی۔ مگر حجرہ مقدسہ کے اندر ملبہ کو صاف نہیں کیا گیا تاکہ آدمیوں کے داخل ہونے اور ملبہ اور لکڑیوں کے نکالنے کیلئے ہتھوڑے اور بیلچے وغیرہ استعمال کرنے سے آواز پیدا نہ ہو اور قبور مطہرہ کی بے ادبی نہ ہو۔ بقول سمہودی حجرہ مبارکہ کی ٹوٹی ہوئی چھت کو اسی جگہ رہنے دیا گیا اور

دیواروں کو تھوڑا اونچا کرکے حجرہ مبارکہ پر لکڑیوں کی دوسری چھت ڈال دی گئی۔

پنج گوشہ عمارت کے ارد گرد جالیوں کی تنصیب:

- جب مصری سلطان ملک الظاہر رکن الدین بیبرس نے ۶۶۷ ہجری میں حج کیا تو ساتھ ساتھ اس نے زیارت کیلئے مدینہ منورہ میں بھی حاضری دی۔ اس نے پنج گوشہ عمارت کے ارد گرد سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مکان کے احاطہ سمیت باہر سے رسیوں کے ساتھ اپنے ہاتھوں سے احاطہ کی پیمائش کی اور واپس مصر جا کر لکڑی کی خوبصورت جالیاں بنوا کر روانہ کر دیں جو کہ اس احاطہ کے ارد گرد ۶۶۸ ہجری میں نصب کر دی گئیں۔ ان جالیوں کے اندر (گیلری میں) مخمس عمارت تک جانے کیلئے صرف تین دروازے رکھے گئے جو کہ جنوبی اور مشرقی اور غربی جانب سے تھے۔ شمالی جانب کوئی دروازہ نہیں تھا اور سیدہ فاطمۃ الزہراء کا مکان اسی جالی کے اندر آ گیا۔ لوگ ان دروازوں سے اندر جا کر نمازیں ادا کرتے تھے اور سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مکان کی زیارت کرتے تھے پھر ۶۹۴ ہجری میں سلطان زین الدین کتبغا نے پرانی جالیاں نکال کر نئی جالیاں جو مسجد کی چھت تک اونچی تھیں، لگوادیں اور انہوں نے جالیوں میں شمالی جانب بھی ایک دروازہ کا اضافہ کر دیا۔ ۸۵۳ ہجری میں سلطان ظاہر شاہ جقمق نے پنج گوشہ عمارت پر دو آدمیوں کے قد کے برابر خوبصورت ٹائلیں لگوادیں۔(وفاءالوفاء)
- شانِ خداوندی ۸۸۶ ہجری میں پھر مسجد شریف میں آگ لگ گئی، جس سے خوبصورت جالیوں اور فینسی لکڑی کا کام جل کر راکھ ہو گیا۔ دوبارہ تعمیرِ نَو میں سلطان قائتبائی نے جنوب اور قبلہ کی جانب تانبے کی جالیاں لگوادیں اور باقی تینوں جانب لوہے کی جالیاں لگوادیں اور لکڑی کے دروازوں کی جگہ لوہے کے دروازے نصب کر دیئے گئے تاکہ آگ لگنے سے جالیوں کو نقصان نہ پہنچے اور جالیوں کے

اوپر کی جانب تانبے کی باریک جالیاں لگوادیں تاکہ کبوتر وغیرہ اندر نہ جاسکیں۔ پنج گوشہ عمارت کے شمالی جانب دونوں طرف دو دروازوں کا اضافہ کر دیا گیا اور اس طرح سیدہ فاطمۃ الزہراء کا مکان بھی حجرہ مبارکہ کے احاطہ کا حصہ بنادیا گیا۔ اندر جانے کیلئے دروازے رکھ دیئے گئے۔ میرے خیال میں آج ۱۴۳۲ ہجری/ ۲۰۱۱ عیسوی تک وہی جالیاں اور دروازے سلطان قائتبائی کی ترتیب کے مطابق موجود ہیں۔(اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِكَ) (محمد رفیق حسنی)

• گویا اس بقعہ مقدسہ کی صورت اس طرح ہو گئی، اندر ام المومنین حضرت عائشہؓ کا حجرہ مبارکہ ہے، جس میں قبور مبارکہ ہیں۔ دوم حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی پنج گوشہ عمارت ہے جو حجرہ مقدسہ کو چاروں طرف محیط ہے۔ سوم سلطان رکن الدین کی جالیوں کا مقصورہ شریفہ ہے جو مربع شکل میں پنج گوشہ عمارت اور سیدہ فاطمہؓ کے مکان کو محیط ہے۔ ابتداء میں جالیوں کے چاروں طرف دروازے کھلے رہتے تھے۔ لوگ اندر پنج گوشہ عمارت سے باہر گیلری میں جاکر عبادت کرتے تھے۔ خواتین اور بچے اور مرد جالیوں کے اندر کے احاطہ میں سو بھی جاتے تھے اور بچے پیشاب وغیرہ بھی کردیتے تھے اور اندر جانے کیلئے رش ہو جاتا تھا۔ خصوصاً سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مکان میں جاکر تبرک حاصل کرنے کیلئے لوگوں میں مڈبھیڑ ہو جاتی تھی۔ اس لئے سب دروازے بند کر دیئے گئے مگر یہ دروازے خواص کیلئے کھول دیئے جاتے تھے۔ اسطوانہ مربعۃ القبر اور مقام جبرئیل اور سیدہ فاطمۃ الزہراء کا مکان ان جالیوں کے اندر آگئے تھے اور گنبد خضراء جن ستونوں پر قائم ہے، وہ جالیوں کے درمیان قائم ہیں۔ (وفاءالوفاء)

حجرہ کے دروازوں کے بند ہونے کی وجہ:

• صاحب وفاءالوفاء نے دروازوں کے بند ہونے کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ ۸۳۰

رفیق المدینہ المنوّرہ

ہجری میں جالیوں کے دروازے اس لئے بند کر دیے گئے کیونکہ بعض علماء نے کہا، لوگ مشہد شریف کی دیواروں کو بطور تبرک مس کرتے ہیں، اس میں بے ادبی ہے اور جائز نہیں ہے۔ امام سمہودی فرماتے ہیں، میرے نزدیک دروازوں کو کھلا رکھنا ضروری ہے۔ اول تو اس لئے کہ غربی جانب جالیوں کے اندر کا احاطہ ریاض الجنۃ کا حصہ ہے، اسے معطل رکھنا جائز نہیں ہے۔ مقدس دیواروں کو غیر مناسب افعال سے بچانے کی یہ تدبیر جائز نہیں کہ دروازے بند کرکے ریاض الجنۃ کے بقعہ مبارکہ سے برکت حاصل کرنے کو بند کر دیا جائے بلکہ طریقہ یہ ہے کہ غیر مناسب افعال سے لوگوں کو منع کر دیا جائے۔ دوم جن دیواروں کو لوگ مس کرتے ہیں یہ قبرانور نہیں اور نہ حجرہ مقدسہ کی دیواریں ہیں بلکہ مخمس اور پنج گوشہ عمارت کی دیواریں ہیں جو عمر ابن عبدالعزیز نے تعمیر کرائیں۔ اگر اس مخمس عمارت کی دیواروں کو بطور تبرک مس کرنا بے ادبی ہے تو پھر ساری مسجد کو بند کر دیا جائے کیونکہ لوگ مسجد کی دیواروں کو بھی بطور تبرک مس کرتے رہتے ہیں۔ سوم قبرانور اور حجرہ مبارکہ کو بطور تبرک مس کرنا یا بوسہ دینا ایسا امر نہیں کہ بالاتفاق ناجائز ہو بلکہ یہ امر جائز ہے۔ یہ مسئلہ ہم باب الزیارت میں بیان کریں گے۔(وفاءالوفاء)

• علامہ سمہودی لکھتے ہیں، جب پنج گوشہ عمارت کی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں اور عمارت کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے دیواروں کے منہدم ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا اور مدینہ منورہ کے حکمرانوں اور علماء کے مشورہ سے حجرہ مبارکہ اور پنج گوشہ عمارت کی تجدید کا فیصلہ ہو گیا تو میں نے جو خود مشاہدہ کیا وہ یہ تھا۔

گنبد کی تعمیر اور مقصورہ مبارکہ اور پنج گوشہ عمارت کی تجدید:

• قارئین پر واضح ہو کہ کتبِ تاریخ خصوصاً حضرت سمہودی کی وفاءالوفاء کے

مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی آرام گاہ کیلئے مخصوص قطعہ مبارکہ پر دو عمارتیں ہیں، ایک وہ حجرہ مبارکہ جس میں تینوں مزارات مبارکہ ہیں اور ایک پنج گوشہ عمارت جو حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے حجرہ مبارکہ پر محیط تعمیر کرائی تھی۔ ایک مقصورہ مبارکہ جو جالیوں اور جنگلوں کی صورت میں پنج گوشہ عمارت اور سیدہ فاطمہ کے حجرہ کے باہر اور سرورِ دو عالم ﷺ کے حجرہ مبارکہ اور پنج گوشہ عمارت کو محیط ہے۔ اور دو گنبد ہیں۔ ایک گنبد مسجد کی چھت کیلئے بنائے گئے ستونوں پر مسجد کی چھت پر قائم ہے، جو گنبد حجرہ مبارکہ پر قائم ہے، وہ نظر سے غائب ہے، نظر نہیں آتا اور جو گنبد پہلے مسجد کی چھت کے ستونوں پر قائم تھا اور پھر مستقل ستونوں پر قائم ہے، وہی نظر آتا ہے اور یہی گنبد خضراء ہے۔ مگر نظر آنے والے گنبد مبارک کے مختلف اوقات میں مختلف تعمیرات اور مختلف رنگ کئے گئے۔ پہلے پہلے نیلگوں رنگ تھا پھر سفید رنگ اور پھر سبز رنگ جو آجکل ۲۰۱۱ عیسوی مطابق ۱۴۳۲ ہجری موجود ہے۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک)۔

- ایک دور میں حجرہ مبارکہ کی چھت پر مسجد کی دو چھتیں تھیں مگر دونوں چھتوں کے درمیان فاصلہ بہت کم تھا۔ آدمی منحنی ہو کر (جھک کر) اس میں کھڑا ہو سکتا تھا، سیدھا کھڑا ہونا مشکل تھا اور حجرہ مبارکہ کی اپنی چھت بھی تھی مگر پنج گوشہ عمارت کی چھت نہیں تھی اور آج تک نہیں ہے۔ مخمس عمارت کی ۶۵۶ ہجری تک یہی صورت رہی۔ مسجد اور حجرہ مبارکہ کی چھتیں لکڑی کے شہتیر اور لکڑی کے بلے اور کڑیاں اور تختوں پر قائم تھیں۔ مسجد کی چھت کے شہتیر ستونوں پر قائم تھے اور حجرہ مبارکہ میں استعمال ہونے والی لکڑیاں حجرہ مبارکہ کی اپنی دیواروں پر قائم تھیں۔ مسجد شریف کی دونوں چھتیں حجرہ مبارکہ کی چھت کے اوپر سے کراس کر کے مشرق میں قائم دیوار تک طویل تھیں جو کہ باب جبرئیل میں قدمین

مبارکین کی جانب سے داخل ہونے کی دیوار ہے۔

پنج گوشہ عمارت کے ارد گرد جنگلے کی تفصیل:

- نیز پنج گوشہ عمارت اور سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مکان کے ارد گرد جنگلہ اور جالیاں جن کو مقصورہ کہا جاتا ہے، بنایا گیا تھا جو کہ اب بھی موجود ہے۔ مگر حسبِ مرور زمانہ مذکورہ عمارتوں اور جالیوں میں تبدیلیاں اور ترمیمات ہوتی رہیں، جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ مسجد کی چھت پر قبور مبارکہ کے محاذی (سیدھ) چار پانچ فٹ اونچی چوکور دیوار بنا دی گئی تھی تاکہ لوگ مسجد کی چھت پر جائیں تو حجرہ مبارکہ کے محاذی نہ جائیں ورنہ قبور مطہرہ ان کے قدموں کے نیچے آجانے سے بے ادبی ہو گی۔

مزاراتِ مقدسہ ثلثہ پر حجرہ مبارکہ کی مزید تفصیل:

- آپ ﷺ کا یہ حجرہ مبارکہ خود سرورِ دو عالم ﷺ نے مسجد شریف کی تعمیر کے ساتھ ساتھ تعمیر فرما لیا تھا۔ بنیادوں میں پتھر رکھے گئے تھے اور دیواروں کو کچی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ (وفاء الوفاء)
- ۸۷تا۸۸ ہجری میں حجرات مقدسہ کے انہدام کے بعد مسجد شریف کی توسیع کے وقت غالباً حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اس حجرہ مبارکہ کی چاروں دیواروں کو تراشیدہ کالے پتھروں سے جو پتھر کعبۃ اللہ کے پتھروں کے ساتھ مشابہت رکھتے تھے، بنوادیں۔ یاد رہے جزوی طور پر دیواروں کی تعمیر حضرت عمر ابن خطاب نے بھی کرائی تھی اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بھی ایک سال قبل شرقی دیوار تعمیر کرائی تھی مگر سال دو سال بعد کلی تعمیر دوبارہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے کرائی۔ (سمہودی)
- پھر ۸۸۱ ہجری میں حجرہ مبارکہ کی اکثر پرانی دیواریں نکال دی گئیں اور

پتھروں سے دوبارہ مضبوط دیواریں بنادی گئیں اور حجرہ مبارکہ کی پرانی چھت بھی نکال دی گئی اور حجرہ مبارکہ کی دیواروں پر مسجد کی چھت کے نیچے سفید خوبصورت گنبد بنادیا گیا شاید آج تک وہ گنبد اندر موجود ہے اگرچہ نظر سے غائب ہے۔ کیونکہ وہ گنبد مسجد کی چھت کے نیچے جالیوں کے مقصورہ کے اندر ہے۔

- امام سمہودیؒ بیان کرتے ہیں، ۶۵۴ ہجری کی آتش زدگی کے حادثہ میں مسجد نبوی شریف کی چھت کا وہ حصہ جو حجرہ مبارکہ کے اوپر تھا، آگ کی تباہ کاریوں کی وجہ سے نیچے حجرہ مقدسہ کی چھت پر گر گیا اور پنج گوشہ عمارت کی دیواروں پر لکڑی کی جالیوں کا ملبہ بھی حجرہ مقدسہ کی چھت پر گر گیا۔ حجرہ مقدسہ کی چھت یہ بوجھ برداشت نہ کر سکی۔ لہٰذا مسجد کی دونوں چھتوں اور جالیوں اور حجرہ مقدسہ کی اپنی چھت کا ملبہ قبور مطہرہ پر جا گرا۔ اس حادثہ کی تفاصیل فوری طور پر بغداد میں خلیفہ مستعصم باللہ کو روانہ کی گئیں مگر خلیفہ اس سلسلہ میں کوئی تعاون نہ کر سکا کیونکہ تاتاریوں کے پے در پے حملوں کی وجہ سے بغداد کی حکومت کمزور ہو چکی تھی۔ بعد ازیں بغداد کی حکومت ہمیشہ کیلئے ساقط ہو گئی۔
- عباسی سلطنت کے اختتام کے بعد اسلامی دنیا میں خلا پیدا ہو گیا اور حجرہ مقدسہ اور مسجد کی دوبارہ تجدید کا مسئلہ تقریباً دو سال کیلئے حل نہ ہو سکا۔
- اس زمانہ میں اسلامی ریاستوں کے حکمرانوں نے مسجد اور حجرہ مقدسہ کی تعمیر کی طرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ پہلے حجرہ مقدسہ سے ملبہ صاف کرنے کا ارادہ کیا مگر اس کی کوئی شخص جرأت نہ کر سکا۔ اس وقت مدینہ منورہ پر گورنر منیف ابن شیحہ مھنی حسینی مقرر تھا۔ جب بغداد سے کوئی جواب نہ آیا تو حجرہ مقدسہ کی چھت کی تعمیر شروع کرادی گئی مگر حجرہ مبارکہ سے ملبہ صاف نہ کیا گیا تاکہ بے ادبی نہ ہو۔
- وفاء الوفاء میں مجد الدین شیرازی کی عبارت اس طرح ہے:

"فَتَرَكُوا الرَّدْمَ عَلٰى مَا كَانَ عَلَيْهِ وَلَمْ يَجْسُرْ اَحَدٌ عَلَى التَّعَرُّضِ لِهٰذِهِ الْعَظِيْمَةِ الَّتِيْ دُوْنَ مَرَامِهَا تَزِلُّ الْاَقْدَامُ... الخ"

ترجمہ: "حکمرانوں اور معماروں نے ملبہ کو جس طرح تھا، رہنے دیا اور کسی نے اس عظیم کام کیلئے جرأت نہ کی، جس کے کرنے میں لوگوں کے قدم لرزتے ہیں۔"

- لہٰذا حجرہ مقدسہ پر نئی چھت ڈالنے سے پہلے مسجد پر چھت ڈالی گئی۔ انہوں نے مسجد کی چھت جو ستونوں پر قائم تھی اور حجرہ مقدسہ کی محاذی تھی، پہلے وہ تعمیر کی، اس کے بعد حجرہ مقدسہ کی دیواروں کو پکی اینٹوں سے بلند کر کے ان دیواروں پر پہلی منہدم اور شکستہ چھت کے اوپر دوسری چھت ڈال دی اور ملبہ حجرہ مقدسہ کے اندر رہنے دیا اور پنج گوشہ عمارت کی دیواروں پر جالیاں کھڑی کر کے مسجد کی چھت تک ملادیں اور حجرہ مقدسہ پر مربع شکل میں ڈالی گئی چھت کے اوپر کپڑے کا غلاف ڈال دیا۔ حجرہ مقدسہ کی چھت صرف لکڑیوں اور لکڑی کے تختوں سے بنائی گئی، اسے مٹی اور گارے سے لیپ نہیں کیا گیا۔ اور مسجد کی چھت جو ستونوں پر قائم تھی اس میں ایک کھڑکی رکھ دی گئی جو کہ مقفل (بند) رہتی تھی اور بوقت ضرورت اسے کھولا جاتا تھا اور اسی طرح کی ایک کھڑکی حجرہ مقدسہ کی چھت میں بھی رکھی گئی تھی۔ مسجد کی چھت پر حجرہ مبارکہ کے محاذات میں پکی اینٹوں سے تقریباً چار پانچ فٹ اونچی چوکور دیواریں قائم کی گئی تھیں تاکہ مسجد کی چھت پر جانے والے قبور مطہرہ کے حجرہ کی محاذات میں نہ آئیں اور ان کے قدموں کے نیچے قبور مطہرہ نہ آئیں ورنہ بے ادبی ہو گی۔
- حجرہ مقدسہ اسی حالت میں ۸۸۱ تک قائم رہا۔ ۸۸۱ ہجری میں ملک الاشرف قائتبائی کی حکومت میں مسجد اور حجرہ مبارکہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کا مشورہ ہوا۔

کیونکہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی پنج گوشہ عمارت کی شمالی مشرقی جانب دیوار پھٹ گئی، جب دیوار کے اس حصہ کو جو زمین سے چار ہاتھ اونچا اور پانچ ہاتھ لمبا تھا، توڑا گیا تو معلوم ہوا اندر حجرہ مقدسہ کی دیوار بھی پھٹی ہوئی ہے اور پنج گوشہ عمارت کی دیوار کی طرف جھک گئی ہے۔ چنانچہ تعمیر کیلئے دولت اشرفیہ سے مجاز اور مامور شمسی ابن زمن نے علماء، قُضاۃ، کاریگروں اور خدام مسجد کو بارگاہِ رسالت کے مقصورہ شریف (جالیوں) کے احاطہ میں جمع کیا اور باہم مشاورت ہوئی۔ طے ہوا حجرہ مبارکہ کو پہلی آتش زدگی کے وقت اندر گرے ہوئے ملبہ سے صاف کر دیا جائے اور حجرہ مبارکہ کی دیواروں کے بوسیدہ حصوں کو بھی نکال کر جدید بنا دیا جائے اور دیواروں پر چھت کی بجائے گنبد بنا دیا جائے۔ چنانچہ ۱۳ شعبان ۸۸۱ ہجری ہفتہ کی شب عشاء کی نماز کے بعد باہمی مشورہ میں فیصلہ ہوا اور صبح ہفتہ کے دن پہلے پنج گوشہ عمارت کی دیوار کے اس حصہ کو نکالا گیا جو پھٹ گیا تھا۔ اس پنج گوشہ عمارت اور حجرہ مبارکہ کی دیواروں کے درمیانی جگہ اور خلاء اور احاطہ میں آدمی کی قامت کے برابر ملبہ صاف کیا گیا پھر حجرہ مقدسہ کی دیواروں کے متاثرہ حصے نکالے گئے۔

حجرہ مقدسہ کی صفائی:

- ۱۵ شعبان ۸۸۱ ہجری بروز اتوار حجرہ مقدسہ کی صفائی شروع کی گئی جس کے آغاز کیلئے الشیخ عارف باللہ شہاب الدین الابطشیطی قدس اللہ روحہ کو بلایا گیا تا کہ کام میں برکت ہو۔ آپ تشریف لائے اور باہر کھڑے ہو کر سورہ فاتحہ کی تلاوت فرمائی اور حکم فرمایا "نَظِّفُوْا عَلٰی بَرَکَۃِ اللّٰہِ" (صفائی شروع کرو، اللہ تعالیٰ کی برکت پر) سیدی سمہودی خود اس صفائی میں شریک تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ جب قبور مطہرہ پر گرے ملبہ کو میں نے دیکھا تو ہولناک منظر دیکھا کہ آتش زدگی

کی وجہ سے ملبہ اتنا زیادہ گرا ہوا تھا کہ بغیر بیلچے اور ہتھوڑے اور دیگر آلات ملبہ نکالنا مشکل تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ سابقہ تعمیر کے وقت ملبہ احتراماً اور ادباً صاف نہیں کیا گیا تھا۔ آدمی کی قامت کے برابر ملبہ موجود تھا۔ مسجد کی چھت اور مسجد کی چھت پر دائرہ نما دیواروں کی اینٹیں جو مسجد کی چھت پر حجرہ مقدسہ کو ممتاز کرنے کیلئے بنائی گئی تھیں اور ستونوں پر قائم لکڑیاں وغیرہ سب حجرہ مقدسہ کے اندر قبور مطہرہ پر گری ہوئی تھیں۔ لوگوں نے جب صفائی کا کام شروع کیا تو بھیڑ ہو گئی، ہر شخص سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا حتیٰ کہ حجرہ مقدسہ صاف ہو گیا اور مقدس زمین ظاہر ہو گئی اور زمین پر ایسی کنکریاں ظاہر ہو گئیں جو مسجد شریف کی کنکریوں کے مشابہ تھیں مگر حجرہ مبارکہ میں زمین کی کنکریاں پانی کی نمی کی وجہ سے کچھ سیاہ ہو چکی تھیں۔ آپ فرماتے ہیں، پنج گوشہ عمارت کی دیواروں کے باہر ٹائل سے مزین فرش تقریباً دو فٹ اونچا تھا اور پنج گوشہ عمارت کی دیواروں کے اندر اور حجرہ مقدسہ کی دیواروں کے باہر کی درمیانی زمین ایک ہاتھ اور ہاتھ کا تیسرا ($1\frac{1}{3}$) تقریباً دو فٹ نیچے تھی۔

- حجرہ مقدسہ کے فرش کے متعلق ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ کتنا نیچے تھا۔ ظاہر یہ ہے کہ حجرہ کا فرش مزید نیچے ہو گا۔ علامہ سمہودی فرماتے ہیں، حجرہ مقدسہ کا فرش باہر کے فرش سے ڈیڑھ ہاتھ تقریباً تین فٹ سے تھوڑا کم پونا میٹر نیچے تھا۔ تو پنج گوشہ عمارت کی باہر کی زمین حجرہ مبارکہ کے فرش سے تقریباً پانچ فٹ اونچی ہو گی۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)
- حجرہ مبارکہ مربع شکل میں تھا اور تراشیدہ بڑے بڑے سیاہ پتھروں سے بنا ہوا تھا۔ حجرہ مبارکہ میں کوئی دروازہ نہیں تھا اور نہ دروازے کی کوئی جگہ تھی اور پنج گوشہ عمارت کی مغربی دیوار اور حجرہ مبارکہ کی مغربی دیوار باہم متصل تھیں۔ پنج

گوشہ عمارت کی دوسری دیواروں اور حجرہ مبارکہ کی دوسری دیواروں کے درمیان فاصلہ تھا۔ حجرہ مبارکہ کے اندر لوگ چراغ لے کر داخل ہوئے تو آتش زدگی اور مرور زمانہ کی وجہ سے باقی دیواروں میں بھی شگاف پڑ چکے تھے اور بیشتر جگہ دیواروں کے ساتھ لکڑیوں کے سہارے اور سپوٹ موجود تھی اور جنوبی قبلی دیوار کی سپوٹ ایک دیوار بنا کر کردی گئی تھی۔ ایسی حالت میں عمارت کے متولی نے حجرہ مبارکہ کی چھت اتروالی اور متاثرہ دیواروں کے پتھر (بلاک) نکال دیئے تو حجرہ مبارکہ کی زمین اور قبور مطہرہ آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو گئیں جو کہ ملبہ کے گرنے کی وجہ سے مستور تھیں۔ ۱۱ شعبان کے دن تقریباً ساری دیواریں نکال دی گئیں۔ شامی دیوار کے مغربی حصے اور جنوبی دیوار کے مغربی حصے اور اسی طرح غربی دیواریں سیاہ پتھروں کے درمیان کچھ کچی اینٹیں بھی ملیں۔ جبکہ بعض اینٹوں کا طول ایک ہاتھ سے زیادہ اور عرض آدھا ذراع اور عمق (گہرائی) ذراع کا چوتھا حصہ تھا۔ یعنی تقریباً اینٹوں کی دو فٹ لمبائی اور ایک فٹ چوڑائی اور چوتھائی فٹ گہرائی تھی اور بعض اینٹوں کا طول اور عرض اور گہرائی ہر ایک نصف ہاتھ تھی۔ شاید حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بطور تبرک کچھ کچی اینٹیں اصل حجرہ مقدسہ کی رکھوادی تھیں مگر یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے غیر مسلم معماروں نے قصداً ایسا کیا تھا تاکہ کسی وقت بھی دیواریں منہدم ہو جائیں کیونکہ ایسا کرنا حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی نگرانی میں ممکن نہیں تھا۔ اگرچہ ولید ابن عبدالملک کے بھیجے گئے معمار غیر مسلم تھے، جنہوں نے مسجد کی توسیع اور تجدید کی تھی اور حجرہ مبارکہ کو دوبارہ بنایا تھا۔ (سمہودی)

علامہ سمہودی کا قبور مطہرہ کی زیارت کرنا:

● علامہ سمہودی فرماتے ہیں، ۲۳ شعبان ۸۸۱ ہجری جب شامی دیوار کو توڑا گیا

اور حجرہ مبارکہ کی زمین تک پہنچے تو سورج کے غروب ہونے تک صفائی کا کام ہوتا رہا۔ صفائی کیلئے لوگوں کی کثرت سے حجرہ مبارکہ بھر گیا تھا مگر پھر بھی غروب تک صفائی مکمل ہوئی۔ مجھے ۲۵ شعبان ۸۸۱ ہجری کی صبح تعمیر کرانے کے متولی نے قبور مبارکہ کی زیارت کرنے کی دعوت دی تو مجھے شوق نے زیارت کیلئے برانگیختہ کیا۔ چونکہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے صحابہ کرام قبور مبارکہ کی زیارت کا سوال کرتے رہتے تھے اور آپ اجازت فرماتی تھیں۔ پھر سلف صالحین نے قبور مبارکہ کی کیفیت اور حجرہ مبارکہ کے طول و عرض کے متعلق جو کچھ لکھا تھا، میرے لئے یہ ایک سند تھی، اس لئے میں نے زیارت کا ارادہ کر لیا۔ اس وقت میرے تصور میں یہ شعر آئے:

وَلَوْ قِيْلَ لِلْمَجْنُوْنِ اَرْضٌ اَصَابَهَا
غُبَارُ ثَرٰى لَيْلٰى لَجَدَّ وَاَسْرَعَا
لَعَلَّ يَرٰى شَيْئًا لَهٗ نِسْبَةٌ بِهَا
يُعَلِّلُ قَلْبًا كَانَ اَنْ يَّتَصَدَّعَا

ترجمہ: ”اگر مجنوں کو کہا جائے ایک قطعۂ زمین کو لیلیٰ کے پیروں سے اڑنے والی غبار پہنچی ہے تو اس کی طرف کوشش کرے گا اور دوڑے گا۔ شاید ایسی چیز کو دیکھ لے جس کو لیلیٰ سے نسبت ہوتا کہ دل کو جو پھٹنے کے قریب تھا، تسلی دے سکے۔“

پھر اس کریم العفوذات سرورِ کونین ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دینے کیلئے متوجہ ہوا اور ذہن میں شعر مستحضر تھا:

عَصَيْتُ فَقُلْتُ كَيْفَ اَلْقٰى مُحَمَّدًا
وَوَجْهِيْ بِاَثْوَابِ الْمَعَاصِيْ مُبَرْقَعٗ

ترجمہ: ”میں گنہگار تھا، پس میں نے کہا، کس طرح محمد ﷺ کے ساتھ ملاقات کروں گا حالانکہ میرا چہرہ معاصی کے لباس سے پوشیدہ ہے۔“

پھر دل میں کہا:

عَسَى اللّٰهُ مِنْ اَجْلِ الْحَبِيْبِ وَ قُرْبِهٖ
يُدْرِكُنِيْ بِالْعَفْوِ فَالْعَفْوُ اَوْسَعُ

ترجمہ: ”امید ہے کہ اپنے حبیب اور ان کے قرب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے معاف کردے گا اور معاف کرنا نہایت وسیع ہے۔“

- آپ لکھتے ہیں، نہایت ادب واحترام کے ساتھ میں نے حاضری دی۔ میں نے حجرہ مقدسہ کے اندر دیکھا تو حجرہ میں زمین کی سطح برابر تھی۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے مٹی اٹھائی، اس میں نمی اور کنکریاں تھیں اور قبور مبارکہ کے نشانات نہیں تھے مگر حجرہ مبارکہ کے وسط میں زمین کی سطح معمولی بلند تھی۔
- شاید ملبے کے دباؤ کی وجہ سے قبور مبارکہ کے تعویذات کی مٹی بیٹھ گئی تھی کیونکہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا غلام مزاحم جب حجرہ مبارکہ سے باہر آیا تھا تو حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اس سے پوچھا تھا:

”كَيْفَ تَرٰى قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ؟ قَالَ مُتَطَاطِيًا۔ قَالَ: فَكَيْفَ تَرٰى قَبْرَ الرَّجُلَيْنِ؟ قَالَ مُرْتَفِعَيْنِ۔ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ“

(وفاء الوفاء)

ترجمہ: اے مزاحم! تونے نبی کریم ﷺ کی قبر کو کیسے پایا؟ مزاحم نے کہا: زمین کی سطح سے تھوڑی بلند ہونے والی پھر عمر ابن عبدالعزیز نے پوچھا، صاحبین کی قبروں کو تونے کیسے پایا؟ تو اس نے عرض کیا، وہ

بلند تھیں۔ عمر ابن عبدالعزیز نے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک! وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔“

- یعنی قبرِ انور کا بلند نہ ہونا آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ لہٰذا قبور مبارکہ کے نشانات کا نہ ہونا ملبہ کے نیچے دباؤ کی وجہ سے ہوگا۔ (محمد رفیق حسنی)
- آپ فرماتے ہیں، میں نے غور کیا تو حجرہ مبارکہ میں زمین کی سطح دیواروں سے خارج زمین سے ڈیڑھ ہاتھ نیچے تھی اور حجرہ مبارکہ کی دیواروں سے خارج اور پنج گوشہ عمارت کی دیواروں کے درمیان زمین کی سطح مسجد کی سطح سے تقریباً ایک ہاتھ اور ثلث نیچے تھی۔ لہٰذا حجرہ مبارکہ کی زمین مسجد کی سطح زمین سے نیچے تھی۔ اسی سے قارئین اندازہ لگائیں کہ ہمارے زمانہ (۱۴۳۲ ہجری) میں قبور مقدسہ کے حجرہ میں زمین کی سطح مسجد کی سطح سے کتنی نیچے ہوگی۔ کیونکہ ہر دور میں نئی نئی تعمیرات سے مسجد کی زمین کی سطح اونچی ہوتی رہی مگر حجرہ مقدسہ کی زمین پہلی حالت میں باقی رہی اور ہے۔
- بعض لوگوں نے کہا کہ حجرہ مقدسہ کی زمین تک جانے کیلئے سیڑھیوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ قبور مبارکہ کافی نیچے ہیں۔ (محمد رفیق حسنی) (واللہ تعالیٰ اعلم)

پرنالہ شریف:

- حضرت سمہودی بیان کرتے ہیں جب حجرہ مبارکہ کی ساری دیواریں گرادی گئیں تو قبلی اور جنوبی دیوار کے اوپر کے حصہ سے ایک لکڑی کا پرنالہ جو معمولی جل چکا تھا، ظاہر ہوا جو کہ تقریباً ایک ہاتھ باقی تھا اور اس میں پانی جاری ہونے کی جگہ چار انگلیوں یا پانچ انگلیوں کے مقدار کے برابر تھی وہ عرعر (شیشم) کی لکڑی سے بنا ہوا تھا۔ اس میں نہایت پیاری خوشبو آرہی تھی۔ شاید سرورِ دو عالم ﷺ کی رہائش کے وقت یہ پرنالہ حجرہ مبارکہ میں لگا ہوا تھا، حضرت عمر ابن عبدالعزیز کے

دور میں دوبارہ تعمیر کے وقت انہوں نے دیوار میں رکھ دیا تھا تاکہ یاد باقی رہے۔ پھر دوبارہ تعمیر میں بھی شمالی دیوار میں اس پرنالے کو رکھ دیا گیا۔(وفاء الوفاء)

گنبدِ بیضاء کی تعمیر:

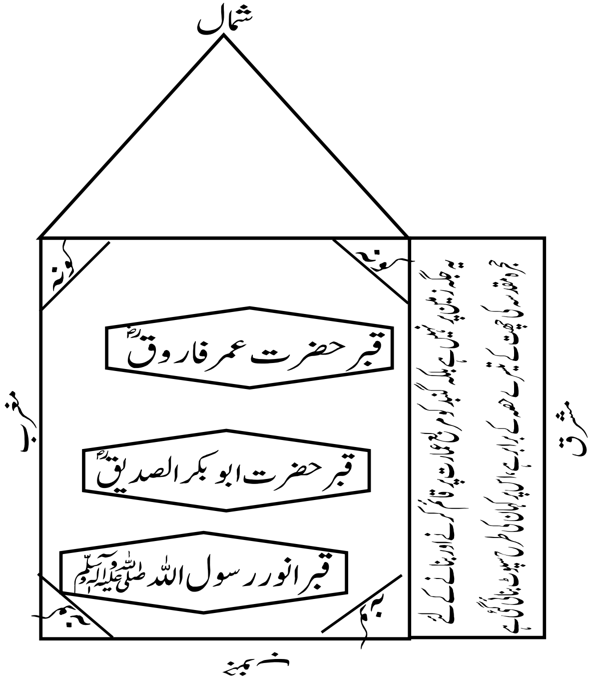
- پھر حجرہ مبارکہ کی دیواروں کو مضبوط بنیادوں پر تعمیر کیا گیا اور حجرہ مقدسہ کے اوپر دیواروں کے چاروں زاویوں (کونوں) کو کمان اور محراب کی گولائی کی طرح پتھروں کے ڈاٹ بنا کر زیادہ مضبوط کیا گیا تاکہ ان دیواروں پر گنبد تعمیر کیا جائے چنانچہ حجرہ مبارکہ پر چھت کی جگہ سفید گنبد بنا دیا گیا جو کہ حجرہ مبارکہ کی دیواروں پر قائم ہے اور گنبد کی اندرونی آخری سطح کی زمین سے بلندی اٹھارہ ہاتھ اور ہاتھ کا چوتھا حصہ ہے۔ یہ گنبد مسجد کی چھت کے نیچے ہے۔ دوبارہ تعمیر کے وقت شمالی دیوار میں ایک کھڑکی رکھ دی گئی تھی۔ جب گنبد بیضاء اور چاروں دیواروں کی تکمیل ہوگئی تو دیوار کی کھڑکی سے تینوں قبور مبارکہ کی جگہ ان کے تعویذوں کو اونچا رکھنے کیلئے وادی عقیق سے کنکریاں لائی گئیں اور انہیں دھویا گیا اور مسجد میں خشک کر کے کھڑکی سے قبور مبارکہ پر رکھا گیا اور قبور مبارکہ کو مُنم (اونٹ کی کہان) کی طرح بنا دیا گیا جس طرح ابتداء میں ان کی ہیئت تھی۔ اور حجرہ مبارکہ کو عود اور عنبر وغیرہ کی خوشبوؤں سے مہکایا گیا۔ اس وقت ایک جماعت نے کھڑکی سے حجرہ مبارکہ میں اپنی اغراض لکھ کر اندر پھینکیں جن میں سرورِ دوعالم ﷺ کے وسیلہ سے اپنی حاجات کی طلب کا ذکر کیا گیا تھا پھر سوراخ یعنی دیوار کی کھڑکی کو پتھروں سے بند کر دیا گیا۔ ساری دیواروں اور گنبد کو سفید کلر سے رنگ کر دیا گیا اور گنبد مبارکہ پر تانبے کا ہلال لگایا گیا جو سونے کا نظر آتا تھا اور یہ ہلال مسجد کی پہلی چھت کے قریب تھا۔ فرمایا:

"هُوَ قَرِيْبٌ مِّنْ سَقْفِ الْمَسْجِدِ الْاَوَّلِ فَاِنَّ الْقُبَّةَ الْمُبَارَكَةَ تَحْتَهٗ"

ترجمہ: "ہلال مسجد کی پہلی تحتانی چھت کے قریب ہے کیونکہ گنبد مبارک اس چھت کے نیچے ہے۔"

- اس حجرہ مبارکہ کی تعمیر کو شعبان میں شروع کیا گیا تھا اور سات شوال ۸۸۱ بروز خمیس ختم ہوا۔
- حجرہ مبارکہ کا نقشہ جو علامہ سمہودی نے وفاء الوفاء میں ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے:





- آپ فرماتے ہیں، حجرہ مبارکہ بالکل مربع شکل میں نہ تھا۔ معماروں نے مربع شکل کی دیواروں پر گنبد بنانے کا ارادہ کیا تاکہ گنبد میں استحکام آئے، اس لئے حجرہ مبارکہ کے ثلث ۱/۳ حصہ پر دیواروں کے اوپر انتہائی سروں پر مشرقی جانب ایک مضبوط ڈاٹ محراب کی طرح گول کمان کی شکل بنائی گئی اور حجرہ پر قائم گنبد کی اس پر اور چاروں کونوں پر بنیاد رکھی گئی۔ نقشہ میں یہ کونے اور مشرقی حصہ زمین کی سطح

کا نہیں ہے بلکہ گنبد مبارک کی بنیاد کے کونوں اور زاویوں اور چھوٹے گنبد کا نقشہ ہے۔

بڑے گنبد (نظر آنے والے) کے متعلق مزید تفصیل:

• ۶۵۴ ہجری کی آتش زدگی سے پہلے اور بعد میں حجرہ مبارکہ پر کوئی گنبد نہیں تھا۔ مسجد کی فوقانی چھت پر حجرہ مبارکہ کے محاذات میں آدمی کی نصف قامت کے برابر پکی اینٹوں کی چار دیواری بنادی گئی تھی تاکہ حجرہ مبارکہ کی محاذات میں مسجد کی چھت باقی چھت سے ممتاز رہے اور مسجد کی چھت پر چڑھنے والے لوگ حجرہ مبارکہ کے محاذی چھت کو استعمال نہ کریں۔ یہ سلسلہ ملک منصور قلاؤون الصالحی کے ایامِ امارت ۶۷۸ ہجری تک قائم رہا پھر ۶۷۸ ہجری میں ملک منصور قلاؤون نے مسجد کی چھت کے ستونوں پر گنبد تعمیر کرایا۔ مسجد کی چھت پر ابتداء میں گنبد کے چار زاویے (کونے) اور اوپر آٹھ زاویے بنوائے گئے اور چھت پر اینٹوں سے بنائی گئی چار دیواری ہٹادی گئی۔ یہ گنبد لکڑیوں سے بنایا گیا اور گنبد پر لکڑیوں کے تختے حدیدی اور لوہے کی میخوں سے جوڑ دیئے گئے اور گنبد کے ارد گرد لکڑی کے تختوں پر سیسہ کی پلیٹیں لگوادیں۔ یہ سیسے کی پلیٹیں لکڑی کے تختوں کو موسمی اثرات سے بچانے کیلئے لگائی گئی تھیں۔ اس سے پہلے حجرہ مبارکہ کے محاذی مسجد کی چھت پر گنبد نہیں تھا۔ اس گنبد میں ایک بڑا سوراخ رکھا گیا جس میں جھانکنے سے مسجد کی دوسری تحتانی چھت کا سوراخ نظر آتا تھا اور مسجد کی چھت کا سوراخ حجرہ مقدسہ میں حضرت عائشہ کے زمانہ میں بنائے گئے سوراخ کے محاذی تھا۔ (وفاء الوفاء)

اور گنبد مبارک کے ارد گرد مسجد کی چھت پر لکڑی کا جنگلہ لگوادیا گیا اور مسجد کی تحتانی چھت پر گنبد کے محاذی لکڑی کی جالیاں لگوادیں اور گنبد مبارک اور مسجد

کے سوراخوں پر پردے لگادیئے گئے۔ بعض مورخین نے بیان کیا ہے، جس معمار نے یہ گنبد ڈیزائن کیا اور بنوایا اس کا نام کمال احمد بن البرہان عبدالقوی تھا۔ اس نے ثواب کی نیت سے گنبد کی تعمیر کرائی مگر یہ عمل متنازعہ بنادیا گیا۔ بعض علماء نے کہا، اس نے سرورِ دوعالم ﷺ کی بے ادبی کی ہے کیونکہ مستری اور کاریگر اور مزدور حجرہ مبارکہ کے محاذی مسجد کی چھت پر چڑھے اور قبور مبارکہ ان کے قدموں کے نیچے آگئیں اور ہتھوڑے اور دیگر آلات سے لکڑی اور سیسہ کی پلیٹوں کو سیٹ کرنے کی وجہ سے آواز پیدا ہوئی، اس سے قبور مطہرہ میں آرام فرما نفوسِ قدسیہ کی بے ادبی ہوئی ہے۔ چنانچہ خلیفہ کے حکم سے بعض حکمرانوں نے عبدالقوی معمار کو ضرب شدید سے سزادی اور اس کے مکان کو گرادیا اور اس کے مکان کے اثاثہ جات نکال کر مدرسہ منصوریہ میں لگوادیئے مگر گنبد قائم رہا اور اس پر ہلکا نیلا (sky blue) آسمانی کلر کرادیا گیا۔ عربی میں ''القبۃ الزرقاء'' اسی کلر کے گنبد کو کہا جاتا ہے۔ (جستجوئے مدینہ)

گنبد بنانے کی تاریخ وابتداء:

• قارئین کی دلچسپی کا امر یہ ہے کہ حکمرانوں یا بزرگوں کی مزارات پر گنبد بنانے کی ابتداء عباسی خلافت کے ابتدائی دور میں ہوئی تھی۔ اس سے پہلے مزارات پر گنبد بنانے کا رواج نہیں تھا۔ چنانچہ دوسروں کے علاوہ سیدنا امام اعظم کے مزار پر سلجوقی سلطان ملک شاہ نے پانچویں صدی میں گنبد تعمیر کرایا۔ اس کے بعد فاطمی حکمرانوں سے اس طرز تعمیر کو مصر میں خوب رواج دیا۔ جب قلاؤوں خاندان کے حکمرانوں کا دور شروع ہوا تو گنبد بنانے کا رواج اکثر مسلم علاقوں میں رواج پاچکا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی دور کے بعد جتنے گنبد تعمیر ہوئے وہ چوکور عمارتوں پر قائم کئے گئے۔ اوپر جاکر آٹھ گوشہ ہو جاتے تھے۔ اس کے اوپر گنبد تعمیر ہوتا تھا۔

مصر میں چونکہ گنبد بنانا نہایت اچھا سمجھا جاتا تھا، اس لئے سلطان منصور قلاؤون نے سید العالمین ﷺ کے مزارِ انور پر گنبد تعمیر کرایا اور گنبد بنانے والے عموماً مصر کے معمار ہوتے تھے۔

● جونہی سرورِ دو عالم ﷺ کے مزار پر گنبد تعمیر ہوا، آپ ﷺ کی طرف نسبت سے عالمِ اسلام میں مزید یہ فن پسندیدہ ہو گیا۔ پھر مسلمانوں نے مساجد کی چھتوں پر اور مزارات کی عمارتوں پر گنبد بنانے شروع کر دیئے۔ چونکہ پہلے گنبد اقدس کا رنگ ہلکا نیلا آسمانی کلر کا تھا مسلمانوں نے مساجد اور مزارات پر نیلگوں گنبد بنوائے۔ آج آٹھ صدیوں کے گذر جانے پر بہت سے نیلگوں گنبد ختم ہو چکے ہیں اور اس وقت موجودہ گنبد خضرا (سبز) کی نسبت سے خضراء گنبد بنا دیئے گئے ہیں لیکن اس وقت بھی تغلق دور کی یاد تین مزار ایسے ہیں جن کا کلر ہلکا نیلا ہے۔ ایک ملتان میں حضرت شاہ سبز واری کے مزار کا گنبد ہے، جسے شاہانِ تغلق نے شاہ شمس کی عقیدت میں تعمیر کرایا۔ اس کا رنگ ہلکا نیلگوں ہے۔ دو مزار ہندوستان کے دہلی شہر میں ہمایوں کے مقبرہ کے احاطہ میں ہیں۔ (جستجوئے مدینہ)

سفید گنبد (القبۃ البیضاء) کا تذکرہ:

● سرورِ دو عالم ﷺ کے مزارِ انور پر پہلا گنبد مسجد کے ستونوں پر قائم تھا۔ دوبارہ ۸۸۱ میں گنبد کے استحکام کیلئے مقصورہ شریف کے احاطہ میں پنج گوشہ عمارت سے خارج مستقل علیحدہ نہایت مضبوط ستونوں پر گنبد بنایا گیا۔ (وفاء الوفاء)

● سرورِ دو عالم ﷺ کے گنبد اطہر کا یہ ہلکا نیلا رنگ ۸۸۱ ہجری تک قائم رہا۔ اگرچہ درمیان میں ایک مرتبہ سلطان الناصر حسن بن محمد بن قلاؤون نے گنبد مبارک کے بعض تختے تبدیل کر کے مرمت کرائی اور ۷۶۵ ہجری میں سلطان اشرف شعبان بن حسین بن محمد نے مزید مرمت کا کام کروایا مگر کلر تبدیل نہیں

کرایا۔ ۸۸۱ ہجری میں سلطان اشرف قائتبائی نے حجرہ مبارکہ پر چھوٹا سا سفید گنبد مسجد کی چھت کے نیچے تعمیر کرایا جیسا کہ علامہ سمہودیؒ کے بیان سے تفصیل گذر چکی ہے اور انہی ایام میں مسجد کی چھت سے اوپر موجودہ گنبد کو دوبارہ یا مستقل ستونوں پر بنایا گیا مگر اس پر سفید رنگ کرایا گیا۔ جسے ''القبۃ البیضاء'' کہا جاتا تھا۔ اس دور کے بعض عشاقِ دربارِ رسالت نے اپنے بزرگوں کے مزارات پر سفید گنبد بنوائے، شاید سفید گنبد کی نسبت سے ایسا کیا گیا، جن میں میرے پیر اور مرشد سیدی خواجہ غلام حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سواگ آف لیّہ کا مزار مبارک بھی ہے۔

گنبد خضراء (القبۃ الخضراء) کا ذکر:

● ۱۳ رمضان المبارک ۸۸۶ کے دن مدینہ منورہ پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ رئیس المؤذنین شمس الدین بن الخطیب حسب معمول منارہ اذان پر اذان دینے کی غرض سے چڑھے ہی تھے کہ اچانک منارہ رئیسہ پر آسمانی بجلی گری۔ مؤذن صاحب موقعہ پر شہید ہو گئے اور اذان کیلئے منارۂ رئیسہ مسجد کی جانب گر پڑا۔ مسجد نبوی شریف میں آگ بھڑک اٹھی۔ مسجد میں موجود لوگوں کی بھگدڑ اور آگ کی وجہ سے دس آدمی مزید شہید ہو گئے۔ آگ اور منارہ اذان کے گرنے سے گنبد مبارک کو بھی نقصان پہنچا تاہم حجرہ مقدسہ محفوظ رہا۔ مکمل تفصیلات کے ساتھ سلطان اشرف قائتبائی کو ۱۶ رمضان المبارک ۸۸۶ ہجری (۸ نومبر ۱۴۸۱ عیسوی) قاصد کے ذریعے پیغام بھیجا گیا۔ سلطان نے مصر سے ضروری سامان اور ایک سو سے زیادہ معماروں اور عمال اپنے معتمد شاہین سنجر الجمالی کی سربراہی میں مدینہ منورہ روانہ کر دیئے اور مرمت کا کام شروع کرا دیا۔ مسجد کی چھت سے ظاہر ہونے والا بڑا گنبد جس کو نقصان پہنچا تھا، مکمل طور پر ہٹا لیا گیا کیونکہ شدید آتشزدگی سے اس کی مرمت ناممکن تھی، تجدید ضروری تھی۔ سلطان قائتبائی کے حکم سے

۸۹۲ ہجری میں ایک نیا گنبد تیار کیا گیا جو کہ صدیوں تک قائم رہا (اور اس کا رنگ بھی تحتانی گنبد کی طرح سفید تھا) ۱۲۳۳ ہجری تک یہی سفید گنبد مبارک عشاق کی نظروں کا مرکز رہا۔ ۱۲۳۳ ہجری میں سلطان محمود بن عبدالحمید ترکی نے اسے گرا کر نیا گنبد تعمیر فرمایا اور اس کی تعمیر ۱۲۵۵ ہجری میں مکمل ہوئی، اس گنبد پر سبز رنگ کرادیا، جسے گنبد خضراء کہا جاتا ہے۔ جو آج تک عشاق بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کیلئے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہے۔

• السید جعفر ابن اسماعیل المدنی البرزنجی نے اپنی کتاب ”نزھۃ الناظرین فی مسجد سید الاولین والآخرین“ میں لکھا ہے کہ مسجد کی چھت کے نیچے اندرونی چھوٹا گنبد حجرہ مبارکہ کی ان دیواروں پر استوار ہے جو کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کی پنج گوشہ عمارت کے اندر ہیں اور گنبد کی بیرونی سطح نہایت ہی خوبصورت منظر پیش کرتی ہے۔ اسے خوبصورت نقاشی اور خطاطی سے مزین کیا گیا ہے مگر اس کا پڑھنا مشکل تھا کیونکہ میں بڑے گنبد کی چھت کے روشن دان سے جھانک کر دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ فرماتے ہیں، اتنا پڑھ لیا تھا کہ اس کے اندر ایک کونے پر لکھا تھا ”ملک اشرف قانیبائی“ یعنی بنانے والے کا نام لکھا تھا۔ (جستجوئے مدینہ)

گنبدِ خضراء کے روشن دان کو کھول کر حضرت عائشہؓ اور صدیوں تک اہلِ مدینہ کا قحط سے نجات طلب کرنا:

• آپ سبز گنبد کے متعلق لکھتے ہیں، اسے حجرہ مبارکہ کی چار کونوں والی بنیادوں پر تعمیر کیا گیا ہے اور اس کے ۶۷ روشن دان ہیں۔ کچھ گول شکل کے ہیں اور اکثر مستطیل ہیں اور وہ روشن دان جس کا المراغی اور دیگر مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔ یہ روشن دان اس روشن دان کے محاذات میں ہے جو حجرہ مقدسہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حکم سے بنایا گیا تھا۔ عام الفتق میں شدید قحط کا سامنا تھا، لوگ

آپ کے پاس آئے تو آپ نے حجرہ مقدسہ کی چھت میں سوراخ نکالنے کا حکم دیا۔ جب سورج کی کرنیں مزار پر پڑیں اسی وقت بارش شروع ہوگئی۔ پھر ہمیشہ اس روشن دان کو قائم رکھا گیا اور اسے لکڑی کے تختے سے مقفل رکھا جاتا جب بھی بارش کی ضرورت پیش آتی، اسے کھولا جاتا تو بارش شروع ہوجاتی۔ چنانچہ بڑے سبز گنبد میں بھی اس روشن دان کے محاذی روشن دان رکھا گیا۔ یہ روشن دان سبز گنبد کی بالائی طرف جنوب میں ہلال کے نیچے ہوا کرتا تھا۔ صدیوں سے اہل مدینہ قحط اور خشک سالی کے دنوں میں روشن دان کو کھول دیتے جونہی سورج کی کرنیں اندر جاتیں، بادل چھا جاتے اور بارش شروع ہوجاتی مگر موجودہ حکومت نے اسے بدعت سمجھ کر بند کردیا ہے حالانکہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانہ سے ایسا ہوتا آیا تھا۔ (جستجوئے مدینہ)

• عبدالقدوس انصاری نے بیان کیا ہے، (موجودہ مقصورہ شریف) باہر کی جالیوں سے اندر کی دیواروں تک احاطہ سلطان اشرف قانیبائی کے شاہکاروں سے ایک شاہکار ہے۔ اندر چھوٹا سا گنبد ہے، سیاہ پتھروں کی دیواروں پر بنایا گیا ہے، جن میں تینوں قبور مطہرہ ہیں۔ یہ اندرونی تعمیر چار صدیاں پرانی ہے۔ تاہم باہر کا گنبد خضراء سلطان محمود عثمانی ابن عبدالحمید عثمانی کا بنایا ہوا ہے۔ اندرونی چھوٹا گنبد (قبۃ النور) کہلاتا ہے اور بڑا گنبد ”قبۃ الخضریٰ“ کہلاتا ہے۔ سلاطینِ عثمانیہ کے بھیجے ہوئے پردے اندرونی گنبد ”قبۃ النور“ پر ڈالے جاتے تھے۔ سلطان عبدالحمید ترکی کی تعمیرِ نَو میں قبلہ کی دیوار جس میں محراب ہے اور امام کھڑا ہوتا ہے، سے جالی مبارکہ تک ساڑھے سات میٹر فاصلہ ہے۔ حجرہ مطہرہ کا کل رقبہ شرقاً غرباً ۱۱ میٹر چوڑائی اور شمالاً جنوباً لمبائی ۱۹ میٹر ہے۔ یہ پیمائش اس ناپ پر مبنی ہے جس کے مطابق مدینہ طیبہ کا ایک ہاتھ سرکاری طور پر ۴۲ سنٹی میٹر ہے۔

اگرچہ فقہ کی کتابوں کے مطابق ایک ہاتھ کی لمبائی ۴۸ سنٹی میٹر کے مطابق بتائی جاتی ہے۔(جستجوئے مدینہ) غالباً مذکورہ پیمائش جالیوں پر مشتمل احاطہ کی ہے۔ (مفتی رفیق حسنی)

- ایوب پاشا (عثمانی حکمرانوں کے آخری شیخ الاسلام) نے اس طرح لکھا ہے کہ ۱۲۹۶ ہجری میں ترکی سلطان محمود دوم کے زمانہ میں گنبد مبارک میں کچھ دراڑیں اور شگاف آ گئے، جن کا بظاہر دیواروں اور اوپر کی پٹی کی کم چوڑائی کی وجہ سے ضعف سمجھا گیا۔ لٰہذا سلطان محمود دوم نے حکم دیا کہ گنبد مبارک کو بنیادوں تک نکال دیا جائے اور دوبارہ نہایت مضبوط اور چوڑے ستونوں پر از سرِ نَو تعمیر کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ یوں موجودہ گنبد ۱۲۳۳ ہجری میں تعمیر ہوا پھر ۱۲۵۵ ہجری میں اس پر سبز رنگ کر دیا گیا۔(جستجوئے مدینہ)

حجرۂ مقدس پر نعت کا لکھا جانا:

- ایوب صبری پاشا نے لکھا، ۱۱۹۱ ہجری میں ترکی سلطان عبد الحمید کی لکھی ہوئی نعت کے نو اشعار حجرہ مقدسہ کے باہر خوبصورت خطاطی سے لکھے گئے ہیں، جن میں سے دو اشعار کا ترجمہ یہ ہے:

"میں نے احمد مختار کے وسیلہ کا سہارا لیا ہے، جن کی ذات مبارکہ کو شب اسریٰ آسمانوں پر جانے کا شرف حاصل ہوا اور وہ رب العالمین کے راز ہیں۔"

- یہ پندرہ اشعار کا مبارک قصیدہ کا شانہ اقدس پر نہایت خوشخطی سے سبز جالی کے اوپر لکھا گیا تھا۔ موجودہ سعودی حکومت نے ان پر سیمنٹ لگا کر حذف کر دیا ہے۔ خاص کر ایسے اشعار جن میں سرورِ دو عالم ﷺ سے شفاعت کرنے کی درخواست کی گئی تھی، ان کو حذف کر دیا گیا اور جو اشعار موجودہ حکومت کے

نظریات سے متصادم نہیں ہیں، وہ آج بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ مواجہہ شریف میں وہ تین اشعار جو اس قصیدہ کی جان تھے، ان پر لکڑی کا پھٹہ لگا کر اس پر قرآنی آیات لکھ دی گئی ہیں اور قصیدہ عثمانیہ کے باقی نو اشعار مختلف جانب میں لگی جالیوں پر موجود ہیں۔

- یہ قصیدہ اس شعر سے شروع ہوتا تھا:

یَا سَیِّدِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ خُذْ بِیَدِیْ

مَا لِیْ سِوَاکَ وَلَا اَلْوِیْ عَلٰی اَحَدٖ

ترجمہ: "اے میرے آقا، اے اللہ کے رسول! میرا ہاتھ تھام لیں۔ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں اور نہ میں کسی دوسرے کی طرف مائل ہوں گا۔" (جستجوئے مدینہ)

- محمد طاہر الکردی نے اپنی تصنیف "تاریخ القویم" میں تحریر کیا ہے، مقصورہ شریف کا رقبہ شمالاً جنوباً ۱۶ میٹر ہے اور شرقاً غرباً ۱۵ میٹر ہے۔ اس کے چاروں کونوں پر نہایت مضبوط چار ستون ہیں جو سنگ خارا سے بنائے گئے ہیں اور مسجد کی چھت تک بلند ہیں۔ جن کے اوپر گنبد مبارک قائم کیا گیا ہے اور سیدہ فاطمۃ الزہراء کے حجرہ مبارکہ کا رقبہ شمالاً جنوباً ساڑھے ۱۴ میٹر ہے اور شرقاً غرباً چودہ میٹر ہے۔ یہ حجرہ نبویہ سے دو دروازوں کے ساتھ متصل ہے۔ ایک دروازہ شرقی جانب ہے اور دوسرا غربی جانب ہے اور دونوں کے درمیان کچھ اونچی جگہ ہے جو کہ بعض مورخین کے نزدیک یہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کی قبر انور ہے۔(جستجوئے مدینہ)

- باہر کی سبز جالیوں اور اندر کے حجرہ مطہرہ کی دیوار (جس میں قبور مقدسہ ہیں) کے درمیان میں خالی جگہ شاید (چھت کی جانب) تین اطراف سے تقریباً تین تین میٹر ہے (جنوب میں قبلہ کی جانب اور مشرق میں قدمین شریفین کی جانب

اور مغرب میں مسجد کی جانب)۔

جالیوں کے مصاحف عثمانی کا موجود ہونا اور اس کا ہیروں سے مرقع اور مسجع ہونا:

- جنوب غربی کونے میں ایک ضخیم مصحف شریف رکھا ہوا ہے جو کہ حجاج بن یوسف نے رکھوایا تھا اور بعض مورخین کا خیال ہے کہ یہ مصحف شریف ان چھ مصاحف سے ہے جو کہ سیدنا عثمان بن عفان نے تیار کروائے تھے۔ اس کھلی جگہ کی اوپر والی چھت میں جھومر اور سونے اور چاندی کے فانوس لٹک رہے ہیں، جن میں سے ۱۳۱ ہیرے اور جواہرات سے مرصع ہیں اور چاندی کی زنجیروں سے لٹکتے ہیں۔ حجرہ مبارکہ میں ایسے فانوسوں کی تعداد ۱۰۶ ہے۔ سرورِ دو عالم ﷺ کے سر کی جانب ایک نادر ہیرا ہے جس کا حجم کبوتر کے انڈے کے برابر ہے، جسے سونے کی تختی پر جوڑا گیا ہے۔ اس ہیرے کو عرف عام میں کوکب درّی کہا جاتا ہے۔ جس سونے کی تختی میں اسے جڑا گیا ہے، اس میں مزید ۲۷ ہیرے بھی مختلف گچھوں میں جڑے ہوئے ہیں۔ اس کو حجرہ مبارکہ پر ترکی سلطان احمد خان اول ابن سلطان محمد خان نے گیارہویں صدی کی ابتداء میں پیش کیا تھا۔ یہ تمام معلومات محمد طاہر الکردی کی جانب سے ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ اور بھی بہت سے بیش قیمت ہار سیم وزر اور جواہرات کے تحائف سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مبارکہ حجرہ میں پڑے ہوئے ہیں جن کے ساتھ بہت سے قرآن مجید بھی رکھے ہوئے ہیں۔ عینی شاہدوں کے بیان کے مطابق جنہیں ایک یا دو مرتبہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کے حجرہ میں جانے کی سعادت حاصل ہوئی، حجرہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کے اندر ایک چرخہ آٹا پیسنے کی چکی اور ایک مشکیزہ بھی محفوظ ہے جو سیدہ فاطمۃ الزہراء کی طرف منسوب ہے۔ (جستجوئے مدینہ)

پنج گوشہ عمارت کی مزید تفصیل:

- علامہ سمہودی لکھتے ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عمارت پنج گوشہ اس لئے تعمیر کروائی تھی تاکہ حجرہ مبارکہ کے ارد گرد عمارت کعبۃ اللہ کے مشابہ نہ ہو۔ اس پنج گوشہ عمارت کی دیواروں پر عباسی خلیفہ متوکل باللہ کے گورنر اسحاق ابن سلامہ نے سنگ مرمر لگوادیا۔
- آپ وفاء الوفاء میں لکھتے ہیں، پنج گوشہ عمارت کی جنوبی (قبلی) دیوار مغربی کونے سے مشرقی کونے تک تقریباً سترہ ہاتھ ہے اور مغربی دیوار جنوبی کونے سے، مقام جبرئیل جو کہ مغربی دیوار کا اختتامی شمالی کونہ ہے اور مثلث شمالی کا ابتدائی زاویہ اور کونا ہے، تک ساڑھے سولہ ہاتھ ہے۔ مقامِ جبرئیل کے احاطہ کی دیوار اڑھائی ہاتھ ہے۔ کل انیس (۱۹) ہاتھ ہے اور تکون (مثلث) کے اسی زاویہ سے منحرف دیوار کا طول شمالی زاویہ تک ساڑھے بارہ ہاتھ ہے اور مشرقی دیوار کا طول قبلہ اور جنوبی زاویہ سے تکون کی منحرف دیوار کے انحرافی زاویہ تک ساڑھے بارہ ہاتھ ہے اور اسی انحرافی زاویہ سے تکون اور مثلث دیواروں کے آخری شمالی زاویہ تک دیوار کا طول چودہ (۱۴) ہاتھ ہے اور پنج گوشہ عمارت کی دیواروں کا آسمان کی طرف طول تیرہ ۱۳ ہاتھ اور ایک ہاتھ کا ثلث ($13\frac{1}{3}$) ہاتھ ہے۔ جبکہ حجرہ مقدسہ کی دیواروں کا آسمان میں طول پندرہ ہاتھ ہے۔ (وفاء الوفاء)
- حجرہ مقدسہ کو محیط پنج گوشہ عمارت کی دیواروں کے سروں پر جالیاں لگادی گئیں جو کہ مسجد کی چھت کے ساتھ ملاصق ہیں۔ پنج گوشہ عمارت کی دیواروں سے خارجی زمین کی سطح اور فرش سے جالیوں تک جالیوں سمیت دیواروں کا طول تقریباً تیئیس (۲۳) ہاتھ ہے یعنی مسجد کی چھت سطح زمین سے اس قطعہ مقدس پر تیئیس ہاتھ بلند ہے۔ یہ جالیاں صندل اور آبنوس سے جمال اصفہانی وزیر نے

بنوائی تھیں، اس سے پہلے جالیاں نہیں تھیں۔(وفاء الوفاء)

- پہلی مرتبہ مسجد شریف میں آتش زدگی سے پہلے حجرہ مقدسہ کی چھت میں سوراخ تھا جس پر مقفل کھڑکی تھی۔ اسے کپڑے سے ڈھانپا گیا تھا اور مسجد کی دوسری چھت میں بھی اسی سوراخ کے مقابل سوراخ تھا جو کہ مقفل تھا اور مسجد کی دونوں چھتوں کے درمیان دو ہاتھ کا فاصلہ تھا مگر پہلی دفعہ آتش زدگی کے بعد حجرہ مبارکہ کی چھت میں روشن دان پر صرف یمنی کپڑا لگایا گیا تھا۔
- مسجد کی چھت میں روشن دان سے حجرہ مقدسہ کی چھت کے وسط میں اترا جاسکتا تھا۔
- نوٹ: امام سمہودی وفاء الوفاء میں پنج گوشہ عمارت کو حجرہ شریفہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں نیز مساحت کے ناپ میں بعض جدید مؤرخین میٹر کا ذکر کرتے ہیں اور بعض متقدمین کی طرح بالشت یا ذراع کا ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ہونا چاہئے کہ دو بالشت کا ایک ذراع ہوتا اور دو ذراع کا ایک میٹر ہوتا ہے۔ ذراع سے مراد آدمی کا ہاتھ کہنی سے انگلیوں کے سروں تک ہوتا ہے جو کہ تقریباً ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ اسی حساب سے دیواروں اور زمین کی پیائش کا مختلف طریقوں سے ذکر کیا جاتا ہے۔

نوٹ: چونکہ ہر دور کے حکمرانوں نے کچھ نہ کچھ حجرہ مقدسہ اور حجرہ شریفہ کی دیواروں میں ترمیمات کیں، اس لئے مؤرخین کی کتابوں میں پیائش کے حوالہ سے نہایت اختلاف نظر آتا ہے حتی کہ تطبیق دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ، دیارِ محبوب کی باتوں کا سلسلہ جاری ہے، یہی مقصود بالذات ہے ورنہ پیائش کے اختلافات کے ذکر کا کیا فائدہ ہے۔ چنانچہ جستجوئے مدینہ کتاب کے مصنف نے لکھا کہ ابن جبیر، جنھوں نے مدینہ منورہ کی زیارت ۵۸۰ ہجری میں کی تھی، اس نے اپنے سفر نامے میں حجرہ شریفہ (پنج گوشہ) کے متعلق لکھا ہے، حجرہ

شریفہ کی لمبائی قبلہ کی جانب ۲۴ بالشت (جو کہ چھ میٹر سے کچھ زیادہ بنتی ہے) ہے مشرقی جانب ۳۰ بالشت ہے۔ مشرق سے شمالی کونے تک ۳۵ بالشت ہے اور شمالی کونے سے مغربی دیوار کے آخری کونے تک ۳۹ بالشت جبکہ مغربی دیوار کی لمبائی ۲۴ بالشت ہے۔ وہ مزید لکھتے ہیں، روضہ مطہرہ (پنج گوشہ) عمارت کی کل لمبائی ۲۷۲ بالشت ہے۔ یہاں اعلیٰ قسم کے سنگ مرمر کی ٹائلیں ایک تہائی دیواروں پر لگی ہوئی ہیں، ان کے اوپر مشک اور عنبر اور عطریات لگا لگا کر ٹائلیں سیاہ کر دی گئیں ہیں اور بعض جگہ سے ٹائلیں بوسیدہ ہو چکی ہیں اور دیواروں کے سروں پر مسجد کی چھت تک لکڑی کا نفیس کام کیا گیا ہے۔

- جمال الدین اصفہانی جو سلطان صلاح الدین ایوبی کے چچازاد بھائی اور سلطان نورالدین زنگی کے وزیر تھے، انہوں نے آبنوس اور صندل کی لکڑی سے ایک خوبصورت جالی بنوا کر حجرہ شریفہ کے باہر احاطے میں لگوادی تھی۔ یہ جالی مسجد شریف کی چھت تک اونچی تھی۔ اس جالی سے منظر دیدہ زیب ہو گیا تھا اور حجرہ مبارکہ کے حسن کو چار چاند لگ گئے تھے مگر ۶۵۴ ہجری کی آتش زدگی میں سب کچھ جل کر خاکستر ہو گیا۔ مسجد شریف کی چھت کا وہ حصہ جو کہ حجرہ مقدسہ کے اوپر تھا، منہدم ہوا اور حجرہ مبارکہ کی چھت پر گر گیا۔ حجرہ مبارکہ کی چھت یہ بوجھ برداشت نہ کر سکی۔ یہ ملبہ قبور مقدسہ پر گر گیا۔ فوری طور پر اس حادثہ کی تفاصیل بغداد شریف روانہ کر دی گئیں مگر خلیفہ مستعصم باللہ کوئی مدد نہ کر سکا۔(جستجوئے مدینہ)
- حجرہ مقدسہ اور پنج گوشہ عمارت کی دیواروں کے درمیان فاصلہ کی تفصیل میں مورخین کا اختلاف ہے مگر اختلاف کی وجہ متعدد مرتبہ دیواروں کی تعمیروں اور ترمیمات میں اضافہ ہونے کی وجہ سے ہے یا پیائش کے آلات میں فرق کی وجہ سے ہے۔(محمد رفیق حسنی)

• الاقشھری ابن شبہ کے طریقہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو غسان محمد بن یحییٰ نے بیان کیا، جمادی الاولیٰ ۱۹۳ ہجری میں مسجد کی چھت کی لکڑیاں ٹوٹ کر گر گئیں۔ میں نے اوپر سے پنج گوشہ عمارت اور اس کے اندر حجرہ مقدسہ کو دیکھا۔ اس زمانہ میں ابوالبختری ابن وہب ابن رشد مدینہ منورہ کے امیر تھے۔ میں نے دیکھا کہ مشرق کی جانب حجرہ مبارکہ اور پنج گوشہ عمارت کی دیواروں کے درمیان خلا تین ہاتھ ہے اور جنوبی دیواروں کے درمیان شرقی طرف ایک ہاتھ اور غربی طرف ایک بالشت ہے اور غربی دیواروں کے درمیان خلاء ایک ہاتھ ہے اور شمالی دیواروں کے درمیان زیادہ فاصلہ ہے۔

• جب پہلی مرتبہ آتش زدگی ہوئی اور حجرہ مبارکہ اور پنج گوشہ عمارت کی تجدید کی گئی، جس میں وفاء الوفاء کے مصنف سمہودی خود موجود تھے، وہ لکھتے ہیں، مغربی دیواروں کے درمیان بالکل خلا نہیں تھا حتیٰ کہ سوئی کے برابر بھی فاصلہ نہیں تھا اور داخلی حجرہ مبارکہ میں کوئی دروازہ نہیں تھا اور نہ دروازے کی جگہ، نہ شمالی جانب اور نہ کسی دوسری جانب اور شمالی جانب شکل مثلث اور تکونی کی مساحت آٹھ ہاتھ تھی اور مشرقی دیواروں کے درمیان خلا مختلف تھا۔ شمالی جانب سے ایک ہاتھ اور قبلہ کی جانب سے اس سے بھی کم، جس سے آدمی نہیں گذر سکے گا۔ امام سمہودی فرماتے ہیں، حالانکہ ابن شبہ نے تین ہاتھ کا فاصلہ ذکر کیا تھا معلوم ہوا یہ تغیر بعد میں ہوا۔ آپ فرماتے ہیں:

"فَهٰذَا مُؤَيِّدٌ لِمَا قَدَّمْنَاهُ مِنْ حُدُوْثِ التَّغْيِيْرِ فِي الْجِدَارِ الشَّرْقِي الدَّاخِلِ۔۔الخ"

ترجمہ: "پس یہ تائید کرتا ہے اس کی جس کا ہم نے ذکر کیا کہ داخلی مشرقی دیوار میں تغیر کیا گیا ہے اور جنوب اور قبلہ کی جانب حجرہ مقدسہ

کی دیوار اور پنج گوشہ عمارت کی دیوار کے درمیان بھی خلا مختلف تھا۔ جس طرح نہایت تنگ گلی ہوتی ہے۔ شرقی جانب ایک ہاتھ ہوگا اور مواجہہ شریف کی جانب ایک بالشت ہوگا۔"

• معلوم ہوا علامہ سمہودی متوفی ۹۱۱ ہجری کے زمانہ تک داخلی حجرہ مبارکہ اور پنج گوشہ دو عمارتیں موجود تھیں اور دونوں عمارتوں کی دیواروں میں اندر جانے کیلئے کوئی دروازہ نہیں تھا۔ داخلی حجرہ مبارکہ کی دیواروں کی تجدید کیلئے پنج گوشہ عمارت اور حجرہ مبارکہ سے دیواروں کے ایک حصہ کو نکال دیا گیا تھا، اسی جگہ سے اندر جاکر دیواروں کی دوبارہ تجدید کی گئی، جس کا ذکر گذر چکا ہے۔ (رفیق حسنی)

جالیوں کے مقصورہ کے ذکر:

• علامہ سمہودی فرماتے ہیں:

"اَمَّا الْمَقْصُوْرَةُ الدَّائِرَةُ عَلَى الْحُجْرَةِ الشَّرِيْفَةِ بَيْنَ الْاَسَاطِيْنِ حَوْلَ جِدَارِ الْحُجْرَةِ الطَّاهِرِ وَ حَوْلَ بَيْتِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا فَقَدْ اَحْدَثَهَا السُّلْطَانُ الْمَلِكُ الظَّاهِرُ رُكْنُ الدِّيْنِ بَيْبَرَسْ۔الخ"

ترجمہ: "لیکن وہ مقصورہ جو ان ستونوں کے درمیان حجرہ مبارکہ اور پنج گوشہ عمارت کی دیواروں اور سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مکان کے ارد گرد بنایا گیا، اس کی ابتداء سلطان ملک ظاہر رکن الدین بیبرس نے کی۔"

• ابتداء اس طرح ہوئی کہ جب مصری سلطان بیبرس نے ۶۶۷ ہجری میں حج ادا کیا تو وہ مدینہ طیبہ بھی آیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ پنج گوشہ دیواروں اور حضرت فاطمۃ الزہراء کے مکان کے باہر سے لکڑیوں کا ایک جنگلا بنادیا جائے۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے رسیوں کے ساتھ حجرہ شریفہ اور حضرت فاطمۃ الزہراء کے مکان کے باہر سے جگہ پیمائش کی اور پیمائش اپنے ساتھ لے گیا۔ ۶۶۸ ہجری میں لکڑیوں کا

خوبصورت جنگلہ بنوا کر بھجوادیا۔ خوبصورت لکڑی کی جالیوں کو جب نصب کیا گیا تو چاروں طرف سے پنج گوشہ عمارت کی دیواروں اور جالیوں کی دیوار کے جنگلے کے درمیان کافی جگہ اندر لے لی گئی حتیٰ کہ غربی جانب سے ریاض الجنۃ کا ایک قطعہ بھی جالیوں کے اندر آ گیا۔ جالیوں میں جنوبی قبلہ کی جانب اور غربی مسجد کی طرف اور مشرقی جانب تین دروازے رکھے گئے۔ وہ دروازے عموماً کھلے رہتے تھے، لوگ جالیوں کے اندر داخل ہو کر عبادت کرتے تھے۔ خصوصاً سیدہ فاطمۃ الزہراءؓ کے مکان کی جگہ نہایت بھیڑ رہتی تھی۔ یہ جالیاں (جنگلہ) تقریباً دو آدمیوں کی قامت کے برابر اونچی تھیں۔ پھر ۸۵۳ ہجری میں سلطان جقمق کے دور میں دونوں دیواروں کے درمیان فرش پر سنگِ مرمر کی ٹائلیں لگادی گئی تھیں۔ ۶۹۴ ہجری میں ملک ظاہر رکن الدین کی بنائی گئی جالیوں کو ملک زین الدین کتبغا نے مسجد کی چھت کے ساتھ ملادیا۔ پھر یہ جالیاں ۸۸۶ ہجری کی آتش زدگی میں جل کر راکھ ہو گئی تھیں۔ سلطان اشرف قاتیبائی نے دوبارہ قبلہ اور مواجہہ شریف کی جانب تانبے کی خوبصورت سنہری جالیاں لگوادیں اور دوسرے اطراف میں لوہے کی جالیاں لگوا کر ان پر سبز رنگ کر دیا گیا۔ اوپر محرابوں میں باریک جالیاں لگا کر چھت سے ملادیا گیا۔ شمالی تکونی دیواروں میں دو دروازے رکھ دیئے گئے، ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب۔ یہ مقصورہ شریفہ حجرہ شریفہ کے نام سے مشہور و معروف ہو گیا۔ اس کے دروازوں کو حجرہ کے دروازے کہا جاتا ہے۔ لکڑی کے دروازوں کی جگہ آہنی دروازے لگادیئے گئے۔ ان آہنی جالیوں کے اندر سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مکان کا احاطہ زیادہ کر دیا گیا اور اس میں ایک دروازہ رکھ دیا گیا جس سے آج تک اندر جانے کی سہولت حاصل ہے۔ (وفاء الوفاء اور جستجوئے مدینہ)

- ''جستجوئے مدینہ'' کتاب سے مقصورہ شریفہ کے متعلق تفصیل پہلے گذر چکی

ہے۔ کتاب کے مولف مزید لکھتے ہیں، حجرہ مطہرہ کے گرد پہلی بار جالی شاہ ظاہر رکن الدین بیبرس نے ۶۶۸ ہجری میں لگوائی جو کہ ۸۸۶ ہجری مطابق ۵ نومبر ۱۴۸۱ عیسوی آتش زدگی کے حادثہ میں جل گئیں۔ مصری سلطان اشرف قاتیبائی نے مصر سے تانبے کی بنی ہوئی جالیاں بھجوائیں اور ۸۸۷ ہجری میں انہیں نصب کیا گیا۔ گنبد پر پیتل کا ہلال سب سے پہلے عثمانیوں نے ۱۳ شوال بروز منگل ۹۴۶ ہجری میں لگوایا۔ دروازے ''باب التوبہ'' مواجہہ شریف کی جالی میں اور ''باب سیدہ فاطمۃ الزہراء'' مشرقی جالی میں اور ''باب الوفود'' مغربی جالی میں، جو مسجد میں کھلتا تھا، بھی ۶۶۸ ہجری میں شاہ ظاہر بیبرس نے لکڑی کے لگوائے تھے اور ایک دروازہ جسے باب الشامی یا باب التہجد کہا جاتا ہے، زین الدین کتبغا نے ۷۲۹ ہجری میں لگوایا تھا۔ یہ تمام دروازے ۸۸۶ ہجری کی آگ کے واقعہ میں جل گئے تھے۔ سلطان اشرف نے جب تانبے کی جالی بھجوائی تو تمام دروازے لوہے کے بنوادیئے تھے۔ مقصورہ مطہرہ کے اندر سونے کی بنی ہوئی کھڑکیاں تھیں۔ یہ کھڑکیاں ترکی سلطان محمد نے پیش کی تھیں مگر سعود جد اعلیٰ ملک عبدالعزیز انہیں اکھاڑ کر اپنے ساتھ درعیہ لے گیا تھا۔ (جستجوئے مدینہ)

مقصورہ شریفہ میں دروازوں کی تفصیل:

- اس وقت مقصورہ شریفہ میں چھ دروازے ہیں:

1. چاندی سے بنایا گیا دروازہ ''باب التوبہ'' مواجہہ شریف کے ساتھ ہے، جو کہ موجودہ حکومت نے ہمیشہ کیلئے بند کر دیا ہے۔
2. ''باب سیدہ فاطمۃ الزہراء'' جو کہ مشرق میں سیدہ فاطمۃ الزہراء کے حجرہ میں داخل ہونے کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ خدام اور سربراہانِ ممالک اور معززین جن کو حکومت اجازت دیتی ہے، وہ اسی دروازے سے جالیوں کے اندر جا کر

حاضری دیتے ہیں۔

3. ''باب الوفود'' جو کہ مغربی جانب ہے۔ یہ دروازہ اسطوانۃ السریر اور اسطوانۃ الحرس کے درمیان ہے، آجکل بند ہے۔

4. ''باب الشامی'' جو کہ شمالی جانب ہے۔ یہ دروازہ باب الوفود سے ذرا چھوٹا ہے۔ آجکل اس کے سامنے الماریاں رکھ کر اسے نظروں سے اوجھل کر دیا گیا ہے اور الماریوں میں قرآن مجید رکھ دیئے گئے ہیں۔

5. پانچواں اور چھٹا دروازہ، یہ دونوں دروازے سیدہ فاطمۃ الزہراء کے مکان کے احاطہ میں داخل ہونے کے بعد نظر آتے ہیں۔ ایک شرقی جانب اور دوسرا غربی جانب ہے۔ ان سے حجرہ مطہرہ میں رسائی ممکن ہو سکتی ہے۔ (جستجوئے مدینہ)

6. شاید یہ دروازے پنج گوشہ عمارت کی تکونی دیواروں میں ہیں اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی بنائی گئی دیواروں کے اندر انہی دروازوں سے آدمی جا سکتا ہے مگر ایسا کوئی دروازہ نہیں جس کے ذریعہ قبور مطہرہ پر محیط حجرہ مبارکہ میں کوئی آدمی جا سکے۔ کیونکہ امام سمہودی کے بیان کے مطابق اس میں کوئی دروازہ نہیں اور نہ دروازے کی جگہ ہے۔ (رفیق حسنی)

حضور اکرم ﷺ کی قبرِ انور کی موجودہ مشہور تصویر کا جعلی ہونا:

- آجکل سبز غلاف میں تین چار فٹ کی اونچی قبر کی تصویر جو موبائل فون اور انٹرنیٹ کے ذریعہ لوگوں کو بھیجی جا رہی ہے اور کہا جا رہا ہے کہ یہ سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر انور کی تصویر ہے، صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اولاً قبور مطہرہ پر مشتمل حجرہ ہر طرف سے بند ہے۔ حتیٰ کہ چھت کا سوراخ بھی بند کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا وہاں تک رسائی اور وہ بھی کیمروں کے ساتھ تاحال ممکن نہیں۔
- دوم آپ ﷺ کی قبر انور اتنی اونچی جتنی تصویر میں دکھائی جا رہی ہے، نہیں

ہے۔ قبر انور کی اونچائی ایک بالشت کے برابر تھی اور اس پر کنکریاں اور ریت ڈالی گئی تھی اور حضرت بلال نے پانی چھڑکا تھا۔ مختلف ادوار میں کسی سلطان کی جانب سے قبور مطہرہ کو پختہ اور اونچا کرنے کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اگرچہ حجرہ مقدسہ کی تعمیر متعدد مرتبہ مروی ہے۔ (رفیق حسنی) (وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ)

مقصورہ شریفہ میں کپڑوں کے پردوں کے ذکر

- حجرہ مقدسہ بیت القبور المطہرہ اور حجرہ شریفہ مخمس عمارت پر کپڑوں کے غلاف اور پردے لٹکانے کی ابتداء کب ہوئی، مورخین کا اس میں اختلاف ہے۔ مگر میرے ذہن کے مطابق ان میں تطبیق دی جا سکتی ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

حجرہ مبارکہ پر غلاف چڑھانا:

- حجرہ مقدسہ جس میں قبور مطہرہ ہیں، اس پر غلاف سب سے پہلے خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ ملکہ خیزران نے ۱۷۰ ہجری میں چڑھایا تھا اور حجرہ شریفہ پنج گوشہ عمارت پر ۵۶۶ ہجری میں عباسی خلیفہ المستغیثی بامر اللہ کی خلافت کے دور میں حسین بن ابی الہیجاء، مصری سلاطین میں سے صالح وزیر کے سسر نے لگوایا تھا۔ حجرہ مقدسہ اور حجرہ شریفہ پنج گوشہ عمارت دو الگ الگ عمارتیں ہیں، لہٰذا روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ جسکی تفصیل یہ ہے کہ زرین العبدری الاندلسی نے ذکر کیا کہ امیر المومنین ہارون الرشید کے دور میں امیر المومنین اور ان کے ساتھ ان کی والدہ خیزران زیارت کیلئے مدینہ منورہ آئے تو خیزران نے حکم دیا کہ مسجد شریف اور قبور مقدسہ پر محیط حجرہ مقدسہ پر خوشبیات سے پلستر / لیپ کیا جائے اور حجرہ مقدسہ کو ریشمی غلاف / پردہ پہنایا جائے۔ (وفاء الوفاء) اس عبارت سے واضح ہے کہ اس وقت اصل حجرہ مقدسہ کو ریشمی غلاف سے چھپایا گیا تھا۔ چنانچہ امام

سمہودی نے ابن رشد سے نقل کیا کہ امام مالک حجرہ مبارکہ کی چھت سے قبور مبارکہ کا کشف نہیں چاہتے تھے اور وہ قبور مبارکہ کا کشف ناپسند فرماتے تھے۔ اس میں صرف (خیش) خشک گھاس کی چھت پردہ کیلئے کافی نہیں سمجھتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ بیوت مسکونہ اور آباد گھروں کی طرح یہ حجرہ مبارکہ بھی مصون اور مکتوم رہے۔ اس وقت حجرہ مبارکہ کی مسجد کے نیچے باپردہ چھت نہیں تھی۔ (وفاء الوفاء) معلوم ہوا اسی نظریہ کے پیشِ نظر ہارون الرشید کی والدہ نے حجرہ مبارکہ پر غلاف کا انتظام کیا تھا۔

- پھر امام سمہودی فرماتے ہیں، نیز اس غلاف کا باعث اور جواز کی وجہ کعبۃ اللہ کا غلاف بھی تھا۔ کیونکہ کعبۃ اللہ پر غلاف تعظیم کیلئے ہے اور ہم نبی کریم ﷺ اور آپ کی قبر انور کی تعظیم کے ساتھ مکلف اور مامور ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ کے حجرہ مبارک پر غلاف چڑھایا گیا۔
- ابن زبالہ نے بیان کیا کہ ملکہ خیزراں ام موسی امیر المومنین جب ۱۷۰ ہجری میں مدینہ آئیں تو انہوں نے مسجد کی دیواروں اور ستونوں اور منبر کو خوشبو لگانے اور لیپ دینے کیلئے اپنی کنیز مونسہ کو حکم دیا تو ابراہیم ابن الفضل نے حجرہ مبارکہ کو بھی خوشبو سے لیپ دینے کا مشورہ دیا۔ مونسہ خادمہ نے حجرہ مبارکہ اور اسطوانہ توبہ اور وہ اسطوانہ جو سرورِ دوعالم ﷺ کی جائے نماز کی علامت ہے، اس کو بھی خوشبو لگائی۔ ابن زبالہ نے اس جگہ حجرہ مبارکہ پر غلاف کا ذکر نہیں کیا، بعض لوگوں نے سمجھا کہ شاید اس وقت غلاف کی ابتداء نہیں ہوئی تھی مگر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ذکر کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسری روایات صحیح نہیں ہیں۔
- ابن نجار نے بیان کیا تھا کہ حجرہ شریفہ یعنی پنج گوشہ عمارت پر سنگ مرمر کی ٹائلیں اور آبنوس اور صندل کی جالیاں دیواروں کے سروں پر مسجد کی چھت تک

جواد اصبہانی نے لگوائی تھیں۔ حجرہ شریفہ اسی حالت میں رہا حتی کہ حسین ابن الہیجاء نے سفید ریشم کا غلاف جس پر زرد اور سرخ ریشم کے پھول بنے ہوئے تھے اور سرخ ریشم کی پٹی لگی ہوئی تھی جس پر مکمل سورہ یٰس لکھی ہوئی تھی۔ حجرہ شریفہ پر معلق کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو امیر مدینہ قاسم ابن مھنیٰ نے روک دیا اور کہا جب تک بغداد سے خلیفہ المستضیٔ بامر اللہ کا اذن نہ آئے، لگانے کی اجازت نہیں ہے۔ چنانچہ بغداد سے اذن مل گیا تو اس غلاف کو حجرہ شریفہ کی دیواروں پر لگا دیا گیا۔ (شاید یہ غلاف جالیوں کے اوپر ڈال کر دیواروں کو چھپا دیا گیا تھا۔) دو سال تک وہ غلاف قائم رہا پھر خلیفہ کی جانب سے بنفسجی کلر کا ریشمی غلاف اور پردہ جس پر سفید ریشمی دھاگوں سے کڑاھی کی گئی تھی اور اس پر حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے نام کڑاھی کرا کے لکھوائے گئے تھے اور ایک جانب امام المستضیٔ بامر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا، لایا گیا اور حسین ابن ابی الہیجاء کے غلاف کو اتار کر حضرت علی کی مزار انور کیلئے نجف اشرف بھیج دیا گیا اور یہ خلیفہ کا بھیجا ہوا غلاف اس جگہ حجرہ شریفہ پر لگا دیا گیا۔ جب امام ناصر الدین اللہ کو تولیت ملی تو اس نے سیاہ ریشم کا غلاف جس پر سفید ریشم کی کڑاھی کی گئی تھی، بھیج دیا اور یہ غلاف پہلے غلاف کے اوپر چڑھا کر حجرہ شریفہ پر لگا دیا گیا۔ جب خلیفہ کی ماں نے حج کیا اور واپس عراق پہنچی تو اس نے ایک اور سیاہ ریشم کا غلاف پہلے غلاف کی شکل کا دوسرے غلاف کے اوپر لگوا دیا تو بیک وقت تین غلاف حجرہ شریفہ پر معلق کئے گئے۔ چونکہ خلیفہ المستضیٔ بامر اللہ کی خلافت کا دور ۵۳۶ ہجری تا ۵۷۵ ہجری تھا، لہٰذا ابن نجار کے قول کے مطابق پہلا غلاف اور پردہ حسین ابن الہیجاء کی جانب سے اسی دور میں لگایا گیا تھا۔

پھر یہ رواج اور سلسلہ جاری رہا حتی کہ جب مسجد نبوی شریف کو ۶۵۴ ہجری میں

آگ لگی اس وقت حجرہ شریفہ پر گیارہ پردے لگے ہوئے تھے۔ علامہ سمہودی وفاءالوفاء میں لکھتے ہیں:

"قَالَ الْقُطُبُ الْقَسْطَلَانِيْ فِيْ كِتَابِهٖ "عُرْوَةُ التَّوْثِيْقِ فِي النَّارِ وَ الْحَرِيْقِ" وَ تَلَفَ جَمِيْعُ مَا احْتَوٰى عَلَيْهِ الْمَسْجِدُ الشَّرِيْفُ مِنَ الْمِنْبَرِ النَّبَوِيِّ وَ الْاَبْوَابِ وَالْخَزَائِنِ وَ الشَّبَابِيْكِ وَالْمَقَاصِيْرِ وَالصَّنَادِيْقِ وَ مَا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ مِنْ كُتُبٍ وَ كِسْوَةِ الْحُجْرَةِ وَ كَانَ عَلَيْهَا اِحْدٰى عَشَرَةَ سِتَارَةً۔" (وفاءالوفاء، ص۱۵۱، ج۲)

ترجمہ: "قطب قسطلانی نے اپنی کتاب "عروۃ التوثیق فی النار والحریق" میں فرمایا، ہر وہ چیز (آگ) کی وجہ سے تلف ہو گئی جس پر مسجد شریف مشتمل تھی۔ منبر نبوی اور دروازے اور اسٹور اور جالیاں اور مقصورے اور صندوقین اور ان میں جو کتابیں تھیں اور حجرہ مبارکہ کے پردے اور اس وقت حجرہ پر گیارہ پردے چڑھے ہوئے تھے۔"

حجرہ مبارکہ کے غلاف کے لیے خاص طور پر گاؤں خریدنا:

- معلوم ہوا پردوں کا سلسلہ ہر دور میں جاری رہا حتیٰ کہ علامہ سمہودی فرماتے ہیں، ۷۶۰ ہجری کے عشرہ میں سلطان الصالح اسماعیل ابن الملک الناصر محمد ابن قلاوون نے مصر کے بیت المال سے ایک قریہ اور گاؤں خرید کیا، اس کی آمدنی کعبۃ اللہ کے غلاف اور حجرہ شریفہ کے غلاف اور منبر شریف کے غلاف کیلئے وقف کر دی اور حکم دیا کہ کعبۃ اللہ پر ہر سال اور حجرہ شریفہ اور منبر شریف پر پانچ سال بعد غلاف چڑھائے جائیں۔ اس کا زین مراغی نے بھی ذکر کیا ہے مگر انہوں نے ہر چھ سال بعد سیاہ ریشم کا غلاف جس پر کشیدہ کاری سفید ریشم سے ہو اور اس کے کناروں پر چاندی، جس پر سونا چڑھایا گیا ہو، کے غلاف چڑھانے کا ذکر کیا ہے۔

- علامہ سمہودی کہتے ہیں، یہ ان کے زمانے میں ہوتا ہوگا مگر ہمارے زمانہ میں دس سال سے زائد تک بھی غلاف نہیں چڑھایا جاتا مگر جب مصر کی ولایت کسی دوسرے کو حاصل ہو جائے تو جدید غلاف چڑھایا جاتا ہے۔
- حافظ ابن حجر نے لکھا کہ الصالح اسماعیل مذکور نے جس بلد کا بیت المال کے وکیل سے دو تہائی حصہ خرید کیا تھا، اس بلد کا نام سندبیس تھا اور دو تہائی کو کعبۃ اللہ کے غلاف کیلئے وقف کر دیا تھا۔ دو تہائی چونکہ کعبۃ اللہ کیلئے وقف تھی۔ قیاس یہ ہے باقی ایک تہائی حجرہ مبارکہ کے غلاف کیلئے وقف ہوگی۔ اس وقت عادت یہ تھی کہ جدید غلاف جب معلق کیا جاتا پرانا غلاف شیخ الخدام خادموں اور دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ وہ حسب منشا دوسرے لوگوں کو ہدیہ کرتے تھے یا فروخت کر دیتے تھے اور پرانا غلاف فروخت کرنے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے مگر حافظ صلاح الدین خلیل العلائی نے کہا، آج کل جائز ہے۔ کیونکہ سلطان الصالح نے جس وقت مذکورہ جائیداد وقف کی اس سے پہلے خدام کی یہ عادت تھی کہ وہ پرانے غلاف کو فروخت کر دیتے تھے اور سلطان کو اس کا علم تھا۔ گویا واقف کی جانب سے فروخت کی اجازت تھی لہٰذا فروخت کرنا جائز تھا۔
- حجرہ شریفہ پر غلاف معلق کرنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یہ کہ حجرہ شریفہ کی چھت پر پردہ ڈال کر دیواروں پر لٹکا دیا جاتا تھا یا صرف دیواروں کے ساتھ پردے معلق کئے جاتے تھے۔ مجھے کسی کتاب میں اس کی تصریح نہیں ملی۔

(محمد رفیق حسنی)

- دوم یہ کہ غلاف پنج گوشہ عمارت (حجرہ شریفہ) پر معلق کئے جاتے ہوں گے کیونکہ غلاف معلق کرنے کا مقصد جناب رسول اللہ ﷺ کی تعظیم کے ساتھ ساتھ زینت اور خوبصورتی بھی تھی اور قبور مطہرہ پر مشتمل حجرہ مقدسہ پنج گوشہ

عمارت کی دیواروں کے اندر ہونے کی وجہ سے نظر سے پوشیدہ تھا۔ لہٰذا ظاہر یہی ہے کہ غلاف پنج گوشہ عمارت پر معلق کئے جاتے تھے۔ مگر یہ اس وقت تھا جب قبور مطہرہ والے حجرہ پر گنبد تعمیر نہیں ہوا تھا کیونکہ علامہ سمہودی کے قول کے مطابق جب ۸۸۶ ہجری میں گنبد تعمیر ہوگیا تھا تو لوگ داخلی حجرہ مقدسہ پر بھی غلاف معلق کرتے تھے۔ لہٰذا دونوں عمارتوں پر اس وقت غلاف معلق کئے جاتے تھے جب تک عباسی خلافت قائم رہی۔ حجرہ شریفہ کے غلاف اور پردے بغداد سے بھیجے جاتے تھے مگر جب بغداد کی سلطنت ۶۵۶ ہجری میں ختم ہوگئی پھر غلاف مصر سے بھیجے جاتے تھے اور جستجو نامی کتاب میں مذکور ہے، عثمانی دور کے اواخر میں یہ پردے آستانہ استنبول سے سل کر بھی آنے لگے تھے۔ سلطان عبدالمجید نے مدینہ منورہ میں ایک پردہ ۱۲۷۹ ہجری میں روانہ کیا تھا۔

(بحوالہ نزہۃ الناظرین مصنفہ السید جعفر ابن اسماعیل مدنی برزنجی)

اس کے بعد ۱۲۸۸ ہجری میں ایک غلاف سلطان عبدالعزیز خان نے بھی بھیجا تھا۔

(جستجوئے مدینہ)

- موجودہ پردہ گہرے سبز رنگ میں ریشم سے بنا ہوا ہے اور کشیدہ کاری سے بالائی حصہ پر خوبصورت خطاطی کی گئی ہے۔ اگر ہم شرقی جانب (قدمین طیبین) سے جالی کے اندر جھانک کر دیکھیں تو پردے کا ایک حصہ جو قبر انور کے سامنے پڑتا ہے، وہ سرخ رنگ میں نظر آتا ہے۔
- جنرل رفعت پاشا (جو ۱۹۰۱ عیسوی سے ۱۹۰۴ عیسوی تک اور پھر ۱۹۰۸ عیسوی میں مصری حجاج کے امیر الحج رہے) اس نے صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حجرہ شریفہ کے اندر تمام دروازوں اور محرابوں پر پردے ہوا کرتے تھے۔ ان کے بیان کے مطابق جالی مبارک پر کل اٹھارہ پردے معلق ہوا کرتے تھے اور منبر

شریف پر سب سے پہلے حضرت عثمان نے پردہ ڈالا تھا، وہ پردہ بھی ابھی تک جاری ہے۔ (ابراہیم پاشا مصدر مذکور، ص ۴۶۰، ج۱)

- طاہر الکردی لکھتے ہیں کہ حجرہ شریفہ پر سبز پردے معلق کئے گئے ہیں جن پر "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" لکھا گیا ہے۔ بالائی حصہ پر قرآن مجید کی یہ آیت لکھی ہوئی ہے:

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ
خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔"

- نیز خوبصورت کشیدہ کاری سے دائروں میں جناب رسول اللہ ﷺ کے ننانوے اسمائے گرامی لکھے ہوئے ہیں۔ زمین کی سطح سے اڑھائی میٹر بلند پردے پر سرخ مخمل پر سنہری پٹی لگی ہوئی ہے اور تیس (۳۰) سنٹی میٹر چوڑی ہے۔ اس پٹی پر سلطان کا نام لکھا ہوا ہے۔ یہ پردہ خلافت عثمانیہ کے آخری سلطان نے تیار کرایا تھا اور ترکی کا جمہوریہ بن جانے کے بعد اس نے مدینہ منورہ بھیجا تھا اور وہ پردہ جو ابھی بھی حجرہ مطہرہ پر آویزاں ہے، سعودی دور میں شاہ سعود نے ڈلوایا تھا اور پھر شاہ فیصل مرحوم نے بھی ایک پردہ تیار کر کے ڈلوایا تھا۔ ابھی ۲۰۱۱ عیسوی میں وہ حضرات موجود ہیں جنہیں پردہ بنانے اور آویزاں کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔ (جستجوئے مدینہ، ص ۵۶)

صَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَرِضَا نَفْسِهٖ وَزِنَةَ عَرْشِهٖ وَمِدَادَ كَلِمَاتِهٖ۔

خاک پائے اہلِ ایمان
محمد رفیق حسنی
عفی اللہ عنہ الغنی

باب زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کی زیارت نہ کرنے پر وعید اور احکامات

صحابہ کرامؓ کا بروقت مدینہ میں موت کی آرزو کرنا

قبور کی زیارت کرنا مستحب عمل ہے

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات واقعات کے تناظر میں

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کیلئے سفر کرنا جائز ہے

باب زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فصل اول: وہ احادیث جن میں صراحت کے ساتھ زیارت کا حکم ہے:

1. عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ (وفاء الوفاء بحوالہ الدار قطنی و بیہقی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت ثابت اور واجب ہے یعنی میں اس کی شفاعت کا وعدہ کرتا ہوں اور ہر نبی کا وعدہ صادقہ ہوتا ہے اور وہ وفا ہوگا۔

"لَهٗ" کے لفظ سے خصوصی شفاعت کی طرف اشارہ ہے جو زائر کیلئے خاص ہوگی کیونکہ شفاعت عامہ تو ہر مومن کیلئے ہوگی۔ یا شفاعتِ عامہ میں یہ زائر داخل ہوگا، مگر اس کا انفرادی ذکر اس کی شرافت اور عظمت کیلئے کیا گیا ہے یا یہ شخصی بشارت ہے کہ زائر کا خاتمہ ایمان پر ہوگا کیونکہ یہ شخص ان افراد میں داخل ہوگا جن کیلئے شفاعت ہوگی اور شفاعت میں وہی لوگ داخل ہوں گے جن کا ایمان پر خاتمہ ہوگا۔ (وفاء الوفاء، امام سمہودی)

2. عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ۔ (رواہ البزار)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا، آپ نے فرمایا، جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت ثابت ہے۔

اس حدیث اور پہلی حدیث میں لفظ "وَجَبَتْ" اور "حَلَّتْ" کا فرق ہے مگر دونوں حدیثوں کا مفہوم ایک ہے۔

3. عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ جَاءَنِيْ زَائِرًا لَا تَحْمِلُهٗ حَاجَةٌ اِلَّا زِيَارَتِيْ كَانَ حَقًّا عَلَيَّ اَنْ اَكُوْنَ لَهٗ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(وفاءالوفاء بحوالہ طبرانی والدار قطنی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر نے بیان کیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص میرے پاس زیارت کے لئے آیا اس شخص کی میری زیارت کے علاوہ کوئی دوسری حاجت میرے پاس آنے کا باعث نہ تھی، میرے اوپر اس شخص کا حق ہے کہ میں اس کی قیامت کے دن شفاعت کروں۔

4. عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَصَحْبِهٖ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْ صُحْبَتِيْ۔ (وفاءالوفاء)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر بیان کرتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے حج کیا پھر اس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ اس شخص کی طرح ہوگا جس نے میری حیات اور صحبت میں زیارت کی۔

- یہاں اس تشبیہ سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ شخص جس نے قبر انور کی زیارت کی وہ صحابی ہو جائے گا کیونکہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں ہوتی۔ (وفاءالوفاء)

شاید تشبیہ نفسِ زیارت میں یا حصولِ ثواب میں یا استحقاقِ شفاعت میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (محمد رفیق حسنی عفی عنہ)

حضور اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت نہ کرنے پر وعید اور احکامات:

5. عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ وَلَمْ يَزُرْنِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ۔ (وفاءالوفاء بحوالہ ابن عدی)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے میرے اوپر جفا کی۔

- واضح ہے ایک شخص حج کیلئے مکہ مکرمہ پہنچا اور جس رسول رحمت کی وجہ سے حج کی سعادت ملی، اس کے قریب جا کر اس کی زیارت نہ کرے، نہایت بے وفائی اور قابلِ افسوس بات ہے۔ البتہ معذور یا مجبور اس سے مستثنیٰ ہے اور اگر کسی شخص نے آپ ﷺ کی زیارت کو غیر اہم عمل سمجھ کر زیارت نہیں کی، اس کے تو ایمان کے زوال کا اندیشہ ہے اور اگر بغض کی وجہ سے زیارت نہیں کی تو وہ کافر ہے۔ یہاں لفظ "حَجَّ الْبَيْتَ" سے صرف حج مراد ہو یہ ضروری نہیں بلکہ عمرہ اور عمرہ کے علاوہ بیت اللہ کی زیارت بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ حج البیت کا لغوی ترجمہ قصد البیت ہے یعنی جس نے بیت اللہ کا قصد کیا خواہ حج کے سفر میں یا عمرہ کے سفر میں یا کسی دوسرے سفر میں مگر وہ شخص مکہ مکرمہ پہنچ کر مدینہ منورہ نہیں گیا وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے حق میں صاحب جفا ہے۔ البتہ وہ لوگ جو مکہ مکرمہ کے قرب وجوار میں رہتے ہیں، اگر وہ عمرہ یا حج کرتے ہیں مگر مدینہ منورہ دور ہونے کی وجہ سے مدینہ منورہ نہیں جاتے ان کیلئے یہ وعید نہیں ہے۔ مثلاً جدہ میں مقیم بعض لوگ ہر جمعہ عمرہ کرنے چلے جاتے ہیں اور ہر سال حج کرتے ہیں مگر ہر سال یا ہر ہفتہ مدینہ منورہ نہیں جا سکتے اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن وہ شخص جو پاکستان سے یا کسی دوسرے ملک سے مکہ مکرمہ حج یا عمرہ کیلئے جائے اور مدینہ منورہ قصداً نہ جائے وہ نہایت بدبخت ہے۔ جس نے حضور ﷺ کی قبر انور کی زیارت بغض کی وجہ سے نہیں کی وہ وقت کا دجال ہے۔ اگر اس کے دل میں سرورِ دو عالم ﷺ کا بغض ہے اس لئے مدینہ منورہ نہیں گیا وہ ایمان سے خالی ہے اور دجال ہے۔ کیونکہ دجال مدینہ منورہ نہیں جا سکے گا۔ اس کے دل میں صاحبِ مدینہ کے ساتھ بغض ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ اس کو مدینہ میں داخل ہونے کی قدرت نہیں دے گا۔ (مفتی محمد رفیق الحسنی)

صحابہ کرامؓ کا بروقت مدینہ میں موت کی آرزو کرنا:

6. عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ فِي الْمَدِيْنَةِ فَلْيَفْعَلْ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر نے فرمایا، جو شخص مدینہ منورہ میں موت کی استطاعت رکھتا ہے وہ مدینہ منورہ میں وفات کیلئے کوشش کرے۔ اہلِ علم جانتے ہیں صحابہ کرام مدینہ منورہ میں وفات کو ترجیح دیتے تھے۔ حضرت سعد ابن وقاص مکہ مکرمہ میں شدید بیمار ہوگئے تھے اور سرورِ دوعالم ﷺ سے عرض کیا تھا، یا رسول اللہ! میں مدینہ منورہ میں فوت ہونا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، تیری موت مدینہ میں ہوگی۔ سارا قصہ ''رفیق المناسک'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

نیز حضرت عمرؓ دعا کیا کرتے:

''اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِيْ فِيْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ''

ترجمہ: ''اے اللہ! مجھے اپنے راستہ میں شہادت کی موت عطا فرما اور میری موت اپنے رسول کے شہر میں فرمادے۔ لہٰذا مدینہ منورہ میں موت کی دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ مستحب ہے۔

7. عَنْ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ مَنْ زَارَ قَبْرِيْ اَوْ قَالَ مَنْ زَارَنِيْ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا۔ (وفاءالوفاء)

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا، جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی یا فرمایا جس شخص نے میری زیارت کی اس کیلئے میں شفیع اور گواہ ہوں گا۔ بعض علماء کے نزدیک یہاں لفظ ''او'' واو(و) کے معنی میں کیا گیا ہے۔

8. عَنْ رَجُلٍ مِنْ اٰلِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: مَنْ زَارَنِيْ مُتَعَمِّدًا كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِيْ اَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللهُ فِي الْاٰمِنِيْنَ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ مَنْ سَكَنَ الْمَدِيْنَةَ وَصَبَرَ عَلٰى بَلَاءِهَا كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (وفاءالوفاء)

ترجمہ: آلِ خطاب سے ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے قصداً میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے جوار میں ہوگا اور جو حرمین میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہوگا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن بے خوف لوگوں میں اٹھائے گا اور ایک روایت میں ہے، جس شخص نے مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کی اور مدینہ منورہ کی سختیوں پر صبر کیا اس کیلئے میں قیامت کے دن شہید بلکہ شفیع ہوں گا۔ بعض علماء نے ''او'' کا معنی ''بل'' والا کیا ہے۔

9. عَنْ رَجُلٍ مِنْ اٰلِ حَاطِبٍ عَنْ حَاطِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَمَنْ مَاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (وفاءالوفاء)

ترجمہ: آلِ حاطب کے ایک آدمی نے حاطب سے روایت کیا، انہوں نے بیان کیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے میری موت کے بعد میری زیارت کی پس گویا اس نے میری زندگی میں زیارت کی اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہوا وہ قیامت کے دن بے خوف لوگوں سے مبعوث ہوگا۔

10. عَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَزَارَ قَبْرِيْ وَصَلّٰى فِيْ بَيْتِ الْمُقَدَّسِ لَمْ يَسْاَلْهُ اللهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْمَا افْتَرَضَ عَلَيْهِ۔ (وفاءالوفاء، ص۱۷۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بیان کیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے حج الاسلام ادا کیا اور میری قبر کی زیارت کی اور بیت المقدس

میں نماز پڑھی، اس آدمی سے نہیں سوال کرے گا اللہ عزّوجلّ ان اعمال سے جو اس پر فرض کئے گئے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادے گا)۔(رفیق حسنی)

11. عَنْ سَعِيْدِ الْمَقْبُرِيِّ يَقُوْلُ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ مَوْتِيْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ وَاَنَا حَيٌّ وَمَنْ زَارَنِيْ كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (وفاءالوفاء)

ترجمہ: سعید المقبری نے کہا، میں نے حضرت ابو ہریرہ سے سنا، انہوں نے کہا، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی پس اس نے میری زیارت کی اس حال میں کہ میں زندہ ہوں اور جس شخص نے میری زیارت کی اس کیلئے میں شہید ہوں گا یا شفیع ہوں گا۔ بعض علماء نے لفظ "او" کو اختلافِ روایت پر محمول کیا ہے۔

12. عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ زَارَنِيْ بِالْمَدِيْنَةِ كُنْتُ لَهٗ شَفِيْعًا اَوْ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِيْ رِوَايَةِ الْبَيْهَقِيِّ مَنْ مَاتَ فِيْ اَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ زَارَنِيْ مُحْتَسِبًا اِلَى الْمَدِيْنَةِ كَانَ فِيْ جِوَارِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (وفاءالوفاء)

ترجمہ: حضرت انس ابن مالک سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے مدینہ میں میری زیارت کی اس کیلئے میں قیامت کے دن شفیع یا شہید ہوں گا اور بیہقی کی روایت میں ہے، جو شخص حرمین میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہو گا وہ قیامت کے دن بے خوف لوگوں میں اٹھایا جائے گا اور جس شخص نے ثواب کے ارادہ سے مدینہ میں میری زیارت کی وہ قیامت کے دن میرے جوار میں ہو گا۔

13. عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ زَارَنِيْ مَيِّتًا فَكَاَنَّمَا زَارَنِيْ حَيًّا وَمَنْ زَارَ قَبْرِيْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا مِنْ اَحَدٍ مِنْ اُمَّتِيْ لَهٗ سِعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِيْ فَلَيْسَ لَهٗ عُذْرٌ۔ (وفاءالوفاء)

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی پس گویا اس نے میری حیات میں زیارت کی اور جس شخص نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہے اور میری امت میں سے کوئی ایک ایسا آدمی جس کو مدینہ منورہ آنے کی استطاعت اور قدرت تھی پھر اس نے میری زیارت نہیں کی پس اس کیلئے عذر نہیں ہو گا۔

14. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ زَارَنِيْ فِيْ مَمَاتِيْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ وَمَنْ زَارَنِيْ حَتّٰى يَنْتَهِيَ اِلٰى قَبْرِيْ كُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَهِيْدًا اَوْ قَالَ شَفِيْعًا وَفِيْ رِوَايَةِ ابْنِ عَسَاكِرَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ رَاٰنِيْ فِي الْمَنَامِ كَانَ كَمَنْ رَاٰنِيْ فِيْ حَيَاتِيْ۔ (وفاءالوفاء)

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے میری ممات میں زیارت کی وہ اس طرح ہو گا جیسا اس نے میری حیات میں زیارت کی اور جس شخص نے میری زیارت کی حتی کہ وہ میری قبر تک پہنچا اس کیلئے میں قیامت کے دن شہید ہوں گا یا فرمایا، شفیع ہوں گا اور ابن عساکر کی ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے مجھے نیند میں دیکھا گویا اس نے مجھے حیات میں دیکھا۔

15. عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ حَجَّ اِلٰى مَكَّةَ ثُمَّ قَصَدَنِيْ فِيْ مَسْجِدِيْ كُتِبَتْ لَهٗ حَجَّتَانِ مَبْرُوْرَتَانِ۔ (وفاءالوفاء)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے مکہ مکرمہ میں حج کیا پھر اس نے میری مسجد میں میرا قصد کیا اس کیلئے دو مبرور حج لکھے جائیں گے۔

دو مبرور حجوں کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک حج مکہ مکرمہ والا اور دوسرا حج مدینہ منورہ میں حاضری کا۔ دونوں حج مبرور ہوں گے۔ مکہ مکرمہ کا حج بھی مدینہ منورہ آنے کی وجہ سے مبرور ہو گیا۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے حج کے علاوہ مدینہ منورہ آنے کا ثواب اللہ تعالیٰ دو مبرور حجوں کا عطا فرمائے گا۔ یقیناً رحمۃ اللہ تعالیٰ اوسع من ذالك۔ (محمد رفیق حسنی)

16. عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ زَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَكَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ وَمَنْ لَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔ (وفاء الوفاء الجزء الرابع)

ترجمہ: حضرت علیؓ نے بیان کیا، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی اور جس شخص نے میری زیارت نہیں کی اس نے میرے اوپر جفا کی۔

17. عَنْ بِكْرِ ابْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ مَنْ اَتَی الْمَدِیْنَةَ زَائِرًا لِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَمَنْ مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ آمِنًا۔

(وفاء الوفاء)

ترجمہ: بکر ابن عبداللہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا، جو شخص مدینہ منورہ میں میری زیارت کیلئے آیا قیامت کے دن اس کیلئے میری شفاعت واجب ہو گی اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہوا وہ بے خوف اٹھایا جائے گا۔

نوٹ: الشیخ نورالدین علی بن احمد سمہودی المتوفی ۹۱۱ ہجری نے اپنی تصنیف ''وفاء الوفاء باخبار دار المصطفٰے ﷺ'' کے جزء رابع میں سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت کی فضیلت میں مذکورہ سترہ (۱۷) حدیثیں ذکر کی ہیں۔ احادیث کی صحت اور ضعف اور احادیث میں تطبیق پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ اگر کسی صاحب کو مکمل بحث مطلوب ہو تو اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔ چونکہ ہمارے مقاصد میں بحث و تمحیص نقل کرنا نہیں ہے اس لئے ہم نے بحث کو ترک کر دیا ہے۔

- مگر قارئین کو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت کیلئے مدینہ منورہ حاضر ہونے کے جواز اور فضیلت پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ لٰہذا بعض حاسدین کی جانب سے اسے ناجائز اور بدعت کہنے کی طرف توجہ نہ دی جائے۔

(محمد رفیق حسنی عفی عنہ)

دوسری فصل: انبیاء علیہم السلام کا اپنی قبور میں زندہ ہونا اور انبیاء کی قبروں کی طرف سفر کرنے کا جائز ہونا:

- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَا مِنْ اَحَدٍ یَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِیْهِ الْمُؤْمِنِ كَانَ یَعْرِفُهٗ فَیُسَلِّمُ عَلَیْهِ اِلَّا عَرَفَهٗ وَرَدَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔

(وفاء الوفاء بروایت ابن عبد البر)

- ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباس بیان کرتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب بھی کوئی شخص اپنے مومن بھائی کی قبر کے ساتھ گزرتا ہے حالانکہ وہ اسے جانتا تھا اس پر سلام کرتا ہے تو صاحبِ قبر اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔
- ابن تیمیہ نے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے: ''مَا مِنْ رَجُلٍ یَمُرُّ

بِقَبْرِ الرَّجُلِ كَانَ يَعْرِفُهٗ فِي الدُّنْيَا فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ رُوْحَهٗ حَتّٰى يَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔" (وفاءالوفاء)

● ترجمہ: کوئی مرد دوسرے مرد کی قبر سے نہیں گزرتا جس کو وہ دنیا میں جانتا تھا پس اس کو سلام کرتا ہے مگر صاحبِ قبر کیلئے اس کے روح کو اللہ تعالیٰ رد کرتا ہے حتی کہ وہ اس کا جواب دیتا ہے۔

● عبدالحق نے اپنی کتاب "عاقبۃ" میں سیدہ حضرت عائشہؓ کی حدیث نقل کی ہے "مَا مِنْ رَجُلٍ يَزُوْرُ قَبْرَ اَخِيْهِ فَيَجْلِسُ عِنْدَهٗ اِلَّا اسْتَأْنَسَ بِهٖ حَتّٰى يَقُوْمَ۔" (وفاءالوفاء)

● ترجمہ: نہیں کوئی مرد جو اپنے بھائی کی قبر کی زیارت کرتا ہے پس اس کے نزدیک بیٹھتا ہے مگر صاحبِ قبر اس کے ساتھ مانوس ہوتا ہے اور خوش ہوتا ہے حتی کہ وہ شخص اٹھ جائے۔

● ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا، "اِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرٍ يَعْرِفُهٗ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ وَعَرَفَهٗ وَاِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَا يَعْرِفُهٗ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ۔" (وفاءالوفاء)

● ترجمہ: "جب کوئی مرد ایسی قبر کے ساتھ گزرتا ہے جس کو وہ جانتا ہے پس اس پر سلام کرتا ہے۔ صاحبِ قبر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اس کو پہچانتا ہے اور جب ایسی قبر کے ساتھ گزرتا ہے جس کو وہ دنیا میں نہیں جانتا تھا اس پر سلام کرتا ہے، صاحبِ قبر اس کا جواب دیتا ہے۔

● اہلِ قبور کی حیات اور زائرین کی معرفت اور ان کے سلام کا جواب اس سلسلہ میں کثرت سے احادیث موجود ہیں۔ ابن تیمیہ نے صراط مستقیم میں ذکر کیا کہ شہداء بلکہ جملہ مومنین کی زیارت میں جب کوئی مسلمان ان کی زیارت کرتا ہے اور

ان پر سلام کرتا ہے وہ ان کو پہچانتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں "فَاِذَا كَانَ هٰذَا فِيْ اٰحَادِ الْمُسْلِمِيْنَ فَكَيْفَ بِسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔" جب یہ کیفیت عام مسلمانوں کیلئے ہے تو سید المرسلین ﷺ کے ساتھ کس طرح یہ کیفیت نہ ہوگی۔

● "توثیق عری الایمان" میں البارزی نے سلیمان ابن سحیم سے نقل کیا ہے، انہوں نے کہا، "رَاَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي النَّوْمِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْتُوْنَكَ فَيُسَلِّمُوْنَ عَلَيْكَ اَتَفْقَهُ سَلَامَهُمْ؟ قَالَ وَ اَرُدُّ عَلَيْهِمُ السَّلَامَ"۔

● ترجمہ: میں نے نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت کی پس میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! یہ لوگ جو آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ پر سلام کرتے ہیں، کیا آپ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، اور میں ان کے سلام کے جواب بھی دیتا ہوں۔

ابراہیم بن بشار کا آپ ﷺ کی قبرِ انور سے بآوازِ بلند سلام سننا:

● ابن النجار نے حضرت ابراہیم ابن بشار سے نقل کیا، انہوں نے کہا، میں نے ایک سال حج کیا پھر میں مدینہ منورہ آیا۔ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی قبر انور کے قریب آیا اور میں نے سلام کیا۔ میں نے حجرہ مبارکہ کے اندر سے بآواز سنا "وَعَلَيْكَ السَّلَامُ"۔ اس قسم کے واقعات اولیاء کرام اور صالحین سے کثرت کے ساتھ مروی ہیں۔ (وفاء الوفاء، ص۱۷۹، جزء رابع)

● سرورِ کائنات ﷺ کی حیات بعد الوفاۃ میں کوئی شک نہیں اور تمام انبیاء عظام اپنی قبور منورہ میں زندہ ہیں اور ان کی حیات شہداء کی حیات سے اکمل اور اقوی ہے اور شہداء کی حیات کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں خبر دی ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ فرمایا:

"لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّ لٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔" (سورۃ بقرہ، آیت، ۱۵۴)

ترجمہ: "ان لوگوں کیلئے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کر دیئے گئے، انہیں میت نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور تمہیں ان کی حیات کا شعور نہیں۔"

- دوسرے مقام پر فرمایا: "وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِیْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللہُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ یَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِیْنَ لَمْ یَلْحَقُوْا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ۔" (آل عمران، آیت: ۱۶۹-۱۷۰)
- ترجمہ: "وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیا گیا، انہیں میت گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے نزدیک رزق دیئے جاتے ہیں۔ فرح اور سرور میں ہیں اس چیز کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے اور خوش ہیں ان لوگوں سے جو ان کے پیچھے ان سے جا کر نہیں ملے ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"
- جب شہداء کی حیات قرآن مجید سے ثابت ہے تو نبی کریم ﷺ جو سیّد الشہداء ہیں اور شہداء اور غیر شہداء کے اعمالِ حسنہ بھی آپ ﷺ کی میزان میں موجود ہیں بلکہ شہداء کو شہادت کا مرتبہ سرورِ دو عالم ﷺ کی اتباع کے طفیل حاصل ہوا تو آپ ﷺ کی یا انبیاء عظام کی حیات بعد الوفات کس طرح ثابت نہ ہو گی۔ (محمد رفیق حسنی)
- حافظ منذری نے روایت کیا کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"عِلْمِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَعِلْمِیْ فِیْ حَیَاتِیْ"

ترجمہ: "وفات کے بعد میرا علم ایسا ہو گا جیسے حیات میں میرا علم تھا۔"

- ابن عدی نے اپنی کامل میں حضرت انس سے روایت کیا:

"قَالَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ"۔

(رواہ ابو یعلی بر جال ثقات) (وفاء الوفاء)

ترجمہ: "حضرت انس نے فرمایا، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انبیاء قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ اسی حدیث کو ابو یعلی نے ثقہ رجال سے روایت کیا ہے۔"

- امام بیہقی فرماتے ہیں، انبیاء عظام علیہم السلام کی حیات بعد الموت پر احادیث صحیحہ کثیرہ شاہد ہیں۔ ان احادیث میں معراج کی رات آپ ﷺ کا فرمانا "مَرَرْتُ بِمُوْسٰی وَ هُوَ قَائِمٌ یُّصَلِّیْ فِیْ قَبْرِهٖ" (میں موسیٰ علیہ السلام سے گذرا، وہ کھڑے ہو کر اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے) کی حدیث مشہور ہے۔ اسی طرح سرورِ دو عالم ﷺ کے ساتھ بیت المقدس میں اور آسمانوں پر انبیاء عظام علیہم السلام کی ملاقات بھی حیات انبیاء پر شاہد ہے۔ اسی طرح بخاری و مسلم کی حدیث کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا:

"فَاِذَا مُوْسٰی بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِیْ اَ کَانَ مِمَّنْ صَعِقَ فَاَفَاقَ قَبْلِیْ اَمْ کَانَ مِمَّنِ اسْتَثْنَی اللہُ عَزَّوَجَلَّ"۔

ترجمہ: "پس اچانک موسیٰ علیہ السلام عرش کی جانب کو تھامے ہوئے کھڑے تھے۔ پس میں نہیں جانتا وہ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں صعقہ لاحق ہوا پس انہیں مجھ سے پہلے افاقہ ہو گیا یا موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے صعقہ سے مستثنیٰ فرما دیا۔"

- قرآن مجید میں ہے:

"وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ

شَآءَ اللّٰہُ‘‘۔(الزمر ۳۹: آیت ۶۸)

ترجمہ: ’’اور صور میں پھونکا جائے گا پس بے ہوش ہو جائے گا ہر وہ شخص جو زمین میں ہے مگر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ چاہے کہ وہ بے ہوش نہ ہو اور صعق کا معنی ہلاک اور فنا ہونا بھی ہوتا ہے۔‘‘

- امام بیہقی فرماتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات کی طرح ہوتی ہے۔ ان کی ارواح ان کے اجسام میں واپس لوٹا دی جاتی ہیں اور وہ اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور جب صور پھونکا جائے گا اور ہر شخص کو صعقہ لاحق ہو گا مگر ’’اِلَّا مَنْ شَآءَ‘‘ میں جو داخل ہیں ان کو صعقہ لاحق نہیں ہو گا۔ شہداء اسی استثنیٰ میں داخل ہیں جیسا کہ ہم حدیث مرفوع میں ذکر کر چکے ہیں۔ اور اگر انبیاء علیہم السلام کو صعقہ لاحق ہو گا، یہ صعقہ موت نہیں ہو گی بلکہ اس حالت میں بعض شعورات غائب ہو جائیں گے پھر دوبارہ بحال ہو جائیں گے اور امام بیہقی نے اوس بن اوس کی مرفوع حدیث ذکر کی ہے۔ وہ یہ ہے:

’’اَفْضَلُ اَیَّامِکُمْ یَوْمُ الْجُمُعَۃِ فِیْہِ خُلِقَ آدَمُ وَ فِیْہِ قُبِضَ وَ فِیْہِ النَّفْخَۃُ وَ فِیْہِ الصَّعْقُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوۃِ فِیْہِ فَاِنَّ صَلَاتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ قَالُوْا کَیْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَیْکَ وَ قَدْ اَرِمْتَ؟ یَقُوْلُوْنَ بَلِیْتَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَآءِ۔‘‘ (اخرجہ ابوداؤد وابن حبان والحاکم وصححہ)

ترجمہ: ’’تمہارے ایام سے افضل یوم جمعہ ہے۔ اس میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا، اسی میں انہیں وفات دی گئی، اسی میں قیامت کا نفخہ ہو گا، اسی میں صعقہ ہو گا۔ پس میرے اوپر اس جمعہ کے دن کثرت سے درود پڑھو، بیشک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے

عرض کیا، کس طرح آپ پر ہمارا درود پیش کیا جائے گا۔ حالانکہ آپ قبر میں پرانے ہو چکے ہوں گے۔ پس آپ نے فرمایا، بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کرام کے اجسام کو کھائے۔‘‘

- اسی قسم کی حدیث ابن ماجہ نے جید اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ اس حدیث میں ان الفاظ کا اضافہ ہے ’’فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ‘‘ (پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور رزق دیا جاتا ہے۔)
- بزار نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کیا، حضرت عبداللہ ابن مسعود نے بیان کیا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بیشک اللہ تعالیٰ کے سیاح فرشتے میری امت کی جانب سے مجھے سلام پہنچاتے ہیں پھر حضرت عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’حَیَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَ یُحَدَّثُ لَکُمْ وَ وَفَاتِیْ خَیْرٌ لَّکُمْ تُعْرَضُ عَلَیَّ اَعْمَالُکُمْ فَمَا رَاَیْتُ مِنْ خَیْرٍ حَمِدْتُ اللّٰہَ عَلَیْہِ وَ مَا رَاَیْتُ مِنْ شَرٍّ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ لَکُمْ۔‘‘ (وفاء الوفاء)

ترجمہ: ’’میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے کہ تم مجھے بیان کرتے ہو اور تمہارے لئے بیان کیا جاتا ہے اور میری وفات تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے اعمال میرے اوپر پیش کئے جائیں گے۔ پس جب میں تمہارے اچھے اعمال دیکھوں گا اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گا اور جب میں برے اعمال دیکھوں گا تمہارے لئے استغفار کروں گا۔‘‘

انبیاء عظام علیہم السلام کی وفات کے بعد حیات کا انکار گمراہی ہے:

- قارئین پڑھ چکے ہیں شہداء کرام کی حیات بعد الممات قرآن مجید سے ثابت ہے اور اس حیات کی کیفیت حیات دینے والا جانتا ہے اور ہمارے لئے فرمایا ’’وَ اَنْتُمْ

لَا تَشْعُرُوْنَ" (تم اپنے حواس اور عقل سے اس حیات کا شعور نہیں رکھتے۔)
ایک مومن کی تعریف یہ ہے کہ وہ تمام ان امور کی اپنے اختیار کے ساتھ تصدیق کرے جن کو سرورِ دوعالم ﷺ نے اللہ تعالٰی کی جانب سے بیان کیا اور وہ قرآن مجید کی ہر آیت اور کلمہ کی تصدیق کرے تو اسے اہلِ قبور کی حیات بعد الممات خصوصاً انبیاء علیہم السلام اور شہداء اور اولیاء کرام کی حیات تصدیق کرنا ہوگی۔ یہاں مشاہدہ اور تجربہ اور عقل کو ترک کرنا ہوگا ورنہ ایمان حاصل نہیں ہوگا۔ بیشک مقابر میں قبروں کے انہدام اور سیلابوں میں قبروں کا بہہ جانا اور دریاؤں کے کٹاؤ سے قبروں کا معدوم ہو جانا اور مردوں کی ہڈیوں تک کا مٹی ہو جانا مشاہدہ ہے مگر قرآن مجید بار بار اعلان فرماتا ہے کہ ہم یوم البعث مردوں کو اپنی قبروں سے اٹھائیں گے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے:

"وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ. قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا." (یٰسٓ: ۵۲)

ترجمہ: "اور پھونکا جائے گا صور میں پس جب قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑتے چلیں گے، کہیں گے، ہائے ہماری خرابی کس نے ہمیں سونے کی جگہ سے اٹھا دیا۔"

"وَ اَنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا وَ اَنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ" (الحج: ۷)

ترجمہ: "بیشک قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں، بیشک اللہ اٹھائے گا ان لوگوں کو جو قبروں میں موجود ہیں۔"

"وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ" (الانفطار: ۴)

ترجمہ: "اور جب قبریں کھولی جائیں گی ہر شخص جان لے گا کہ کیا عمل اس نے آگے بھیجا، کیا پیچھے چھوڑا۔"

"اَفَلَا یَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ" (العادیات: ۹)

ترجمہ: "تو کیا وہ نہیں جانتا جب اٹھائے جائیں گے وہ جو قبروں میں موجود ہیں۔"

- اگر ہم عقل اور مشاہدہ کی بنیاد پر یہ کہیں کہ قبروں میں کچھ بھی نہیں ہوتا تو پھر قرآن کا یہ دعویٰ کہ ہم مردوں کو قبروں سے اٹھائیں گے کس طرح صحیح ہوگا؟ قبروں میں جب کچھ نہیں ہے تو پھر کسی کو قبر سے کیسے اٹھایا جائے گا۔ قبر کی تخصیص اور ذکر کی کیا وجہ ہے۔ لہٰذا اہلِ ایمان کو مشاہدات اور عقلیات کو ترک کر کے قرآن مجید کی صداقت پر ایمان لانا ہوگا۔ اگر عقل اور مشاہدہ کی بنیاد پر تصدیق یا تکذیب ہو تو پھر ملائکہ اور جنات اور آخرت کے جملہ مراحل اور جنت اور جہنم اور اللہ تعالٰی کی ذات پر ایمان لانا کیسے ممکن ہوگا؟ جبکہ مومن کی تعریف "یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" کے ساتھ کی گئی ہے کہ مومن اور متقی وہ لوگ ہیں جو ایسی چیزوں کی تصدیق کرتے ہیں جو غیب ہیں یعنی حواس اور عقل کی بداہتہ سے ماوراء ہیں۔ لہٰذا اصحابِ قبور کے اجسام کا قبروں میں ہونا اگرچہ اصلی ذرات کی صورت میں ہو، تسلیم کرنا ایمان کا حصہ ہے اور یہ بھی امور غیبیہ کی اقسام سے ہے۔
- آج کل ڈی این اے (D.N.A.) نے قبروں میں مردوں کے ہونے اور قبروں سے مردوں کو اٹھائے جانے کا مسئلہ کچھ نہ کچھ حل کر دیا ہے۔ حال ہی میں مجاہدِ اسلام اسامہ بن لادن کی وفات شدہ بہن کے ڈی این اے سے اسامہ بن لادن کے بچوں کا اور پھر اسامہ کا علم ہوا اور اسے امریکی دہشت گردوں نے ہلاک کر دیا۔

• جنگ اخبار میں شائع مضمون میں بیگ صاحب کے بقول امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے نے احمد کویتی نامی شخص کے ذریعہ جو کہ اسامہ کے ساتھ رابطہ میں رہتے ہوئے ایبٹ آباد آتا جاتا تھا، سیٹلائٹ کے ذریعہ سراغ لگایا کہ اسامہ بچوں سمیت ایبٹ آباد میں موجود ہے۔ چنانچہ سی آئی اے نے ایک لالچی ڈاکٹر کو خریدا۔ اس نے ایبٹ آباد میں اسامہ کی رہائش کے قریب کیمپ لگایا اور گھر گھر بچوں کو ہیپاٹائٹس سی کے ٹیکے لگوانے کے حیلہ سے بختو نامی نرس کو اسامہ کے گھر بھیجا۔ نرس نے بچوں کا ڈی این اے حاصل کیا جو کہ اسامہ کی فوت شدہ بہن سے ملتا تھا۔ اس کے بعد ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ آپریشن کیا اور اس طرح اسامہ کو امریکیوں نے قتل کر دیا۔ ڈی این اے ایسی دریافت ہے جو شاید فنا نہیں ہوتی اس سے آدمی کا سارا ماضی اور ڈیٹا معلوم ہو جاتا ہے جو کہ عجائباتِ قدرت سے ہے۔

• یہ معاملہ تو عام لوگوں کا ہے مگر انبیاء عظام علیہم السلام کے اجسام مبارکہ کا اپنی اپنی قبروں میں صحیح اور سالم ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ جس طرح ہم پہلے ایسی احادیث ذکر کر چکے ہیں۔ اور بعض اولیاء کرام کے اور بعض صحابہ عظام کے اجسام کا قبروں میں محفوظ اور سالم ہونا بھی احادیث سے ثابت ہے اور مشاہدہ بھی ہے۔

• حضرت سلیمان علیہ السلام بیت المقدس تعمیر کروانے کے دوران وصال فرما گئے اور ایک سال تک اپنے عصا مبارک پر قائم کھڑے رہے۔ جنات اور آدمی بیت المقدس پر کام کرتے رہے۔ آپ کے جسم اقدس میں زندوں کی طرح تازگی اور خون کی روانگی اور آنکھوں میں نور اور چہرہ کی بشاشت محسوس ہوتی تھی جس کی وجہ سے جنات کو بھی علم نہ ہو سکا کہ آپ کا وصال ہو گیا مگر سال کے بعد دیمک نے آپ کے عصا مبارک کو کھایا، آپ نیچے تشریف لائے، لوگوں کو پتہ چلا کہ آپ

ایک سال سے وصال فرما چکے تھے۔ قرآن مجید میں ہے:

"فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ۔" (سورۃ سبا ۳۴، آیت: ۱۴)

ترجمہ: "پس جب ہم نے آپ (سلیمان علیہ السلام) پر موت کا فیصلہ کیا ان کی موت پر نہیں دلالت کی مگر زمین کے جانور یعنی دیمک نے کھایا اس نے ان کے عصا کو۔ پس جب آپ گر گئے، جانا جنات نے یہ کہ اگر ہوتے وہ غیب کو جانتے وہ عذاب مہین میں نہ ٹھہرے رہتے۔"

• حضرت عزیر علیہ السلام وصال کے بعد ایک سو سال تک ایک جگہ زمین پر ٹھہرے رہے، جب اٹھے تو آپ کے جسم مبارک میں کسی قسم کی خراش بھی نہیں آئی اور آپ کا کھانا سو سال کے بعد بھی تازہ تھا، اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں آیا تھا اور اصحابِ کہف کا قصہ تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ وہ صدیوں سے زندہ ہیں۔ لہٰذا اہلِ قبور کی حیات اگر احادیث سے ثابت ہے تو اسے تسلیم کیا جائے۔

قبور کی زیارت کرنا مستحب عمل ہے:

• جب قبروں میں مردوں کا ارواح کے ساتھ موجود ہونا ثابت ہے تو پھر اصحاب قبور کی زیارت بھی مستحب ہے اسی لئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ" (مشکوٰۃ)

ترجمہ: "میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا، پس ان کی زیارت کرو کیونکہ وہ موت یاد دلاتی ہیں۔"

• ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! اگر میں قبرستان جاؤں تو کیا کہوں؟ آپ نے فرمایا:

"قُوْلِیْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَ یَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ وَالْمُسْتَاْخِرِیْنَ۔" (وفاءالوفاء)

ترجمہ: "تم کہو تمہارے لئے سلام ہو اہلِ دیار مومنین اور مسلمین سے اور اللہ تعالیٰ متقدمین اور متاخرین پر رحم فرمائے۔"

- خود سرورِ دوعالم ﷺ شہدائے احد کی مزارات پر جایا کرتے تھے۔ عباد ابن ابی صالح سے روایت ہے سرورِ دوعالم ﷺ:

"کَانَ یَأْتِیْ قُبُوْرَ الشُّھَدَاءِ بِاُحُدٍ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ حَوْلٍ فَیَقُوْلُ سَلَامٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔ قَالَ جَاءَ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ الخ"

ترجمہ: "آپ اُحد کے شہداء کی قبروں پر سال کے شروع میں تشریف لے جاتے اور فرماتے، تمہارے لیے سلامتی ہو، اس وجہ سے جس سے تم نے صبر کیا۔ پس دار آخرت اچھی دار ہے۔ راوی کہتا ہے، پھر حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ اسی طرح کرتے رہے۔"

- جب حضرت معاویہ حج کیلئے آئے، وہ احد کے شہداء کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ امام باقر سے مروی ہے:

"اِنَّ فَاطِمَۃَ بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ کَانَتْ تَزُوْرُ قَبْرَ حَمْزَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ تُرِمُّہٗ وَ تُصْلِحُہٗ وَقَدْ تَعَلَّمَتْہُ بِحَجَرٍ۔" (وفاءالوفاء)

ترجمہ: "بیشک سیدہ فاطمۃ الزہراء بنت رسول اللہ ﷺ سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی قبر پر آتی تھیں، اس کو بناتیں اور اصلاح کرتیں اور آپ نے قبر کی علامت ایک پتھر کے ساتھ کی ہوئی تھی۔"

- امام رزین کی روایت میں ہے: "کَانَتْ تَزُوْرُ قُبُوْرَ الشُّھَدَاءِ بَیْنَ الْیَوْمَیْنِ وَالثَّلَاثَۃِ" کہ آپ شہدائے احد کی زیارت پر دو اور تین دن کے درمیان جایا

کرتی تھیں۔

- امام یحییٰ کی روایت میں ہے "فَتُصَلِّیْ ھُنَاکَ وَ تَدْعُوْ وَ تَبْکِیْ حَتّٰی مَاتَتْ" (پس آپ وہاں نماز پڑھتیں اور دعا مانگتیں اور روتیں حتی کہ فوت ہونے تک ایسا کرتی رہیں۔)
- حضرت علیؓ سے بھی روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ اپنے چچا سید حمزہ کی قبر کی زیارت ہر جمعہ کے دن کرتیں پس نماز پڑھتیں اور ان کے نزدیک رویا کرتیں۔

(وفاءالوفاء، جزء۳، ص۱۱۱)

- خود سرورِ دوعالم ﷺ جنت البقیع تقریباً ہر ہفتہ تشریف لے جاتے وہاں جاکر ان کی مغفرت کی دعا کرتے تھے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

"کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ کُلَّمَا کَانَتْ لَیْلَتِیْ مِنْہُ یَخْرُجُ مِنْ آخِرِ اللَّیْلِ اِلَی الْبَقِیْعِ فَیَقُوْلُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ۔۔۔الخ"

ترجمہ: "جب میری رات ہوتی آپ رات کے آخری حصہ میں جنت البقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور فرماتے "السلام علیکم اے مومنوں کی قوم"۔

- کیا یہ سب کچھ بلا حقیقت تھا؟ اگر قبروں میں کچھ نہیں ہوتا تو پھر رسول اللہ ﷺ جو کہ خالقِ کائنات کے خلیفہ اور نائب اور نمائندہ ہیں، آپ ﷺ قبرستانوں میں کیوں تشریف لے جاتے۔ کیا نبی عبث اور بلا حقیقت عمل بھی کرتے ہیں؟
- ام المومنین سیدہ عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کی قبرِ انور اور اپنے والد کی قبر انور پر بلا حجاب حاضر ہوا کرتی اور سلام پیش کرتی تھیں مگر جب حضرت عمرؓ کی قبر بن گئی، آپ حجاب کے ساتھ حاضر ہوتیں۔ آپ سے جب پوچھا گیا، آپ نے فرمایا، سرورِ

دو عالم ﷺ میرے شوہر تھے اور ابو بکر الصدیق میرے والد تھے ان سے حجاب نہیں تھا مگر عمر میرے لئے غیر محرم تھے، اس لئے میں حجاب کے ساتھ حاضری دیتی ہوں۔ (کتب حدیث)

- معلوم ہوا سیدہ عائشہؓ کا عقیدہ تھا کہ اہل قبور زائرین کو دیکھتے اور ان کی باتیں سنتے ہیں اور آپ کے عمل سے معلوم ہوا، اہل قبور کی زیارت جائز ہے۔
- ان احادیث سے معلوم ہوا انبیاء عظام اور اولیاء کرام کی زندگیاں شہداء کی زندگیوں کی طرح وفات کے بعد دنیاوی زندگیوں سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہیں۔ وفات کے بعد ان کی قوت باصرہ اور سامعہ اور آفاق عالم میں آناً فاناً حسب ارادہ آنا جانا اور دور اور نزدیک سے سننا زائرین کو پہچاننا اور ان کا کلام سننا اور جواب دینا، دعا کرنا سب امور قرآن اور احادیث سے ثابت ہیں۔
- الحاصل، سرورِ دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد حیات پر امت کا اجماع ہے۔

آپ ﷺ کی حیات واقعات کے تناظر میں:

- یحییٰ نے کہا، مجھے ہارون ابن عبدالملک نے بیان کیا کہ خالد بن ولید اموی گورنر مدینہ (جنہیں ابن مطہرہ کہا جاتا تھا) جمعہ کے دن رسول اللہ ﷺ کے منبر پر کھڑے ہو کر کہنے لگا، جناب رسول اللہ ﷺ نے علی ابن ابی طالب کو یمن کا عامل اور گورنر بنایا تھا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ علی خائن ہے مگر ان کی بیٹی (سیدہ) فاطمہ نے سفارش کی تھی، اس لئے سرورِ دو عالم ﷺ نے انہیں عامل بنا دیا تھا۔ داود ابن قیس ریاض الجنۃ میں بیٹھے تھے، کھڑے ہوئے اور کہا "اُسّ" (تو نے جھوٹ بولا) علی خائن نہیں تھے۔ لوگوں نے فوراً اس کی قمیص کو پکڑا اور اتنا کھینچا کہ قمیص پھٹ گئی اور بٹھا دیا تاکہ ظالم خالد آپ کو تکلیف نہ پہنچائے۔ ہارون جو اس منظر کو دیکھ رہے تھے، کہتے ہیں، میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ کی قبر انور سے

مبارک ہاتھ ظاہر ہوا اور آواز آئی "كَذَبْتَ يَا عَدُوَّ اللهِ كَذَبْتَ يَا كَافِرُ" ترجمہ: "اے گورنر، اللہ تعالیٰ کے دشمن! تو نے جھوٹ بولا، اے کافر! تو نے جھوٹ بولا۔" یہ آواز کئی مرتبہ بار بار آتی رہی۔

- چونکہ ابن مطہرہ نے سرورِ دو عالم ﷺ پر خائن کو عامل بنانے کا الزام لگایا اس لئے وہ کافر ہو گیا تھا اور قبر سے آواز "يَا كَافِرُ" آتی رہی۔
- حضرت عثمان بن عفانؓ کو محاصرہ کے دوران مشورہ دیا گیا کہ آپ شام چلے جائیں۔ آپ نے جواب دیا:

"لَنْ اُفَارِقَ دَارَ هِجْرَتِيْ وَ مُجَاوَرَةَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فِيْهَا"

ترجمہ: "میں اپنی ہجرت کی جگہ اور سرورِ دو عالم ﷺ کی مجاورۃ نہیں چھوڑوں گا۔" آپ نے قبر کا لفظ نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی مجاورۃ کا لفظ استعمال کیا۔

- معلوم ہوا آپ کا عقیدہ تھا کہ آپ ﷺ زندہ ہیں اور قبر انور میں ہیں۔ اس لئے کہا، ان کا پڑوس ترک نہیں کروں گا۔
- واقعہ حرّہ میں تین دن تک مسجد الرسول ﷺ میں نماز نہ ہوئی اور بالکل خالی ہو گئی۔ شامی دہشت گردوں نے مسجد میں گھوڑے باندھے ہوئے تھے۔ حضرت سعید ابن المسیب مسجد میں چھپے رہے۔ وہ فرماتے ہیں، ہر نماز کے وقت آپ ﷺ کی قبر انور سے آذان اور اقامت کی آواز آتی تھی اور میں نماز ادا کرتا تھا۔ اگر آپ ﷺ قبر میں نہیں ہیں تو آواز کس طرح آتی تھی۔ آجکل سعودی مطوع اور مطوعات لوگوں کو درس دیتے ہیں، یہاں قبر میں کچھ نہیں ہے۔

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ

- اس سلسلہ میں حضرت بلالؓ کا قصہ مشہور ہے۔ ابن عساکر نے جید سند کے

ساتھ حضرت ابوالدرداء سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر ابن الخطاب بیت المقدس فتح کرکے واپس جابیہ پہنچے۔ حضرت بلال ابن رباح نے عرض کیا کہ مجھے شام میں رہنے کی اجازت دے دیں۔ حضرت عمر نے اجازت دے دی۔ داریا مقام نامی جگہ پر وہ اترے اور رہائش اختیار کرلی۔ ایک دن حضرت بلال نے خواب میں سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مَا هٰذِهِ الْجَفْوَةُ يَا بِلَالُ؟" (اے بلال! یہ کیا بے وفائی ہے؟) "اَمَا اٰنَ لَكَ اَنْ تَزُوْرَنِيْ يَا بِلَالُ؟" (کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تو میری زیارت کیلئے آئے اے بلال!) حضرت بلال حزن اور خوف کے ساتھ بیدار ہوئے۔ سواری پر بیٹھے اور مدینہ کیلئے روانہ ہوگئے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر سرورِ دوعالم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے۔ قبر پر روتے رہے اور قبر کے قریب مٹی پر مرغ بسمل کی طرح تڑپتے رہے اور قبر انور پر چہرہ ملتے رہے۔ اسی دوران حضرت حسنؓ اور حسینؓ تشریف لائے۔ بلال انہیں گلے لگا کر ان کے بوسے لیتا رہا۔ امام حسنؓ اور امام حسینؓ نے فرمایا، ہماری خواہش ہے کہ ہم آپ کی آذان کی وہ آواز سنیں جو اذان مسجد میں جناب رسول اللہ ﷺ کیلئے دیا کرتے تھے۔ حضرت بلال اذان کیلئے تیار ہوگئے۔ مسجد کی چھت پر چڑھے اور اسی جگہ کھڑے ہوئے جس جگہ آپ ﷺ کے وقت آذان کیلئے چھت پر کھڑے ہوتے تھے۔ جب بلالؓ نے "اَللّٰهُ اَكْبَرُ" کہا تو مدینہ گونج اٹھا۔ جب بلال نے "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" کہا تو مدینہ میں ارتعاش زیادہ ہوگیا۔ جب بلالؓ نے "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہا لوگ جمع ہوگئے حتیٰ کہ باپردہ خواتین اپنے گھروں سے باہر آگئیں۔ کہا جاتا ہے آپ ﷺ کے وصال کے بعد اس دن سے زیادہ رونے والے مرد اور رونے والی عورتیں کسی دن نہیں دیکھی گئیں۔ ایک روایت میں ہے، حضرت بلالؓ شدتِ غم سے اذان پوری نہ کرسکے۔

یعنی آپ کو "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کہنے کے بعد آگے اذان پڑھنے کی ہمت نہ رہی۔

- اس واقعہ سے معلوم ہوا سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت کیلئے سفر کرنا جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا آپ قبرِ انور میں موجود ہیں اور صحابہ کرام کا اس پر اتفاق ہے۔ اگر آپ ﷺ کا وجود مبارک قبر انور میں نہ ہوتا تو صحابہ کرام زیارت کیلئے مدینہ منورہ کی طرف سفر نہ کرتے۔
- حضرت عمر ابن عبدالعزیز ہر سال شام سے ایک آدمی کو مدینہ منورہ بھیجا کرتے تھے تاکہ ان کی طرف سے آپ ﷺ کو سلام پیش کرے۔ آدمی سلام پیش کرکے واپس شام لوٹ جاتا تھا۔ اس کا دوسرا کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔
- شام کی فتوحات میں حضرت عمرؓ نے جب اہلِ بیت المقدس سے مصالحت کرلی، کعب الاحبار آپ کے پاس آیا اور اسلام قبول کرلیا۔ حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے۔ آپ نے کعب احبار سے فرمایا:

"هَلْ لَكَ اَنْ تَسِيْرَ مَعِيَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَ تَزُوْرَ قَبْرَ النَّبِيِّ ﷺ وَ تَمَتَّعَ بِزِيَارَتِهٖ؟ فَقَالَ نَعَمْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ...الخ" (وفاء الوفاء)

ترجمہ: "کیا آپ ہمارے ساتھ مدینہ چلتے ہو تاکہ نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت کریں اور آپ ﷺ کی زیارت سے نفع اٹھائیں؟ حضرت کعب احبار نے عرض کیا، ہاں! یا امیر المومنین۔) جب حضرت عمرؓ مدینہ واپس آئے، آپ نے پہلے مسجد میں حاضری دی اور پھر سرورِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کیا پھر گھر تشریف لے گئے۔"

- معلوم ہوا صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت کیلئے شام یا کسی دوسرے دور دراز علاقوں سے سفر کرنا جائز ہے اور انبیاء کرام اپنی قبروں میں

حیات ہیں۔ آپ کے ساتھ کعب احبار بھی شام سے مدینہ منورہ سرورِ دوعالم ﷺ کی زیارت کیلئے حاضر ہوا۔ کعب احبار تورات اور انجیل کا حافظ تھا اور یہود کا بہت بڑا عالم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس کا عقیدہ بھی وہی تھا جو حضرت عمرؓ کا تھا۔

• حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جب بھی کسی سفر سے واپس آتے، پہلے قبرِ انور پر حاضری دیتے اور عرض کرتے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَابَكْرٍ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَتَاهُ'' (عبدالرزاق نے اسے روایت کیا) (وفاء الوفاء)

• حضرت نافع سے ایک آدمی نے پوچھا، کیا عبداللہ ابن عمر قبر انور پر سلام کرتے تھے؟ آپ نے کہا، ہاں میں نے ایک سو یا ایک سو سے زائد مرتبہ ان کو دیکھا وہ قبر کے قریب کھڑے ہوئے ''اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ'' اور ''اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِيْ بَكْرٍ'' اور ''اَلسَّلَامُ عَلٰى اَبِيْ'' پیش کرتے تھے۔ (وفاء الوفاء بحوالہ رواہ ابن عون)

• مسند ابو حنیفہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے، آپ نے فرمایا، سنت یہ ہے کہ تو قبر النبی ﷺ کے قریب قبلہ کی جانب سے آئے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے اور قبر انور کی طرف اپنا چہرہ کرے اور کہے ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' (وفاء الوفاء)

• امام سمہودی فرماتے ہیں، صحابی اگر کسی عمل کو سنت کہے تو اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی سنت ہوتی ہے اور وہ مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے لہٰذا زیارت کا ذکر کردہ طریقہ جناب رسول اللہ کی سنت ہے۔

• امام احمد نے روایت کیا کہ داؤد بن ابی صالح نے کہا، ایک دن مروان قبر انور پر آیا، دیکھا کہ ایک شخص نے اپنا چہرہ قبر انور پر رکھا ہوا ہے۔ مروان نے اس آدمی کی گردن سے پکڑا اور کہا، کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے؟ وہ شخص مروان کی طرف

متوجہ ہوا اور فرمایا:

''نَعَمْ اِنِّيْ لَمْ آتِ الْحَجَرَ اِنَّمَا جِئْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ لَا تَبْكُوْا عَلَى الدِّيْنِ اِذَا وَلِيَهٗ اَهْلُهٗ وَلٰكِنِ ابْكُوْا عَلَى الدِّيْنِ اِذَا وَلِيَهٗ غَيْرُ اَهْلِهٖ'' (وفاء الوفاء، ص ۱۸۴)

ترجمہ: ''ہاں بیشک میں پتھر کے پاس نہیں آیا، بیشک میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں اور پتھر کے پاس نہیں آیا۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا، دین پر اس وقت نہ رؤو جب اس کے اہل دین کے متولی ہوں اور دین پر اس وقت رؤو جب غیر اہل دین پر مسلط ہوں۔'' (یہ آدمی حضرت ابوایوب انصاریؓ تھے)۔

• ابوداؤد نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا، جیسا کہ امام سبکی نے فرمایا، حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَا مِنْ اَحَدٍ يُّسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ حَتّٰى اَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ'' (وفاء الوفاء، ص ۱۷۷، ج ۴)

• ترجمہ: ''کوئی ایک مجھے سلام نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف مبذول فرماتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔''

سلام کے جواب دینے والی احادیث کے ظاہری تعارض اور اس تعارض کا جواب:

• احادیث میں صلاۃ و سلام کے سننے اور اس کے جواب کے متعلق دو قسم کی حدیثیں مروی ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ حاضر اور غائب سلام کرنے والے کا سرورِ دوعالم ﷺ سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں۔ جیسا کہ ابوہریرہ کی حدیث میں مطلق ذکر ہے کہ کوئی شخص کہیں ہو وہ سلام بھیجے، میں اس کا جواب خود دیتا ہوں۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ جو شخص میری قبر پر حاضر ہو کر سلام کہتا ہے اس کا

سلام سنتا ہوں اور اس کا میں جواب دیتا ہوں اور جو غائب ہوتا ہے اس کا سلام مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک جماعت نے روایت کیا ''مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُہٗ وَ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ غَائِبًا بُلِّغْتُہٗ'' (وفاء الوفاء) (جو شخص میری قبر کے قریب صلاۃ بھیجتا ہے اس کو میں سنتا ہوں اور جو شخص دور سے میرے اوپر صلاۃ بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ ایک روایت اس طرح ہے ''مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ رَدَدْتُ عَلَیْہِ وَمَنْ صَلّٰی عَلَیَّ فِیْ مَکَانٍ آخَرَ بَلِّغُوْا مِنْہُ'' (وفاءالوفاء) (جو شخص میری قبر کے نزدیک صلاۃ بھیجتا ہے، اس کا میں جواب دیتا ہوں اور جو شخص کسی دوسرے مکان سے سلام بھیجتا ہے، فرشتے اس کی صلاۃ مجھے پہنچاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے ایک روایت ہے ''مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ عِنْدَ قَبْرِیْ وَکَّلَ اللّٰہُ بِھَا مَلَکًا یُبَلِّغُنِیْ وَ کُفِیَ اَمْرُ آخِرَتِہٖ وَ کُنْتُ لَہٗ شَھِیْدًا وَ شَفِیْعًا'' (وفاءالوفاء) (جو شخص میری قبر کے نزدیک صلاۃ بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اس صلاۃ کے ساتھ فرشتہ کو وکیل بناتا ہے، وہ فرشتہ مجھے صلاۃ پہنچاتا ہے اور اس آدمی کی آخرت سے وہ صلاۃ کفایت کرے گی اور میں اس کیلئے شفیع اور شہید ہوں گا۔) اور ایک روایت ''مَا مِنْ عَبْدٍ یُسَلِّمُ عِنْدَ قَبْرِیْ اِلَّا وَکَّلَ اللّٰہُ ...الخ'' (وفاء الوفاء) (کوئی عبد میری قبر کے نزدیک سلام نہیں کہتا مگر اللہ تعالیٰ کا فرشتہ جس کی سلام پہنچانے کی ڈیوٹی ہے، وہ مجھے سلام پہنچاتا ہے۔)

- بظاہر احادیث میں تعارض ہے۔ بعض احادیث میں ہے کہ قبر کے نزدیک پیش کردہ سلام اور صلاۃ آپ بلاواسطہ سنتے ہیں، درمیان میں فرشتے نہیں ہوتے اور اس کا جواب بھی آپ ﷺ دیتے ہیں اور بعض احادیث میں ہے کہ قبر کے نزدیک پیش کردہ صلاۃ و سلام آپ تک فرشتے پہنچاتے ہیں اور اس صلاۃ و سلام کا جواب آپ مرحمت فرماتے ہیں۔ اسی طرح دور سے صلاۃ و سلام پیش کرنے کیلئے

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ براہِ راست صلاۃ و سلام سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے پہنچاتے ہیں۔ ہمارے علماء نے اس تعارض کے ازالہ کیلئے متعدد جوابات دیئے ہیں۔

- امام نورالدین سمہودی فرماتے ہیں، سلام کے دو نوع ہیں، ایک یہ کہ سلام بطور دعا ہو خواہ غیب کے صیغوں کے ساتھ ہو یا خطاب کے صیغوں کے ساتھ ہو۔ جیسے ''صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ'' اور ''اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' خواہ صلاۃ اور سلام کہنے والا حاضر ہو یا غائب ہو، یہ صلاۃ و سلام بطور دعا آپ ﷺ کے ساتھ خاص ہے۔ کسی دوسرے نبی یا امام یا ولی کیلئے بلاواسطہ سرورِ دوعالم ﷺ جائز نہیں ہے۔
- دوسری قسم یہ کہ سلام بطور تحیۃ اور انشاء ہو۔ جس طرح ایک ملنے والا دوسرے مسلمان کو سلام کرتا ہے۔ وہ شخص جو آپ ﷺ کی قبر انور پر حاضری دیتا ہے، اس کا سلام زائر اور ملاقات کرنے والے کا ہوتا ہے۔ یہ سلام آپ ﷺ کے ساتھ خاص نہیں۔ یہ سلام ہر مسلمان کو براہِ راست کیا جاسکتا ہے جیسا کہ عام مسلمان ایک دوسرے کو کرتے ہیں۔
- لہٰذا وہ صلاۃ و سلام جو قبر انور کی زیارت کے وقت بطور انشاء حاضری کے بعد کیا جاتا ہے اس کو سرورِ دوعالم ﷺ خود سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں۔ درمیان میں فرشتوں کا واسطہ نہیں ہوتا اور جو صلاۃ و سلام بطور دعا پیش کیا جائے۔ مثلاً کہا، ''اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمتیں نازل ہوں اور آپ پر سلامتی ہو'' ایسا سلام فرشتے آپ کو پہنچاتے ہیں۔ اور یہی فرق غائب سے صلاۃ و سلام پیش کرنے کا ہے۔ لہٰذا احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔
- بعض علماء نے فرمایا، اشخاص کے اخلاص اور مرتبے کے لحاظ سے فرق ہوتا

ہے۔ جو لوگ محبت اور اخلاص کے ساتھ درود بھیجتے ہیں ان کا صلاۃ و سلام سرورِ دو عالم ﷺ خود سنتے ہیں اور خود جواب دیتے ہیں خواہ قریب ہوں یا بعید اور جن کا اخلاص اور محبت کم ہوتی ہے اس کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں خواہ وہ قریب ہوں۔

• چنانچہ پیر ممتاز احمد صابری چشتی دامت برکاتہم العالیہ اپنے شیخ پیر مرشد کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ مولانا اشرف علی تھانوی حضرت فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی ولی کامل کی زیارت کیلئے گئے۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے پوچھا، کیا بارگاہِ نبوی میں پیش کیا گیا صلاۃ و سلام خود آپ ﷺ سنتے ہیں یا فرشتے پہنچاتے ہیں؟ آپ نے برجستہ فرمایا، اے مولوی اشرف علی آپ جیسوں کا صلاۃ و سلام فرشتے پہنچاتے ہیں اور میرے جیسوں کا صلاۃ و سلام آپ خود سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔ اس پر مولوی اشرف علی تھانوی نہایت شرمندہ ہوا۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کی اہل سنت و جماعت کے علماء اور دیوبندی علماء دونوں جماعتوں کے لوگ زیارت کرنے جاتے تھے۔ آپ نہایت کامل بزرگ تھے۔

امام سبکی نے فرمایا سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت کے جواز پر قولی اور فعلی اجماع ہے:

امام سبکی نے فرمایا، آپ ﷺ کی زیارت کا عبادت اور قربت ہونا کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس سے ثابت ہے۔ چنانچہ:

• قرآن مجید میں ہے:

”وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔“ (النساء:۶۴)

ترجمہ: ”اور اگر انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کرلیا تھا، آپ کے پاس آتے، پس آپ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول ﷺ ان کیلئے

استغفار فرماتا، ضرور اللہ تعالیٰ کو تواب (توبہ قبول کرنے والا) رحم کرنے والا پاتے۔“

• اس آیت میں آپ ﷺ کے پاس آنے اور زیارت کرنے اور آپ کے پاس آکر استغفار کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور آپ کا ان کیلئے استغفار کرنے کی بشارت دی گئی ہے اور یہ مقام اور مرتبہ سرورِ دو عالم ﷺ کی وفات سے ختم نہیں ہوتا اور سرورِ دو عالم ﷺ کا جمیع مومنین کیلئے استغفار فرمانا ثابت ہے۔ قرآن مجید میں ”وَ اسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ“ (محمد ۱۹) (آپ اپنی امت کے ذنب اور مومنین و مومنات کے ذنب کیلئے استغفار کریں) جب آپ کی بارگاہ میں آنا اور امتی کا استغفار کرنا اور اس کیلئے سرورِ دو عالم ﷺ کا استغفار کرنا تینوں امور پائے گئے۔ یقیناً رحمت اور توبہ کا قبول کرنا بھی پایا جائے گا۔

• علمائے کرام نے اس آیت کریمہ کو آپ ﷺ کی حیات اور وفات دونوں کیلئے عام سمجھا ہے اور علماء نے فرمایا ہے، آپ کی زیارت کرنا اور آپ کے پاس جا کر استغفار کرنا اور تلاوت کرنا مستحب ہے۔

اعرابی کی حکایت:

• اس پر اعرابی کی ایک حکایت بہت زیادہ مشہور ہے۔ اکثر حج اور عمرہ کی کتابوں میں اس حکایت کو نقل کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ محمد ابن حرب الہلالی بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہو کر نبی کریم ﷺ کی قبر پر حاضر ہوا اور قبر انور کی محاذات میں بیٹھا تھا۔ اسی دوران ایک اعرابی (دیہاتی) آدمی حاضر ہوا اور قبر انور کی زیارت کے بعد اس نے عرض کیا ”یَا خَیْرَ الرُّسُلِ اِنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ عَلَیْكَ كِتَابًا صَادِقًا قَالَ فِیْهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ (تا) رَحِیْمًا۔“ (اے سب رسولوں سے بہتر بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ پر صادق کتاب نازل فرمائی جس

میں ہے، اور اگر انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا، وہ آپ کے پاس آجاتے۔ پس اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے اور رسول اللہ ﷺ ان کیلئے استغفار کرتا، وہ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا، رحم کرنے والا پاتے۔) بیشک میں تیرے رب سے اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہوئے آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ آپ کے ساتھ شفاعت طلب کرتے ہوئے استغفار کرتا ہوں۔ پھر رونے لگا اور یہ اشعار پڑھے:

یَا خَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُہٗ
فَطَابَ مِنْ طِیْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمُ
نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُہٗ
فِیْهِ الْعِفَافُ وَ فِیْهِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمُ

ترجمہ: "اے بہترین ان لوگوں کے جن کی ہڈیاں (اجسام) میدانوں میں دفن کئے گئے، پس خوشبودار ہو گئیں ان ہڈیوں (اجسام) کی خوشبو سے میدان اور ٹیلے۔ میری جان فدا ہو اس قبر کیلئے جس میں آپ ساکن ہیں۔ اس قبر میں عفت ہے اور اس میں جود اور کرم ہے۔"

- پھر اس شخص نے استغفار کیا اور واپس روانہ ہو گیا۔ محمد ابن حرب بیان کرتے ہیں۔ میں سو گیا، خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اِلْحَقْ بِالرَّجُلِ وَبَشِّرْہُ بِاَنَّ اللّٰهَ غَفَرَ لَهٗ بِشَفَاعَتِیْ" (جاؤ اس آدمی سے جا کر ملو اور اسے خوشخبری دو، اللہ تعالیٰ نے میری شفاعت سے اس کی مغفرت فرما دی ہے۔) محمد ابن حرب بیان کرتے ہیں، میں بیدار ہوا تو اس کی تلاش میں نکلا لیکن وہ مجھے نہ ملا۔ (وفاء الوفاء)
- صاحب وفاء الوفاء فرماتے ہیں، مصباح الظلام میں حافظ محمد بن موسیٰ نے ذکر

کیا کہ حافظ ابو سعید سمعانی نے حضرت علیؓ سے روایت کیا کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی تدفین کے تین دن بعد ایک اعرابی حاضر ہوا، "فَرَمٰی بِنَفْسِهٖ عَلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ ﷺ وَ حَثَا مِنْ تُرَابِهٖ عَلٰی رَأْسِهٖ وَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَسَمِعْنَا قَوْلَكَ وَ وَعَیْنَا عَنِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ مَا وَعَیْنَا عَنْكَ وَ کَانَ فِیْمَا اُنْزِلَ عَلَیْكَ وَ لَوْ اَنَّهُمْ الآیہ"

ترجمہ: "پس وہ اعرابی نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر گر گیا اور قبر انور کی مٹی اپنے سر میں ڈالی اور اس نے کہا، یا رسول اللہ! ہم نے آپ کا قول سنا اور اللہ سبحانہ سے وہ محفوظ کیا جو آپ سے ہم نے اقوال کو محفوظ کیا اور آپ پر جو نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے "وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا۔۔الآیہ" (النساء:٦٤) بیشک میں نے ظلم کیا۔۔۔الخ اور میں تیرے پاس آیا تھا کہ تو میرے لئے استغفار کرے "فَنُوْدِیَ مِنَ الْقَبْرِ اَنَّهٗ قَدْ غُفِرَ لَكَ" پس آواز دی گئی قبر سے بیشک تجھے بخش دیا گیا ہے۔

- یہاں تک امام سبکی نے قرآن مجید سے اس بات پر استدلال ذکر کیا کہ آپ ﷺ کی زیارت مستحب ہے جس کو صاحب وفاء الوفاء نے نقل کیا ہے۔
- یہ کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کیلئے خصوصاً اور عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کیلئے عموماً کثرت سے احادیث موجود ہیں۔

اجماع:

- قاضی عیاض نے ذکر کیا کہ نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت سنت ہے اور مجمع علیہا ہے اور ایسی فضیلت ہے جس کی ترغیب دی گئی ہے۔
- علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ مردوں کیلئے قبروں کی زیارت مستحب ہے جیسا کہ امام نووی نے ذکر کیا بلکہ بعض اہل الظواہر نے اسے واجب کہا، البتہ خواتین کیلئے عام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت میں اختلاف ہے۔ مگر سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ عورتوں اور مردوں

سب کیلئے آپ ﷺ کی زیارت مستحب ہے۔امام جمال الدیلمی نے اس پر دلیل یہ دی ہے کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے ''یُسْتَحَبُّ لِمَنْ حَجَّ اَنْ یَّزُوْرَ قَبْرَ النَّبِیِّ ﷺ'' (یہ کہ جس شخص نے حج کیا اس کیلئے سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر کی زیارت مستحب ہے۔اس عبارت میں عموم ہے خواہ حج کرنے والا مرد ہو یا عورت ہو) لٰہذا عورتوں کیلئے زیارت مستحب ہے۔ علامہ دمنھوری کبیر نے ذکر کیا، اولیاء اور صالحین اور شہداء کی قبروں کی زیارت بھی خواتین کیلئے مستحب ہے جس طرح مردوں کیلئے مستحب ہے۔

قیاس:

- یہ کہ خود سرورِ دو عالم ﷺ جنت البقیع اور شہداء احد کی قبروں کی زیارت کیلئے تشریف لے جاتے تھے۔ جب غیر النبی کی قبر کی زیارت مستحب ہے تو نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت بطریق اول مستحب ہے۔اس لئے آپ ﷺ کی تعظیم ہمارے اوپر واجب ہے اور آپ کے حقوق ہمارے اوپر واجب ہیں۔آپ کی زیارت آپ کی تعظیم اور تبرک حاصل کرنے کیلئے اور صلاۃ و سلام پیش کرکے رحمتیں حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے۔

زیارت کی اقسام:

- اول قبروں کی زیارت کبھی فقط آخرت کے تذکر کیلئے ہوتی ہے اور یہ مستحب ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے ''زُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّھَا تُذَکِّرُکُمُ الْاٰخِرَۃَ'' (قبروں کی زیارت کرو بے شک قبروں کی زیارت آخرۃ یاد دلاتی ہے۔)
- دوم کبھی قبروں کی زیارت اہل قبور کیلئے دعا کرنے کیلئے ہوتی ہے جیسا کہ سرورِ دو عالم ﷺ جنت البقیع اور شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔

- سوم کبھی قبروں کی زیارت اہلِ قبور سے برکت حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ ''قَالَ حُجَّۃُ الْاِسْلَامِ اَلْغَزَالِیُّ کُلُّ مَنْ یُتَبَرَّكُ بِمُشَاھَدَتِہٖ فِیْ حَیَاتِہٖ یُتَبَرَّكُ بِزِیَارَتِہٖ بَعْدَ مَوْتِہٖ وَ یَجُوْزُ شَدُّ الرِّحَالِ لِھٰذَا الْغَرْضِ۔'' (وفاء الوفاء) (ہر وہ شخص جس کی حیات میں اس کے مشاہدہ سے برکت حاصل کی جاتی تھی، ان کی موت کے بعد ان کی زیارت سے برکت کی جاتی ہے، اس غرض کیلئے ان کی قبر کی زیارت کیلئے سفر کرنا جائز ہے۔)
- چہارم۔ کبھی قبروں کی زیارت اہل قبور کا حق ادا کرنے کیلئے ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے ''آنَسَ مَا یَکُوْنُ الْمَیِّتُ فِیْ قَبْرِہٖ اِذَا زَارَہٗ مَنْ کَانَ یُحِبُّہٗ فِیْ دَارِ الدُّنْیَا'' (وفاء الوفاء) (میت اپنی قبر میں سب سے زیادہ خوش ہوتا ہے جب اس کی زیارت وہ شخص کرتا ہے جس کے ساتھ دنیا میں وہ محبت کرتا تھا) اور حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ''مَا مِنْ اَحَدٍ یَمُرُّ بِقَبْرِ اَخِیْہِ الْمُؤْمِنِ یَعْرِفُہٗ فِی الدُّنْیَا فَسَلَّمَ عَلَیْہِ اِلَّا عَرَفَہٗ وَرَدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ'' (کوئی ایک شخص اپنے مومن بھائی کی قبر سے نہیں گذرتا جس کو وہ دنیا میں جانتا تھا پس اس پر سلام کرتا ہے پس میت اس کو پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔) اور مرفوع حدیث ہے: ''مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَیْہِ فِیْ کُلِّ جُمُعَۃٍ اَوْ اَحَدِھِمَا کُتِبَ بَارًّا وَ اِنْ کَانَ قَبْلَ ذَالِكَ بِھِمَا عَاقًا'' (جو شخص اپنے دونوں والدین کی ہر جمعہ یا کسی ایک کی زیارت کرتا رہتا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ بار یعنی والدین کے ساتھ احسان کرنے والا لکھ دیتا ہے اگرچہ پہلے دنیا میں وہ والدین کا نافرمان تھا)۔
- امام سبکی فرماتے ہیں، سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر انور کی زیارت میں یہ چاروں معانی پائے جاتے ہیں جو کہ کسی دوسرے میں یہ چاروں معانی اکٹھے نہیں ہوتے لٰہذا آپ ﷺ کی زیارت کیلئے سفر کرنا مستحب اور عبادت ہے۔

حضور ﷺ کی زیارت کی قبر کی طرف نسبت کرنا مکروہ ہے:

- سوال: امام مالک سے مروی ہے کہ "زُرْنَا قَبْرَ النَّبِیِّ ﷺ" کہنا مکروہ ہے؟
- جواب: اسکی تاویل ابو عمران مالکی نے یہ فرمائی کہ امام مالک کے اس قول کا مفہوم یہ ہے، جب زیارت کہا جاتا ہے تو زیارت کا عمل اور اس کا ترک دونوں جائز ہوتے ہیں مگر سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر انور کی زیارت تو واجب ہے اس لئے "زرنا" کو امام مالک نے ناپسند فرمایا اور عبد الحق نے فرمایا، یعنی آپ کی زیارت سنن واجبہ سے ہے اور قاضی عیاض نے اس کی یہ تاویل فرمائی کہ زیارت کی آپ ﷺ کی قبر کی طرف نسبت کرنا مکروہ ہے بلکہ یوں کہا جائے "زُرْنَا النَّبِیَّ ﷺ" یعنی زیارت کی نسبت خود سرورِ دو عالم ﷺ کی طرف کی جائے تو مکروہ نہیں ہے کیونکہ حدیث شریفہ میں ہے "اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ" (اے اللہ! میری قبر کو بت عبادت کیا گیا نہ بنانا، اس قوم پر اللہ تعالیٰ کا سخت غضب ہوا جنہوں نے انبیاء کی قبروں کو سجدوں کی جگہ بنایا۔ یعنی امام مالک زیارت کے لفظ کی قبر کی طرف نسبت کرنے کو اس وجہ سے مکروہ سمجھتے ہیں تاکہ عبادت کا شبہ بھی نہ رہے جیسے کہ کہا جائے "عَبَدْنَا قَبْرَ النَّبِیِّ ﷺ" اور ابن رشد اس کی تاویل یہ کرتے ہیں، چونکہ قبر کا لفظ موتی میں استعمال ہوتا ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں، اس لئے زیارت کے لفظ کی قبر کی طرف نسبت کرنا مکروہ ہے۔ یعنی قبر النبی ﷺ نہیں کہنا چاہئے اور قبر کی نسبت نبی کریم کی طرف نہیں کرنی چاہئے۔
- معلوم ہوا جو بعض علماء اصحابِ بغض اور عناد امام مالک کے اس قول سے سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت کیلئے سفر کرنے کو ناجائز کہتے ہیں، غلط ہے۔ جیسا کہ کتاب اور سنت اور اجماع اور قیاس سے آپ کی زیارت کیلئے سفر کرنا ہم نے ثابت

کر دیا ہے۔ (وفاء الوفاء)

آپ ﷺ کی زیارت کیلئے سفر کرنا جائز ہے:

- "وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَلَمُوْا" میں لفظ "جَآءَ" سے اور "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ" اور "مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا" سے آپ کی زیارت کیلئے سفر کرنے کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔ جب ثابت ہے کہ زیارت قربت ہے اور قربت کا حاصل کرنا جائز ہے تو ثابت ہوا آپ کی زیارت کیلئے سفر کرنا جائز ہے اور شہدائے احد کی طرف آپ ﷺ کا تشریف لے جانا ثابت ہے تو آپ ﷺ کی قبر کی طرف بطریقِ اولیٰ سفر کرنا بھی جائز ہے اس لئے سلف اور خلف کا اجماع ہے کہ آپ کی زیارت کیلئے جانا ممنوع نہیں ہے۔

زیارت النبی ﷺ کے مخالفین کا ردّ:

- امام سمہودی مخالفین کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں، حدیث "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ" (الحدیث مشکوٰۃ) (ترجمہ: نہ باندھے جائیں کجاوے مگر تین مسجدوں کی طرف) کا معنی "لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلٰی مَسْجِدٍ اِلَّا اِلَی الْمَسَاجِدِ الثَّلٰثَۃِ" ہے۔ یعنی کسی مسجد کی طرف (زیادہ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے) سفر نہ کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف (مسجد الحرام اور مسجد الرسول ﷺ اور مسجد الاقصیٰ)۔ یعنی مستثنیٰ منہ مسجد ہے، اگر مستثنیٰ منہ مسجد نہ ہو بلکہ مطلق مواضع ہوں تو کسی دوسری جگہ کی طرف سفر کرنا جائز نہ ہوگا۔ لہٰذا عرفات کی طرف سفر اور جہاد کیلئے سفر اور دار الحرب سے دار الاسلام کی طرف سفر اور تجارت کیلئے سفر بھی ممنوع ہوں گے۔ (وفاء الوفاء)
- اس حدیث سے سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت کیلئے سفر کو ممنوع قرار دینا اور مسجد نبوی کیلئے سفر کو جائز قرار دینا نہایت ہی جہالت یا پھر بغض کی وجہ سے ہے۔

کیونکہ مسجد نبوی کو عظمت اور شرافت سرورِ دو عالم ﷺ کی طرف منسوب ہونے کی وجہ سے ہے۔ مسجد کیلئے سفر جائز ہو اور جس ذات کی وجہ سے مسجد کو عظمت حاصل ہوئی، ان کیلئے سفر کرنا ممنوع ہو، کیسی حماقت ہے! (محمد رفیق حسنی)

• حضرت ابو سعید خدری سے جب جبل طور جاکر نماز پڑھنے کا سوال کیا گیا، آپ نے فرمایا: "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا یَنْبَغِیْ لِلْمَطِیِّ اَنْ تُشَدَّ رِحَالُھَا اِلٰی مَسْجِدٍ یُبْتَغٰی فِیْہِ الصَّلٰوۃُ غَیْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ مَسْجِدِیْ ھٰذَا وَ الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی" (وفاء الوفاء) کہ (جناب رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا کہ کسی سواری کیلئے مناسب نہیں اس کے پالان اس پر کسی مسجد کی طرف باندھے جائیں جس میں جاکر نماز پڑھنا مقصود ہو مگر تین مسجدوں میں، مسجد الحرام اور میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔)

• معلوم ہوا مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی دوسری مسجد کی طرف اس وقت سفر منع ہے جب اس میں جاکر نماز پڑھنے کیلئے سفر کیا جائے یعنی اس اعتقاد کے ساتھ کہ فلاں مسجد میں فرض نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملے گا۔ کیونکہ فرض نماز کا ثواب ہر مسجد میں نفس مسجدیت کی وجہ سے برابر برابر ہوتا ہے۔ سوائے تین مساجد کے، ان میں نمازوں کا ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

• امام داودی نے ذکر کیا، اگر کسی شہر کے اندر فضیلت والی مسجدیں ہوں تو ان کی طرف جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ انہوں نے مسجد قباء کی مثال پیش فرمائی کہ وہ مدینہ منورہ کے اندر ہے۔ اس کی طرف خود سرورِ دو عالم ﷺ اور صحابہ کرام سفر کرتے رہے۔ لہٰذا شد رحال سے مراد وہ مساجد ہوں گی جو شہر سے خارج ہوں۔

• الحاصل۔ احناف فرماتے ہیں کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر انور کی زیارت

افضل مندوبات اور مستحبات سے ہے بلکہ واجبات کے قریب ہے۔ اسی طرح مالکیہ اور حنابلہ نے بھی تصریح کی ہے۔ امام سبکی نے سب مسالک اپنی کتاب "کتاب الزیارات" میں ذکر کئے ہیں۔ (وفاء الوفاء)

• مسئلہ: قاضی ابن کج حنفی نے فرمایا، اگر کوئی شخص نذر مانے کہ وہ سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر کی زیارت کرے گا، اس پر نذر کی وفاء واجب ہے اور آپ ﷺ کے علاوہ کسی کی قبر کی زیارت کی نذر مانی تو اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں، وفاء واجب ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں، وفاء واجب نہیں۔ چونکہ نذر میں بعض علماء کے نزدیک یہ شرط ہے کہ اس کی جنس سے شرعاً کوئی امر عبادت ہو اور وہ اعتکاف کی نذر میں وقوف عرفات کو پیش کرتے ہیں۔ وہ یہاں بھی کہیں گے سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر کی زیارت کی جنس سے آپ کی حیات میں آپ کی طرف ہجرت کا شرعاً واجب ہونا ہے۔ اس لئے سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کیلئے مانی گئی نذر پوری کرنا واجب ہے۔

• مسئلہ: اگر کوئی شخص سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت جانے والے کو کہے کہ میری جانب سے آپ کو سلام پیش کرنا، اس پر واجب ہے کہ سلام پیش کرے۔

آپ ﷺ کے ساتھ توسل اور آپ کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفیع لانے کا بیان:

• امام سمہودی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ کے وسیلہ سے استغاثہ اور نبی کریم ﷺ اور آپ کی وجاہت اور برکات سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت پیش کرنا انبیاء اور مرسلین اور سلف صالحین کا طریقہ ہے اور آپ کو شفیع بنانا واقع ہے۔ آپ کے عالم شہادت میں تشریف لانے سے پہلے اور آپ کے تشریف لانے کے بعد حیات دنیا میں اور آپ کے وصال کے بعد برزخ میں اور قیامت کے

عرصات میں شفیع ہونا احادیث سے ثابت ہے۔

● **پہلی حالت۔** اس سلسلہ میں انبیاء عظام علیہم السلام کے آثار وارد ہیں مگر ہم حاکم کی ایک روایت ذکر کرتے ہیں جس کو ایک جماعت نے نقل کیا ہے۔ حضرت عمر ابن الخطاب نے بیان فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جب حضرت آدم علیہ السلام نے خطا کا اعتراف فرمایا، انہوں نے عرض کیا "یَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ لِمَا غَفَرْتَ لِیْ" (اے میرے رب! محمد ﷺ کے حق کے سبب سے میری مغفرت فرما۔) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! "کَیْفَ عَرَفْتَ مُحَمَّدًا؟" اور کس طرح تو محمد ﷺ کو پہچانتا ہے جبکہ اسے میں نے ابھی پیدا نہیں کیا؟" حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے رب! جب تو نے مجھے اپنے ہاتھوں (قدرت) سے پیدا فرمایا اور میرے اندر اپنی روح پھونکی میں نے سر اٹھایا، میں نے عرش کے قوائم اور ستونوں پر دیکھا، لکھا تھا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" میں سمجھ گیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ دوسرے نام کو اس لئے ملایا کہ وہ تیرے لئے ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اے آدم! تو نے سچ کہا "اِنَّهٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ" (بیشک محمد ﷺ ساری خلق سے میرے لئے زیادہ محبوب ہے۔ جب تو نے ان کے حق کی وجہ سے سوال کیا، میں نے تجھے بخش دیا۔ فرمایا "لَوْ لَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ" (اگر محمد نہ ہوتے میں تجھے پیدا نہ کرتا)۔ (اس کو طبرانی نے روایت کیا۔) اور طبرانی نے یہ لفظ زائد لکھے "وَ هُوَ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ مِنْ ذُرِّیَّتِكَ" (اور وہ تیری اولاد میں آخری نبی ہیں۔) یہ توسل قبل الخلق کی مثال ہے۔

● اس جگہ امام سبکی نے فرمایا، جب اعمال صالحہ کے وسیلہ سے دعا اور سوال جائز ہے تو نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے دعا اور سوال بطریق اولیٰ جائز ہے۔ اعمال کے

وسیلہ کا ذکر حدیث غار میں تین اسرائیلی افراد کے اعمال کے ساتھ موجود ہے جو کہ مشہور ہے۔ (وفاء الوفاء)

● امام سبکی فرماتے ہیں، یہ عرف اور عادت ہے اگر کسی شخص کی دوسرے کے نزدیک قدر اور منزلت ہو اور دوسرے آدمی سے پہلے آدمی کے وسیلہ سے سوال کیا جائے تو وہ اپنے ذی قدر اور منزلت دوست کے اکرام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی دعا اور سوال قبول کر لیتا ہے اور کبھی کبھی دوسرے کے محبوب یا معظم کا ذکر بھی اجابت کا سبب بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے وقت اس کے محبوب کا وسیلہ اور ذکر اجابت کا سبب بن جاتا ہے اور خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَ ابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" (اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ طلب کرو) ثابت ہوا توسل جائز ہے اور توسل کو استغاثہ یا تشفع یا توجہ سے تعبیر کیا جائے، سب کا مفہوم ایک ہی ہے۔

● **دوسرا حال** یہ کہ آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ توسل حیات دنیا میں بعد الخلق ہو۔ چنانچہ امام نسائی اور ترمذی اور ایک جماعت نے اس حدیث کو روایت کیا کہ حضرت عثمان ابن حنیف بیان کرتے ہیں، ایک آدمی ضریر البصر (جس کی آنکھوں کی نظر ختم ہو جائے) آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا، آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے شفا عطا فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "اِنْ شِئْتَ دَعَوْتَ وَ اِنْ شِئْتَ صَبَرْتَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكَ" (اگر تو چاہے دعا کروں اور اگر تو چاہے صبر کرے اور صبر تیرے لئے بہتر ہے) اس صحابی نے عرض کیا، آپ دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جاؤ وضو کرو اور اچھا وضو کرو اور یہ دعا کرو "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ۔ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰی لِیْ۔ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔" (ترمذی

نے کہا، یہ حدیث حسن صحیح ہے) اور امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور ان کی روایت میں ہے "فَقَامَ وَ قَدْ اَبْصَرَ" پس کھڑا ہوا تو بیشک بصارت والا تھا اور ایک روایت میں ہے "فَفَعَلَ الرَّجُلُ فَبَرِءَ" (اس آدمی نے یہ عمل کیا اور بری ہو گیا)۔ یہ واقعہ توسل سرورِ دو عالم ﷺ کی دنیوی حیات میں ہوا۔

• **تیسری حالت** یہ کہ توسل آپ کی وفات کے بعد ہو۔ امام طبرانی نے کبیر میں اسی عثمان ابن حنیف سے روایت کیا، یہ کہ ایک شخص امیر المومنین حضرت عثمان ابن عفانؓ کے پاس کسی حاجت کیلئے جانا چاہتا تھا مگر حضرت عثمانؓ اس کی طرف توجہ نہیں فرماتے تھے اور اس کی حاجت میں غور نہیں فرماتے تھے۔ یہ شخص عثمان ابن حنیف کو ملا اور اس کو شکایت کی کہ حضرت عثمان توجہ نہیں فرماتے۔ ابن حنیف نے اسے کہا، جاؤ وضو خانہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں آؤ، دو رکعت نفل ادا کرو پھر کہو "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ ﷺ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ۔ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰی رَبِّكَ اَنْ تُقْضٰی حَاجَتِیْ" اور پھر اپنی حاجت کا ذکر کرو۔ وہ آدمی چلا گیا اور وضو کیا اور نفل ادا کئے اور یہ کلمات ادا کئے۔ پھر حضرت عثمان کے پاس دروازے پر حاضر ہوا تو بواب (سیکورٹی آدمی) آیا اس کے ہاتھ سے پکڑا اور اسے حضرت عثمانؓ کے پاس لے گیا اور حضرت عثمان کے ساتھ گدے پر بٹھایا۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، کیا حاجت ہے؟ اس نے اپنی حاجت کا ذکر کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کا کام کر دیا اور فرمایا، تو نے اپنی حاجت کا آج تک ذکر نہیں کیا، آئندہ کوئی حاجت ہو مجھے بتایا کریں۔ وہ آدمی حضرت عثمان سے واپس آیا اور عثمان ابن حنیف کو ملا اور کہنے لگا، "جَزَاكَ اللّٰهُ خَیْرًا" حضرت عثمان میری طرف توجہ نہیں فرماتے تھے اور میری حاجت میں غور نہیں فرماتے تھے حتی کہ میں نے آپ کو شکایت کی۔ ابن حنیف نے اس آدمی سے ذکر کیا، اللہ کی قسم!

میں نے آپ سے یہ کلام نہیں کیا مگر اس لئے کہ ایک مرتبہ سرورِ دو عالم ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور ایک نابینا شخص بھی حاضر ہوا۔ اس نے اپنی آنکھوں کے چلے جانے کی شکایت کی، اسے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر چاہے تو تیرے لئے دعا کروں اور اگر چاہے تو صبر کرے۔ اس شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مجھے پکڑنے والا کوئی نہیں اور مجھے مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جاؤ وضو کرو پھر دو رکعت نماز ادا کرو پھر ان کلمات اور دعوات کے ساتھ دعا کرو۔ ابن حنیف کہتے ہیں: "فَوَاللّٰهِ مَا تَفَرَّقْنَا وَ مَا طَالَ بِنَا الْحَدِیْثُ حَتّٰی دَخَلَ عَلَیْنَا الرَّجُلُ كَاَنَّهٗ لَمْ یَكُنْ بِهٖ ضُرٌّ قَطُّ" (رواہ البیہقی من طریقین بنحوہ)

ترجمہ: "پس اللہ تعالیٰ کی قسم ہم جدا نہیں ہوئے اور بات لمبی نہیں ہوئی حتی کہ وہ آدمی ہمارے پاس آیا، گویا اس کی آنکھوں میں کوئی ضرر نہیں تھا۔"

• امام سبکی فرماتے ہیں، ان آثار اور احادیث کو توسل کے سلسلہ میں ابن حنیف اور وہاں موجود صحابہ کرام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو زیادہ جانتے تھے، سمجھتے تھے۔

• حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علی کی والدہ کیلئے آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ آپ ﷺ ان کی قبر میں لیٹ گئے اور پھر فرمایا:

"اَللّٰهُ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ وَ هُوَ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ، اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ وَ وَسِّعْ عَلَیْهَا مَدْخَلَهَا بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔"

ترجمہ: "اے اللہ! وہ جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے، وہ ہمیشہ زندہ ہے، جس کیلئے موت نہیں ہے، میری ماں فاطمہ بنت اسد کیلئے مغفرت فرما اور اس کے مدخل یعنی قبر کو اس پر وسیع فرما اپنے نبی کے حق اور ان انبیاء

کے حق کے توسل سے جو پہلے گذر چکے ہیں۔ بیشک تو ارحم الراحمین ہے۔"

• اس حدیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی دنیوی حیات میں اپنی ذات سے وسیلہ پکڑا اور انبیاء کرام کے وصال کے بعد ان کی ذوات کے وسیلہ سے دعا فرمائی۔

• امام بیہقی اور ابن شیبہ نے اپنی اپنی صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا کہ حضرت عمر ابن الخطاب کی خلافت کے دور میں قحط پڑ گیا۔ ایک آدمی سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوا اور عرض کیا، "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِسْتَسْقِ اللّٰہَ لِاُمَّتِكَ فَاِنَّھُمْ قَدْ ھَلَکُوْا" (یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کریں اپنی امت کیلئے، پس بیشک وہ ہلاک ہو گئے ہیں۔) سرورِ دو عالم ﷺ اس کے خواب میں تشریف لائے اور فرمایا "اِئْتِ عُمَرَ فَاَقْرِئْہُ السَّلَامَ وَ اَخْبِرْہُ اَنَّھُمْ مُسْقَوْنَ وَ قُلْ لَہٗ عَلَیْكَ الْکَیْسُ اَلْکَیْسُ" (عمر کے پاس جاؤ اور انہیں میرا اسلام کہو اور اس کو خبر دو، بیشک لوگ بارش دیئے گئے ہیں اور عمر سے کہو، سمجھداری لازم پکڑو۔) وہ آدمی حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا، اس کی عمرؓ کو خبر دی۔ حضرت عمرؓ نے رو دیا اور کہنے لگا "یَا رَبِّ مَا اٰلُوْا اِلَّا مَا عَجَزْتُ مِنْہُ" (اے میرے رب! میں نے تقصیر نہیں کی مگر اس چیز سے جس سے میں عاجز تھا۔) روایت ہے، جس شخص نے خواب دیکھا تھا اس کا نام بلال ابن الحارث صحابی تھا۔ (وفاء الوفاء)

• معلوم ہوا وصال کے بعد بھی سرورِ دو عالم ﷺ سے عرض کرنا کہ آپ دعا فرمائیں، صحابہ کرام کی سنت ہے اور صحابہ کرام کا معمول ہے۔

• اس سے پہلے گذر چکا ہے کہ ایک مرتبہ اہل مدینہ شدید قحط کے دوران ام المومنین سیدہ عائشہؓ کے پاس حاضر ہوئے اور شدید قحط کی شکایت کی۔ سیدہ عائشہ

نے فرمایا، آپ ﷺ کے حجرہ مبارکہ کی چھت سے سرورِ دو عالم ﷺ کی قبر انور کے محاذی سوراخ اور روشن دان بنالو حتی کہ آسمان اور قبر انور کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو، انشاء اللہ! بارش ہو جائے گی۔ چنانچہ اہل مدینہ نے چھت پر سوراخ کیا اور اسی وقت بارش شروع ہو گئی۔

• یہ بھی توسل کا ایک طریقہ تھا جس پر ام المومنین سیدہ عائشہؓ اور صحابہ کرام نے عمل کیا۔ آپ ﷺ کی قبر انور کے وسیلہ سے بارش عطا فرمادی۔ (وفاء الوفاء)

• توسل کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ سے شفیع بننے اور وسیلہ بننے کا سوال کیا جائے اور آپ قبول فرمالیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وسیلہ بن جانے اور نجات اور حصول مقاصد کیلئے سبب بن جانے کا اختیار اور قدرت عطا فرمادی ہے۔

• چنانچہ حضرت ربیعہ کا واقعہ اس پر شاہد ہے کہ جب سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، "سَلْ رَبِیْعَۃُ" (مانگو ربیعہ) حضرت ربیعہ نے عرض کیا، "اَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِی الْجَنَّۃِ" (میں جنت میں آپ کی رفاقت اور مصاحبت کا سوال کرتا ہوں۔) سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا، "اَوَ غَیْرَ ذَالِكَ؟" (اور کیا اس کے علاوہ بھی سوال ہے؟) حضرت ربیعہ نے عرض کیا، "ھُوَ ذَالِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" (بس یہی سوال ہے۔) آپ ﷺ نے فرمایا، "اَعِنِّیْ عَلَیَّ بِکَثْرَۃِ السُّجُوْدِ" (یعنی اے ربیعہ! آپ کو مرافقت اور مصاحبت عطا کر دی مگر کثرتِ سجود سے میری مدد کرنا) یعنی نماز نہ چھوڑنا۔

• معلوم ہوا سرورِ دو عالم ﷺ سے جنت میں رفاقت کا سوال کرنا جائز ہے اور انہیں عطا کرنے کی قدرت بھی دی گئی ہے۔

• چوتھی حالت یہ کہ قیامت کے دن آپ ﷺ وسیلہ اور شفیع بنائے جائیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے، اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی: اے عیسیٰ! محمد پر ایمان لاؤ اور اپنی امت سے کہو وہ ان پر ایمان لائیں۔ اگر محمد نہ ہوتے میں آدم کو پیدا نہ کرتا اور اگر محمد کو پیدا نہ کرتا جنت اور جہنم کو پیدا نہ کرتا۔ بیشک میں نے عرش کو پانی پر پیدا کیا، عرش حرکت کرتا تھا، اس پر میں نے لکھا "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" تو عرش ساکن ہو گیا۔ (وفاء الوفاء)

● قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت پر اجماع ہے کہ آپ ﷺ شفاعت فرمائیں گے۔ اس سلسلہ میں کثرت سے احادیث موجود ہیں۔

● ابن النعمان اور الحافظ ابو القاسم نے حضرت عباس عم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ استسقاء کا قصہ ذکر کیا ہے۔ حضرت انس ابن مالک بیان کرتے ہیں جب قحط پڑتا حضرت عمر، حضرت عباس ابن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارش کی دعا کیا کرتے تھے اور کہتے تھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّا کُنَّا اِذَا قُحِطْنَا تَوَسَّلْنَا اِلَیْكَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ فَاسْقِنَا قَالَ فَیُسْقَوْنَ۔" (وفاء الوفاء)

ترجمہ: "اے اللہ! جب ہم قحط میں پڑتے تھے، تیری طرف اپنے نبی کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے۔ پس تو بارش عطا فرماتا تھا اور بیشک ہم تیری طرف وسیلہ لاتے ہیں اپنے نبی ﷺ کے چچا (عباس) کو پس تو بارش عطا فرما۔ حضرت انس کہتے، پس بارش ہو جاتی تھی۔"

اور حضرت ابن عباس سے ایک روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے کہا:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَقِیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّكَ ﷺ وَ نَسْتَشْفِعُ بِشَیْبَتِهٖ فَسُقُوْا"

ترجمہ: "اے اللہ! بیشک ہم تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں تیرے نبی ﷺ

کے چچا کے ساتھ اور اس کے سفید بالوں سے ہم شفاعت طلب کرتے ہیں۔ پس بارش دیئے جاتے تھے۔"

● اسی سلسلہ میں عرب کا مشہور شاعر عباس ابن عقبہ کہتا ہے:

بِعَمِّیْ سَقَی اللّٰهُ الْحِجَازَ وَ اَهْلَهٗ
عَشِیَّةَ یَسْتَسْقِیْ بِشَیْبَتِهٖ عُمَرُ

ترجمہ: "میرے چچا کے ساتھ اللہ تعالیٰ حجاز اور اہل حجاز کو سیراب فرماتا ہے اس شام جس شام عمر آپ کے بڑھاپے کے وسیلہ سے بارش طلب کرتا ہے۔"

● اور حضرت عباس اپنی دعا میں کہتے تھے، "قَدْ تَوَجَّهَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْكَ لِمَكَانِیْ مِنْ نَبِیِّكَ ﷺ" (اے اللہ! قوم میرے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہے، تیرے نبی کے ساتھ میری قرابت اور مکانت کی وجہ سے۔)

● معلوم ہوا سرورِ دو عالم ﷺ کی قرابت اور نسبی رشتہ کی اہمیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت عمر فاروق کی شخصیت سے زیادہ ہے اسی لئے حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کے وسیلہ سے دعا کیا کرتے تھے۔ (محمد رفیق حسنی)

● حضرت عمرؓ کے قول "اَللّٰهُمَّ اِنَّا کُنَّا اِذَا قُحِطْنَا تَوَسَّلْنَا اِلَیْكَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِیْنَا" سے معلوم ہوا صحابہ کرام سرورِ دو عالم ﷺ کے وسیلہ سے دعائیں کیا کرتے تھے لہٰذا وسیلہ کا انکار گمراہی اور ضلال ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

باب آدابِ زیارت

- ✓ مدینہ منورہ کے فضائل
- ✓ مدینہ منورہ میں دعا قبول ہوتی ہے
- ✓ مکہ اور مدینہ زمین پر قائم سب شہروں سے افضل ہیں
- ✓ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانگی
- ✓ مسائل
- ✓ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت
- ✓ مدینہ منورہ میں قیام کے ایام کو غنیمت سمجھے

باب آدابِ زیارت

☆ ایک عام آدمی کی کیا مجال کہ سرور دو عالم ﷺ کی شان اعلیٰ میں لب کشائی کرے جیسے کہ کسی نے کہا ہے:

ہزار بار بشویم دہن بمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

ہزار مرتبہ میں اپنی زبان مشک و گلاب سے دھولوں۔ تب بھی آپ کا اسم گرامی زبان پر لانا کمال بے ادبی ہے۔ ''چہ نسبت خاک را با عالم پاک'' خاک کو پاک اور قدسی ذوات کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ حضرت حسان بن ثابت نے کہا تھا:

مَا إِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِي
لٰكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

(میں اپنے مقالہ کے ساتھ محمد ﷺ کی مدح نہیں کر رہا بلکہ میں اپنے مقالہ کی محمد ﷺ کی وجہ سے مدح کر رہا ہوں۔)

مگر کیا کریں اللہ تعالیٰ اور آپ ﷺ کا ذکر اگر اس وجہ سے نہ کریں کہ ہماری زبان اس قابل نہیں کہ ان کا ذکر کیا جائے تو پھر کہاں جائیں ناچار اور لاچار اللہ تعالیٰ اور آپ کا ذکر ہر آدمی کو کرنا ہے وہ بڑے کریم ہیں وہ قبول فرمائیں گے۔ ہر شخص کے اخلاص کی نسبت سے ان کی طرف سے کرم ہوتا ہے۔ سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا ابو بکر الصدیق کو نمازوں اور روزوں اور صدقات کی وجہ سے فضیلت نہیں دی گئی مگر اس اخلاص کی وجہ سے فضیلت دی گئی جو اس کے دل میں ہے، لٰہذا آدمی کتنا ہی گنہگار ہو وہ کرم فرماتے ہیں امید ہے ہماری یہ ادنیٰ سعی قبول ہوگی۔ قارئین سے گذارش ہے ہر جگہ اور ہر لمحہ دعا فرمائیں۔

خاک پائے اہل مدینہ
محمد رفیق الحسنی عفی عنہ

مدینہ منورہ کے فضائل

احادیث مبارکہ

☆ حدیث: بخاری اور مسلم میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''بے شک مدینہ منورہ بھٹی کی طرح ہے، اپنے اندر موجود لوگوں کے خبث کو دور کر دیتا ہے اور اپنے طیب کو خالص کر دیتا ہے۔'' (ہدایۃ السالک)

☆ حدیث : حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا آدمی اپنے ابن عم اور قریبی رشتہ دار کو بلائے گا کہ ادھر آجاؤ خوشحالی کی طرف، حالانکہ مدینہ ان کے لئے بہتر ہوگا، اگر وہ جانتے ہوتے۔ اس ذات کی قسم جس کی قدرت میں میری جان ہے، نہیں نکلے گا مدینہ سے اعراض کرتے ہوئے کوئی ایک مگر اللہ تعالیٰ مدینہ میں کوئی اس سے بہتر اس کی جگہ بھیج دے گا۔ خبردار! بے شک مدینہ مثل بھٹی کے ہے خباثت کو نکال دیتا ہے اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی، حتّٰی کہ مدینہ اپنے اندر شرارتوں اور شریروں کی نفی کر دے گا، جیسے کہ بھٹی لوہے کی خباثت کو دور کر دیتی ہے۔ (مسلم بحوالہ ہدایۃ السالک)

☆ حدیث : صحیح مسلم میں ہے بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ کی تکلیفوں اور شدائد پر میری امت میں سے کوئی ایک صبر نہیں کرے گا مگر میں قیامت کے دن اس کے لیے شفیع ہوں گا، یا شہید اور گواہ۔ (ہدایۃ السالک)

چنانچہ یزیدی دور میں بعض لوگوں نے واقعہ حرہ کے بعد مدینہ منورہ کی رہائش چھوڑنے کا ارادہ کیا، اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے اجازت طلب کی تو آپ نے انہیں یہی حدیث سنائی اور اجازت نہ دی۔

☆ حدیث : صحیح مسلم میں ہے جس شخص نے اہلِ مدینہ کے ساتھ سوء اور برائی کا ارادہ کیا اس کو اللہ تعالیٰ اس طرح پگھلا دے گا جس طرح نمک پانی میں، اسی طرح کی ایک حدیث بخاری میں بھی ہے۔ (ہدایۃ السالک)

☆ حدیث : صحیح مسلم میں ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا، بے شک ابراہیم علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کو حرم قرار دیا ہے اور بے شک میں مدینہ منورہ کو حرم قرار دیتا ہوں۔ اس کے دونوں کناروں کے درمیان کانٹے نہ کاٹے جائیں اور شکار نہ کیا جائے۔ (ہدایۃ السالک)

☆ حدیث : صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے لوگ جب پک جانے والا پہلا پھل اتارتے اس پھل کو جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس لے آتے، آپ ﷺ پھل لے کر فرماتے 'اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت فرما' اور ہمارے شہر میں برکت فرما' اور ہمارے صاع (ناپنے کے برتن) میں برکت فرما' اور ہمارے مد (وزن کا آلہ) میں برکت فرما۔ اے اللہ بے شک ابراہیم علیہ السلام تیرا عبد اور تیرا خلیل اور تیرا نبی ہے، اور بے شک میں تیرا عبد اور تیرا نبی ہوں اور بے شک ابراہیم علیہ السلام نے دعاء کی مکہ کے لیے اور میں دعاء کرتا ہوں مدینہ کے لئے۔ مثل اس (خیر و برکت) کے لیے جس (خیر وبرکت) کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے دعاء فرمائی، اور اس کے (دوہری) مثل کے ساتھ۔ ابوہریرہؓ نے فرمایا' پھر آپ اس آدمی کے چھوٹے بچے کو بلا کر وہ پھل بچے کو دے دیتے تھے۔' (ہدایۃ السالک)

☆ الحمدللہ آپ کی دعاء مقبول ہے، زائرین کو مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ سے دوگنا برکتیں اور رحمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ (رفیق حسنی)

☆ حدیث : حضرت معقل ابن یسارؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا، مدینہ میری ہجرت کی جگہ ہے اور اسی میں میری آخری آرام گاہ ہے اور اسی میں میرا بعث ہوگا، میری امت پر حق ہے مدینہ میں میرے پڑوسیوں کو ایذاء دینے سے اجتناب کریں جب تک اہلِ مدینہ (میرے پڑوسی) کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرتے رہیں اور جس شخص نے اہلِ مدینہ کی ایذاء اور تکلیف سے اجتناب کیا اس کے لئے قیامت کے دن میں گواہ یا شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ اور جس شخص نے اہلِ مدینہ کو اپنی ایذاء سے حفاظت نہ دی اسے طینۃ الخبال پلایا جائے گا۔ معقل ابن یسارؓ سے پوچھا گیا طینۃ الخبال کیا ہے؟ آپ نے فرمایا طینۃ الخبال اہلِ نار کے اجسام سے نکلنے والا پانی اور پیپ ہوگا۔ (ہدایۃ السالک)

☆ ابن جوزی نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ کی غبار مرض جذام سے شفاء ہے۔

☆ اور آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں میری قبر ہوگی، اس میں میرا گھر اور میری قربت ہے، ہر مسلم پر واجب ہے کہ مدینہ کی زیارت کرے۔ (ہدایۃ السالک)

☆ حدیث : آپ ﷺ نے فرمایا، ایمان مدینہ کی طرف واپس لوٹے گا جس طرح سانپ اپنے بِل کی طرف واپس لوٹتا ہے۔

☆ حدیث : بخاری اور مسلم شریف میں ہے مدینہ منورہ کے راستوں پر ملائکہ (مدینہ منورہ) کی حفاظت کے لیے مقرر ہیں، اس میں طاعون اور دجّال داخل نہ ہوگا۔ (ہدایۃ السالک)

☆ حدیث : مسلم شریف میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَۃِ ضِعْفَیْ مَا جَعَلْتَہٗ بِمَکَّۃَ مِنَ الْبَرَکَۃِ" اے اللہ مدینہ میں دوگنا کردے وہ برکتیں جو تونے مکہ میں برکتیں رکھی ہیں۔

(ہدایۃ السالک)

☆ فائدہ: مکہ مکرمہ پر مدینہ کی فضیلت کے استدلال میں مذکورہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے۔

☆ حدیث : آپ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے مدینہ کا نام یثرب لیا وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے یہ مدینہ طیبہ ہے۔

☆ فائدہ: کفر کے زمانہ میں مدینہ منورہ کا نام یثرب تھا، جس کا مفہوم ہلاکت اور ملامت کا بنتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس کا نام طیبہ ہے، یعنی پاکیزہ یا خوشبو والا شہر ہے۔ اس شہر کو یثرب نہ کہا جائے۔

☆ حدیث : حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کبھی بھی مدینہ منورہ میں آپ ﷺ واپس تشریف نہ لاتے، مگر آپ ﷺ کے چہرہ میں سُرور اور فرحت جھلک رہی ہوتی تھی۔ (ہدایۃ السالک)

☆ حدیث : آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے اہلِ مدینہ پر ظلم کیا اور انہیں خوف میں ڈالا، پس میں اسے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتا ہوں، اس پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور سارے لوگوں کی لعنت ہے اور اس کی فرض اور نفلی عبادتیں قبول نہیں کی جائیں گی۔ (ہدایۃ السالک۔ ص: ۹۰۱)

☆ حدیث : سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اپنی امت سے جن لوگوں کی شفاعت کروں گا، سب سے پہلے وہ اہلِ مدینہ اور اہلِ طائف ہوں گے۔ (ہدایۃ السالک)

☆ حدیث: آپ ﷺ نے فرمایا مدینہ منورہ میں رمضان دوسرے شہروں میں ہزار رمضانوں سے بہتر ہے۔

☆ فائدہ: علماء نے فرمایا: سرور دو عالم ﷺ کے جسم اقدس کا خمیر اور حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور اکثر صحابہ کرامؓ اور آلِ اطہار کے اجسام طاہرہ کے لئے مٹی

کا جوہر مدینہ منورہ سے لیا گیا۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے، "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى" (ترجمہ) اسی مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں اسی مٹی میں ہم لوٹائیں گے اور اسی سے تمہیں نکالیں گے دوسری مرتبہ۔ لہٰذا افضل اجسام کا امین اور اصیل ہونے کی وجہ سے مدینہ منورہ کو فضیلت حاصل ہے۔

☆ حدیث: "اِذَا قَضَى اللّٰهُ لِعَبْدٍ اَنْ يَّمُوْتَ بِاَرْضٍ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ حَاجَةً"۔ (ترجمہ) جب اللہ تعالیٰ فیصلہ فرماتا ہے کسی آدمی کے لئے کہ وہ اس زمین پر فوت ہو تو اللہ تعالیٰ اس آدمی کے لئے (اس زمین) کی طرف حاجت پیدا فرماتا ہے، لہٰذا وہ شخص اس زمین میں جا کر فوت ہوتا ہے اور اس کی قبر اسی زمین میں بنتی ہے۔

☆ حکیم ترمذی اس حدیث کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کیونکہ اس شخص کو اسی زمین سے پیدا کیا گیا تھا۔ پھر حکیم ترمذی نے یہی آیت بطور استدلال ذکر فرمائی اور فرمایا آدمی کو اس طرف لوٹایا جاتا ہے جہاں سے اس کی ابتداء کی گئی۔ (وفاءالوفاء)

☆ حکیم ترمذی نے نوادر میں ذکر کیا کہ میں نے زبیر ابن بکار سے سنا کہ بعض اہل مدینہ نے مدینہ کی فضیلت پر کتاب تصنیف کی اور بعض اہل مکہ نے مکہ کی فضیلت میں کتاب لکھی۔ دونوں میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ دوسرے پر غالب آ جائے، حتّٰی کہ مدنی مکی پر ایک بات میں غالب آ گیا، اور مکی جواب نہ دے سکا۔ مدنی نے کہا ہر نفس کو اس مٹی سے پیدا کیا گیا ہے' جس میں موت کے بعد اسے دفن کیا جاتا ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کی مٹی سے پیدا کیا گیا، لہٰذا آپ ﷺ کی مزار مبارک کو ساری زمین پر حتّٰی کہ مکہ پر بھی فضیلت حاصل ہو گئی۔ اس کی تائید میں صاحبِ وفاءالوفاء ذکر کرتے ہیں کہ حضرت ابو سعید خذریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر کے نزدیک سے گزرے، آپ نے دریافت فرمایا یہ

کس کی قبر ہے؟، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ یہ فلاں حبشی کی قبر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس کو اپنی زمین اور اپنے آسمان سے اس تربت کی طرف لایا گیا جس تربت سے اس کو پیدا کیا گیا تھا۔ (وفاءالوفاء)

☆ ابن جوزی نے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ محمد ﷺ کو پیدا فرمائے تو جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا، وہ آپ ﷺ کی قبر انور کی جگہ کی مٹی سے سفید جوہر ایک قبضہ (مٹھی) لے آئے۔ اسے ماء تسنیم سے گوندھا گیا، پھر اسے جنت کی نہروں میں دھویا گیا، اور اسے آسمان اور زمین میں لے جایا گیا، پس ملائکہ نے محمد ﷺ اور ان کی فضیلت کو آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے سے پہلے پہچان لیا تھا۔ (وفاءالوفاء)

☆ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ فوت ہوئے تو آپ کے دفن میں اختلاف پیدا ہوا کہ کہاں دفن کیا جائے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری زمین پر اس بقعہ زمین سے اکرم کوئی بقعہ نہیں جس پر رسول اللہ ﷺ نے وصال فرمایا، لہٰذا آپ کو یہاں ہی دفن کیا جائے۔ (وفاءالوفاء)

☆ معلوم ہوا آپ ﷺ کے جسد اقدس کی مٹی آپ کی قبر انور سے اٹھائی گئی تھی۔ اور اسی جگہ آپ کی آخری آرام گاہ بنی اس لئے امت کا اجماع ہے کہ آپ کی مزار انور کے قطعہ ارض سے افضل کوئی جگہ نہیں، حتّٰی کہ آپ کی مزار انور عرش عظیم سے بھی افضل ہے۔ (وفاءالوفاء)

☆ روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام کو زمین سے مٹی لانے کے لیے بھیجا، تو زمین نے انکار کر دیا، حتّٰی کہ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا، اس نے مٹی اٹھالی جب کہ ابلیس لعین نے اپنے قدموں سے زمین کو

مَس کیا تھا۔ کچھ زمین اس کے قدموں کے نیچے اور کچھ اس کے قدموں کے درمیان آگئی تھی۔ جب کسی نفس کو اس مٹی سے پیدا کیا گیا، جس کو ابلیس کے قدم نے مَس کیا تھا یا اس کے قدموں کے درمیان آگئی تھی، تو وہ نفس شر کا مادہ بن گیا، اور وہ مٹی جس کو ابلیس کے قدموں نے مَس نہیں کیا تھا اور نہ وہ اس کے قدموں کے درمیان واقع ہوئی تھی، وہ مٹی انبیاء اور اولیاء کا اصل بنی۔ (وفاء الوفاء)

مدینہ منورہ کے خصوصی فضائل:

خصوصی فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی مٹی میں شفاء ہے۔

☆ حضرت سعد سے مروی ہے کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے، راستہ میں آپ ﷺ سے ان لوگوں نے ملاقات کی جو غزوہ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے، ان کے چلنے سے راستہ کی غبار اٹھنے لگی، آپ ﷺ کے ساتھ چلنے والے کچھ لوگوں نے اپنے ناک کپڑوں سے ڈھانپ لیے، مگر آپ ﷺ نے اپنے چہرہ مبارک سے کپڑا ہٹا دیا اور فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے بے شک مدینہ کی غبار میں ہر بیماری سے شفاء ہے اور بعض روایات میں جذام اور برص کا ذکر ہے، کہ ان دو مرضوں سے شفاء ہے۔

☆ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تو نہیں جانتا کہ مدینہ کی عجوہ کھجور میں بیماریوں سے شفاء ہے اور مدینہ کی غبار میں جذام سے شفاء ہے۔

☆ صاحب کتاب حضرت سمھودی فرماتے ہیں، میں نے ایسے خوش نصیب لوگوں کو دیکھا جو جذام کے مرض سے مدینہ منورہ کی مٹی سے شفاء حاصل کرتے تھے۔ وہ وادی بطحان کے ساتھ سفید ٹیلے پر مسجد قباء کے راستہ میں چلے گئے، اس جگہ کی مٹی کو بدن پر لگایا، اور کچھ مٹی لا کر سونے کی جگہ بچھائی اور اس پر سوئے، تو

اللہ تعالیٰ نے جذام سے انہیں شفاء عطا فرمائی۔

☆ یحییٰ بن حسن علوی سے روایت ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ بنی حارث کے پاس تشریف لائے تو ان کا نیم بے ہوشی کی حالت میں سانس پھول رہا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا تمھیں کیا ہوا تمھارا سانس چڑھا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا ہمیں بخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تم لوگ صعیب جگہ پر کیوں نہیں گئے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہم صعیب جا کر کیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہاں سے مٹی لے آؤ، اور اس کو پانی میں ڈالو اور تمھارا ایک اس میں لعاب ڈالے اور یوں کہے:

"بِسْمِ اللّٰهِ تُرْبَةُ اَرْضِنَا بِرِيْقِ بَعْضِنَا شِفَاءُ مَرِيْضِنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا"

پس حسبِ ارشاد بنی حارث نے عمل کیا، ان کو بخار نے چھوڑ دیا۔

(وفاء الوفاء)

☆ علامہ سمھودی فرماتے ہیں میں نے اور میرے جاننے والے لوگوں نے خود تجربہ کیا کہ مدینہ کی مٹی میں شفاء ہے۔ فرماتے ہیں مجد نے ذکر کیا ایک بچے کو ایک سال سے بخار ہو رہا تھا، اسے مٹی والا پانی پلایا گیا اس دن سے بخار نے اسے چھوڑ دیا۔

☆ زرکشی سے نقل کرتے ہوئے ذکر کرتے ہیں، حرم نبوی کی مٹی کے نقل کرنے میں منع کرنے سے سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی تربت کو مستثنیٰ کیا جائے۔ کیونکہ سلف اور خلف سے سر کے درد کے لئے اس کا مفید ہونا ثابت ہے۔ لہٰذا حضرت حمزہؓ کی مزار کی مٹی اٹھانے سے منع نہ کیا جائے۔

☆ بعض لوگ بخار والے آدمی کو پانی میں خاکِ شفاء ملا کے غسل دیتے ہیں، اسے شفاء حاصل ہو جاتی ہے، بہتر یہ ہے کہ غسل بھی دیا جائے اور پانی پلایا جائے۔ بلکہ

بہتر یہ ہے کہ پانی میں مٹی ڈال کر مذکورہ الفاظ پڑھ کر پانی میں تھوک ڈالا جائے اور اسے استعمال کیا جائے۔

☆ روایت ہے حضرت ثابت بن قیسؓ بیمار تھے۔ آپ ﷺ عیادت کے لئے تشریف لائے، آپ ﷺ نے فرمایا "اَذْھِبِ الْبَاْسَ رَبَّ النَّاسِ" پھر آپ نے بطحاء کی مٹی پانی کے پیالے میں ڈالی اور فرمایا یہ پانی اس پر چھڑکو۔

☆ ان روایات سے ثابت ہوا، مدینہ منورہ کی خصوصی فضیلت یہ بھی ہے کہ مدینہ منورہ کی مٹی میں شفاء ہے۔

مدینہ منورہ کی کھجور میں بھی شفاء ہے:

☆ مسلم شریف میں حدیث ہے کہ جس شخص نے مدینہ منورہ کے دونوں کناروں کے درمیان پیدا ہونے والی کھجوروں سے سات عدد کھجوریں صبح صبح کھالیں اسے شام تک کوئی چیز ضرر نہ دے گی۔

☆ بخاری اور مسلم میں مروی ہے کہ عجوہ کھجور سے سات عدد کھجوریں صبح کھالیں اس دن اسے زہر اور جادو اثر نہیں کرے گا، اور اگر شام کو کھالے تو صبح تک کوئی چیز ضرر نہیں دے گی۔

☆ مسلم شریف میں مروی ہے، عالیہ (محلہ) کی عجوہ میں شفاء ہے۔ اور بے شک یہ عجوہ صبح (نہار منہ) کھالینے پر تریاق ہے۔

☆ امام احمد نے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا، تمھیں علم ہو کہ کماءۃ (جسے سرائیکی میں کھمبی کہا جاتا ہے) آنکھوں کی بیماری کی دواء ہے، اور عجوہ جنت کے پھلوں سے ہے۔

☆ سنن ابی داؤد میں ہے، حضرت سعد ابن وقاص بیان کرتے ہیں کہ میں بیمار ہو گیا، پس میرے پاس جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، میری عیادت فرمائی

اور ہاتھ مبارک میرے سینے پر دونوں پستانوں کے درمیان رکھا، حتیٰ کہ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دِل میں محسوس کی۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا بے شک تو دل کا مریض شخص ہے، تم حارث ابن کلدہ ثقیف کے بھائی کے پاس جاؤ وہ آدمی طبیب ہے۔ پس وہ مدینہ کی عجوہ کھجور سے سات عدد کھجور لے لے، پھر گٹھلی سمیت باریک کرلے، پھر تجھے کھلائے۔

☆ معلوم ہوا کہ عجوہ گٹھلی سمیت کھانے سے دِل کی بیماری میں شفاء ہوگی۔

☆ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا سے مروی ہے کہ آپ سر کے چکر والے مریض کو نہار منہ صبح عجوہ کھجوروں سے روزانہ سات کھجوریں کھانے کا حکم دیتی تھیں۔

☆ خطابی اور نووی بیان کرتے ہیں، عجوہ کھجوروں میں سحر اور زہر سے شفاء آپ ﷺ کی دعاء کی برکت سے ہے۔ اور سات کے عدد کی تخصیص کی وجہ خود سرورِ عالم ﷺ جانتے تھے، ورنہ طبعی لحاظ سے کھجوروں میں طبعاً سحر اور زہر سے شفاء نہیں ہے مگر شفاء کا اعتقاد رکھنا واجب ہے، کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے۔

☆ علامہ داؤدی نے فرمایا، عجوہ کھجوریں خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے کاشت کی تھیں، اور شاید کھجوروں کے چھوٹے پودے جو حضرت سلمان فارسی کے لیے فُقیر یا عالیہ محلہ میں سرورِ دوعالم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے کاشت فرمائے تھے، وہ بھی عجوہ کے اقسام سے تھی۔ آپ ﷺ کے چھونے سے اللہ تعالیٰ نے عجوہ کھجور کے پودے میں شفاء رکھ دی۔

☆ آج 2012ء میں حضرت سلمان فارسیؓ کے کھجوروں کا باغ نہیں رہا۔ موجودہ سعودی حکومت نے بلڈوزروں سے کھجوروں کے درخت جڑوں سے نکال کر جلادیئے ہیں۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

☆ کھجور کی دوسری قسم برنی کھجور ہے۔ ایک حدیث میں ہے، تمہاری کھجوروں سے بہتر برنی کھجور ہے۔ یہ بیماری کو نکال دیتی ہے اور اس میں بیماری نہیں ہے۔

☆ جناب سرورِ دو عالم ﷺ نے کھجوروں کی مطلق تعریف فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا، اے عائشہؓ جس گھر میں کھجوریں ہوں، اس گھر والے بھوکے نہیں کہلاتے۔

☆ طبرانی میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب سرور دو عالم ﷺ کے پاس پھلوں سے پہلا تیار پھل لایا جاتا تو آپ ﷺ اس پھل کو آنکھوں پر لگاتے، پھر دعاء فرماتے: "اَللّٰھُمَّ کَمَا اَطْعَمْتَنَا اَوَّلَہٗ فَاَطْعِمْنَا آخِرَہٗ" پھر گھر والوں کے بچے کو بلاتے اور وہ پھل اسے دے دیتے۔ اور ایک روایت میں ہے، آپ ﷺ اس پھل کو بوسہ دیتے اور آنکھوں پر لگاتے اور حضرت انس کی روایت میں ہے، تین مرتبہ دائیں آنکھ اور تین مرتبہ بائیں آنکھ پر رکھتے تھے۔

☆ علامہ سمھووی بیان کرتے ہیں کہ کھجوروں کے اقسام تقریباً ایک سو تیس سے اوپر ہیں۔ ان میں ایک کھجور کا نام صیحانی ہے یعنی آواز دینے والی، اس سلسلہ میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ میں ایک دن سرورِ دو عالم ﷺ کے ساتھ مدینہ منورہ کے باغوں میں چل رہا تھا اور حضرت علیؓ کا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں ہم ایک کھجور کے درخت سے گزرے تو کھجور سے آواز آئی، "ھٰذَا مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْاَنْبِیَاءِ وَ ھٰذَا عَلِیٌّ سَیِّدُ الْاَوْلِیَاءِ اَبُو الْاَئِمَّۃِ الطَّاھِرِیْنَ" پھر دوسرے درخت سے گزرے تو اس سے آواز آئی، "ھٰذَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَ ھٰذَا عَلِیٌّ سَیْفُ اللّٰہِ" اس پر رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے علیؓ اس کھجور کا نام 'صیحانی' رکھ دو، اس دن سے اس کھجور کو صیحانی کہا جانے لگا۔ (وفاء الوفاء)

مدینہ منورہ میں دعا قبول ہوتی ہے:

☆ مدینہ منورہ کے خصوصی فضائل سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی مزار انور کے نزدیک دعاء قبول ہوتی ہے، اور اسطوانہ مُخَلَّقَہ (حنانہ) کے نزدیک بھی دعاء قبول ہوتی ہے، اور منبر شریف کے نزدیک بھی دعاء قبول ہوتی ہے اور حضرت عقیل کے مزار کے قریب جنت البقیع میں بھی دعاء قبول ہوتی ہے اور مسجد اجابہ میں بھی دعاء قبول ہوتی ہے اور مسجد فتح میں بدھ کے دن ظہر کی نماز کے بعد دعاء قبول ہوتی ہے اور مسجد سقیا اور مسجد مصلیٰ میں دعاء قبول ہوتی ہے۔ (وفاء الوفاء)

☆ مدینہ منورہ کے خصوصی فضائل سے ایک یہ فضیلت بھی ہے کہ مسجد الرّسول ﷺ انبیاء عظام علیہم السلام کی بنائی گئی مساجد سے آخری مسجد ہے اور سب مساجد کی زیارت سے اس مسجد کی زیارت امت کے لیے زیادہ اہم ہے۔

☆ خصوصی فضائل سے ایک فضیلت یہ ہے کہ مدینہ منورہ کی مٹی کو جو شخص عیب لگائے وہ تعزیر کا مستحق ہے، امام مالک نے فتویٰ دیا اس شخص کے لیے جس نے مدینہ منورہ کی مٹی کو ردّی کہا، فرمایا کہ اسے تیس کوڑے مارے جائیں اور اسے جیل میں قید کر دیا جائے، جب تک توبہ نہ کریں، اسے جیل میں رکھا جائے۔

☆ مدینہ منورہ کے خصوصی فضائل سے ایک یہ ہے کہ محققین علماء کے نزدیک عازم حج اور عمرہ کے لیے پہلے مدینہ کی زیارت کرنا افضل ہے۔ کیونکہ اکثر صحابہ کرامؓ مدینہ منورہ کی حاضری کے بعد حج کے لئے جاتے تھے، تاکہ ان کا اِحرام اس میقات سے ہو جس میقات سے سرورِ دو عالم ﷺ نے احرام باندھا تھا۔ البتہ اگر وقت تنگ ہو تو پہلے حج کر لیا جائے، اور پھر مدینہ منورہ زیارت کے لئے حاضری دی جائے۔ (خلاصہ وفاء الوفاء)

☆ مدینہ منورہ کے خصوصی فضائل سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ رمضان

المبارک میں چھتیس رکعتیں فرضوں اور وتروں کے علاوہ ہر رات ادا کی جاتی ہیں۔ بیس رکعت تراویح اور سولہ رکعت نوافل۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں قرونِ سابقہ میں ہر چار رکعت تراویح کے بعد طواف کیا جاتا تھا۔ تراویح کے اوّل و آخر میں طواف نہیں کیا جاتا تھا۔ تو مدینہ منورہ میں طواف کے قائم مقام چار نفل پڑھ لئے جاتے تھے۔ آج ۱۴۳۱ ہجری میں بھی مکہ اور مدینہ دونوں جگہ تراویح کے بعد آخر میں سولہ رکعت نفل ادا کئے جاتے ہیں، طواف کا رواج نہیں رہا۔

☆ مدینہ منورہ کے خصوصی فضائل سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں موت واقع ہونے کی دعاء کے لئے ترغیب دی اور اس پر شفاعت اور گواہ ہونے کا وعدہ فرمایا، بلکہ مکہ مکرمہ میں موت واقع ہونے سے مدینہ منورہ میں موت واقع ہونے کو ترجیح دی، اور دعاء فرمائی، ”اے اللہ ! ہماری اموات مکہ مکرمہ میں نہ ہوں“ (وفاءالوفاء)

☆ مدینہ منورہ کے خصوصی فضائل سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ کی مدینہ منورہ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی زیادہ محبت تھی۔ چنانچہ بخاری اور مسلم شریف میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ یہ دعاء فرمایا کرتے تھے:

”اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَحُبِّنَا مَکَّۃَ اَوْ اَشَدَّ“

ترجمہ: اے اللہ ! ہمیں مدینہ کی ایسی محبت عطا فرما، جیسی مکہ کی ہے، بلکہ مکہ سے مدینہ منورہ کی محبت زیادہ شدید عطا فرما۔

☆ جامع ترمذی میں ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ جب کسی سفر سے واپس آتے تھے اور مدینہ منورہ کی دیواریں نظر آتی تھیں تو سواری کو تیز کر دیتے تھے، حتّٰی کہ آپ ﷺ کے مبارک شانوں سے چادر اتر جاتی تھی، اور فرماتے تھے، ”ھٰذِہٖ اَرْوَاحٌ طَیِّبَۃٌ“ یہ پاکیزہ خوشبوئیں ہیں۔ بعض مرتبہ دعاء فرماتے تھے، ”اَللّٰھُمَّ

رفیق المدینہ المنوّرہ

اجْعَلْ لَّنَا بِھَا قَرَارًا وَ رِزْقاً حَسَناً“ اے اللہ ! اس مدینہ میں ہمیں قرار اور رزق حسنہ عطا فرما۔ اور بعض مرتبہ مکہ سے دوگنا برکت کی دعاء فرماتے تھے۔

☆ ابن شبہ نے اخباءِ مدینہ میں حدیث روایت کی ہے کہ جب جناب سرورِ دوعالم ﷺ مکہ میں داخل ہوتے تھے تو دعاء کرتے، ”اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ مَنَایَانَا بِمَکَّۃَ حَتّٰی نَخْرُجَ مِنْھَا“۔ اے اللہ ہماری اموات مکہ میں نہ ہوں، حتّٰی کہ ہم اس سے نکل جائیں۔

مکہ اور مدینہ زمین پر قائم سب شہروں سے افضل ہیں:

☆ اس بات پر تو اجماع ہے کہ زمین پر موجود سب شہروں سے افضل مکہ اور مدینہ ہیں۔ البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے یا مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے افضل ہے۔

مگر اختلاف گنبد خضراء کے بقعہ مبارک کے ماسوا میں ہے۔ اس امر پر بھی اتفاق ہے کہ زمین کے وہ حصّے اور قطعات جن کے ساتھ سرورِ دوعالم ﷺ کے اعضاء مبارکہ مُلامس ہیں وہ حصّے اور قطعات باقی قطعات سے افضل ہیں۔ حتّٰی کہ کعبہ اور عرشِ عظیم سے بھی افضل ہیں۔ قاضی عیاض نے اس پر اجماع کا ہونا نقل کیا ہے۔ اور اس طرح اس امر پر بھی اجماع ہے کہ کعبۃ اللہ مزارِ انور کے سوا مدینہ منورہ سے افضل ہے۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں قیام اور رہائش کا حکم:

☆ محققین علماء اہلسنت کے نزدیک مدینہ منورہ میں قیام مکہ مکرمہ میں قیام سے افضل ہے۔ بلکہ مکہ مکرمہ میں دائمی قیام مکروہ ہے، کیونکہ مکہ مکرمہ میں اگر ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہے تو ایک گناہ بھی ایک لاکھ کے برابر ہے، مگر مدینہ منورہ میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر ہے اور ایک گناہ ایک گناہ ہی

لکھا جاتا ہے۔

☆ اسی لئے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جب مکہ مکرمہ حج اور عمرہ کے لئے جاتے تھے تو رہائش کا خیمہ حرم کی حدود کے باہر لگاتے تھے اور فرماتے تھے، جب عبادت کرتا ہوں تو حرم میں داخل ہو کر کرتا ہوں تاکہ حسنات بڑھ جائیں اور جب آرام کرتا ہوتا ہوں تو حرم کی حدود سے باہر کرتا ہوں تاکہ اگر کوئی گناہ ہو تو وہ ایک ہی لکھا جائے۔

☆ مگر ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر فرماتے ہیں، مدینہ منورہ میں بھی طویل قیام مکروہ ہے، کیونکہ مکہ مکرمہ میں ایک گناہ کے ایک لاکھ ہونے کا اندیشہ ہے، مگر ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے۔ اور مدینہ منورہ میں ایمان کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ طویل قیام سے اگر سرورِ دوعالم ﷺ کی ذات کے حوالہ سے کوئی بے ادبی ہو گئی تو ایمان ضائع ہو جائے گا، اور اگر بے ادبی نہ بھی ہو، تو طویل رہائش میں عظمت اور ہیبتِ مصطفی ﷺ اور محبت اور کشش میں کمی کا امکان ہے۔ انسان کی فطرت میں ہے کہ کسی کی صحبت میں ہمیشہ رہنے سے بے تکلفی پیدا ہو جاتی ہے اور احترام اور ہیبت اور عظمت پہلے کی طرح نہیں رہتی، لہٰذا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں مجاورۃً دائمی قیام یا طویل قیام مناسب نہیں ہے۔

(خلاصہ فتح القدیر۔ باب المناسک)

☆ مگر اس امر پر اتفاق ہے کہ مدینہ منورہ میں وفات کا ہونا تاکہ قبر مدینہ منورہ میں ہو، مکہ مکرمہ میں وفات سے افضل ہے۔ اسی لئے حضرت عمر الفاروقؓ دعاء فرماتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ رَسُوْلِكَ"

ترجمہ: اے اللہ! مجھے اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما اور
اپنے رسول ﷺ کے شہر میں موت عطا فرما۔

☆ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں سخت بیمار ہو گئے، انہیں گمان ہوا کہ میری موت مکہ مکرمہ میں واقع ہو جائے گی، جناب رسول اللہ ﷺ ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، تو حضرت سعدؓ نے سرورِ دوعالم ﷺ کو عرض کیا، یارسول اللہ مکہ مکرمہ کو ہم نے آپ ﷺ کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا، اب موت اسی میں ہو رہی ہے، یعنی میں چاہتا ہوں کہ میری موت مدینہ منورہ میں ہو۔ اس پر آپ ﷺ نے یہ تو فرمایا کہ ابھی آپ نے زندہ رہنا ہے، آپ سے کچھ لوگوں کو ضرر پہنچے گا، اور کچھ لوگوں کو نفع پہنچے گا، مگر آپ نے انہیں مکہ مکرمہ میں وفات کی ناپسندیدگی کا ردّ نہیں فرمایا۔ (عمدۃ القاری)

☆ لہٰذا تمام امت کے لئے اور خصوصاً زائرین کے لئے مدینہ منورہ میں وفات ہونے کی دعاء مانگنا زیادہ بہتر ہے، اگرچہ مکہ مکرمہ میں وفات کی بھی فضیلت ہے۔

☆ وہ علماء جو مدینہ منورہ میں قیام کو مکہ مکرمہ کے قیام سے افضل بیان کرتے ہیں ان کے بعض دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ سرورِ دوعالم ﷺ نے دعاء فرمائی کہ یااللہ مدینہ منورہ میں مکہ مکرمہ سے دوگنا برکتیں نازل فرما، دوم یہ کہ مکہ مکرمہ میں جس طرح حسنات کے سلسلہ میں روایت ہے کہ ایک حسنہ ایک لاکھ کے برابر ہے، اسی طرح ایک سیئہ بھی ایک لاکھ کے برابر ہے، اور مدینہ منورہ میں ایک حسنہ پچاس ہزار کے برابر ہے، مگر ایک سیئہ ایک ہی سیئہ ہے۔

☆ چنانچہ امام مجاہد سے روایت ہے، "تُضَاعِفُ السَّیِّئَاتُ بِمَکَّۃَ کَمَا تُضَاعِفُ الْحَسَنَاتُ" یعنی مکہ میں جس طرح حسنات کا کئی گنا زیادہ ثواب ملتا ہے، اسی طرح سیئات کا کئی گنا گناہ زیادہ ملتا ہے۔

☆ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ جب عمرہ اور حج کے لئے مکہ مکرمہ جاتے تھے، اپنی رہائش حرم کی حدود سے باہر حل میں بناتے تھے۔ پوچھنے پر فرماتے تھے، حرم کی

حدود میں رہائش نہیں رکھتا تاکہ سیئات (گناہوں) میں کئی گنا اضافہ نہ ہو اور عبادت کے لئے حرم میں چلا جاتا ہوں، تاکہ حسنات میں کئی گنا اضافہ ہو۔

☆ صحابہ کرامؓ کے عمل سے معلوم ہوا حرم کی حدود میں گناہوں کا تضاعف ہوتا ہے، مگر مدینہ منورہ میں ایسا نہیں ہوتا۔ نیز مکہ مکرمہ میں گناہ کا ارادہ اور نیت کا بھی گناہ ملتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے مگر مدینہ منورہ میں صرف ارادہ گناہ پر گناہ نہیں ہوتا، معلوم ہوا مدینہ منورہ میں قیام مکہ مکرمہ میں قیام سے افضل ہے۔

☆ بعض علماء مدینہ منورہ میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار کے برابر کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ بیت المقدس کی نمازوں یا حرم مکہ کی نمازوں کی نسبت سے مدینہ منورہ میں پچاس ہزار کا ثواب ملتا ہے۔ لٰہذا مدینہ منورہ میں حسنات کا ثواب بھی مکہ مکرمہ سے زیادہ ہے۔

(ماخوذ از کتب فقہ وکتب سیرۃ)

(محمد رفیق حسنی)

سرور دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کا سفر

مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کے لئے روانگی:

حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو
کعبہ تو دیکھ چکے ہو کعبہ کا کعبہ دیکھو
غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا
میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

مسائل:

☆ ارشاد الساری میں ہے کہ سید المرسلین ﷺ کی زیارت کے سلسلہ میں جملہ مسلمانوں کا اجماع اور اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کی زیارت قربات اور عبادات میں سے نہایت عظیم قربت اور عبادت ہے اور درجات کے حاصل کرنے کا نہایت کامیاب وسیلہ ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں آپ ﷺ کی زیارت ان لوگوں پر فرض ہے جو مدینہ منورہ جانے کی استطاعت رکھتے ہیں اور آپ کی زیارت کا ترک عظیم غفلت اور جفا ہے۔ (الحمد للہ اہلسنت وجماعت کا یہی مختار ہے)۔ اور بعض مالکی علماء نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں قیام اور مجاورت کعبہ اور بیت المقدس کی مجاورت سے افضل ہے۔

(ص: ۳۵۵۔ باب زیارت سید المرسلین)

☆ عورتوں کے لئے بھی سرورِ دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری مستحب ہے، احناف اور غیر احناف کا اس پر اتفاق ہے۔ (ارشاد الساری)

☆ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں اگر عازمین حج کے راستہ میں مدینہ منورہ واقع ہو جس طرح اہل شام اور اہل عراق، تو افضل ہے کہ پہلے مدینہ کی حاضری ہو جائے، پھر بعد میں حج کیا جائے۔ کیونکہ آپ ﷺ کے قریب سے گزر جانا اور زیارت نہ کرنا جفا اور قساوہ اور شقاوہ ہے، ایسی صورت میں آپ ﷺ کی زیارت نماز کی ایسی سنتوں کی طرح ہو گی جو فرضوں سے پہلے پڑھی جاتی ہیں اور یہ زیارت صاحبِ شریعت تک پہنچنے کا وسیلہ ہو گی۔ چنانچہ قرآن مجید میں وسیلہ طلب کرنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ" (مائدۃ۔۳۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ طلب کرو۔

(ارشاد الساری)

☆ حدیث میں ہے:

"مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ" (رواہ ابن عدی بسند حسن)

ترجمہ: جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت نہیں کی بے شک اس نے میرے ساتھ جفا کی۔

☆ آدمی اگر زیارت کا ارادہ کر لے اس پر واجب ہے خالص نیت کے ساتھ حاضری کا شرف حاصل کرے، ریاء وغیرہ نہ ہو اور مدینہ کے سفر میں فرائض اور واجبات اور سنن کا ترک نہ ہو۔

☆ حدیث شریف:

"مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ"

(منہج السالک۔ص:۶۱۵)

ترجمہ: جس شخص نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی

زیارت کی پس اس نے گویا میری زیارت میری زندگی میں کر لی۔

☆ اگر سید الانبیاء والمرسلین کی زیارت سے پہلے حج کر لے پھر مکہ مکرمہ سے آپ کی زیارت کے لئے جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ حج کر لینے سے گناہوں سے پاک ہو کر بارگاہِ رسالت صلّی اللہ تعالیٰ علی صاحبہا وسلم میں حاضری کا شرف حاصل ہو۔ مگر مختار قول یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری پہلے ہو تا کہ آپ کی بارگاہ میں حاضری حج کے مقبول اور مبرور ہونے کا وسیلہ ہو جائے۔ (ارشاد الساری)

☆ حج اور عمرہ کی سعادت حاصل کر کے مدینہ منورہ روانہ ہونے والے خوش نصیب زائرین صرف سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت کی نیت کریں پھر آپ کے وسیلہ سے آپ کی مسجد اور دیگر زیارات کی نیت کریں۔ اور مکہ مبارکہ سے روانہ ہوتے وقت بس یا کار وغیرہ میں سوار ہوتے وقت بیت اللہ سے فراق کے غم کی کیفیت کے ساتھ پہلے سوار ہونے اور پھر سفر شروع کرنے کی وہ دعائیں پڑھیں جو کتاب کی ابتداء میں مذکور ہیں۔

☆ نیت میں اخلاص ہو کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت سے اللہ تعالیٰ کا تقرب اور رضا حاصل ہو گی۔

☆ کمال نظافت اور طہارت کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف سفر میں کثرت سے صلوٰۃ و سلام اور مختلف درود شریف پڑھتے رہیں دنیاوی اور لایعنی بے مقصد گفتگو سے اجتناب کریں، بلکہ سید الاولین والآخرین کی بارگاہ میں حاضری کے تصور میں ڈوب کر درود شریف پڑھتے رہیں، اس سفر میں درود شریف سے بہتر اور کوئی وظیفہ نہیں یا پھر نعتیں پڑھتے یا سنتے مدینہ منورہ پہنچیں۔ جوں جوں مدینہ منورہ قریب ہوتا جائے شوق اور محبت بڑھتی جائے، ظاہر بدن کی کیفیت خضوع اور عاجزی کی ہو اور باطن کی کیفیت خشوع اور خوف کی ہو۔ خود سرورِ دو عالم ﷺ کی

جب مدینہ منورہ پر نظر پڑتی تھی آپ سواری کو تیز چلاتے اور فرماتے "سِیْرُوْا سَبَقَ الْمُفْرِدُوْنَ" چلو اکیلے چلنے والے سبقت لے گئے (فیملی والوں سے)۔ جب مدینہ منورہ کا مبارک شہر نظر آنے لگے تو زائرین یہ دعاء پڑھیں:

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ رَسُوْلِكَ ﷺ الَّذِيْ عَظَّمْتَهٗ اَنْ تَجْعَلَ لَنَا فِيْهِ مِنَ الْخَيْرِ وَالْبَرَكَةِ مِثْلَ مَا هُوَ فِيْ حَرَمِ الْبَيْتِ الْحَرَامِ فَحَرِّمْنِيْ عَلَى النَّارِ وَاٰمِنِّيْ مِنْ عَذَابِكَ يَوْمَ تُبْعَثُ عِبَادُكَ وَارْزُقْنِيْ فِيْهِ اَحْسَنَ الْاَدَبِ وَفِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ۔

☆ نہایت ادب کے ساتھ روتے ہوئے یا رونے کی شکل بناتے ہوئے جب مدینہ منورہ میں داخل ہوں تو یہ دعاء پڑھیں:

"بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا۔ حَسْبِيَ اللّٰهُ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَارْزُقْنِيْ مِنْ زِيَارَةِ رَسُوْلِكَ ﷺ مَا رَزَقْتَ اَوْلِيَائَكَ وَاَهْلَ طَاعَتِكَ وَاَنْقِذْنِيْ مِنَ النَّارِ وَاغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ يَا خَيْرَ مَسْئُوْلٍ" (ارشاد الساری)

☆ اور کثرت سے درود شریف پڑھتے رہیں اور یہ تصور کریں کہ:

ادب گاہ یست زیر آسمان از عرش نازک تر
کہ نفس گم کردہ مے آید جنید بایزید اینجا

ترجمہ: "آسمان کے نیچے عرش سے زیادہ نازک ادب کی جگہ ہے کہ یہاں بارگاہ رسالت میں جنید اور بایزید سانس بند کرکے آتے ہیں۔"

شعر:

نسبت خود بسگت کردم و پس منفعلم
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

ترجمہ: "میں نے آپ کے کتوں کی طرف اپنی نسبت کی اور اس پر بھی شرمندہ ہوں کیونکہ آپ کی گلی کے کتوں کی طرف نسبت کرنا بھی بے ادبی ہے۔"

☆ یعنی عرش عظیم سے بھی آسمان کے نیچے ادب کے لحاظ سے مدینہ منورہ زیادہ نازک ہے اور زیادہ ادب کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ عظیم انسان حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت بایزید بسطامیؒ بھی ادب کی وجہ سے سانس روک کر داخل ہوتے ہیں۔

☆ گاڑی سے اتر کر اپنی رہائش گاہ پر سامان وغیرہ رکھ دیا جائے، کچھ آرام کر لیا جائے تاکہ بشاشت اور مناسب مزاج اور طبیعت کے ساتھ حاضری ہو۔ زائر جب حاضری کا ارادہ کرے، مسجد میں جانے سے پہلے غسل کرے یا وضو بنائے، نئے کپڑے یا دھلے ہوئے پہن لے اور خوشبو استعمال کرے، سفید کپڑے افضل ہیں۔ اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں ایسے اعتقاد اور ادب کے ساتھ جائے کہ آپ ﷺ زندہ حیات تشریف فرما ہیں، اور میری حاضری اور حاضری کی کیفیت کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ کیونکہ امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ آپ ﷺ ایک آن کے لئے وصال فرمانے کے بعد حیات ثانی کے ساتھ زندہ حیات ہیں۔ زائرین کو دیکھ رہے ہیں ان کی کلام سن رہے ہیں ان کی دل کی کیفیت اور حاضری کے آداب کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

☆ نہایت ادب کے ساتھ اپنی رہائش گاہ سے آپ ﷺ کے گنبد خضراء کی طرف روانہ ہو۔ ہو سکے تو جوتے نہ پہنے۔ جب گنبد خضراء پر نظر پڑے تو پہلی نظر

کے وقت اپنی پسندیدہ اور مطلوب حاجت کے لئے کھڑے ہو کر آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعاءمانگے، پھر امت کے لئے دعامانگے۔ آپ ﷺ کی رأفت اور کرم اور شفقت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ﷺ کی شان اور عظمت کا تصور کرتے ہوئے مسجد میں اس طرح داخل ہو جیسا کہ آپ کو دیکھ رہا ہے۔اور اپنے متعلق زائر کی یہ کیفیت ہو جائے کہ میں نہایت کثیر اور عظیم گناہوں سے آلودہ ہو کر بارگاہِ رسالت میں حاضری کا شرف حاصل کر رہا ہوں، یہ وہ مقام ہے جہاں پر جبرئیل اور میکائیل اور اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام حاضری دیتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ حضرت ابو بکر اور عمر اور عثمان اور حضرت علی اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولیائے عظام حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر گیلانی، حضور جنید بغدادی، حضرت بایزید بسطامی اور ان کے علاوہ لاکھوں کروڑوں اولیائے کرام حاضر ہوتے رہے اور حاضر ہوتے رہیں گے۔ اپنے مشائخ اور اساتذہ کی حاضری کا تصور کرے اور کہے لاکھوں کروڑوں شکر ربِّ کریم کا کہ اس نے یہاں آنے کی توفیق عطافرمائی اور لاکھوں کروڑوں صلوٰۃ وسلام جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل اور اصحاب پر کہ انہوں نے اپنے دروازہ پر بلایا اور آنے کی اجازت دی۔ مگر خوف اور امید کی کیفیت ہونی چاہئے ایسا نہ ہو کہ حاضری قبول نہ ہو اور ہو سکتا ہے حاضری قبول ہو جائے۔

☆ جب مسجد النبی ﷺ میں داخل ہو تو پہلے دایاں قدم اندر رکھے پھر بایاں رکھے اور مسجد میں داخل ہونے کی دعائیں پڑھے۔ مثلاً

"بِسْمِ اللّٰهِ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ
اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ"

☆ مسجد میں داخل ہوتے وقت نہایت عاجزی اور انکساری کی حالت میں داخل

ہو، ادھر اُدھر نہ دیکھے اور مسجد کی تزئین اور زیبائش اور لوگوں کی طرف متوجہ نہ ہو صرف جناب سرورِ دو عالم ﷺ کے تصور کو قائم رکھے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہی نفلی اعتکاف کی نیت کرے، پھر دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرے، پہلی رکعت میں سورہ قل یاایھا الکافرون اور دوسری رکعت میں سورہ الاخلاص کی تلاوت کرنا افضل ہے، ورنہ کوئی بھی دوصورتیں یاآیات پڑھ لیں۔ سلام کے بعد شکرانہ کا سجدہ کریں اور سجدے کی دعاء میں زائر اللہ تعالیٰ کا اس احسان عظیم اور نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کرے کہ اس نے اپنے محبوب کی بارگاہ میں حاضری کا شرف بخشا۔ اور اللہ تعالیٰ سے ادب کی توفیق اور حاضری کی مقبولیت کا سوال کرے۔ اگر تحیۃ المسجد کے نفل ریاض الجنۃ میں پڑھنے کی سہولت حاصل ہو تو ریاض الجنۃ میں پڑھے اگر وہاں اژدہام ہو تو اصل مسجد نبوی کے احاطہ میں نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ نفل ادا کرے۔

☆ جب تحیۃ المسجد سے فارغ ہو جائے تو نہایت ادب اور عاجزی اور انکساری کے ساتھ مواجہہ شریف (گنبد خضراء) کے سامنے حاضر ہونے کے لئے سرنگوں ہو کر آہستہ آہستہ چل کر جالی مبارک کے سامنے حاضر ہو جائے، اس وقت دل میں صرف سرکار دوعالم ﷺ کا تصور ہونا چاہئے، اس مقام پر ردّی ارادوں اور دنیاوی شہوات کو دل سے نکال دے اور اپنے دل کو کُلّی طور پر سید العالمین ﷺ کی طرف متوجہ رکھے تاکہ آپ ﷺ کے روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے قلب میں صلاحیت پیدا ہو۔ اور جس شخص کا دل بارگاہ نبوی میں بھی ردّی خیالات اور دنیاوی شہوات سے خالی نہ ہو اندیشہ ہے کسی وقت اس کو اس کی سزا ملے اور اس کی حاضری قبول نہ ہو۔ (العیاذ باللہ)۔ اگر ردّی خیالات سے کلیتاً دل فارغ نہ ہو تو حسب وسع اس کی کوشش کرے کیونکہ ساری عمر کے ردّی خیالات اور دنیاوی

ارادات یکدم دل سے نہیں نکلیں گے، مگر کوشش کرنے سے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک جذبہ سے اپنے حبیب ﷺ کے آداب کے وسیلہ سے اس مقام پر پہنچا دے جس پر پہنچنے کے لئے عابد ساری زندگی ریاضت اور عبادت کرتا ہے۔ لٰہذا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اس کا فضل طلب کرے اپنے مسؤل اور مطلوب کی تحصیل کے لئے جناب سرورِ دو عالم ﷺ کو وسیلہ بنائے اور آپ ﷺ کی صفت عفو اور رأفت اور شفقت کا خیال کرتے ہوئے امید رکھے کہ آپ ﷺ معاف فرما دیں گے۔ (ارشاد الساری و دیگر)

☆ اور نہایت بد بخت ہیں وہ لوگ جو اسی مقام پر لوگوں کے اژدہام اور حاضری کی وجہ سے تصور حبیب میں ڈوبے لوگوں کے استغراق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگوں کی جیب کاٹ لیتے ہیں، لوگوں کے اژدہام کی وجہ سے بیسیوں حجاج اور زائرین کو اپنی پونجی سے محروم کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی امان عطا فرمائے۔
(رفیق حسنی)

☆ نہایت ادب اور حیاء کے ساتھ مواجہہ شریف حاضر ہو کر درمیانی محرابی جالی کے بڑے سوراخ کے سامنے یعنی آپ ﷺ کے چہرہ انور کے سامنے ادب اور انکسار کے ساتھ آپ ﷺ کی عظمت اور ہیبت کا تصور کرتے ہوئے چار گز کے فاصلہ پر سرنگوں ہو کر دایاں ہاتھ بائیں پر ناف کے نیچے رکھے اور قبلہ کی طرف پیٹھ اور آپ ﷺ کی طرف منہ کرکے زمین پر نظر رکھے اور یہ تصور کرے کہ جناب سرورِ دو عالم ﷺ مجھے دیکھ رہے ہیں اور انہیں میرے حضور اور قیام اور سلام بلکہ جمیع افعال اور احوال اور ارتحال اور مقام کا علم ہے گویا وہ سامنے تشریف فرما ہیں۔ (ملا علی قاری)

☆ پھر نہایت ادب اور پست آواز کے ساتھ آپ ﷺ کو یہ سلام پیش کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ
وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاحَبِیْبَ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاخَلِیْلَ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاخَیْرَ خَلْقِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاصَفْوَةَ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاخِیَرَةَ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاسَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَااِمَامَ الْمُتَّقِیْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاشَفِیْعَ الْمُذْنِبِیْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَامُبَشِّرَ الْمُحْسِنِیْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَااَنِیْسَ الْغَرِیْبِیْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَاحَةَ الْعَاشِقِیْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَامُرَادَ الْمُشْتَاقِیْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاشَمْسَ الْعَارِفِیْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاسِرَاجَ السَّالِكِیْنَ

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُحِبَّ الْفُقَرَاءِ وَ الْغُرَبَاءِ وَ الْمَسَاكِیْنِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ الْمَلٰئِكَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلٰى آلِكَ وَاَهْلِ بَيْتِكَ وَاَصْحَابِكَ اَجْمَعِيْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلٰى سَائِرِ عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔
جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ وَاَعْلٰى مَا جَزٰى بِهٖ رَسُوْلًا عَنْ اُمَّتِهٖ وَنَبِيًّا عَنْ قَوْمِهٖ وَ صَلَّى اللّٰهُ وَ سَلَّمَ عَلَيْكَ اَذْكٰى وَاَعْلٰى وَ اَنْمٰى صَلَاةً صَلَّاهَا عَلٰى اَحَدٍ مِنْ خَلْقِهٖ ۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ وَ خَيْرَتُهٗ مِنْ خَلْقِهٖ وَ اَشْهَدُ اَنَّكَ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَ نَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَاَقَمْتَ الْحُجَّةَ وَجَاهَدْتَّ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ وَ عَبَدْتَّ رَبَّكَ حَتّٰى اَتَاكَ الْيَقِيْنُ وَ صَلَاةُ اللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ جَمِيْعِ خَلْقِهٖ مِنْ اَهْلِ سَمٰوَاتِهٖ وَ اَرْضِهٖ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اَللّٰهُمَّ آتِهِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَ الدَّرَجَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَا ِۨ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَارْزُقْنَا شَفَاعَتَهٗ وَاَعْطِهِ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ آمَنْتُ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ۔ اَللّٰهُمَّ فَثَبِّتْنَا عَلٰى ذَالِكَ وَ لَا تَرُدَّنَا عَلٰى اَعْقَابِنَا رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّ هَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاٰبَاءِ نَا وَلِاُمَّهَاتِنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

(ارشاد الساری)

پھر تین مرتبہ کہے:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْأَلُكَ الشَّفَاعَةَ

☆ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سلام سے فارغ ہو کر حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے سلام کے لئے جالی میں نسبتاً پہلے سوراخ سے چھوٹے دوسرے سوراخ کے سامنے تقریباً ڈیڑھ فٹ دائیں ہاتھ آگے جائے اور درج ذیل سلام عرض کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَفِيَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا وَزِيْرَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا ثَانِيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَفِيْقَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرِ ِۨ الصِّدِّيْقِ

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ جَزَاكَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْ رَسُوْلِهٖ وَ عَنِ الْاِسْلَامِ وَاَهْلِهٖ خَيْرَ الْجَزَاءِ وَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْكَ اَحْسَنَ الرِّضَا ۔

☆ پھر حضرت عمرؓ کے سلام کے لئے تقریباً ڈیڑھ فٹ سیدھے ہاتھ آخری سوراخ کے سامنے کھڑے ہو کر سلام عرض کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَ الْفَارُوْقَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُكَمِّلَ الْاَرْبَعِيْنَ۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا دَعْوَةَ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُظْهِرَ الْاِسْلَامِ وَ الدِّيْنِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَاطِقَ الصِّدْقِ وَالصَّوَابِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُوَفَّقَ الْوَحْيِ وَالْكِتَابِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَلِيْفَةَ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ. جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ نَبِيِّهٖ وَخَلِيْفَتِهٖ وَ اُمَّتِهٖ خَيْرَ الْجَزَاءِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ.

☆ پھر تقریباً ایک فٹ بائیں ہاتھ پیچھے لوٹ آئے اور دونوں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کو مشترکہ سلام پیش کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا صَاحِبَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا خَلِيْفَتَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا وَزِيْرَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا ضَجِيْعَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمَا يَا مُشِيْرَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ. فَجَزَاكُمَا اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَ اَهْلِهٖ خَيْرَ الْجَزَاءِ جِئْنَا يَا صَاحِبَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى نَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَتَوَسَّلُ بِكُمَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّشْفَعَ لَنَا اِلٰى رَبِّنَا وَ اَنْ يَّتَقَبَّلَ سَعْيَنَا وَاَنْ يُّحْيِيَنَا عَلٰى مِلَّتِهٖ وَ يُمِيْتَنَا عَلَيْهَا وَ يَحْشُرَنَا فِيْ زُمْرَتِهٖ بِرَحْمَتِهٖ وَ كَرَمِهٖ اِنَّهٗ كَرِيْمٌ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ. اٰمِيْن.

☆ پھر دوبارہ پیچھے ہو کر جناب سرورِ دوعالم ﷺ کے مواجہہ شریف پر حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے عربی کی درج ذیل دعائیں مانگے۔

☆ مواجہہ شریف میں دعاء مانگنے کی عموماً چار صورتیں ہو سکتی ہیں، یہ کہ دعاء سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرے پھر ہاتھ اٹھا کر آپ ﷺ کی طرف منہ اور قبلہ کی طرف پشت کرکے اپنے لئے اور اعزّہ اور اقارب اور اساتذہ اور مشائخ اور دوستوں

کے لئے دعاء کرے کیونکہ یہ اجابت کا مقام ہے۔

(ا) پہلی صورت صاحب فتح القدیر اور ارشاد الساری کی توضیح کی روشنی میں یہ ہے۔ پہلے پھر سلام دہرائے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيْعَ الْمُذْنِبِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اِمَامَ الْمُتَّقِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا قَائِدَ غُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مِنَّةَ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا طٰهٰ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا يٰسِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَ عَلٰى اٰلِكَ وَ اَصْحَابِكَ اَجْمَعِيْنَ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اَزْوَاجِكَ الطَّاهِرَاتِ الْمُبَرَّاٰتِ اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ.

☆ پھر یہ آیت مبارکہ "اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا" پڑھے۔اس کے بعد "صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ" ستر مرتبہ پڑھے اور پھر دعاء مانگے انشاءاللہ قبول ہوگی۔ (فتح القدیر)

☆ پھر آپ ﷺ سے دعاء کے لیے عرض کرے، مثلاً یوں کہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ وَ اَنْتَ اَصْدَقُ الْقَائِلِيْنَ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَلَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا. جِئْنَاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ظَالِمِيْنَ لِاَنْفُسِنَا مُسْتَغْفِرِيْنَ لِذُنُوْبِنَا فَاشْفَعْ لَنَا اِلٰى رَبِّكَ وَ اسْأَلْهُ اَنْ يَّمُنَّ عَلَيْنَا بِسَائِرِ مَطْلُوْبَاتِنَا وَمَسْؤُلَاتِنَا وَيَحْشُرَنَا فِيْ زُمْرَةِ عِبَادِهِ الصَّالِحِيْنَ" (ارشاد الساری)

☆ پھر قصیدہ بردہ کے یہ شعر پڑھے:

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَا لِیْ مَنْ اَلُوْذُبِہٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

وَمَنْ یُّضِیْقَ رَسُوْلَ اللّٰہِ جَاھُكَ بِیْ
اِذِ الْکَرِیْمُ تَجَلّٰی بِاِسْمِ مُنْتَقِمٖ

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَھَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

☆ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی زبان میں دعاء کرنے کی درخواست کرے جس طرح حیات ظاہری کے وقت صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعاء کرنے کی درخواست کرتے تھے۔ مثلاً عرض کرے یارسول اللہ میرے لئے دعاء فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے ایمان کامل عطافرمائے اور صحت اور شفاء عطافرمائے اور فقر اور فاقہ سے محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ میری مشکلات آسان فرمائے میرے بچوں کو نیک اور صالح بنائے اور دنیاوی امور میں انہیں کسی کا محتاج نہ کرے وغیرہ وغیرہ اور عرض کرے یارسول اللہ ہمیں محمد بن منکدر کے ذریعے حضرت جابرؓ سے مروی حدیث پہنچی ہے وہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی سائل کو ''نہ'' نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْھَرْ" یعنی کسی سائل پر سختی نہ کرو۔ یارسول اللہ میرا آپ سے سوال ہے میں آپ کے دروازے پر ایک گنہگار سائل ہوں آپ میرے لئے دعاء فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے ایمان کامل عطافرمائے اور جہنم کے عذاب سے بلا حساب نجات عطافرمائے اور جب تک زندگی ہے صحت کاملہ عطافرمائے اور قائم رکھے۔ آمین۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے اپنی مطلوبہ اشیاء طلب کرے۔ مثلاً یوں کہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّ حَبِیْبَكَ حَبِیْبُكَ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَالشَّیْطَانُ عَدُوُّكَ اِنْ غَفَرْتَ لِیْ سَرَّ حَبِیْبُكَ وَ فَازَ عَبْدُكَ وَ غَضِبَ عَدُوُّكَ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لِیْ حَزِنَ حَبِیْبُكَ وَ رَضِیَ عَدُوُّكَ وَ ھَلَكَ عَبْدُكَ وَ اَنْتَ اَکْرَمُ مِنْ اَنْ تُحْزِنَ حَبِیْبَكَ وَ تُرْضِیَ عَدُوَّكَ وَ تُھْلِكَ عَبْدَكَ اَللّٰھُمَّ اِنَّ الْعَرَبَ الْکِرَامَ اِذَا مَاتَ فِیْھِمْ سَیِّدٌ اَعْتَقُوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مِنَ الْعَبِیْدِ وَاِنَّ ھٰذَا سَیِّدُ الْعَالَمِیْنَ وَاَنْتَ اَکْرَمُ الْاَکْرَمِیْنَ اَعْتِقْنِیْ عِنْدَ قَبْرِہِ الْمُکَرَّمِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُشْھِدُكَ وَاُشْھِدُ رَسُوْلَكَ وَ اَبَابَکْرٍ وَ عُمَرَ وَاُشْھِدُ الْمَلٰٓئِکَۃَ النَّازِلِیْنَ الْعَاکِفِیْنَ فِیْ ھٰذِہِ الْبُقْعِ اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اِنِّیْ مُقِرٌّ لَّكَ بِجِنَایَتِیْ وَ مَعْصِیَتِیْ مِنَ الْکَبَائِرِ وَ الصَّغَائِرِ فَاغْفِرْلِیْ وَ امْنُنْ عَلَیَّ بِالَّذِیْ مَنَنْتَ بِہٖ عَلٰی اَوْلِیَاءِكَ فَاِنَّكَ الْمَنَّانُ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ" (ارشاد الساری)

☆ پھر اپنی زبان میں عرض کرے یا ربّ العالمین اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے میری حاجتیں پوری فرما اور مشکلات آسان فرما۔

☆ منہج السالک میں ذکر ہے کہ زائر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواجہہ شریف کی طرف لوٹ آئے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرے پھر درود شریف کی کثرت کرے

اس کے بعد دعاء مانگے اور عاجزی کا اظہار کرے اور وہیں سرورِ دو عالم ﷺ کے سامنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرے اور آپ ﷺ کی وجاہت کے وسیلہ سے سوال کرے کہ یااللہ میری توبہ کو توبۃً نصوحاً بنا اور یوں کہے:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ قُلْتَ وَقَوْلُكَ الْحَقُّ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا"

(سورۃ نساء۔ ۶۴)

"اَللّٰهُمَّ سَمِعْنَا قَوْلَكَ وَاَطَعْنَا اَمْرَكَ وَ قَصَدْنَا نَبِيَّكَ هٰذَا مُسْتَشْفِعِيْنَ بِهٖ اِلَيْكَ مِنْ ذُنُوْبِنَا اَللّٰهُمَّ فَتُبْ عَلَيْنَا وَ اَسْعِدْنَا بِزِيَارَتِهٖ وَاَدْخِلْنَا فِيْ شَفَاعَتِهٖ" (ص: ۵۵۳تا۵۵۷۔ مکتبہ دار بلشیار یاض)

(ترجمہ) اے اللہ تونے فرمایا ہے اور تیرا قول حق ہے وہ قول یہ ہے اگر بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا تھا پس اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور ان کے لئے رسول ﷺ مغفرت طلب کرتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے اور رحم کرنے والا پاتے۔

اے اللہ ہم نے تیرا قول سماعت کر لیا اور تیرے امر کی اطاعت کی اور تیرے اس نبی ﷺ کے پاس ہم حاضر ہوئے، اپنے گناہوں کے ساتھ تیری طرف امن کے ساتھ شفاعت طلب کرنے والے، اے اللہ پس تو ہماری توبہ قبول فرما اور آپ ﷺ کی زیارت کی سعادت عطا فرما اور آپ ﷺ کی شفاعت میں داخل فرما۔ آمین

(ج) دعاء کی تیسری صورت یہ ہے کہ حاضر بارگاہِ رسالت یوں عرض کرے یارسول اللہ ﷺ دین اور دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے خزانوں کا آپ کو مالک بنا

دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ" یعنی ہم نے آپ کو دین و دنیا اور آخرت کی خیر کثیر عطا کر دی اور دے دی۔ یارسول اللہ! اور آپ نے خود ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھے عطا فرمادیں۔ اسی لئے علامہ بوصیری نے عرض کیا تھا "فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا وَ مِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَ الْقَلَمِ" اور مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی نے ذکر کیا:

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں دُرّ بے بہا دیئے ہیں

یارسول اللہ ﷺ آپ کا ارشاد گرامی ہے "وَ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ" (مشکوٰۃ) یارسول اللہ ﷺ حضرت محمد بن منکدر حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے کسی سائل کو "نہ" نہیں فرمایا۔

☆ یارسول اللہ ﷺ اپنے جود و سخا سے حضرت ربیعہ اور حضرات عشرہ مبشرہ اور حضرت ثوبانؓ اور دیگر صحابہ کرام اور صحابیاتؓ اور اپنی امت کے لاکھوں لوگوں کو آپ ﷺ نے دنیاوی اور اخروی نعمتیں عطا فرمائیں مجھے بھی اپنے خزانوں سے دنیا اور آخرت کی نعمتیں عطا فرمادیں، مجھے اولاد چاہیئے، مجھے بیٹا چاہیئے، مجھے رزقِ حلال چاہیئے۔ کرم فرمائیں عطا فرمائیں۔

☆ چونکہ امت مسلمہ کے تمام فرقوں کا عقیدہ ہے کہ انبیاء عظام علیہم السلام کی حیات اُخروی شہیدوں کی حیات سے کہیں زیادہ قوی ہے اور انبیاء کرام حاضرین کی التجائیں اور دعائیں سنتے ہیں، لہٰذا جناب سرورِ دو عالم ﷺ اپنی بارگاہ میں موجود لوگوں کی فریاد سُن رہے ہوتے ہیں اس لئے آپ ﷺ سے اس طرح مانگیں جس طرح آپ ﷺ کی حیات میں صحابہ کرامؓ آپ سے مانگا کرتے تھے۔

☆ بعض لوگ دعا کرتے وقت قبلہ کی جانب منہ کرکے سرور دو عالم ﷺ کی طرف پشت کر لیتے ہیں وہ لوگ نہایت غلط کرتے ہیں بلکہ بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ملا علی قاری ارشاد الساری میں فرماتے ہیں "وَلَا يَسْتَدْبِرُ الْقَبْرَ الْمُقَدَّسَ اَیْ فِیْ صَلٰوۃٍ وَ لَا غَیْرِهَا اِلَّا لِضَرُوْرَۃٍ مُلْجِئَۃٍ اِلَيْهِ" (ترجمہ) اور قبر مقدس کی طرف پشت نہ کرے نہ نماز نہ غیر نماز میں۔ صاحب فتح القدیر فقیہ ابو اللیث کا ردّ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ دعا کے وقت سرور دو عالم ﷺ کی طرف پشت کرنے کا قول مردود ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کیا "قَالَ مِنَ السُّنَّۃِ اَنْ تَأْتِیَ قَبْرَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَتَسْتَقْبِلَ الْقَبْرَ بِوَجْهِكَ ثُمَّ تَقُوْلَ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَ رَحْمَۃُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهٗ" (بحوالہ ارشاد الساری۔) حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا زیارت میں سنت یہ ہے کہ تو رسول اللہ ﷺ کی قبر انور پر آئے اور قبر کی طرف چہرہ کرکے تو عرض کرے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ و برکاتہ۔

☆ امام احمد بن حنبلؒ کے مذہب کے ایک عالم (محمد بیّومی دمنصورتی) منہج السالک میں آداب زیارت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ثُمَّ يَأْتِی الضَّرِيْعَ الشَّرِيْفَ وَ يَسْتَدْبِرُ الْقِبْلَۃَ وَ يَقِفُ قُبَالَۃَ وَجْهِهٖ ﷺ بِاَنْ يُّقَابِلَ الشُّبَّاكَ مِنَ النُّحَاسِ (الی) وَيَسْتَحْضِرُ اَنَّهٗ ﷺ عَالِمٌ بِوُقُوْفِهٖ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ سَامِعٌ لِسَلَامِهٖ كَمَا هُوَ فِیْ حَالِ حَيَاتِهٖ اِذْ لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَ حَيَاتِهٖ مِنْ مُشَاهَدَتِهٖ لِاُمَّتِهٖ وَ مَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَ نِيَّاتِهِمْ وَ خَوَاطِرِهِمْ وَ اَنَّ ذَالِكَ عِنْدَهٗ جَلِیٌّ لَا خَفَاءَ فِيْهِ (الی) وَ يَنْبَغِیْ اَنْ يُكْثِرَ فِی الصَّلٰوۃِ وَالسَّلَامِ بِحَضْرَتِهِ

الشَّرِيْفَۃِ حَيْثُ يَسْمَعُهٗ وَيَرُدُّ عَلَيْهِ لِاَنَّ حَيَاۃَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ فِیْ قُبُوْرِهِمْ ثَابِتَۃٌ وَ نَبِيُّنَا ﷺ اَفْضَلُهُمْ فَتَكُوْنُ حَيَاتُهٗ اَتَمَّ وَ اَكْمَلَ" (ص: ۰۴۵تا۰۶۵)

(ترجمہ) پھر قبر شریف پر آئے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے اور آپ ﷺ کے چہرہ انور کے محاذاۃ میں کھڑا ہو جائے اس طرح کہ تانبے کی جالیوں کے سامنے کھڑا ہو اور بارگاہ نبوی میں حاضر شخص ذہن میں یہ حاضر رکھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے سامنے کھڑے ہونے والے کو جانتے ہیں اور اس کے سلام کو سن رہے ہیں جیسے حالتِ حیات میں جانتے اور سنتے تھے کیونکہ اپنی امت کے مشاہدہ میں اور ان کے احوال اور نیتوں اور دل کے خطرات کی معرفت میں آپ ﷺ کی موت اور حیات میں کوئی فرق نہیں اور یہ امر آپ کے نزدیک بالکل جلی ہے جس میں کوئی خفاء نہیں (تا) اور مناسب ہے کہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں صلوٰۃ و سلام کی کثرت کی جائے کہ وہ سلام اور صلوٰۃ سنتے بھی ہیں اور اس کا جواب بھی دیتے ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی قبروں میں حیات ثابت ہے اور ہمارے نبی ﷺ ان سب سے افضل ہیں پس آپ ﷺ کی حیات اتم اور اکمل ہو گی۔

☆ جب اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ جناب سرورِ دو عالم ﷺ کی وفات کے بعد حیات اسی طرح ہے جیسے وفات سے پہلے تھی بلکہ اس سے بھی قوی ہے اور وہ دیکھ اور سن رہے ہیں تو پھر کسی شخص کا نماز یا دعاء یا کسی حالت میں پشت کر لینا کس طرح برداشت ہو سکتا ہے جب کہ عام زندہ آدمی کی طرف پشت کرکے سلام کرنا بے ادبی اور گستاخی ہے تو یہاں کیوں بے ادبی نہیں؟ اللہ تعالیٰ ادب کی توفیق عطا فرمائے بلکہ آپ ﷺ کی جالی کے محاذی قبلہ کی جانب نماز کی صفوں میں آپ کی طرف پشت کرکے کھڑے ہونا بھی مناسب نہیں ہے۔

☆ دعاؤں سے فارغ ہونے کے بعد اگر کسی شخص نے زائرین سے آپ ﷺ کی

بارگاہ میں اپنی طرف سے سلام پیش کرنے کے لئے عرض کیا تھا تو زائر حاضر اس کی طرف سے آپ ﷺ کو سلام پیش کرے اور عرض کرے یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کا فلاں غلام سلام پیش کر رہا تھا۔

مواجہہ شریف کے وظائف سلام اور دعاء سے فارغ ہو کر گنبد خضراء کی دوسری جانب شمال کی طرف ایک روایت کے مطابق سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مزار مبارک ہے آپ کی بارگاہ میں قدموں کی جانب سے یا صفّہ کی جانب سے سلام پیش کرے اور عرض کرے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بِنْتَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا بَضْعَةَ كَبِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا اُمَّ الْحَسَنَيْنِ الْكَرِيْمَيْنِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يَا سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْجَنَّةِ

پھر آپ کی بارگاہ میں اس طرح عرض کرے یا سیدتی اس کمینہ اور حقیر اور معاصی میں غرق فقیر کے لئے آپ جناب رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں شفاعت کریں، صحابہ کرامؓ کو جب کوئی مشکل حاجت پیش آتی تھی وہ آپ کے پاس حاضر ہو کر سفارش طلب کرتے تھے آپ ان کے لئے جناب رسول اللہ ﷺ کو عرض کرتی تھیں تو آپ ﷺ ان کا کام کر دیتے تھے، آپ میرے لئے سفارش کریں کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے راضی ہو جائیں اور مجھے معاف کر دیں۔

مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی فضیلت

☆ قرآن مجید میں ہے:

"لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ"

ترجمہ: بے شک وہ مسجد جس کی پہلے دن سے بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے وہ حقدار ہے کہ آپ اس میں عبادت کریں۔

مفسرین فرماتے ہیں اس مسجد سے مراد مسجد نبوی شریف ہے اور اس کی فضیلت خود خالق کائنات نے بیان فرمائی کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ یہ فضیلت بہت بڑی فضیلت ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ مَنْ صَلّٰى فِيْ مَسْجِدِيْ اَرْبَعِيْنَ صَلَاةً كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِنَ الْعَذَابِ وَبَرِيَ مِنَ النِّفَاقِ۔ (اخرجہ احمد، بحوالہ ہدایۃ السالک)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، جس شخص نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اس کے لیے نار جہنم اور عذاب سے براۃ لکھ دی جائے گی اور وہ نفاق سے بری ہوگا۔ (امام احمد نے اس کی تخریج کی)

☆ اس حدیث شریف میں مسجد نبوی میں چالیس نمازیں پڑھنے کا اجر جہنم سے آزادی کی خوشخبری ہے۔ اس روایت میں جماعت کے ساتھ پڑھنے کا ذکر نہیں اور اس روایت میں تسلسل کے ساتھ پڑھنے کا ذکر بھی نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص بغیر جماعت بھی اپنی زندگی میں چالیس نمازیں مسجد شریف میں ادا کرلے گا تو اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے آزاد فرمادے گا اور اگر جماعت کے ساتھ اور ایک دورانیے میں پڑھے گا تو وہ اس اجر کا بطریق احسن مستحق ہوگا۔ ایک روایت میں "وَلَا تَفُوْتُهٗ

صلوٰۃ“ کے الفاظ بھی ہیں کہ چالیس نمازوں سے کوئی نماز مسجد میں ادا کرنے سے فوت نہ ہو لہٰذا اس شخص کے استحقاق کے لیے نمازوں میں تسلسل بھی ضروری ہے۔ لہٰذا تسلسل کے ساتھ پڑھنے کا التزام کرنا چاہیے۔ اور یہ خوشخبری خواتین اور مردوں اور مسافروں اور مقیم سب لوگوں کے لیے ہے اور وہ خواتین جو حیض کی وجہ سے مسجد نبوی میں نہیں آسکتیں یا وہ مریض جو مرض کی وجہ سے مسجد میں نہیں آسکتے ان کو بھی انشاءاللہ جہنم سے آزادی کا اجر ملے گا۔ (رفیق حسنی)

☆ حضرت ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ مَنْ جَاءَ مَسْجِدِیْ هٰذَا لَمْ يَأْتِهِ اِلَّا لِخَيْرٍ يَّتَعَلَّمُهٗ اَوْ يُعَلِّمُهٗ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُجَاهِدِ وَ مَنْ جَاءَهٗ بِغَيْرِ ذَالِكَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ الرَّجُلِ يَنْظُرُ اِلٰى مَتَاعِ غَيْرِهٖ۔ (ہدایۃ السالک)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے ارشاد فرمایا جو شخص میری اس مسجد میں آیا اور نہیں آیا اس میں مگر خیر کے لیے کہ اسے سیکھے یا سکھائے بس وہ مجاہد کی طرح ہے اور جو شخص مسجد میں خیر کے غیر کے لیے آیا وہ اس آدمی کی طرح ہے جو دوسرے کے سامان کی طرف دیکھتا ہے۔

☆ حدیث: جناب سرور دوعالم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ خَرَجَ عَلٰى طُهْرٍ لَا يُرِيْدُ اِلَّا الصَّلٰوةَ فِيْ مَسْجِدِيْ حَتّٰى يُصَلِّيَ فِيْهِ كَانَ بِمَنْزِلَةِ حَجَّةٍ۔ (ہدایۃ السالک)

ترجمہ: جو شخص وضو کے ساتھ گھر سے نکلا وہ نہیں ارادہ کرتا مگر میری مسجد میں نماز پڑھنے کا حتیٰ کہ اس نے میری مسجد میں نماز پڑھ لی وہ نماز اس کے لیے حج کے برابر ہے۔ (مرقاۃ\ہدایۃ السالک)

سبحان اللہ! جب مسجد قبا میں دو رکعت نفل ادا کرنے کا اجر عمرہ مقبولہ کے برابر ہے تو سرور دوعالم ﷺ کی مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب حج کے برابر ہونا کوئی بعید از عقل نہیں ہے وہ لوگ کتنے خوش نصیب ہیں جو ہزاروں حجوں کا ثواب حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

(محمد رفیق حسنی)

☆ محققین علماء کے نزدیک مدینہ منورہ میں ہر نیکی کا اجر ایک ہزار گنا یا پچاس ہزار گنا ہے۔ یہ ثواب صرف نمازوں کے ساتھ خاص نہیں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی کی گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز ہے اور محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازیں ہیں اور اس مسجد میں نماز پڑھنا جس میں جمعہ ہوتا ہے ایک نماز پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں اس کی نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں اس کی نماز ایک لاکھ کے برابر ہے۔

(مشکوٰۃ شریف، حدیث:۲۵۷)

☆ حرم کعبہ میں حسنات کے متعلق حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ ہر حسنہ اور نیکی ایک لاکھ کے برابر ہے صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں کہ حرم مکہ میں ایک نماز ایک لاکھ نماز کے برابر ہے۔ لہٰذا جس طرح حرم کعبہ میں ہر نیکی کے ثواب میں ایک لاکھ گنا اضافہ ہوتا ہے مسجد نبوی شریف میں بھی ہر نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر ہے صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں۔

☆ ہمارے سامنے دو روایتیں ہیں ایک یہ ہے کہ ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ہے دوسری یہ کہ ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نماز کے برابر ہے لہٰذا باقی حسنات کے لیے بھی یہی حکم ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک روزہ ایک ہزار

روزوں یا پچاس ہزار روزوں کے برابر ہے اور مدینہ منورہ میں ایک ریال کا صدقہ ایک ہزار کے برابر ہے یا پچاس ہزار کے برابر ہے اور اگر یہ حسنات اور نمازیں رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں ادا ہوں تو ہر فرض عبادت کا ثواب ستر گنا بڑھ جائے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ

☆ مثلاً مدینہ منورہ میں ایک رمضان ایک ہزار رمضان یا پچاس ہزار رمضانوں کے برابر ہو گا اور ایک ہزار یا پچاس ہزار رمضان کے فرض روزے ستر گنا کے حساب سے ستر ہزار رمضانوں کے برابر ہو جائیں گے اور نفلی عبادتیں فرض کے مرتبہ کے مساوی ہو کر ایک عبادت ایک ہزار یا پچاس ہزار کے برابر ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی زیادہ وسیع ہے۔

☆ (حدیث) حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا سوائے تین مساجد کے کسی دوسری مسجد کی طرف (زیادہ ثواب حاصل کرنے کی غرض سے سفر نہ کیا جائے میری یہ مسجد اور مسجد الحرام اور مسجد الاقصیٰ۔

(ہدایۃ السالک۔ ص:۱۱۰)

☆ فائدہ: اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ باقی مساجد ثواب میں برابر ہیں ان کی طرف سفر کرنے میں اتنا ثواب ملے گا جو اپنے محلہ کی مسجد کی طرف سفر کرنے میں ثواب ملے گا مگر مذکورہ تین مسجدوں میں ثواب زیادہ ہے لہٰذا ان کی طرف سفر کیا جائے۔

☆ حدیث:

صَلَاةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ ھٰذَا خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ صَلَاةٍ فِیْمَا سِوَاہُ اِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ (زاد مسلم) وَاِنِّیْ آخِرُ الْاَنْبِیَاءِ اِنَّ مَسْجِدِیْ

آخِرُ الْمَسَاجِدِ۔ (ہدایۃ السالک)

ترجمہ: میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے مگر مسجد حرام اور مسلم شریف میں ہے اور بے شک میں آخری نبی ہوں اور انبیاء کی مساجد سے میری یہ مسجد آخری مسجد ہے۔

مدینہ منورہ میں قیام کے ایام کو غنیمت سمجھے:

☆ نماز باجماعت ادا کرنے کا التزام کرے خصوصاً چالیس نمازوں کے لئے آٹھ دن تک مسجد کے ساتھ تعلق رکھے اور ہمیشہ اعتکاف کی نیت سے داخل ہو، ہو سکے تو کچھ دنوں کے اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں بیٹھ جائے مگر آج کل سعودی حکومت رمضان المبارک کے علاوہ رات کو مسجد سے لوگوں کو نکال دیتی ہے۔

☆ جب مسجد میں بیٹھنا ہو ایسی جگہ بیٹھے جہاں گنبدِ خضراء نظر آتا ہو بار بار گنبد خضراء کو دیکھتا رہے کیونکہ گنبدِ خضراء کو دیکھنا بھی عبادت ہے جب گنبد پر نظر پڑے، درود شریف پڑھے، ارشاد الساری میں ہے:

"اِدَامَةُ النَّظْرِ اِلَی الْحُجْرَةِ الشَّرِیْفَةِ اَوِ الْقُبَّةِ الْمُنِیْفَةِ مَعَ الْمَھَابَةِ وَالْخُضُوْعِ فَاِنَّہٗ عِبَادَةٌ کَالنَّظْرِ اِلَی الْکَعْبَةِ الشَّرِیْفَةِ" (ص: ۵۶۵)

ترجمہ: حجرہ شریفہ یا گنبد عالیہ کی طرف ہمیشہ دیکھنے کا التزام کرے مگر آپ ﷺ کی ہیبت اور عظمت اور اپنی عاجزی کے تصور کے ساتھ کیونکہ یہ عبادت ہے جیسے کعبہ شریفہ کو دیکھنا عبادت ہے۔

☆ قرآن مجید کی تلاوت لازم پکڑے آٹھ روزہ قیام میں کم از کم ایک ختم ضرور کرے، تہجد کی نماز کی پابندی کرے اور زیارت کثرت کے ساتھ کرے کم از کم ہر نماز کے بعد یا نماز سے پہلے مواجہہ شریف جا کر حاضری دے اور سلام پیش

کرے۔حاضری اور سلام کے وقت آداب ملحوظ رکھے آہستہ آہستہ پست آواز کے ساتھ سلام پیش کرے نظریں نیچی رکھے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوا گر بیٹھے تو دوزانوں ہو کر بیٹھے۔جالیوں کو ہاتھ لگانے اور چومنے کا موقع ملے تو آنکھیں ٹھنڈی کرے کیونکہ امام احمد ابن حنبلؒ کے نزدیک منبر شریف کا مَس کرنا اور چومنا مستحب ہے۔ منہج السالک میں ہے:

"وَاسْتَحْسَنَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ التَّمُسَّحَ بِالْمِنْبَرِوَ تَقْبِيْلَهٗ"

ترجمہ:امام احمد نے منبر کے چھونے اور چومنے کو مستحسن فرمایا ہے حاشیہ میں اس کی دلیل دی گئی ہے۔

"لِمَارَوٰی اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ عَبْدِالرَّحْمٰنِ ابْنِ عَبْدِالْقَارِیْ اَنَّهٗ نَظَرَ اِلٰی اِبْنِ عُمَرَ وَهُوَ يَضَعُ يَدَهٗ عَلٰی مَقْعَدِ النَّبِیِّ ﷺ مِنَ الْمِنْبَرِ ثُمَّ يَضَعُهٗ عَلٰی وَجْهِهٖ"

ترجمہ: ابراہیم نے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو دیکھا انہوں نے اپنا ہاتھ سرورِ دوعالم ﷺ کے منبر کے بیٹھنے کی جگہ پر رکھا پھر ہاتھ کو اپنے چہرہ پر رکھا۔

☆ لہٰذا بعض علماء فرماتے ہیں اگر کوئی شخص بطور تبرک سرورِ دوعالم ﷺ کے گنبد خضراء کی دیواروں اور جالیوں کا بوسہ لے تو اس میں کوئی حرج نہیں،البتہ گنبد مبارک کا طواف کرنا اور منحنی ہو کر زمین کا بوسہ لینا مکروہ ہے۔اور سجدہ تعظیمی حرام اور سجدہ عبادت کفر ہے کیونکہ معبود صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے پھر جب بھی گنبد مبارک کے سامنے دائیں بائیں آتے جاتے گزر ہو تو تھوڑی دیر ٹھہر کر آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کرے۔

☆ حضرت ابو حازم سے روایت ہے ان کے پاس ایک آدمی آیا اس نے بیان کیا

کہ مجھے جناب سرور دوعالم ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا تم ہم سے گزر جاتے ہو اور سلام بھی نہیں کرتے،اس کے بعد حضرت ابو حازم جب بھی آپ ﷺ کے حجرہ کے قریب سے گزرتے تھے سلام پیش کرتے تھے۔

☆ آج کل سعودی حکومت جالیوں کی جانب قبلہ میں لوگوں کو زیادہ دیر کھڑے ہونے اور بیٹھنے کی اجازت نہیں دیتی اس لئے زائرین سے گزارش ہے کہ قدمین مبارکین کی جانب سے کم از کم آٹھ دن تک آپ ﷺ کی زیارت اور زیادہ بیٹھنے کو لازم کرلے گویا آپ ﷺ کے قدم مبارک پکڑلے، انشاءاللہ آٹھ روز تک پیروں میں بیٹھنے والے کو رسول کریم ﷺ محروم نہیں فرمائیں گے۔چونکہ آج کل مدینہ منورہ میں اکثر لوگوں کو آٹھ دن کے قیام کی اجازت ہوتی ہے اس لئے ہم نے آٹھ دن کا ذکر کیا۔ہو سکے تو مدینہ منورہ میں روزہ رکھتا رہے، فقراء اور مساکین پر صدقہ کی کثرت کرے۔

باب الاستغاثہ

یعنی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

مدد طلب کرنا

باب الاستغاثہ (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کرنا)

- امام محمد بن موسیٰ ابن النعمان نے اپنی کتاب ''مِصْبَاحُ الظَّلَامِ فِيْ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ بِخَيْرِ الْاَنَامِ'' میں بعض واقعات لکھے ہیں جن میں مستغیثین اور فریاد کنندہ لوگوں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی مرغوب چیز طلب کی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عطا فرمائی۔
- حضرت محمد ابن منکدر بیان کرتے ہیں، ایک آدمی نے میرے والد منکدر کے اسی (۸۰) دینار بطور امانت رکھے اور جہاد کیلئے روانہ ہو گیا اور کہہ دیا، اگر ضرورت پڑے تو خرچ کر لینا حتی کہ میں واپس آؤں۔ چنانچہ میرے والد نے تنگدستی کی وجہ سے وہ پیسے خرچ کر ڈالے۔ وہ شخص جہاد سے واپس آ گیا اور اس نے اسی (۸۰) دینار طلب کئے۔ میرے والد کے پاس دینار نہیں تھے مگر والد نے کہا، کل واپس آنا۔ اس رات میرے والد مسجد الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سوئے۔ کبھی سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے قریب لیٹتے اور کبھی منبر شریف کے قریب لیٹتے اور استغاثہ کرتے۔ حتی کہ قریب تھا کہ صبح ہو جائے، فرماتے ہیں ''یَسْتَغِيْثُ بِقَبْرِ النَّبِيِّ ﷺ'' (میرے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کے ساتھ استغاثہ فرماتے رہے) اسی دوران ایک شخص تاریکی میں آیا اور کہنے لگا ''دُوْنَكَهَا يَا اَبَا مُحَمَّدٍ'' (یہ پکڑوائے ابو محمد) میرے والد نے ہاتھ بڑھایا تو وہ ہمیانی (پرس) تھا، جس میں اسی دینار موجود تھے۔ جب صبح ہوئی، وہ آدمی آیا۔ آپ نے اس کو اسی دینار دے دیئے۔

(وفاء الوفاء)

- واضح ہے کہ استغاثہ کی صورت یا تو یہ ہو گی وہ کہتے ہوں گے ''یارسول اللہ! میری مدد فرمائیں'' یا پھر وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہوں گے ''یا اللہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ سے میری مدد فرمائیں'' دونوں صورتوں میں اہل سنت

وجماعت کے مسلک کے حق ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ۔

(محمد رفیق حسنی عفی عنہ)

• امام ابو بکر ابن المقری نے کہا، میں اور طبرانی اور ابوالشیخ سرورِ دو عالم ﷺ کے حرم میں مقیم تھے۔ ہمیں بھوک نے تنگ کیا۔ اس دن ہمیں کچھ نہ ملا۔ جب عشاء کا وقت ہوا، میں قبرِ انور پر حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا، "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلْجُوْعُ" (اے اللہ کے رسول! بھوک نے تنگ کیا ہے) اس کے بعد میں واپس آ گیا۔ مجھے ابوالقاسم نے فرمایا، بیٹھ جاؤ یا تو رزق حاصل ہو گا یا پھر موت۔ ابو بکر نے کہا، میں کھڑا ہوا تھا جبکہ ابوالشیخ اور طبرانی بیٹھے ہوئے کسی چیز میں نظر کر رہے تھے۔ دروازے پر ایک علوی آیا۔ اس نے دروازہ پر دستک دی۔ ہم نے دروازہ کھولا۔ اس کے ساتھ دو لڑکے تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک زنبیل (تھیلا) تھا جس میں کافی چیزیں رکھی تھیں۔ پس ہم بیٹھ گئے اور کھایا اور ہم نے گمان کیا جو بچ جائے گا وہ لڑکے واپس لے جائیں گے مگر وہ لڑکے واپس چلے گئے اور باقی ہمارے پاس چھوڑ گئے۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے۔ علوی نے فرمایا، اے قوم تم نے رسول اللہ ﷺ کو شکایت کی ہے۔ پس میں خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا، آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ لوگوں کیلئے کھانا لے جاؤں۔ (وفاءالوفاء)

• ان دونوں واقعات میں جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے خاص آدمی کو حکم دیا اور اس نے مستغیثین کی مدد فرمائی۔ (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ)

• ابن الجلاد نے بیان کیا، میں مدینۃ النبی ﷺ میں داخل ہوا اور مجھے کئی دن کے فاقے تھے۔ میں قبر کی قریب حاضر ہوا اور عرض کیا "ضَیْفُكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" (میں آپ کا مہمان ہوں اے اللہ کے رسول!) مجھے اونگھ آ گئی۔ میں نے

نبی کریم ﷺ کو دیکھا، آپ نے مجھے روٹی عطا فرمائی۔ میں نے آدھی کھائی اور بیدار ہوا تو باقی آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

• یہ مدد کرنے کا براہ راست طریقہ ہے۔ (اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ)

• حضرت ابوالخیر اقطع بیان کرتے ہیں، میں مدینۃ النبی ﷺ میں داخل ہوا، مجھے سخت فاقہ تھا۔ میں نے پانچ دن قیام کیا مجھے کوئی چیز چکھنے کو نہ ملی۔ میں قبر انور کی طرف آگے بڑھا اور نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں سلام پیش کیا اور ابو بکرؓ اور عمرؓ کو بھی سلام پیش کیا۔ میں نے عرض کیا، "اَنَا ضَیْفُكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" (میں آپ کا مہمان ہوں یا رسول اللہ!) دور جا کر قبر انور کے پیچھے سو گیا۔ نیند میں میں نے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی۔ ابو بکر آپ کے دائیں اور عمرؓ آپ کے بائیں اور علیؓ بن ابی طالب سامنے آ رہے تھے۔ مجھے حضرت علیؓ نے بلایا اور فرمایا، کھڑے ہو جاؤ بیشک جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں۔ میں فوراً اٹھا اور سرورِ دو عالم ﷺ کی دو آنکھوں کے درمیان پیشانی کا بوسہ لیا۔ آپ نے مجھے ایک روٹی عطا فرمائی۔ میں نے آدھی کھا لی اور بیدار ہوا تو آدھی روٹی میرے ہاتھ میں تھی۔

(وفاءالوفاء)

• محمد ابن ابی زرعہ الصوفی نے فرمایا، میں نے اپنے والد اور ابو عبداللہ ابن خفیف کے ساتھ مکہ کیلئے سفر کیا۔ مجھے شدید فاقہ پہنچا۔ ہم مدینۃ الرسول ﷺ میں داخل ہوئے، ہم بھوکے سوئے۔ میں ابھی بالغ نہیں ہوا تھا۔ میں اپنے والد کے پاس بار بار آتا تھا اور کہتا تھا، مجھے بھوک لگی ہے۔ میرے والد سرورِ دو عالم ﷺ کی قبرِ انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا، "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَا ضَیْفُكَ اللَّیْلَةَ" (اے اللہ تعالیٰ کے رسول! میں آج رات آپ کا مہمان ہوں) اور یہ عرض کرنے کے بعد مراقبہ میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا ایک ساعت

روتے تھے اور ایک ساعت ہنستے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ آپ نے جواب دیا، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، انہوں نے میرے ہاتھ درہم رکھے، ہاتھ کھولا تو درہم موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں برکت فرمائی حتیٰ کہ ہم واپسی پر شیراز تک ان دراہم سے خرچ کرتے رہے۔ (وفاء الوفاء)

● احمد بن محمد صوفی کہتے ہیں، میں بیابانوں میں تین ماہ تک سرگردان رہا حتیٰ کہ میری جلد اترنے لگی۔ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ پر اور آپ کے صاحبین پر سلام پیش کیا۔ پھر میں سو گیا۔ نیند میں آپ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے فرمایا "یَا اَحْمَدُ جُعْتَ؟" (اے احمد! کیا تو بھوکا ہے) میں نے عرض کیا، جی ہاں اور میں آپ کی میزبانی میں ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اپنے ہاتھ کھولو۔ میں نے ہاتھ کھولے۔ آپ نے دونوں ہتھیلیاں دراہم سے بھر دیں۔ میں بیدار ہوا تو دونوں ہتھیلیاں بھری ہوئی تھیں۔ میں نے سفید روٹی اور فالودہ خریدا اور کھایا اور مقررہ وقت پر کھڑا ہوا اور اپنے گاؤں میں داخل ہوا۔

● ابو القاسم ثابت ابن احمد بغدادی بیان کرتے ہیں، انہوں نے ایک آدمی کو مدینۃ النبی ﷺ میں دیکھا۔ اس نے نبی کریم ﷺ کی قبر کے نزدیک صبح کی اذان دی اور آذان میں کہا "اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" (نماز نیند سے بہتر ہے) مسجد کے خدام میں سے ایک آدمی نے آکر اذان دینے والے کو تھپڑ مارا کہ تو نے اذان کیوں دی ہے؟ اذان دینے والا سخت رونے لگا اور عرض کرنے لگا، "یا رسول اللہ آپ کے سامنے میرے ساتھ یہ معاملہ کیوں کیا گیا؟" فوراً اسی وقت مارنے والے خادم پر فالج گرا، اسے گھر لے جایا گیا اور تین دن کے بعد فوت ہو گیا۔

● امام سمہودی ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ میں نے عبد السلام حسینی فاسی سے

سنا وہ فرماتے ہیں، میں تین دن تک مدینہ منورہ میں بھوکا رہا۔ کھانے کو کچھ نہ ملا۔ آپ ﷺ کے منبر کے قریب دو رکعت نفل ادا کئے اور میں نے عرض کیا "یَا جَدِّیْ جُعْتُ وَ اَتَمَنّٰی عَلَیْكَ ثَرِیْدَۃً" (اے میرے نانا! میں بھوکا ہوں اور آپ سے ثرید کی تمنا کرتا ہوں) اسی وقت نیند غالب آگئی اور میں سو گیا۔ اچانک ایک آدمی نے مجھے جگایا۔ میں نے دیکھا اس کے ساتھ لکڑی کے پیالے میں ثرید اور گھی اور گوشت اور سلاد موجود تھی۔ مجھے اس نے کہا، کھاؤ۔ میں نے اسے کہا، یہ کہاں سے لائے ہو؟ انہوں نے کہا، ہمارے بچے تین دن سے اسی قسم کے کھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ آج اللہ تعالیٰ نے میرے لئے کرم فرمایا اور توفیق عطا فرمائی۔ میں نے یہ کھانا بنایا پھر سو گیا۔ خواب میں سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ نے فرمایا، تمہارا ایک بھائی اس کھانے کی خواہش رکھتا ہے جا کر یہ کھانا اس کو کھلا دو۔

● میں نے شیخ محمد ابن ابی الامان سے سنا، میں مدینہ منورہ میں محراب فاطمہ کے پیچھے موجود تھا اور وہاں شریف مکثر القاسمی محراب کے پیچھے کھڑے تھے۔ اٹھے اور نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور پھر تبسم فرماتے ہوئے واپس آئے۔ اس سے شمس الدین صواب خادم قبر انور نے پوچھا، کیوں ہنستے ہو؟ اس نے کہا، مجھے فاقہ تھا میں گھر سے نکلا اور سیدہ فاطمہ کے گھر حاضر ہوا اور میں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ استغاثہ کیا اور عرض کیا، میں بھوکا ہوں۔ پھر سو گیا۔ خواب میں سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ انہوں نے مجھے دودھ کا پیالہ عطا فرمایا۔ میں نے پیا حتیٰ کہ سیر ہو گیا پھر اپنے منہ سے دودھ میری ہتھیلی میں لعاب فرمایا۔ سب نے اس کا مشاہدہ کیا۔ (امام سمہودی)

● میں نے عبد اللہ ابن الحسن الدمیاطی سے سنا، انہوں نے کہا، مجھے شیخ الصالح

عبدالقادر التنیسی نے دمیاط کی بارڈر پر بیان کیا، میں فقیر کی ہیئت پر چل رہا تھا، میں مدینۃ النبی ﷺ میں داخل ہوا۔ سرورِ دو عالم ﷺ کو سلام کیا اور بھوک کی وجہ سے تکلیف کا ذکر کیا۔ میں نے روٹی اور گوشت اور کھجور کھلانے کی خواہش کی۔ پھر ریاض الجنۃ کیلئے آگے بڑھ گیا۔ ریاض الجنۃ میں نمازیں پڑھیں اور رات کو اس میں سویا۔ اچانک ایک شخص مجھے جگا رہا ہے، میں جاگا اور اس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ وہ نہایت خوبصورت آدمی تھا۔ مجھے ایک بڑے ثرید کے برتن پر لے گیا، اس میں بکرے کا گوشت اور مختلف اقسام کی کھجوریں اور کثیر روٹیاں تھیں۔ میں نے خوب کھایا، میری تھیلی کو گوشت اور روٹی اور کھجور سے بھر دیا۔ کہنے لگا، میں اشراق کی نماز کے بعد سویا ہوا تھا۔ مجھے خواب میں سرورِ دو عالم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ مجھے آپ ﷺ نے آپ کیلئے یہی کھانا بنانے کا حکم دیا اور آپ کیلئے رہنمائی فرمائی اور فرمایا وہ شخص ریاض الجنۃ میں موجود ہے اور اس نے مجھے اس قسم کے کھانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

- میں نے اپنے دوست علی ابن ابراہیم بوصیری سے سنا، وہ فرماتے ہیں میں نے عبدالسلام ابن ابی القاسم الصقلی سے سنا، اس نے کہا مجھے ایک ثقہ آدمی نے ذکر کیا، جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا، اس نے کہا، میں مدینۃ النبی ﷺ میں مقیم تھا اور میرے پاس کچھ نہ تھا۔ پس میں کمزور ہو گیا تھا۔ پس میں حجرہ کی طرف آیا۔ میں نے عرض کیا: "یَا سَیِّدَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ اَنَا رَجُلٌ مِنْ مِصْرَ وَ لِیْ خَمْسَۃُ اَشْھُرٍ فِیْ جَوَارِكَ وَ قَدْ ضَعُفْتُ" (اے اولین اور آخرین کے سردار! میں مصر کا آدمی ہوں اور پانچ ماہ سے آپ کے جوار میں ہوں اور میں کمزور ہو گیا ہوں) میں نے عرض کیا "اَسْاَلُ اللّٰہَ وَ اَسْأَلُكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" (اللہ تعالیٰ سے میں سوال کرتا ہوں اور یا رسول اللہ آپ سے سوال کرتا ہوں کہ کوئی آدمی مجھے پیٹ بھر کھانا

کھلا دے یا مجھے نکال دے) پھر حجرہ کے نزدیک دعائیں مانگتا رہا۔ میں منبر کے قریب بیٹھا تھا۔ اچانک ایک آدمی حجرہ میں داخل ہوا اور باتیں کرنا شروع کر دیں۔ کہنے لگا "یَا جَدَّاہُ یَا جَدَّاہُ" (اے میرے جد، اے میرے نانا) پھر میری طرف آیا اور میرے ہاتھ کو پکڑا اور کہا کھڑے ہو جاؤ۔ میں اس کے ساتھ چلا گیا۔ باب جبرئیل سے مسجد سے خارج ہوا اور بقیع سے آگے چلا گیا۔ اچانک ایک خیمہ لگا ہوا تھا۔ اس میں ایک کنیز اور ایک عبد موجود تھا۔ اس نے کہا، دونوں اٹھو اور مہمان کیلئے کھانا بناؤ۔ ہم باتیں کرتے رہے اور خادم اور خادمہ نے کھانا بنایا۔ مجھے کھانا کھلایا اور تھیلے میں دو صاع کھجور اور کھانے کی تمام چیزیں رکھیں پھر مجھ سے پوچھا، تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے اس کو نام بتایا۔ وہ کہنے لگا، تجھے اللہ تعالیٰ کی قسم! دوبارہ میرے نانا کو شکایت نہ کرنا کیونکہ ان کو نہایت پریشانی ہوتی ہے۔ آئندہ آپ کو کھانا ملتا رہے گا حتیٰ کہ کوئی آدمی آئے گا جو تجھے اپنے وطن کی طرف لے جائے گا۔ خادم کو کہا، اسے پکڑو اور حجرہ مبارکہ پر چھوڑ آؤ۔ خادم نے حجرہ مبارکہ تک پہنچا دیا اور واپس چلا گیا۔ وہ کھانا جو میں ساتھ لایا تھا، میں چار دن تک کھاتا رہا۔ پھر بھوک لگی اچانک وہی خادم کھانا لایا پھر اسی طرح ہوتا رہا حتیٰ کہ ایک جماعت اور قافلہ مدینہ منورہ سے واپس جانے لگا تو میں ان کے ساتھ ینبوع کی طرف چلا گیا۔

- امام سمہودی فرماتے ہیں، اس سلسلہ میں کثرت سے حکایات ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ فریاد کرنے والوں کی رسول اللہ ﷺ فریاد سنتے ہیں اور مدد بھی فرماتے ہیں۔

- میں مفتی محمد رفیق حسنی کہتا ہوں اس سلسلہ میں "حَیَاتُ النَّبِیِّ ﷺ بعد از وِصَالُ النَّبِیِّ ﷺ" مصنفہ عبدالمجید صدیقی کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔ قارئین اس کا مطالعہ فرمائیں۔

جنت البقیع میں حاضری کا ذکر

جنت البقیع میں حاضری کا ذکر

• صحیح مسلم اور نسائی میں ام المومنین سیدہ عائشہ سے مروی ہے، انہوں نے کہا، جب میری رات تھی جس میں رسول اللہ ﷺ رات میں میرے پاس ہوتے تھے۔ آپ تشریف لائے اور چادر مبارک رکھی اور نعلین اتاری اور نعلین اپنے قدموں کے قریب رکھی اور تہہ بند کے ایک حصے کو بستر پر بچھایا اور لیٹ گئے۔ پس کچھ دیر نہیں ٹھہرے مگر انہوں نے گمان فرمایا کہ میں سوگئی ہوں۔ آہستہ سے اپنا تہہ بند پکڑا اور آہستہ سے جوتے پہنے اور دروازہ کھولا اور باہر تشریف لے گئے پھر تھوڑی دیر بعد میں نے دوپٹہ سر پر اوڑھا اور منہ پر نقاب کیا اور آپ کے پیچھے نکلی اور چلتی رہی حتی کہ آپ بقیع میں آئے۔ آپ نے طویل قیام فرمایا پھر آپ نے تین مرتبہ دعا کیلئے ہاتھ اٹھائے، پھر واپس لوٹے، میں بھی لوٹی۔ آپ تیز تیز چلے، میں بھی تیز تیز چلی پھر ہلکے ہلکے دوڑے میں بھی دوڑی۔ آپ تشریف لائے میں آپ سے پہلے آگئی۔ میں گھر میں داخل ہوئی اور داخل ہوتے ہی لیٹ گئی۔ آپ حجرہ میں داخل ہوئے اور فرمایا، ''مَا لَكِ يَا عَائِشُ حَشْيَا رَابِيَةً'' (تجھے کیا ہوا اے عائشہ سانس پھولنے والی!) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ پر میرا باپ اور ماں فدا ہوں۔ پھر میں نے آپ کو ساری خبر سنادی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، پس سواد تو ہی تھی جو میں اپنے آگے دیکھ رہا تھا؟ میں نے عرض کیا، ہاں۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے میرے سینے میں دبایا جس سے مجھے تکلیف پہنچی۔ پھر فرمایا، کیا تو گمان کرتی ہے ''اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهٗ'' کہ تیرے اوپر اللہ اور اس کا رسول ظلم کرے گا۔ آپ عرض کرتی ہیں، جب لوگ بات چھپاتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اطلاع فرمادیتا ہے؟ آپ نے فرمایا، ہاں۔ آپ نے فرمایا، بیشک

جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے جب تو نے مجھے جاتے دیکھا۔ پس انہوں نے آپ سے معاملہ چھپایا، میں نے بھی آپ سے یہ معاملہ چھپایا، یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ جبرائیل داخل ہوتے آپ پر جبکہ آپ کپڑے رکھ چکی تھیں۔ اور میں نے گمان کیا آپ سو گئیں ہیں۔ پس میں نے ناپسند کیا کہ تمہیں جگاؤں اور مجھے ڈر لگا کہ تم ڈر جاؤ گی۔ جبرائیل نے عرض کیا، یارسول اللہ! بیشک تیرا رب تجھے حکم فرماتا ہے کہ اہل بقیع کے پاس جاؤ اور ان کیلئے استغفار کرو۔ حضرت عائشہؓ عرض کرتی ہیں، میں نے عرض کیا، (جب میں بقیع جاؤں) میں اہل بقیع کو کس طرح کہوں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا، (اس طرح کہو) "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَ یَرْحَمُ اللہُ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ وَ الْمُسْتَأْخِرِیْنَ"۔

اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب بھی میری رات ہوتی، آپ ﷺ رات کے آخری حصے میں بقیع کی طرف تشریف لے جاتے اور بقیع جا کر فرماتے:

"اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِیْنَ وَ اٰتَاکُمْ مَا تُوْعَدُوْنَ وَ نَحْنُ مُؤَجَّلُوْنَ وَ اِنَّا اِنْ شَاءَ اللہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِاَھْلِ بَقِیْعِ الْغَرْقَدِ وَ فِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ شَبَّۃَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللہِ ﷺ مِنْ عِنْدِیْ وَ ظَنَنْتُ اَنَّہٗ خَرَجَ اِلٰی بَعْضِ نِسَائِہٖ فَتَبِعْتُہٗ حَتّٰی جَاءَ الْبَقِیْعَ فَسَلَّمَ وَ دَعَا ثُمَّ انْصَرَفَ فَسَأَلْتُہٗ اَیْنَ کُنْتَ؟ فَقَالَ اِنِّیْ اُمِرْتُ اَنْ اٰتِیَ اَھْلَ الْبَقِیْعِ فَاَدْعُوْ لَھُمْ۔" (وفاء الوفاء)

ترجمہ: "السلام ہو تم پر اے مومنوں کی قوم، تم سے جو وعدہ کیا گیا تھا وہ تم پر آ گیا۔ ہم مؤخر کئے گئے اور بیشک ہم انشاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! بقیع الغرقد والوں کی مغفرت فرما۔ اور ابن شبہ کی روایت میں ہے، ام المومنین سیدہ عائشہ فرماتی ہیں، سرورِ دو عالم ﷺ

میرے پاس سے نکلے، میں نے گمان کیا وہ اپنی کسی بیوی کے پاس جانے کیلئے نکلے ہیں۔ میں آپ کے پیچھے گئی حتیٰ کہ آپ بقیع آ گئے۔ آپ نے سلام کیا اور دعا فرمائی۔ پھر واپس لوٹے۔ میں نے آپ سے عرض کیا، آپ کہاں تھے؟ آپ نے فرمایا، مجھے امر کیا گیا تھا کہ میں اہل بقیع کے پاس آؤں اور ان کیلئے دعا کروں۔"

- آپ ﷺ کا جنت البقیع قبرستان میں تشریف لے جانا اور ان کیلئے دعا کرنا متعدد احادیث سے ثابت ہے اور اس کا انکار وہی کر سکتا ہے جو احادیث کا منکر ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

- ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، آپ ﷺ کا خادم ابو مویہبہ بیان کرتے ہیں، مجھے جناب رسول اللہ ﷺ نے رات کے ایک حصہ میں جگایا اور فرمایا، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اہل بقیع کیلئے استغفار کروں، تم میرے ساتھ چلو۔ میں آپ کے ساتھ چلا۔ جب اہل بقیع کے درمیان پہنچے، آپ نے فرمایا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْمَقَابِرِ" تمہیں مبارک ہو اس حال میں جس میں تم پہنچے ان لوگوں سے جو (بعد میں) پہنچیں گے۔ تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح فتنے لوگوں کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ ہر فتنے کا دوسرا پہلے کے تابع ہے اور دوسرا فتنہ پہلے سے زیادہ شر ہے۔ پھر آپ نے طویل استغفار فرمایا۔ ایک روایت میں ہے، اے ابو مویہبہ بیشک مجھے دنیا اور خلد یعنی دنیا میں ہمیشہ رہنے کے خزانوں کی چابیاں دی گئی ہیں اور مجھے اختیار دیا گیا ہے اس کے اور اپنے رب کے ساتھ ملاقات اور پھر جنت کے درمیان۔ میں نے عرض کیا، میرا باپ اور ماں آپ پر فدا ہوں۔ آپ دنیا و دنیا میں ہمیشہ رہنے کیلئے خزانوں کی چابیاں لے لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، نہیں، اللہ کی قسم! اے ابو مویہبہ! میں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات اور پھر جنت کو اختیار کر لیا

ہے۔ پھر آپ ﷺ واپس لوٹ آئے اور صبح آپ کی اس مرض کی ابتداء ہو گئی جس میں آپ کا وصال ہو گیا۔(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

● حضرت حسن سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بقیع الغرقد تشریف لائے، آپ نے تین مرتبہ فرمایا: "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ" کاش تم وہ جانتے جس سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے نجات دی، ان چیزوں میں سے جو بعد میں واقع ہونے والیاں ہیں۔ پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، یہ اہل قبور تم لوگوں سے بہتر ہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ! بیشک وہ ہمارے بھائی ہیں، ہم ایمان لائے جس طرح وہ ایمان لائے اور ہم نے خرچ کیا جس طرح انہوں نے خرچ کیا اور ہم نے جہاد کئے جس طرح انہوں نے جہاد کئے اور ان پر اجل آگئی اور ہم انتظار کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، وہ چلے گئے انہوں نے اپنے اجر سے کچھ نہیں کھایا اور تم اپنے اجر سے کھا رہے ہو اور میں نہیں جانتا میرے بعد تم کیا کرو گے؟

● ابن زبالہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبرستان کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا، "اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ" پر فرمایا، بیشک میں پسند کرتا ہوں کہ (بعد میں آنے والے) اپنے بھائیوں کو دیکھتا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا ہم تمہارے بھائی نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا، تم میرے اصحابی ہو اور ہمارے بھائی وہ ہیں جو ابھی نہیں آئے اور میں حوض کے اوپر ان کا فرط (استقبال کرنے والا) ہوں گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ کس طرح ان لوگوں کو پہچانیں گے جو آپ کی امت سے ابھی نہیں آئے۔ آپ نے فرمایا، تم مجھے خبر دو اگر ایک آدمی کے گھوڑے سفید ماتھے اور ٹانگوں والے کالے سیاہ گھوڑوں میں مل جائیں،

کیا وہ شخص اپنے گھوڑوں کو نہیں پہچانے گا۔ صحابہ نے عرض کیا، کیوں نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، میرے امتی قیامت کے دن وضو کی وجہ سے سفید ماتھے اور سفید اعضاء کے ساتھ آئیں گے اور میں حوض کے اوپر ان کا انتظار کرنے والا ہوں گا اور دور کئے جائیں گے کچھ آدمی میرے حوض سے جیسے کہ دور کیا جاتا ہے گم شدہ اونٹ۔ میں انہیں آواز دوں گا خبردار آنے دو آنے دو آنے دو۔ کہا جائے گا، انہوں نے آپ کے بعد دین بدل لیا تھا۔ پس میں کہوں گا دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔

(وفاء الوفاء، ص ۲۹، ج ۳)

بقیع کے فضائل:

● سیدہ حمنہ کے غلام نافع نے ام قیس بنت محصن (جو کہ حضرت عکاشہ کی بہن ہیں) سے روایت کیا، بیشک ام قیس سرورِ دو عالم ﷺ کے ساتھ بقیع کی طرف نکلی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اس مقبرہ سے ستر ہزار افراد اٹھیں گے جو کہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے اور ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ ایک آدمی کھڑا ہوا، اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! "وَ اَنَا" (اور میں) آپ نے فرمایا، "وَ اَنْتَ" (اور تو) پھر دوسرا شخص کھڑا ہوا، اس نے عرض کیا اور میں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ بِلَا حِسَابٍ" (جنت میں جانے کے ساتھ تجھ سے عکاشہ نے سبقت کر لی) راوی کہتے ہیں، میں نے ام قیس سے کہا، آپ ﷺ نے دوسرے آدمی کو کیوں نہیں فرمایا کہ تو بھی بلا حساب جنت میں جائے گا؟ حضرت ام قیس نے فرمایا، میں گمان کرتی ہوں کہ وہ منافق تھا۔

● اگرچہ طبرانی کی اس روایت میں جنت البقیع کے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ان میں سے ستر ہزار بلا حساب جنت میں جائیں گے مگر دوسری روایات میں جنت البقیع

کی تخصیص اور قید نہیں ہے اور ان روایات میں ستر ہزار سے زائد لوگوں کے بلاحساب جنت میں داخل ہونے کا ذکر ہے۔ چنانچہ ابو ہریرہؓ سے مرفوع حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، میں نے ستر ہزار سے زائد لوگوں کی بلا حساب مغفرت کا سوال کیا۔اللہ تعالیٰ نے ان ستر ہزار میں سے ہر ایک آدمی کے ساتھ ستر ہزار کے بلاحساب جنت میں جانے کا ذکر فرمایا اور حضرت انسؓ کی روایت یہ بھی ہے کہ ان مغفرت شدہ لوگوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے اپنی تین حثیات (تین مٹھیاں) بھر کر ان کو معاف کردے گا (دو بازو کے درمیان آنے والی چیزوں کو بھی حثیات کہا جاتا ہے۔)اللہ تعالیٰ نے ان کی مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے نہ ان کا حساب ہوگا اور نہ ان پر عذاب ہوگا۔ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ کی حثیات کی وسعت کتنی ہوگی۔

- حافظ ابن حجر نے اس سے بھی زائد کی مغفرت کی روایات کا ذکر فرمایا ہے اور ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار افراد کا ذکر فرمایا ہے۔اس سے بقیع کے ستر ہزار افراد کا بلاحساب جنت میں جانے والی روایات کی تائید ہوتی ہے۔ آخر میں فرمایا، "فَالْكَرَمُ عَمِيْمٌ وَالْجَاهُ عَظِيْمٌ" (اللہ تعالیٰ کا کرم عام اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جناب رسول اللہ ﷺ کی وجاہت عظیم ہے)۔(وفاء الوفاء)
- اللہ تعالیٰ کی ایک مٹھی ہی اتنی وسیع ہوگی جس میں سب اہل ایمان آجائیں گے۔ تین کی وسعت کا کیا اندازہ!

جنت البقیع میں تدفین کی ترغیب:

- حدیث شریف میں ہے:

"مَا عَلَى الْاَرْضِ بُقْعَةٌ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ اَنْ یَّکُوْنَ قَبْرِیْ بِهَا مِنْهَا"

ترجمہ: "زمین پر کوئی بقعہ مجھے محبوب تر نہیں ہے کہ اس میں میری قبر

ہو بقیع کے مقبرہ سے۔"

- آپ ﷺ نے اس کلام کا تین مرتبہ تکرار فرمایا۔
- اور ایک حدیث میں ہے: "مَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّمُوْتَ بِالْمَدِيْنَةِ فَلْيَمُتْ بِهَا فَاِنِّيْ اَشْفَعُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا" (جو شخص مدینہ میں موت کی استطاعت رکھتا ہے وہ مدینہ میں فوت ہو، بیشک میں اس شخص کی شفاعت کروں گا جو مدینہ میں فوت ہوگا) اور ایک روایت میں ہے "فَاِنِّيْ اَشْهَدُ لِمَنْ يَّمُوْتُ بِهَا" (بیشک میں گواہی دوں گا اس شخص کے لئے جو مدینہ میں فوت ہوگا۔) اور ایک روایت میں ہے "فَاِنَّهٗ مَنْ مَاتَ بِهَا كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا اَوْ شَفِيْعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ" (بیشک جو شخص مدینہ میں فوت ہوگا اس کیلئے میں شہید یا شفیع ہوں گا قیامت کے دن۔) اور رزین کی روایت میں یہ لفظ زائد ہیں، بیشک میں پہلا شخص ہوں گا جس سے زمین شق ہوگی پھر ابو بکر پھر عمر پھر میں بقیع آؤں گا پس اہل بقیع اٹھائے جائیں گے پھر اہل مکہ کا انتظار کروں گا پس میں حرمین کے درمیان اٹھوں گا۔(وفاء الوفاء)
- ابن زبالہ کی روایت میں ہے، دو مقبرے اہلِ سماء کیلئے اس طرح چمکتے ہیں جس طرح سورج اور چاند اہل دنیا کیلئے روشن ہیں۔ ہمارا مقبرہ بقیع جو کہ مدینہ کا بقیع ہے اور عسقلان کا مقبرہ۔
- الحاصل، جنت البقیع قبرستان کے فضائل کثرت سے احادیث میں موجود ہیں اور سابقہ کتب تورات وغیرہ میں بھی فضائل کا ذکر موجود ہے۔ صاحب الوفاء سمہودی فرماتے ہیں، جنت البقیع میں دعا قبول ہوتی ہے: "يُسْتَحَبُّ الدُّعَاءُ فِيْ جَمِيْعِ الْاَمَاكِنِ الَّتِيْ دَعَا بِهَا النَّبِيُّ ﷺ وَ كُلُّهَا مَوَاطِنُ اِجَابَةٍ" (وفاء الوفاء) (تمام ان اماکن میں دعا کرنا مستحب ہے جن میں سرورِ دو عالم ﷺ نے دعا فرمائی تھی اور سارے مواضع اجابت کے مواطن ہیں۔) لہٰذا اہل بقیع کو سلام کرنے کے

بعد ایصال ثواب کیا جائے اور دعا بھی کی جائے۔

جنت البقیع میں بعض اہلِ قبور کا ذکر:

● حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک حضرت عثمان ابن مظعون کے ساتھ ہے۔ حضرت ابراہیم سولہ ماہ کی عمر میں فوت ہو گئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، اسے بقیع میں دفن کرو، اس کیلئے دودھ پلانے والی مقرر کر دی گئی ہے جو اس کا رضاع مکمل کرے گی۔ آپ ﷺ نے اپنے بیٹے سیدنا ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا اور مٹی ڈالی۔ جب فارغ ہوئے تو فرمایا ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ''۔ امام سمہودی اور دیگر مورخین نے جنت البقیع میں ان مقامات اور مواضع کی نشاندہی کی ہے جہاں صحابہ کرام اور آل رسول ﷺ کی قبریں تھیں۔ اہلِ مدینہ نے جنت البقیع میں ببول کے درخت کاٹ کر اپنے اور اپنے عزیزوں کیلئے مخصوص قطعات مخصوص کر لئے تھے جیسا کہ حضرت عثمان ابن مظعون کی قبر کے ساتھ ایک قطعہ پر سرورِ دوعالم ﷺ کی آل پاک کے افراد کے لئے جگہ مخصوص کر لی گئی تھی۔

حضرت عثمان ابن مظعون کی قبر انور:

● حضرت محمد ابن قدامہ نے اپنے دادا سے روایت کیا کہ حضرت عثمان ابن مظعون کو جب سید العرب والعجم ﷺ نے دفن فرمایا، آپ کی قبر کے سرہانے پر پتھر رکھنے کا حکم فرمایا۔ اس پتھر سے نشاندہی ہوتی تھی کہ یہ حضرت عثمان ابن مظعون کی قبر ہے۔

● مدینہ منورہ میں مہاجرین میں سے سب سے پہلے حضرت عثمان ابن مظعون نے وصال فرمایا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس کو کہاں دفن کریں گے؟ آپ نے فرمایا، بقیع میں۔ آپ ﷺ نے ان کیلئے لحد بنوائی اور لحد کو بند کرنے کیلئے جمع شدہ پتھروں سے باقی رہ جانے والے ایک پتھر کو حضرت عثمان ابن

مظعون کی قبر پر رکھا وہ پتھر بہت وزنی تھا۔ ایک صحابی اسے نہ اٹھا سکے تو آپ ﷺ نے اپنے بازوؤں سے کپڑا ہٹایا اور اس پتھر کو اٹھا کر عثمان ابن مظعون کی قبر پر رکھا تاکہ آپ کی قبر پہچانی جائے۔ مگر جب مروان ابن الحکم مدینہ منورہ کا گورنر بنا اس نے وہ پتھر اس جگہ سے ہٹوا دیا اور کہنے لگا، اللہ تعالیٰ کی قسم! یہ پتھر یہاں نہیں ہوگا تاکہ عثمان ابن مظعون کی قبر پہچانی جائے۔ مروان نے وہ پتھر حضرت عثمان ابن عفان کی قبر انور پر رکھوا دیا۔ (وفاء الوفاء) مگر بنو امیہ نے مروان کے اس عمل پر مذمت کی اور اسے کہا، یہ پتھر خود سرورِ دوعالم ﷺ نے اپنے ہاتھوں سے رکھا تھا اور فرمایا تھا ''اَتَعَلَّمُ بِهٖ قَبْرَ اَخِیْ وَ اَدْفَنُ اِلَیْهِ مَنْ مَاتَ مِنْ اَهْلِیْ'' (میں اپنے بھائی کی قبر کی نشانی اس پتھر سے لگاتا ہوں اور میرے اہل سے جو شخص فوت ہوگا اس کو یہاں دفن کروں گا)۔

سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی قبر انور:

● ابن شبہ نے روایت کیا کہ جب رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''اَلْحِقِیْ بِسَلَفِنَا الْخَیْرِ عُثْمَانَ ابْنِ مَظْعُوْنٍ'' (ہمارے سلفِ خیر عثمان ابن مظعون کے ساتھ لاحق ہو جا (اے رقیہ)۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں، ''وَ بَکَی النِّسَاءُ'' (اور عورتیں رونے لگیں) حضرت عمرؓ اپنے عصا کے ساتھ عورتوں کو خاموش کرانے کیلئے مارنے لگے۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے عمر کو ہاتھ سے اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا:

''دَعْهُنَّ یَا عُمَرُ وَ اِیَّاکُنَّ وَ نَعِیْقَ الشَّیْطَانِ فَاِنَّهٗ مَهْمَا یَکُنْ مِنَ الْعَیْنِ وَالْقَلْبِ فَمِنَ اللّٰهِ وَ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ مَهْمَا یَکُنْ مِنَ اللِّسَانِ وَ مِنَ الْیَدِ فَمِنَ الشَّیْطَانِ'' (وفاء الوفاء)

ترجمہ: ''اے عمر! عورتوں کو رونے دو، چھوڑو، نہ مارو۔ اے عورتو!

شیطانی آواز سے اجتناب کرو کیونکہ آنکھ اور دل سے جو کچھ ہوتا ہے وہ اللہ کی جانب سے اور رحمت سے ہوتا ہے اور جو زبان اور ہاتھوں سے واقع ہوتا ہے وہ شیطان کی جانب سے ہوتا ہے۔"

- حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، پھر قبر کے کنارے سیدہ فاطمۃ الزہراء روئیں۔ سرورِ دو عالم ﷺ سیدہ فاطمہ کے آنسو اپنے کپڑے سے صاف کرتے رہے۔
- سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ حضرت عثمان ابن عفان کی زوجہ تھیں۔ غزوۂ بدر کے ایام میں وہ بیمار تھیں۔ سرورِ دو عالم ﷺ نے حضرت عثمان اور اسامہ ابن زید کو سیدہ رقیہ کی تیمارداری کیلئے مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم فرمایا۔ صحیح یہ ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ سیدہ رقیہ کی تدفین میں شریک نہ ہو سکے تھے بلکہ جب بدر سے آپ واپس تشریف لائے تو سیدہ رقیہ کو حضرت عثمانؓ دفن کر چکے تھے۔ لہٰذا سابقہ روایت یا تو سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہے یا سیدہ زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے متعلق ہے۔ کیونکہ سیدہ زینب کا وصال آٹھ ہجری میں واقع ہوا۔ ہر صورت سرورِ دو عالم ﷺ کی تینوں شہزادیوں کو حضرت عثمان ابن مظعون کے قریب دفن کیا گیا تھا۔ مگر سیدہ فاطمۃ الزہراء کی تدفین کی جگہ میں اختلاف ہے جیسا کہ عنقریب ذکر کیا جائے گا۔ (وفاء الوفاء)
- سابقہ روایت سے معلوم ہوا، خواتین کا اپنے عزیزوں کی وفات پر رونا جائز ہے بشرطیکہ صرف آنسو بہیں اور دل میں غم اور اندوہ ہو، بلا اختیار زبان سے خارج ہونے والے الفاظ بھی جائز ہیں کیونکہ جب آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں تو آواہ اوہ کی آواز کا خروج لازم ہے اور زبان سے میت کے متعلق مدحیہ کلمات اور ہاتھوں سے سینہ کوبی وغیرہ شیطانی عمل ہے۔ (وفاء الوفاء، ص۸۵، ج۳)

حضرت فاطمہ بنت اسد (حضرت امِ علیؓ) کی قبر انور کا ذکر:

- ابن زبالہ نے محمد ابن عمر ابن علی ابن ابی طالب سے روایت کیا کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے سیدہ فاطمہ بنت اسد کو اپنے مبارک ہاتھوں کے کے ساتھ دفن فرمایا۔ سیدہ فاطمہ بنت اسد ان عورتوں میں سے تھیں جنہوں نے سرورِ دو عالم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کا شرف حاصل کیا تھا اور مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ آپ کو جنت البقیع میں روحاء کی جگہ دفن کیا گیا۔ آپ کی قبر کے بعد سیّدنا ابراہیم ابن رسول اللہ ﷺ کی قبر ہے اور پھر حضرت عثمان ابن مظعون کی قبر ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا پانچ خوش نصیبوں کی قبر مبارک میں اترنا:

- ابن شبہ نے عبدالعزیز ابن عمران سے روایت کیا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ برکت کیلئے صرف پانچ خوش نصیب افراد کی قبروں میں اترے تھے، تین عورتیں اور دو مرد:

(۱) سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی قبر میں جو کہ جنت المعلیٰ مکہ میں ہے۔ اور چار قبریں مدینہ میں ہیں: (۲) ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ کے بیٹے ہند ابن خدیجۃ الکبریٰ جو کہ حضرت خدیجہ کے آپ ﷺ سے پہلے شوہر کے بیٹے تھے۔ آپ اس کی قبر میں بھی اترے تھے۔ (۳) آپ ﷺ عبداللہ المزنی ذوالبجادین کی قبر میں اترے تھے۔ آپ کو ذوالبجادین اس لئے کہا جاتا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ جب ہجرت کے دن وادی غابر سے گذر رہے تھے، آپ ایک راستہ پر جانے لگے جو نہایت مشکل تھا۔ ذوالبجادین نے جب یہ دیکھا اس نے اپنے والد سے کہا، مجھے جانے کی اجازت دیں تاکہ آپ کو آسان راستہ بتاؤں۔ اس کے والد نے انکار کر دیا اور اس کے کپڑے اتار لئے تاکہ نہ جاسکے۔ ذوالبجادین نے بالوں

سے بنے ہوئے کپڑے کے دو ٹکڑوں سے آگے اور پیچھے اپنے ستر کو چھپایا اور آپ ﷺ کے پاس پہنچا اور آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر آسان راستہ پر اسے روانہ کیا۔ پھر اس نے مدینہ منورہ حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ ﷺ آپ کی قبر میں برکت کیلئے اترے اور ان کو دفن فرمایا۔ (بجاد بالوں سے بنے ہوئے کپڑے کے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے)

(۴) ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی والدہ ام رومان کی قبر میں بھی آپ ﷺ اترے تھے۔ (۵) اور سیدہ فاطمہ بنت اسد (حضرت علیؓ کی والدہ) کی قبر میں بھی اترے تھے۔

● سیدہ فاطمہ بنت اسد کے متعلق مختلف روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ بنت اسد بیمار تھیں، اس کے پاس سرورِ دوعالم ﷺ تشریف لے گئے۔ آپ نے موت کے آثار دیکھے۔ آپ نے فرمایا، جب ان کا وصال ہو جائے مجھے اطلاع دینا۔ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں، ہم سرورِ دوعالم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے آکر عرض کیا، یارسول اللہ! حضرت علی اور جعفر اور عقیل کی والدہ فوت ہو گئیں ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "قُوْمُوْا اِلٰی اُمِّیْ" (میری ماں کی طرف اٹھو اور چلو) جب ہم آپ کے ساتھ چل رہے تھے نہایت خاموشی تھی۔ جب آپ ان کے گھر پہنچے، سیدہ فاطمہ کے سر کے قریب جاکر بیٹھ گئے اور فرمایا "رَحِمَكِ اللّٰہُ یَا اُمِّیْ بَعْدَ اُمِّیْ" (اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اے میری ماں کے بعد میری ماں۔) آپ ﷺ نے اپنی قمیص اتاری اور فرمایا، جب ان کو غسل دے دیا جائے میری یہ قمیص انہیں پہنا دی جائے۔ تکفین کے بعد سیدہ فاطمہ بنت اسد کو اٹھا کے لوگ نکلے، سرورِ دوعالم ﷺ کبھی جنازہ خود اٹھاتے تھے اور کبھی آگے چلتے تھے اور کبھی پیچھے چلتے تھے۔ حضرت اسامہ ابن زید اور ابو ایوب انصاری

اور عمر ابن خطاب اور اسود غلام کو آپ نے پہلے بقیع میں لحد بنانے کا حکم دے دیا تھا۔ آپ پہنچے تو قبر کھودی جا رہی تھی۔ آپ ﷺ نے ان سے بیلچہ لیا اور خود بھی کھدائی میں حصہ لیا۔ جب لحد تیار ہو گئی، آپ ﷺ لحد میں اتر کر تھوڑی دیر کیلئے لیٹ گئے اور پھر باہر تشریف لائے اور حکم دیا، ان کو دفن کر دیا جائے۔ فرمایا "اُدْخُلُوْھَا بِاِسْمِ اللّٰہِ وَ عَلٰی اِسْمِ اللّٰہِ" (اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے نام پر ان کو قبر میں داخل کر دو۔) جب دفن کرنے کے بعد قبر پر مٹی ڈال دی گئی، آپ تھوڑی دیر کیلئے قبر پر کھڑے رہے اور فرمایا "جَزَاكِ اللّٰہُ مِنْ اُمٍّ وَ رَبِیْبَةٍ خَیْرًا فَنِعْمَ الْاُمُّ وَ نِعْمَ الرَّبِیْبَةُ كُنْتِ لِیْ" (اے فاطمہ! اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے، ماں اور پرورش کرنے کی وجہ سے تو اچھی ماں اور ربیبہ تھی۔) پھر آپ ﷺ نے دعا فرمائی:

"اَللّٰہُ الَّذِیْ یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ وَ ھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ اِغْفِرْ لِاُمِّیْ فَاطِمَةَ بِنْتِ اَسَدٍ وَ وَسِّعْ عَلَیْھَا مَدْخَلَھَا بِحَقِّ نَبِیِّكَ وَالْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلُ فَاِنَّكَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔"

ترجمہ: "اے اللہ جو زندہ کرتا ہے اور موت دیتا ہے اور ہمیشہ زندہ ہے، جسے موت نہیں! تو میری ماں فاطمہ بنت اسد کی مغفرت فرما اور اس کا مدخل (دخول کی جگہ قبر) اس پر وسیع فرما اپنے نبی اور سابقہ نبیوں کے حق کے طفیل۔ پس بیشک تو ارحم الراحمین ہے۔"

حضور ﷺ کی قمیص کی برکت سے آگ کا نہ لگنا:

● آپ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کی گئی "یارسول اللہ! آج آپ نے دو کام ایسے کئے ہیں جو ہم نے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ ایک یہ کہ آپ نے فاطمہ بنت اسد کو اپنی قمیص عطا فرمائی اور دوم یہ کہ آپ پہلے ان کیلئے تیار لحد میں کچھ دیر کیلئے

اترے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

"اَمَّا قَمِیْصِیْ فَاُرِیْدُ اَنْ لَا تَمَسَّهَا النَّارُ اَبَدًا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَ اَمَّا تَمَعُّکِیْ فِی اللَّحْدِ فَاَرَدْتُ اَنْ یُّوَسِّعَ اللّٰهُ عَلَیْهَا فِیْ قَبْرِهَا۔"

ترجمہ: "رہی میری قمیص تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کو جہنم کی آگ ہمیشہ کیلئے نہ چھوئے انشاءاللہ اوران کی قبر میں لیٹا اس لئے کہ میں نے ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ ان پر ان کی قبر کو وسیع فرمائے۔" (وفاءالوفاء)

- ان روایات سے معلوم ہوا، وصال یافتہ انبیاء عظام کے وسیلہ سے دعا مانگنا ہمارے نبی ﷺ کی سنت ہے اور یہ بھی معلوم ہوا، قبر پر کھڑے ہو کر دعا مانگنا بھی سنت ہے۔جب سرورِ دوعالم ﷺ کی سوتیلی والدہ کی مغفرت کیلئے قمیص اور آپ کا قبر میں لیٹنے کا حیلہ جائز ہے تو پھر دوسروں کیلئے بطریق اولیٰ جائز ہے۔اور معلوم ہوا آپ ﷺ کے جسم اقدس کے ساتھ ملامس قمیص جہنم کی آگ سے محفوظ رہنے کا فائدہ دیتی ہے۔

سیدہ فاطمہ بنت محمد رسول اللہ ﷺ کی قبر کا ذکر:

- سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر انور کے متعلق دو روایتیں ہیں۔

ایک روایت حضرت حسین کے پوتے حضرت عمر کی ہے کہ حضرت عمر ابن علی زین العابدین ابن حسین فرماتے ہیں، سیدہ فاطمۃ الزہراء کی قبر انور جنت البقیع میں دار عقیل کے احاطہ میں ہے اور حضرت عفرہ کے غلام عمر ابن عبداللہ سے روایت بھی اسی طرح ہے۔اور دوسری روایت امام باقر کی ہے، عبدالعزیز ابن عمران حماد بن عیسیٰ سے اور وہ امام جعفر صادق سے اور وہ اپنے والد امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کی قبر انور اپنے مکان میں ہے۔وہ فرماتے ہیں، آپ کو رات کے وقت دفن کیا گیا اور آپ کی قبر انور اس کمرہ میں ہے جس کو عمر ابن

عبدالعزیز نے مسجد میں داخل فرمالیا تھا۔

- سیدہ فاطمۃ الزہراء کے وصال کو بالکل خفیہ رکھا گیا تھا۔اکثر روایات میں ہے کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی، مجھے اسماء بنت عمیس اور علی غسل دیں، میری موت اور تدفین کو پوشیدہ رکھا جائے۔ چنانچہ حضرت علیؓ پانی کا انتظام فرماتے تھے اور حضرت اسماء نے آپ کو غسل دیا اور پھر حضرت علی نے اپنے مخصوص افراد کے ساتھ آپ کی نمازِ جنازہ ادا کی اور دفن کر دیا۔ حضرت ابو بکر الصدیق جو کہ اس وقت امیر المومنین تھے، ان کو بھی اطلاع نہ دی گئی۔ بعض علماء بیان کرتے ہیں، یہ اس لئے ہوا کیونکہ سیدہ فاطمۃ الزہراء نے وصیت فرمائی تھی کہ میری تدفین کے جملہ امور مخفی رکھے جائیں۔
- سیدہ فاطمۃ الزہراء سرورِ دوعالم ﷺ کے وصال کے بعد بیمار رہنے لگی تھیں اور تین رمضان ۱۱ ہجری تقریباً چھ ماہ بعد آپ کا رات کے وقت وصال ہو گیا اور حسبِ وصیت آپ کو اسی رات دفن کر دیا گیا۔
- مختلف روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی قبر انور گنبد خضراء کے ساتھ متصل ان کے اپنے مکان میں ہے اور یا ان کی قبر جنت البقیع میں دار عقیل کے احاطہ میں ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان بریلوی "فتاوی رضویہ" میں لکھتے ہیں، دونوں قسم کی روایتیں موجود ہیں مگر ارواح قبروں میں مقید نہیں ہوتیں اس لئے میرے ایک دوست فرماتے ہیں، میں دونوں جگہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کا فیض محسوس کرتا ہوں۔ (فتاوی رضویہ)

حضرت علیؓ کے بعض بیٹوں کی قبروں کا ذکر:

- امام حسنؓ کی قبر جنت البقیع میں ہے اور امام جعفر صادق کی وفات سن ایک سو اڑھتالیس (۱۴۸ ہجری) میں ہوئی۔آپ کو اپنے والد امام محمد باقر اور دادا امام زین

العابدین کے ساتھ جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ ۳۳۲ہجری میں ایک سنگ مرمر کی اینٹ ملی، جس پر لکھا تھا:

''بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ مُبِيْدِ الْاُمَمِ وَ مُحْيِي الرُّمَمِ هٰذَا قَبْرُ فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ سَيِّدَةِ نِسَاءِ الْعَالَمِيْنَ وَ قَبْرُ الْحَسَنِ ابْنِ عَلِيٍّ وَ عَلِيِّ ابْنِ الْحُسَيْنِ ابْنِ عَلِيٍّ وَ قَبْرُ مُحَمَّدِ ابْنِ عَلِيٍّ وَ جَعْفَرَ ابْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔'' (وفاءالوفاء)

- سیدہ فاطمۃ الزہراء اور دیگر سلف صالحین خصوصاً اہل بیت کی قبروں کی عدم تعیین کی وجہ صاحب الوفاء امام سمہودی بیان فرماتے ہیں کہ سلف صالحین صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی قبروں کا تعین ایک تو اس لئے نہیں ہو سکتا کہ قبریں کچی تھیں اور ان کو پختہ اینٹوں سے نہیں بنایا گیا تھا۔ مرورِ زمانہ سے وہ لوگ وصال پاگئے جنہوں نے تدفین کے وقت شرکت کی تھی۔ دوم اس لئے کہ اہل بیت عظام کے ساتھ حکمرانوں کی عداوت اور انتقام کی روش سے خود اہل بیت کرام نے اپنے عزیزوں کی قبروں کو مخفی رکھا۔ مثلاً پہلے گذر چکا ہے، مروان جب مدینہ منورہ کا حاکم بنا اس نے حضرت عثمان ابن مظعون کی قبر مبارک سے وہ مبارک پتھر ہٹا دیا جو خود سرورِ دو عالم ﷺ نے بطور علامت ان کی قبر پر نصب فرمایا تھا۔ اور مسعودی نے ذکر کیا کہ عباسی خلیفہ متوکل نے ۲۳۶ ہجری میں اپنے نمائندہ زبرج کو حکم دیا، حضرت امام حسین ابن علیؓ کی قبر کو گرادے اور زمین کھود کر اس کا نام اور نشان مٹادے اور جو شخص رکاوٹ بنے، اسے حسب منشاء سزا دے۔ چنانچہ زبرج نے امام حسینؓ کی قبر انور کو توڑ دیا اور اس کے آدمیوں نے قبر انور سے لحد کھودی تو اندر سے کوئی چیز نہ ملی حتی کہ ہڈیاں بھی موجود نہ تھیں۔ متوکل اپنی حکومت کے دور میں اہل بیت عظام کی قبروں کو منہدم کرتا رہا۔ یہ وجہ تھی کہ

حضرت علیؓ نے سیدہ فاطمہ کی قبر انور کو مخفی رکھا تھا تاکہ آئندہ آنے والے خارجی ان کی بے حرمتی نہ کریں اور بالفرض آج تک اہل بیت عظام کی قبریں موجود ہوتیں تو موجودہ سعودی حکومت جو ۱۹۲۶ عیسوی سے حجاز اور مکہ اور مدینہ پر مسلط ہے، قبروں کو بلڈوزروں سے مٹا دیتی۔ اہل عصر جانتے ہیں، ابواء کے مقام پر سیدہ آمنہ ام رسول اللہ ﷺ کی قبر کو موجودہ حکومت نے بلڈوزر سے زمین کی تہہ تک زیروزبر کردیا اور مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب سرورِ دوعالم ﷺ کے والد کریم کی قبر کا نام ونشان ہی ختم کردیا اور جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں بلڈوزروں سے تمام قبروں کو منہدم کردیا۔ خارجی عقیدہ کے وہ لوگ جو مروان اور عباسی خلفاء کی طرز پر اولیاء کرام اور اہل بیت عظام اور جملہ مومنین کی قبروں سے بھی انتقام لینے کی روش بنائے ہوئے ہیں۔ ان کے خوف سے اسلاف نے اپنے عزیزوں کی قبروں کو نمایاں نہیں کیا۔ جب بنو عباس کی حکومت وجود میں آئی تو ابوالعباس السفاح اور اس کے بعد آنے والے خلفاء نے بنو امیہ کی قبروں کو کھدوا کر ان کی ہڈیوں کو بھی آگ میں جلاڈالا۔ سیدنا امیر معاویہ کی قبر جب کھودی گئی تو آپ کی قبر میں سوائے ایک دھاگے کے کچھ نہ ملا مگر ہشام ابن الملک کی لاش مل گئی، اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اسے جلادیا گیا۔ قبروں کے دشمن آج بھی موجود ہیں اور شومیٔ قسمت حرمین طیبین پر آج کل ایسے لوگوں کی حکومت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے پناہ عطا فرمائے۔ خود حضرت علیؓ کی قبر کو خارجیوں کے خوف سے پوشیدہ رکھا گیا۔ ایک روایت میں ہے، حضرت حسن نے آپ کے تابوت کو کوفہ سے لاکر جنت البقیع میں اہل بیت کے قبرستان میں دفن کیا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ آپ کو کوفہ میں اپنے رہائش کے کمرے میں دارالامارۃ میں دفن کیا گیا تھا یا مسجد کوفہ کے قبلہ کی جانب اور قبر کا نشان نہیں چھوڑا تھا اور ایک

روایت میں آپ کا مزار مبارک نجف اشرف میں ہے۔(ماحصل از کتب تاریخ و بدایہ ونہایہ) (محمد رفیق حسنی)

● اصل امر واقع یہ ہے کہ خارجی اور رافضی لوگ افراط اور تفریط کے شکار رہے اور رافضی قبروں کی تعظیم میں اس حد تک غلو کرتے ہیں کہ ائمہ اطہار کی قبروں پر سونے اور چاندی کی جالیاں اور گنبدوں پر سونے کے طلائی پلستر کرتے ہیں جیسا کہ عراق میں ائمہ اطہار کے قبروں کو دیکھا جاسکتا ہے۔اور خارجی قبروں کے نشانات کے بھی دشمن ہیں اور الحمد للہ! اہل سنت و جماعت بین بین معتدل طریقہ شریعت کے مطابق قبروں کی تعظیم اصحابِ قبور کے مراتب کی مناسبت سے کرتے ہیں اور ان کی قبروں کی تعظیم میں غلو نہیں کرتے۔آج اگر مدینہ منورہ پر رافضیوں کی حکومت آجائے تو شاید گنبد خضراء بھی سونے کا بنادیا جائے مگر حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کی وجہ سے ایسا نہیں کریں گے۔اور اگر آج خارجیوں کا بس چلے اور امت مسلمہ کے رد عمل کا خوف نہ ہو تو گنبد خضراء منہدم کر کے قبور مطہرہ کے نشانات بھی ختم کر دیئے جائیں۔اللہ تعالیٰ شریعت مطہرہ کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(محمد رفیق حسنی)

سیدنا امام حسینؓ کے سر مبارک کی تدفین کا ذکر:

● محمد ابن سعید نے ذکر کیا ہے یزید ابن امیر معاویہ نے امام عالی مقام کا سر مبارک عمرو ابن سعید ابن العاص کو بھجوادیا تھا۔عمرو بن سعید اس وقت مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔عمرو ابن سعید نے آپ کے سر مبارک کو جنت البقیع میں اپنی والدہ سیدہ فاطمۃ الزہراء کے ساتھ دفن کر دیا۔مگر ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا کہ انہوں نے امام حسینؓ کا سر مبارک یزید کے اسٹور میں پایا۔انہوں نے کفن دے کر دمشق میں باب الفرادیس کے نزدیک دفن کر دیا۔ہر صورت زائرین کیلئے

مناسب ہے کہ جنت البقیع میں امام عالی مقام کی بارگاہ میں بھی سلام پیش کیا جائے۔

● حضرت عباس ابن عبدالمطلب اور سیدہ صفیہ ابن المطلب اور ابو سفیان ابن عبدالمطلب کی قبریں جنت البقیع میں ہیں۔روایت ہے کہ ابو سفیان حج پر تشریف لے گئے اور ان کے سر پر موجود پھوڑوں اور غدود کو حلاق نے کاٹ دیا،اس کے بعد وہ بیمار رہنے لگے۔جنت البقیع میں وفات سے پہلے تین دن اپنی قبر کھودی اور پھر تیسرے دن وفات کے بعد وہاں مدفون ہوئے۔

● امام سمہودی کے قول کے مطابق سب ازواج النبی ﷺ کی مبارک قبریں جنت البقیع میں ہیں مگر سیدہ خدیجۃ الکبریٰ،ان کی قبر انور مکہ مکرمہ جنت المعلیٰ میں ہے اور ام المومنین سیدہ میمونہ کی قبر سرف میں ہے۔

● روایت ہے، حضرت عقیل ابن ابی طالب کنواں کھودنے لگے،اچانک ایک پتھر برآمد ہوا جس پتھر پر کھدائی کر کے لکھا گیا تھا "قبر ام حبیبہ بنت صخر ابن حرب"۔یعنی ام المومنین سیّدہ ام حبیبہ کا نام پتھر پر کندہ تھا۔حضرت عقیل نے کنواں بند کر دیا اور اس جگہ ایک کمرہ بنادیا۔ابن السائب کہتے ہیں،میں اس کمرہ میں داخل ہوا اس میں ام المومنین سیدہ ام حبیبہ کی قبر کی زیارت کی۔اور ایک روایت میں ہے سالم باکی کی قبر کیلئے کھدائی کی گئی تو ایک طویل پتھر برآمد ہوا اس پر کندہ تھا،"ھٰذَا قَبْرُ اُمِّ سَلَمَۃَ زَوْجِ النَّبِیِّ ﷺ"۔

● معلوم ہوا اس وقت بھی قبروں کے سرہانے پر صاحب قبر کا نام کندہ کر کے لگایا جاتا تھا اور یہ بھی معلوم ہوا قبروں پر اتنی مٹی چڑھ گئی تھی کہ وہ قبریں زیرِ زمین پوشیدہ ہو گئی تھیں۔یہ تو پہلی صدی ہجری کی بات ہے مگر اب معلوم نہیں اصل قبریں کتنی گہرائی میں ہوں گی۔

امیر المومنین حضرت عثمان ابن عفانؓ کی قبر کا ذکر:

- آپ کی قبر مبارک کے سلسلہ میں جملہ روایات کا خلاصہ یہ ہے سیدنا امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو بصرہ، کوفہ اور مصری حملہ آور باغیوں نے چالیس دن کے محاصرے کے بعد قتل کر دیا۔ طبقات ابن سعد میں مالک ابن ابی عامر سے روایت ہے، لوگ حش کوکب (ایک قطعۂ زمین جس میں باغ تھا اور جو کہ جنت البقیع کے قبرستان کے ساتھ متصل تھا اور حضرت عثمانؓ کی ملکیت تھا) میں اموات کو دفن کرنے سے اجتناب کرتے تھے۔ مگر حضرت عثمانؓ فرمایا کرتے تھے "یُوْشِكُ اَنْ يَّهْلِكَ رَجُلٌ صَالِحٌ فَيُدْفَنُ هُنَاكَ" (عنقریب ایک نیک آدمی فوت ہوگا اسے حش کوکب میں دفن کیا جائے گا) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
- باغیوں کے تسلط کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کے عزیز و اقارب حضرت عثمانؓ کی میت کے قریب نہیں آسکتے تھے ورنہ باغی انہیں بھی قتل کر دیتے بلکہ جلیل القدر صحابہ حضرت علیؓ اور حضرت حسنؓ اور حسینؓ جیسے حضرات بھی حضرت عثمانؓ کی تکفین اور تدفین کیلئے جرأت نہ کر سکے تھے۔ زہری نے روایت کیا، ام المومنین سیدہ ام حبیبہ مسجد کے دروازے پر تشریف لائیں اور دروازے پر کھڑے ہو کر باغیوں سے کہا "لَتَخْلُوْنَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَ دَفْنِ هٰذَا الرَّجُلِ اَوْ لَاَ كْشِفَنَّ سِتْرَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَخَلَوْهَا" (وفاء الوفاء) (اس آدمی کے دفن اور میرے درمیان کوئی رکاوٹ نہ بنے ورنہ میں رسول اللہ ﷺ کا پردہ اتار کر اس آدمی کو مسجد کے اندر سے لے جاؤں گی) اس کے بعد باغی جسم اقدس تدفین کیلئے دینے پر تیار ہو گئے اور جسم کو رہنے دیا اور چلے گئے۔ چنانچہ پہلے آپ کا جسم اقدس مسجد میں رکھا تھا اور سات سو کے قریب مسلح باغی آپ کے جسم کی تدفین کیلئے کسی کو قریب نہیں آنے دیتے تھے۔ آپ کا جسم اقدس ایک پھٹے پر رکھا تھا اور خون آلود کپڑوں

کے اوپر ایک سفید کپڑا آپ پر ڈال دیا گیا تھا۔ عبداللہ ابن فروج کہتے ہیں، ہم حضرت طلحہ کے گھر تھے۔ حضرت طلحہ نے مجھے اور میرے بھتیجے عبدالرحمٰن کو کہا، جاؤ دیکھو حضرت عثمانؓ کے جسم اقدس کے ساتھ کیا ہوا۔ ہم مسجد میں پہنچے، آپ کے جسم اقدس پر سفید کپڑا ڈال دیا گیا تھا اور آپ کو باغی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے کہا، تم جاؤ آپ کی تدفین کرو۔ ہم گئے، ہم نے شہیدوں کی طرح ان کے خون آلود کپڑے ان کے جسم پر رہنے دیئے پھر ہم نے آپ کے جسم اقدس کو مسجد سے نکالا تاکہ نماز جنازہ پڑھیں (یہ پانچ لوگ تھے، جبیر ابن مطعم اور حکیم ابن حزام اور عبداللہ ابن الزبیر اور ابوالجہم ابن حذیفہ اور عبداللہ ابن حسل)۔ مصری باغی بولے "وَاللهِ لَا يُصَلّٰى عَلَيْهِ" (اللہ تعالیٰ کی قسم! ان پر نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔) حضرت ابوالجہم ابن حذیفہ نے جواب دیا "وَاللهِ اِنَّ عَلَيْكُمْ اَنْ لَا تُصَلُّوْا عَلَيْهِ قَدْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ" (بیشک تم ان پر نماز نہ پڑھو، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر برس رہی ہیں) مصری باغیوں نے ابوالجہم کو مارنا شروع کر دیا، قریب تھا کہ وہ شہید ہو جاتے پھر انہی پانچ صحابہ نے آپ کی نمازِ جنازہ پڑھی۔ ایک روایت میں ہے، حضرت جبیر ابن مطعم نے نماز پڑھائی اور ایک روایت میں ہے حضرت حکیم بن حزام نے نماز پڑھائی اور ایک روایت میں ہے عمرو بن عثمان نے نماز پڑھائی۔ پھر ان لوگوں نے ارادہ کیا کہ حضرت عثمانؓ کو حجرہ مبارکہ میں سرورِ دو عالم ﷺ اور ابو بکر اور حضرت عمر کے ساتھ دفن کر دیا جائے کیونکہ سیدہ عائشہؓ سے حضرت عثمان نے یہ جگہ تدفین کیلئے طلب کی ہوئی تھی اور حضرت عائشہؓ نے ہبہ کر دی تھی۔ مگر مصری باغیوں نے یہاں دفن نہ ہونے دیا۔ پھر آپ کو جنت البقیع میں دفن کرنے کیلئے لایا گیا مگر ابن بجرہ الساعدی باغی نے منع کر دیا تو آپ کو اپنی ملکیت کے باغ حش کوکب میں دفن کر دیا

گیا۔ جب بنو امیہ کی حکومت قائم ہوگئی، انہوں نے حش کوکب کو جنت البقیع کا حصہ بنادیا۔ آج تک آپ کا مزار وہیں ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

● قارئین، حالات کی سنگینی کا یہ عالم ہے کہ امام الصالحین امیر المومنین حضرت عثمانؓ کی تدفین کیلئے صحابہ کرام خوفزدہ ہیں اور گھروں سے نکلنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہے۔ مسجد پر باغیوں کا قبضہ ہے۔ امامت کے مصلے پر باغی قابض ہیں۔ محراب اور منبر نبوی پر باغی خطبہ دے رہے ہیں اور مروان جس کی وجہ سے یہ حادثہ واقع ہوا، آج غائب ہے، کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے جس طرح سیدنا عثمانؓ کے قتل کے وقت مدینہ منورہ پر باغیوں کا تسلط تھا اور خوف لاحق تھا حتی کہ امیر المومنین کی تدفین اور نماز جنازہ کیلئے صرف چار پانچ افراد دستیاب تھے، اسی طرح امیر المومنین حضرت علیؓ کو جب کوفہ میں شہید کیا گیا، آپ کی نمازِ جنازہ بھی مسجد کوفہ میں ادا نہیں کی گئی بلکہ امام حسن اور امام حسین نے خارجیوں کے خوف اور ردعمل کی وجہ سے چند افراد کے ساتھ گھر میں نمازِ جنازہ ادا کی اور پھر تدفین اور آپ کی قبر کو پوشیدہ رکھا تا کہ آپ کی قبر انور خارجیوں کی دست اندازی سے محفوظ رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی قبر انور کے متعلق قطعی طور پر معلوم نہیں ہو سکا کہ کہاں ہے۔ کوفہ کے اس مکان دارالامارۃ میں ہے، جہاں آپ کی نمازِ جنازہ ہوئی اور پھر قبر کا نشان نہ رکھا گیا یا نجف اشرف یا پھر جنت البقیع میں آپ کے جسم اقدس کو دفن کیا گیا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

● سیدنا امیر المومنین عثمان کی قبر پر گنبد تو سعودی حکومت نے اس وقت گرادیا تھا جب جنت البقیع میں تمام اہل بیت اور صحابہ کرام کے گنبد گرادیئے تھے مگر جنت البقیع کے وسط میں آپ کی قبر مبارک پتھروں کی صورت میں نمایاں تھی۔ آج اگست ۲۰۱۱ عیسوی مطابق رمضان ۱۴۳۲ ہجری میں جب ہم جنت البقیع حاضر

ہوئے تو ان کی قبر مبارک کی جگہ بھی مسمار کر کے ہموار کر دی گئی ہے جس کی وجہ یہ علم نہیں ہو سکتا کہ آپ کی قبر انور کہاں ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

جنت البقیع میں موجود مشاہد اور زیارت گاہوں کا ذکر:

● صحابہ کرام جن کی وفات سرورِ دوعالم ﷺ کی حیات طیبہ میں ہوئی یا آپ کے وصال کے بعد فوت ہوئے، ان کی اکثریت جنت البقیع میں مدفون ہے۔ اسی طرح اہل بیت کے سادات اور تابعین کی اکثریت جنت البقیع میں مدفون ہیں۔

● قاضی عیاض کی مدارک میں امام مالک سے مروی ہے، تقریباً دس ہزار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جنت البقیع میں آرام فرما ہیں۔ چونکہ سلف صالحین قبروں کو پختہ کرنے اور ان کی تعظیم میں مبالغہ کو اہمیت نہیں دیتے تھے اس لئے اکثر قبروں کے آثار ختم ہوگئے اور تعیین مشکل ہوگئی تھی۔ مگر بعد میں کچھ مشاہد بنادیئے گئے تھے۔ یعنی بعض آل پاک اور صحابہ کرام اور صالحین کی قبروں کے ارد گرد دیواریں بنادی گئی تھیں۔ ان پر گنبد یا مسقف چھتیں یا بڑے بڑے کمرے بنادیئے گئے تھے، جن کو عربی زبان میں مشہد کہا جاتا ہے اور ہمارے ہاں زیارت گاہ کہا جاتا ہے۔ ان مشاہد میں ایک مشہد ”مشہد عقیل ابن ابی طالب“ تھا۔ یہ مشہد ازواج النبی کے مشہد سے پہلے مشہد تھا۔ اس میں حضرت عباس اور حضرت حسن ابن علی وغیرہم کی قبریں موجود ہیں۔ امام سمہودی فرماتے ہیں ”عَلَیْہِمْ قُبَّۃٌ شَامِخَۃٌ فِی الْھَوَاءِ“ (ان قبروں پر نہایت شاندار ہواء میں بلند گنبد بنایا گیا ہے) شاید یہ گنبد عباسی خلیفہ ثانی منصور نے بنوایا تھا۔

● مشہد عقیل کے ساتھ ایک مشہد ہے جس میں سرورِ دوعالم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی قبریں ہیں۔ ابن نجار کہتے ہیں، اس میں چار قبریں ظاہر ہیں اور باقی ظاہر نہیں لیکن یہ معلوم نہیں کون سی قبر کس زوجہ مطہرہ کیلئے ہے۔ ان قبروں پر

گنبد امیر بردبک معمار نے ۸۵۳ ہجری میں تعمیر کیا تھا۔

- مشہد عقیل ابن ابی طالب کے متعلق کہا جاتا ہے، اسی میں آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے جو نہایت سخی تھے۔ حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار بھی آپ کی قبر کے ساتھ مدفون ہیں۔
- مشہد عقیل کے ساتھ ایک روضہ ہے جس میں سرورِ دو عالم ﷺ کی تین اولادیں آرام فرما ہیں۔
- ان مشاہد سے ایک مشہد سیدنا ابراہیم ابن سیدنا رسول اللہ ﷺ ہے، آپ کی قبر حضرت حسن اور حضرت عباس کی قبر کی صفت پر ہے۔
- ان مشاہد میں سے ایک مشہد سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب کا ہے جو کہ سرورِ دو عالم ﷺ کی پھوپھی تھیں اور حضرت زبیر ابن العوام کی والدہ تھیں۔ یہ ایک پتھروں کا کمرہ ہے جس پر گنبد نہیں ہے۔
- ان مشاہد میں سے حضرت عثمان بن عفان کا ایک مشہد ہے۔ امام سمہودی فرماتے ہیں ''وَ عَلَيْهِ قُبَّةٌ عَالِيَةٌ اِبْتَنَاهَا اُسَامَةُ ابْنُ سَنَانِ الصَّالِحِيِّ'' (اس پر بلند قبہ ہے جسے اسامہ ابن سنان الصالحی نے بنایا تھا جو کہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے امراء میں سے ایک امیر تھا۔ اسے ۶۰۱ ہجری میں بنایا گیا۔
- ان مشاہد سے ایک مشہد حضرت فاطمہ بنت اسد حضرت علیؓ کی والدہ کا ہے۔

یہاں حضرت سعد ابن معاذ پر بھی سلام کیا جائے۔

- مشہد امام مالک ابن انس اصبحی جو کہ فقہ کے امام ہیں، آپ کی قبر پر چھوٹا سا گنبد بنا ہوا ہے اور اس کی ایک جانب سے دوسرا گنبد ہے، کہا جاتا ہے۔ حضرت نافع ابن عمرؓ کے غلام کا قبہ ہے اور یہاں سیدنا ابراہیم اور سیدنا امام مالک کے قبوں کے درمیان ایک قبر ہے۔ کہا جاتا ہے وہ حضرت عمرؓ کے بیٹے ابو شحمہ کی قبر ہے جس کو

رفیق المدینہ المنوّرہ

ان کے باپ عمر نے زنا کی حد لگائی تھی اور بیمار ہو گئے تھے اور فوت ہو گئے تھے۔

- ان مشاہد میں سے ایک مشہد حضرت اسماعیل ابن امام جعفر صادق کی ہے۔ یہ زیارت گاہ بہت بڑی ہے۔ کہا جاتا ہے اسے عبیدی شیعی حکمران نے تعمیر کیا تھا۔

جنت البقیع سے باہر بھی تین مشہد ہیں:

- مشہد سیدنا حمزہ عم رسول اللہ ﷺ۔ امام سمہودی فرماتے ہیں ''وَ عَلَيْهِ قُبَّةٌ عَالِيَةٌ حَسَنَةٌ مُتْقِنَةٌ'' (آپ کی قبر انور پر عالی شان گنبد ہے، بہت مضبوط ہے۔) شاید یہ گنبد خلیفہ ابوالعباس احمد ابن المستیضی کی والدہ نے ۵۹۰ ہجری میں بنوایا تھا۔ امام سمہودی فرماتے ہیں، قبر کے اوپر ساگوان کی لکڑی کی جالی ہے اور لوہے کا گیٹ ہے اور صرف جمعرات کو کھولا جاتا ہے اور اس کے قریب جبل الرماۃ کے بازو میں ایک مسجد تھی مگر اب وہ مسجد نہیں اور موجودہ مسجد جو کہ سعودیوں نے تعمیر کی ہے، یہ الگ دوسری جگہ بنائی گئی ہے۔ کہا جاتا ہے، سیدنا حمزہؓ کو اسی جبل الرماۃ مسجد کی جگہ میں قتل کیا گیا تھا۔ امام سمہودی فرماتے ہیں، ۵۹۰ ہجری مسجد کی تعمیر کا سن ہے کیونکہ اس سے پہلے ۵۸۰ ہجری میں سیدنا حمزہ کی قبر انور پر چونے اور پتھروں کے ساتھ حسین ابن الہیجاء نے گنبد بنوادیا تھا اور شہداء احد کے باب میں ذکر کیا جائے گا کہ یہ مشہد دوسری صدی ہجری میں بنوادیا گیا تھا اور خلیفہ کی ماں نے بعد میں اس میں توسیع کی اور امام سمہودی کے زمانہ میں سلطان محمد اشرف قائتبائی نے مزید توسیع فرمائی اور وضو کیلئے پانی کا انتظام کیا۔ اور باتھ روم بنوائے اور غربی جانب کنواں کھدوایا اور یہ جدید تعمیر ۸۹۰ میں شاہین جمالی کے ہاتھ سے کرائی گئی، جو حرم نبوی کے شیخ تھے اور مشہد سیدنا حمزہؓ کے قدموں میں جو قبر ہے وہ ترک آدمی جس کا نام سنقر تھا، کی قبر ہے جو مشہد کا متولی تھا۔ حضرت حمزہؓ پر سلام کے وقت حضرت مصعب ابن عمیر اور عبداللہ ابن جحش کو بھی سلام کیا جائے کیونکہ

ان کو سیدنا حمزہؓ کے ساتھ دفن کیا گیا تھا۔

حضرت مالک ابن سنان الخدری کا مشہد:

● حضرت ابو سعید خدری کے والد حضرت مالک ابن سنان کا مشہد مدینہ منورہ کی غربی جانب دیواروں کے قریب ہے۔آپ کی قبر انور پر قدیم اور پرانا گنبد قائم ہے جس میں آپ کی قبر ہے شہدائے احد میں سے ان کے جسم اقدس کو یہاں لا کر دفن کیا گیا تھا۔

مشہد النفس الذکیۃ:

● حضرت محمد ابن عبداللہ ابن الحسن الثانی ابن الحسن ابن العلی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم جن کا لقب مہدی تھا اور آپ نفس ذکیہ کے نام سے مشہور تھے۔عباسی خلیفہ دوم ابو جعفر منصور کے دور میں انہیں قتل کیا گیا۔یہ مشہد جبل سلع کے شرقی جانب ہے۔آپ کی قبر پر سیاہ پتھروں کی نہایت عظیم عمارت قائم ہے اس پر گنبد نہیں بنایا جاسکا لیکن ابن الجوزی نے ذکر کیا ہے کہ نفس ذکیہ کی قبر جنت البقیع میں ہے۔ابن الجوزی نے بیاں کیا ہے کہ جب منصور نے حضرت نفس ذکیہ کے والدین اور رشتہ داروں کو گرفتار کر لیا تو حضرت نفس ذکیہ نے خلیفہ کے خلاف خروج کا اعلان کر دیا۔ منصور نے اپنے چچا عیسی ابن موسی کے کمان میں چار ہزار آدمی دے کر مدینہ منورہ بھیجا۔حضرت نفس ذکیہ نے تین سو تیرہ افراد کے ساتھ کفن پہن کر قتال کیا اور اس قتال میں تین سو تیرہ آدمی شہید ہو گئے۔ حضرت نفس ذکیہ کا سر مبارک عیسی ابن موسی کے پاس لایا گیا۔حضرت نفس ذکیہ کی بہن زینب اور بیٹی فاطمہ نے حضرت نفس ذکیہ کے جسم کو جنت البقیع میں چھپا دیا۔آپ کا قتل احجار الذیت مشہور جگہ پر ہوا۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

جبل احد اور شہدائے اُحد

- ✓ جبل احد کی وجہ تسمیہ
- ✓ جبلِ احد سے محبتِ رسول کا سبق
- ✓ احد کے مقام پر شہداء کی فضیلت
- ✓ شہدائے اُحد کے نام
- ✓ حضرت حمزہؓ کی شہادت کا واقعہ
- ✓ شہدائے اُحد کی نمازِ جنازہ
- ✓ شہدائے اُحد کی تدفین و تعیین

جبل احد اور شہدائے اُحد

- صحیحین میں حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''ھٰذَا جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ'' (یہ جبل ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں)۔
- یہ کلمات مبارکہ کس وقت فرمائے گئے اس میں اختلاف ہے۔ خیبر سے واپسی پر یا حج سے واپسی پر یا غزوہ تبوک سے واپسی پر۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی موجود ہیں ''اِنَّ اُحُدًا ھٰذَا لَعَلٰی بَابٍ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ'' (بیشک یہ احد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے) ایک روایت میں ہے کہ جبل عیر کیلئے آپ نے فرمایا ''ھٰذَا عِیْرٌ جَبَلٌ یُبْغِضُنَا وَ نُبْغِضُهٗ عَلٰی بَابٍ مِنْ اَبْوَابِ النَّارِ'' (یہ جبل عیر ہے، ہمارے ساتھ بغض رکھتا ہے اور ہم اس کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔ یہ جہنم کے دروازوں سے ایک دروازہ پر ہوگا)۔ بعض روایات میں آپ ﷺ نے جبل اُحد کے متعلق فرمایا ''فَاِذَا مَرَرْتُمْ بِهٖ فَکُلُوْا مِنْ شَجَرِهٖ وَ لَوْ مِنْ عِضَاهِهٖ'' (پس جب تم احد کے ساتھ گذرو، اس کے درختوں سے کھاؤ اگرچہ اس کے کانٹوں سے)۔(وفاءالوفاء)
- حضرت زینب بنت نبیط حضرت انس ابن مالک کی زوجہ کے متعلق روایت ہے کہ وہ اپنے بچوں کو احد بھیجتی تھیں اور کہتی تھیں، جاؤ احد کی نبات اور بوٹیوں سے کچھ لے آؤ۔ اگر اور کچھ نہ ملے تو درختوں کے کانٹے لے آؤ۔ کیونکہ انس بن مالک بیان کرتے ہیں، سرورِ دوعالم ﷺ سے میں نے سنا، آپ نے فرمایا، یہ جبل احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔
- عمرو ابن عوف سے مروی ہے چار جبل جنت کے پہاڑوں میں سے ہیں اور چار نہریں جنت کی نہروں میں سے ہیں اور چار جنگیں اور ملاحم جنت کی جنگوں میں سے

ہیں۔ عرض کیا گیا، کونسے جبال جنت کے ہیں؟ فرمایا، احد ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں، یہ جنت کے جبال سے ہے اور ''ورقان'' جنت کے جبال سے ہے اور طور جنت کے جبال سے ہے اور لبنان جنت کے جبال سے ہے اور چار نہریں نیل اور فرات اور سیمان اور جیحان جنت کی نہریں ہیں۔ اور ملاحم بدر اور احد اور خندق اور حنین جنت کے ملاحم ہیں۔(وفاءالوفاء)

- ابن شبہ نے حضرت انس ابن مالک سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جبال کیلئے تجلّی فرمائی، اللہ تعالیٰ کی عظمت سے جبل کے چھ ٹکڑے اڑنے لگے۔ تین مدینہ منورہ میں واقع ہوئے اور تین مکہ مکرمہ میں۔ مدینہ منورہ میں احد اور ورقان اور رضویٰ واقع ہوئے اور مکہ مکرمہ میں حرا اور ثبیر اور ثور واقع ہوئے۔ احد مدینہ منورہ کے شمال کی جانب تین میل پر ہے اور ورقان روحاء میں مدینہ منورہ سے چار برید پر ہے اور رضویٰ ینبع میں چار دن کے سفر پر ہے اور حراء مکہ مکرمہ میں بیر میمون کے محاذی ہے اور ثور مکہ مکرمہ سے نیچے جس میں سرورِ دوعالم ﷺ تین دن ہجرت کے وقت پوشیدہ رہے تھے اور ابو غسان نے ثبیر کا ذکر نہیں فرمایا کہ وہ کہاں ہے۔

جبل احد کی وجہ تسمیہ:

- احد کو احد اس لئے کہتے ہیں، کیونکہ احد کے معنی اکیلا ہے، یہ دوسرے پہاڑوں سے الگ تھلگ اور اکیلا ہے اور اس جبل کے متعلق ''یُحِبُّنَا وَ نُحِبُّهٗ'' کے معنی میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی اہل احد (انصار) ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ جبلِ لسان حال سے مدینہ منورہ کے قریب ہونے کی خوشخبری سناتا ہے جب آپ ﷺ کہیں سے واپس تشریف لاتے تو اس جبل کو دیکھتے ہی مدینہ منورہ کے

قریب آجانے کی خوشخبری مل جاتی۔ سوم جانبین سے محبت اپنے حقیقی معنی میں ہے۔ جس طرح داود علیہ السلام کے پہاڑ جو آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے تھے، اس کا قرآن مجید میں ذکر ہے۔ ان میں شعور اور داود علیہ السلام کی محبت رکھی گئی تھی۔ اسی طرح احد میں شعور اور سرورِ دو عالم ﷺ کی محبت رکھی گئی ہے اور جس طرح پہاڑوں میں خشیت رکھی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ہے ''وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللهِ'' (البقرہ:۷۴)(بیشک پہاڑوں میں سے بعض پہاڑ اللہ تعالیٰ کی خشیت سے گر جاتے ہیں)۔ امام سمہودی فرماتے ہیں، تیسرا معنی ظاہر ہے کیونکہ یہ جبل جنت کے جبال میں سے ہے جس طرح جبال کی تسبیح سے کوئی مانع نہیں، اسی طرح حقیقی محبت کے امکان سے کوئی مانع نہیں ہے۔

● حافظ منذری نے کہا، امام بغوی نے فرمایا، حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے جس طرح اسطوانہ حنانہ کا رونا صحابہ کرام نے سنا اور آپ ﷺ نے خبر دی تھی کہ وحی سے پہلے ایک پتھر مجھ کو سلام کہتا تھا۔ لہٰذا جبل احد اور جمیع اجزاء مدینہ آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں اس سے کوئی مانع نہیں اور محبت سے حقیقی محبت مراد ہے۔ جب احد خوشی سے رقص کرنے لگا، آپ نے احد سے فرمایا کہ ''اُسْكُنْ يَا اُحُدُ'' (رک جا اے احد) یہ حقیقی محبت کی دلیل ہے۔ کیونکہ خطاب باشعور کو کیا جاتا ہے۔

● امام سمہودی فرماتے ہیں، اس کلام میں یہ اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ محبت جانبین سے ہے اور ''اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ'' کہ آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کی محبت ہوگی تو یہ جبل بھی آپ کے ساتھ جنت میں ہوگا۔ جب جبال ریزہ ریزہ کئے جائیں گے، یہ جبل بحفاظت جنت لے جایا جائے گا۔

جبلِ احد سے محبتِ رسول کا سبق:

● آپ فرماتے ہیں، جب اہلِ مدینہ دو قسم کے لوگ ہیں۔ محب موحد جیسے

مخلص مومن اور منافق مبغض جیسے جاہل منکر۔ ابو عامر راہب وغیرہ جیسے اور غزوہ احد کے دن جو لوگ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے ساتھ اپنے گھروں میں مدینہ منورہ واپس آگئے اور جنگ میں شریک نہ ہوئے، لوگوں کا تیسرا حصہ منافقین تھے۔ لوگوں کی طرح مدینہ منورہ کے قطعات ارض بھی دو قسم کے ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس جبل احد کو حبیب محبوب بنادیا اور اس کو احد کا نام دیا جس طرح وہ لوگ حبیب اور محبوب بن گئے جو آپ کے ساتھ جنگ میں شریک تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت عطا فرمائی اور جبل عیر کو مبغوض بنایا کیونکہ یہ جبل مسجد ضرار کی جانب اور جہت میں ہے۔ جس طرح مسجد ضرار والے اور احد کی جنگ میں شریک نہ ہونے والے اور واپس لوٹنے والے منافقین کو مبغوض بنایا۔ اور اس جبل کو عیر کا نام دیا۔ عیر اس گدھے کو کہا جاتا ہے جو سب گدھوں سے بداخلاق اور جاہل ہوتا ہے۔

● میں کہتا ہوں اس تقسیم سے امت کو درس دیا گیا کہ نجات کیلئے مدار محبت رسول اللہ ﷺ ہی ہے اور سرورِ دو عالم ﷺ کے ساتھ بغض عدم نجات کا باعث ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

● حضرت جابر ابن عبداللہ سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام شام سے حج یا عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے، جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے، یہودیوں سے خطرہ محسوس کیا تو احد پر اترے اور قیام فرمایا۔ حضرت ہارون علیہ السلام بیمار تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کیلئے قبر بنائی اور فرمایا ''يَا اَخِيْ اُدْخُلْ فِيْهِ فَاِنَّكَ مَيِّتٌ'' (اے میرے بھائی، اس میں داخل ہو جاؤ کیونکہ آپ میت ہیں) آپ اس میں داخل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام نے قبر پر مٹی

ڈال کر قبر کو بند کر دیا۔ (وفاءالوفاء)

• امام سمہودی فرماتے ہیں، جبل احد میں شعب ہارون علیہ السلام معروف گھاٹی ہے۔لوگوں کا گمان ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی قبر انور جبل احد کے اوپر ہے۔آپ فرماتے ہیں، مگر یہ قول حساً قریب اور معنیً بعید ہے کیونکہ سخت پتھروں میں کھدائی کرنا، قبر بنانا اور مٹی نکانا سمجھ سے باہر ہے۔البتہ بعض فقراء نے احد کے اوپر کمرہ بنایا تھا، لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں، یہی ہارون علیہ السلام کی قبر کی جگہ ہے یا یہ سمجھتے ہیں جب سرورِ دو عالم ﷺ احد پر تشریف لائے تھے، یہی جگہ مبارک تھی۔آپ فرماتے ہیں، دونوں باتیں ثابت نہیں۔قبر یا آپ ﷺ کے صعود کی جگہ کا تعین مشکل ہے۔ہاں جبل احد کے ساتھ مسجد فتح میں آپ کا نماز پڑھنا معروف ہے۔

• امام سمہودی فرماتے ہیں، جبل احد کی معروف موجود غار میں تشریف لانے اور انسان کے سر کے برابر پتھر میں موجود گڑھے کے متعلق مشہور ہے کہ آپ اس پتھر پر بیٹھے جو اس گڑھے کے نیچے ہے اور آپ نے سر مبارک اس گڑھے میں داخل فرمایا مگر اس کے متعلق کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے البتہ مسجد میں نماز پڑھنا ابن شبہ کی روایت سے ثابت ہے۔حضرت مطلب ابن عبداللہ اور حضرت عبداللہ ابن عباس سے جو روایات نقل کی گئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ غار میں موجود کرسی تک بھی نہیں پہنچے تھے۔صرف اتنا منقول ہے کہ آپ شعب جبل یعنی گھاٹی تک پہنچے تھے اور بیٹھ کر آسرا لگایا تھا۔بیٹھنے کی جگہ کرسی نہیں تھی شاید کسی نے بعد میں بنائی ہو۔جس شخص نے غار میں بیٹھنے کی جگہ کرسی بنائی اس کا گمان یہ تھا کہ وہ پتھر جس پر چڑھنے کا آپ نے ارادہ فرمایا اور حضرت طلحہ بن عبداللہ آپ کیلئے نیچے بیٹھے تاکہ آپ ﷺ پتھر پر چڑھ جائیں، یہ وہی جگہ تھی

اس شخص نے اسی جگہ کرسی بنا دی۔ابن ہشام نے اس کا ذکر کیا ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

• اگرچہ روایات میں اختلاف ہے مگر اتنی بات تو یقینی ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے جبل احد کے دامن میں آرام فرمایا تھا مگر آرام فرمانے کی جگہ کا تعین نہیں ہو سکا۔محبین کیلئے اتنا کافی ہے تمام جگہوں پر جائیں اور ان متبرک مقامات سے برکت حاصل کریں۔(محمد رفیق حسنی)

احد کے مقام پر شہداء کی فضیلت:

• یحییٰ نے روایت کیا، جب احد کے دن قتال بند ہو گیا، سرورِ دو عالم ﷺ حضرت مصعب ابن عمیرؓ شہید کے جسد اقدس پر تشریف لائے اور سورہ احزاب کی آیت ۲۳ تلاوت فرمائی "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ (تا) وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا" اور عرض کیا، اے اللہ! بیشک تیرا عبد اور نبی گواہی دیتا ہے یہ لوگ شہداء ہیں۔ پھر صحابہ سے فرمایا کہ شہداء کے پاس آؤ اور انہیں سلام کہو۔جب تک آسمان اور زمین قائم ہے کوئی شخص ان شہداء کو سلام نہیں کرے گا مگر وہ اس کا جواب دیں گے۔پھر دوسرے شہید کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا، یہ شہداء میرے اصحابی ہیں، قیامت کے دن میں ان کیلئے گواہی دوں گا۔(حضرت) ابو بکرؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا ہم آپ کے اصحاب نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا "بلیٰ" کیوں نہیں مگر "لَا اَدْرِيْ كَيْفَ تَكُوْنُوْنَ بَعْدِيْ" (میں نہیں جانتا تم میرے بعد کیسے ہو جاؤ گے؟) "اِنَّهُمْ خَرَجُوْا مِنَ الدُّنْيَا خِمَاصًا" (بیشک یہ شہداء دنیا سے بھوکے نکل گئے)۔ (وفاءالوفاء)

• ابو داود اور حاکم نے اپنی صحیح میں حدیث روایت کی ہے سرورِ دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح کو سبز پرندوں کے پیٹ میں جگہ عطا فرمائی۔یہ جنت کی نہروں پر وارد ہوتے ہیں،

جنت کے پھل کھاتے ہیں اور عرش کے سایہ میں معلق سونے کی قندیلوں میں آرام کرتے ہیں۔ جب شہداء نے کھانے اور پینے اور آرام کرنے کو بہت اچھا پایا، انہوں نے کہا "مَنْ يُّبَلِّغُ اِخْوَانَنَا عَنَّا اِنَّا اَحْيَاءٌ فِي الْجَنَّةِ نُرْزَقُ" (کون پہنچائے ہمارے بھائیوں کو ہماری طرف سے یہ بات کہ ہم زندہ ہیں جنت میں رزق دیئے جاتے ہیں) تاکہ ہمارے زندہ بھائی جہاد سے پیچھے نہ رہیں اور حرب سے نہ ڈریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، تمہاری طرف سے تمہارے زندہ بھائیوں کو میں تمہارا پیغام پہنچا دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا۔۔الآیہ" (آل عمران:۱۶۹)

● بخاری شریف میں ہے جناب رسول اللہ ﷺ نے آٹھ سال بعد شہدائے احد کی نمازِ جنازہ اس طرح پڑھائی جس طرح احیاء اور اموات سے وداع کرنے والا نماز پڑھاتا ہے۔ پھر منبر پر تشریف لائے، فرمایا "اِنِّيْ بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ فَرَطٌ وَ اَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيْدٌ وَاِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ" (بیشک میں تمہارے آگے فرط اور استقبال کرنے والا بنوں گا اور میں تمہارا گواہ ہوں گا اور تمہارے اور میرے درمیان ملاقات کے وعدہ کی جگہ حوض (کوثر) ہے)۔

● ابو داود نے حضرت طلحہ سے روایت کیا کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شہداء احد کیلئے نکلے حتیٰ کہ حرۃ واقم پر چڑھے پھر ہم حرۃ واقم سے اترے وہاں قبریں موجود تھیں۔ ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا، یہ تو ہمارے اصحاب کی قبریں ہیں۔ پھر جب ہم شہداء کی قبروں پر پہنچے آپ ﷺ نے فرمایا، یہ ہمارے بھائیوں کی قبریں ہیں۔

(وفاء الوفاء)

سرورِ دو عالم ﷺ اور آپ کے خلفاء کا ہر سال کی ابتداء میں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جانا:

● ابن شبہ نے عباد ابن ابی صالح سے روایت کیا ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ ہر سال کی ابتداء میں شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور فرماتے "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ" (تمہیں سلام ہو اس کی وجہ سے جس پر تم نے صبر کیا، دار آخرت بہت بہتر ہے)۔ پھر حضرت ابو بکرؓ پھر حضرت عمرؓ پھر عثمانؓ شہدائے احد کے پاس آتے رہے اور جب شام سے حضرت امیر معاویہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے، وہ بھی شہدائے احد کی قبروں پر گئے اور حضرت معاویہ نے کہا، جب نبی کریم ﷺ گھاٹی (قبروں) کے سامنے ہوتے تو فرماتے "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعَامِلِيْنَ"

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ کا حضرت حمزہؓ کی مزار پر حاضری دینا:

● ابو جعفر امام محمد باقر نے بیان کیا کہ سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ "كَانَتْ تَزُوْرُ قَبْرَ حَمْزَةَ تُرِمُّهٗ وَ تُصْلِحُهٗ وَ قَدْ تَعَلَّمَتْهُ بِحَجَرٍ" (آپ حضرت حمزہؓ کی قبر کی زیارت کرتی تھیں اور اس کی اصلاح کرتیں اور آپ نے ایک پتھر سے اس کی علامت لگائی تھی)۔ (وفاء الوفاء)

● زرین نے امام باقر سے روایت کیا "كَانَتْ تَزُوْرُ قُبُوْرَ الشُّهَدَاءِ بَيْنَ الْيَوْمَيْنِ وَالثَّلَاثَةِ" سیدہ فاطمۃ الزہراء دو اور تین دنوں کے درمیان شہداء کی قبروں کی زیارت کرتی تھیں۔

● امام یحییٰ کی روایت میں امام زین العابدین سے مروی روایت میں یہ کلمات بھی موجود ہیں "فَتُصَلِّيْ هُنَاكَ وَ تَدْعُوْا وَ تَبْكِيْ حَتّٰى مَاتَتْ" اور آپ وہاں نماز پڑھتی تھیں اور دعا مانگتی تھیں اور رویا کرتی تھیں حتیٰ کہ فوت ہونے تک ایسا

کرتی رہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

- حاکم نے حضرت علی زین العابدین سے روایت کیا کہ سیدہ فاطمہ اپنے دادا حمزہ کی قبر کی ہر جمعہ کو زیارت کرتی تھیں۔
- ابن شبہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کیا ''مَنْ مَرَّ عَلٰی ھٰؤُلَاءِ الشُّھَدَاءِ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ لَمْ يَزَالُوْا يَرُدُّوْنَ عَلَيْهِ اِلٰی يَوْمِ الْقِيَامَةِ'' (جو شخص ان شہداء پر گذرے پس ان پر سلام کرے، ہمیشہ شہداء اس کو سلام کا جواب دیں قیامت کے دن تک)۔
- یحییٰ نے عطاف سے روایت کیا، میری خالہ جو کہ عابدہ خواتین میں سے تھیں، انہوں نے مجھے بیان کیا کہ ایک دن میں اپنے غلام کے ساتھ سوار ہو کر حضرت حمزہؓ کی قبر پر حاضر ہوئی، میں نے کچھ نفل پڑھے جتنا اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم! وادی میں نہ کوئی دعا مانگنے والا تھا اور نہ کوئی متحرک جواب دینے والا اور میرا غلام میری سواری کو پکڑے کھڑا تھا۔ جب میں اپنی نماز سے فارغ ہو کر کھڑی ہوئی، میں نے کہا ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ'' اور ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔ میں نے زمین کے نیچے سے سلام کے جواب کی آواز سنی۔ میں اس آواز کا اس طرح یقین کرتی ہوں جس طرح یہ یقین کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا، اس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، میں نے غلام کو بلایا اور کہا، سواری لاؤ اور میں سوار ہو کر واپس آ گئی۔
- بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک روایت ذکر کی ہے کہ سرورِ دو عالم ﷺ نے عرض کیا ''اَللّٰھُمَّ اِنَّ عَبْدَكَ وَنَبِيَّكَ يَشْهَدُ اَنَّ ھٰؤُلَاءِ شُهَدَاءُ'' (اے اللہ! تیرا عبد اور تیرا نبی (محمد ﷺ) گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ شہداء ہیں) اور یہ عبد گواہی دیتا ہے کہ جس شخص نے ان کی زیارت کی اور ان پر سلام کیا قیامت

کے دن تک آنے والوں کے سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

- امام بیہقی نے یحییٰ کی روایت میں کہا کہ واقدی نے کہا، فاطمہ خزاعیہ کہتی تھیں مجھے شہداء کی قبروں پر مغرب ہو گئی، میرے ساتھ میری ہمشیرہ بھی تھیں۔ میں نے اپنی بہن سے کہا، چلو حضرت حمزہؓ کی قبر پر سلام کرتے ہیں۔ ہم آپ کی قبر پر کھڑے ہوئے۔ ہم نے کہا، ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا عَمَّ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ'' (اے رسول اللہ ﷺ کے چچا! تم پر سلام ہو) ہم نے سلام کا جواب سنا ''وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' وہ کہتی ہیں، ہمارے قریب اس وقت کوئی شخص موجود نہیں تھا۔
- پھر امام بیہقی نے عمر ابن علی کی روایت ذکر کی ہے کہ مجھے میرے باپ نے مدینہ منورہ میں شہداء کی قبروں کی زیارت کیلئے جمعہ کے دن فجر اور طلوع آفتاب کے درمیان چلنے کیلئے کہا۔ میں آپ کے پیچھے چل رہا تھا۔ جب ہم شہداء کی قبروں پر پہنچے انہوں نے بلند آواز سے کہا، ''سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ'' آپ نے فرمایا، اس کا جواب دیا گیا ''وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا اَبَا عَبْدِاللهِ'' میرے والد میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، تو نے جواب دیا ہے۔ میں نے عرض کیا، نہیں۔ مجھے انہوں نے اپنے دائیں کر لیا اور پھر سلام کیا تو پھر جواب دیا گیا حتی کہ آپ نے تین مرتبہ سلام کیا اور آپ کو تین مرتبہ سلام کا جواب دیا گیا۔ پھر آپ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کیلئے سجدے میں گر گئے۔

شہدائے اُحد کے نام:

- شہدائے احد کے نام اس لئے لکھے جا رہے ہیں تاکہ زائرین شہداء کے نام لے کر سلام کرنا چاہیں تو نام لے کر سلام کریں اور ان اسماء کی برکت سے دعا مانگنا چاہیں تو دعا مانگیں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے گا۔ تاریخ کی کتب میں لکھا ہے احد میں ستر

صحابہ کرام شہید ہوئے۔ بعض روایات میں اس سے کم اور بعض میں اس سے زیادہ کاذکر بھی ہے۔

- ابن نجار نے جو اسماء ذکر کئے ہیں وہ یہ ہیں، حضرت حمزہ ابن عبد المطلب اور عبداللہ ابن جحش اور مصعب ابن عمیر اور شماس ابن عثمان۔ یہ چار صحابہ کرام مہاجرین میں سے تھے۔

- انصار: (۱) حضرت عمرو ابن معاذ ابن النعمان اور (۲) حضرت حارث ابن انس اور (۳) حضرت عمارۃ ابن زیاد اور (۴) حضرت سلمۃ ابن ثابت اور (۵) حضرت عمرو ابن ثابت اور (۶) حضرت ثابت ابن وقش اور (۷) حضرت رفاعہ ابن وقش اور (۸) حضرت حسیل ابن جابر یمان ابو حذیفہ اور (۹) حضرت صیفی ابن قیظی اور (۱۰) حضرت حباب ابن القیضی اور (۱۱) حضرت عباد ابن سہیل اور (۱۲) حضرت حارث ابن اوس اور (۱۳) حضرت ایاس ابن اوس اور (۱۴) حضرت عبید ابن التیہان اور (۱۵) حضرت حبیب ابن زید اور (۱۶) حضرت یزید ابن حاطب اور (۱۷) حضرت ابو سفیان ابن الحارث ابن قیس اور (۱۸) حضرت انیس ابن قتادہ اور (۱۹) حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ ابن ابو عامر اور (۲۰) حضرت ابو حیہ ابن عمرو اور (۲۱) حضرت عبیداللہ ابن جبیر اور (۲۲) حضرت خیثمہ ابو سعد ابن خیثمہ اور (۲۳) حضرت عبداللہ ابن سلمۃ اور (۲۴) حضرت سبیع ابن حاطب اور (۲۵) حضرت عمرو ابن قیس اور (۲۶) حضرت قیس ابن عمرو اور (۲۷) حضرت ثابت ابن عمرو اور (۲۸) حضرت عامر ابن مخلد اور (۲۹) حضرت ابو ہبیرۃ ابن الحارث اور (۳۰) حضرت عمرو ابن مطرف اور (۳۱) حضرت اوس ابن ثابت اور (۳۲) حضرت انس ابن النضر اور (۳۳) حضرت قیس ابن الخلد اور (۳۴) حضرت کیسان مولی بنی نجار اور (۳۵) حضرت

سلیم ابن حارث اور (۳۶) حضرت نعمان ابن عبد عمرو اور (۳۷) حضرت خارجہ ابن زید اور (۳۸) حضرت سعد ابن الربیع اور (۳۹) حضرت اوس ابن الارقم اور (۴۰) حضرت مالک ابن سنان خدری اور (۴۱) حضرت سعد ابن سوید اور (۴۲) حضرت علیہ ابن ربیع اور (۴۳) حضرت ثعلبہ ابن سعد اور (۴۴) حضرت نقیب ابن فروۃ اور (۴۵) حضرت عبداللہ ابن عمرو اور (۴۶) حضرت ضمرۃ جہنی اور (۴۷) حضرت نوفل ابن عبداللہ اور (۴۸) حضرت عباس ابن عبادہ اور (۴۹) حضرت نعمان ابن مالک اور (۵۰) حضرت مخذر ابن زیاد اور (۵۱) حضرت عبادہ ابن الحسحاس اور (۵۲) حضرت رفاعہ ابن عمرو اور (۵۳) حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن حرام اور (۵۴) حضرت عمرو ابن الجموح اور (۵۵) حضرت خلاد ابن عمرو اور (۵۶) حضرت ابو الیمن اور (۵۷) حضرت عبیدہ ابن عمرو اور (۵۸) اس کا مولی حضرت عنترہ اور (۵۹) حضرت سہل ابن قیس اور (۶۰) حضرت ذکوان ابن عبد قیس اور (۶۱) حضرت عبید ابن المعلی اور (۶۲) حضرت مالک ابن نمیلہ اور (۶۳) حضرت حارث ابن عدی اور (۶۴) حضرت مالک ابن عیاش اور (۶۵) حضرت ایاس ابن عدی اور (۶۶) حضرت عمرو ابن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ سب پر میری طرف سے سلام ہو۔ (محمد رفیق حسنی)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ:

- سید الشہداء حضرت حمزہ بن عبد لمطلب رضی اللہ عنہ کی قبر مبارکہ کے متعلق امام بخاری نے ذکر کیا، حضرت وحشی نے ایک خبر میں بیان کیا کہ جب لوگ عینین کے سال نکلے (عینین ایک پہاڑ ہے جو کہ احد پہاڑ کے محاذی ہے، جبل احد اور جبل عینین کے درمیان ایک وادی کا فاصلہ ہے) میں بھی لوگوں کے ساتھ نکلا، جب لوگوں نے صفیں بنالیں، ہماری صف سے سباع نکلا اور کہا ”ہے کوئی مباذر لڑنے والا؟“ اس

کی طرف حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب نکلے اور آپ نے فرمایا "یَا سَبَاعُ یَا ابْنَ اُمِّ اَنْمَارٍ مُقَطِّعَةُ الْبُظُوْرِ" (اے سباع فرج کٹی ہوئی ماں ام انمار کے بیٹے) "اَ تُحَادُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" (کیا تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کے ساتھ لڑتا ہے) پھر آپ نے اس پر حملہ کیا۔ سباع اسی وقت قتل ہو گیا۔ حضرت وحشی کہتے ہیں، میں وہاں پتھر کے نیچے چھپ کے بیٹھا ہوا تھا۔ جب حضرت حمزہؓ میرے قریب آئے، میں نے اپنا برچھا آپ کے سینے میں دبا دیا حتیٰ کہ وہ کولہے سے جا نکلا۔ پس آپ شہید ہو گئے۔ پھر حضرت وحشی نے اسلام قبول کرنے کا سارا قصہ ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے اس کے اسلام قبول کرنے کے بعد فرمایا، "اَ اَنْتَ قَتَلْتَ حَمْزَةَ؟" (تو نے حمزہ کو قتل کیا تھا؟) حضرت وحشی کہتا ہے، میں نے عرض کیا، ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا تو یہ کر سکتا ہے تو میرے سامنے نہ بیٹھا کرے؟

• سرورِ دوعالم ﷺ سیدنا حضرت حمزہؓ شہید کے جسم اقدس پر تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ مُثلہ کیا گیا تھا۔ ناک اور کان کاٹے گئے تھے اور آپ کا جگر نکالنے کیلئے سینہ چاک کیا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَوْ لَا اَنْ تَحْزَنَ صَفِیَّةُ وَیَکُوْنَ سُنَّةً مِنْ بَعْدِیْ لَتَرَکْتُهٗ حَتّٰی یَکُوْنَ فِیْ بُطُوْنِ السِّبَاعِ وَحَوَاصِلِ الطَّیْرِ لَنْ اُصَابَ بِمِثْلِكَ اَبَدًا مَا وَقَفْتُ مَوْقِفًا قَطُّ اَغْیَظَ اِلَیَّ مِنْ هٰذَا"

ترجمہ: "اگر صفیہ کے غم زدہ ہو جانے کا خوف نہ ہوتا اور یہ سنت بن جانے کا خوف نہ ہوتا میرے بعد تو میں حمزہ کو چھوڑ دیتا حتیٰ کہ وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں ہوتا، (اے حمزہ) میں تیری مثل غم کبھی نہیں پہنچایا گیا، میں کبھی ایسی جگہ کھڑا نہیں ہوا جو میرے لئے اس سے زیادہ غصہ دلانے والی ہو۔)

• پھر آپ نے فرمایا، میرے پاس جبرئیل آئے، انہوں نے کہا، (حضرت) حمزہ

کیلئے ساتوں آسمانوں کے فرشتوں میں لکھا گیا ہے "حَمْزَةُ ابْنُ عَبْدِالْمُطَّلِبِ اَسَدُ اللّٰهِ وَاَسَدُ رَسُوْلِهٖ" پھر آپ نے ان کی میت کو چادر سے ڈھانپ دیا اور اس کی نماز پڑھی اور ستر مرتبہ تکبیریں کہیں اور ان کو دفن کیا۔ (وفاء الوفاء)

شہدائے اُحد کی نمازِ جنازہ:

• شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھنے میں اختلاف ہے کہ بار بار نماز پڑھی گئی یا سب پر ایک مرتبہ پڑھی گئی یا بالکل نہیں پڑھی گئی۔ اگر ہر شہید پر نماز پڑھی گئی اور حضرت حمزہ کی نماز سب سے پہلے پڑھی گئی اور پھر ہر شہید کو حضرت حمزہ کے ساتھ رکھ کر ہر شہید کی نماز پڑھی گئی تو حضرت حمزہ کی نمازِ جنازہ گویا ستر مرتبہ پڑھی گئی۔ ستر (۷۰) تکبیروں سے یہی مراد ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

شہدائے اُحد کی تدفین و تعیین:

• امام سمہودی فرماتے ہیں، صحیح بخاری میں ہے، حضرت جابر ابن عبداللہ بیان کرتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ احد کے دو مقتولوں کو ایک قبر میں جمع کرتے تھے، فرماتے ان میں سے کس نے قرآن زیادہ یاد کیا تھا۔ ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تھا، آپ اس کو لحد میں پہلے اتارتے تھے۔ آپ نے شہدائے احد کو بغیر غسل خون کے ساتھ دفن کرنے کا حکم فرمایا اور آپ نے ان کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی۔
(وفاء الوفاء)

• سیدنا حضرت حمزہؓ کو وحشی نے جبل رماۃ کے ساتھ گھات لگا کر قتل کیا۔ آپ وہاں شہید ہوئے، وہاں مسجد بنائی گئی تھی مگر اب وہاں مسجد نہیں ہے۔ پھر آپ کو اٹھا کر اونچی جگہ دفن کیا گیا، جہاں اب بھی وسیع احاطہ میں چاروں طرف دیواروں کے درمیان پتھروں کی صورت میں نشانات موجود ہیں۔

• ایک روایت کے مطابق حضرت مصعب ابن عمیر اور حضرت عبداللہ ابن

جحش کو بھی آپ کی لحد میں آپ کے ساتھ دفن کیا گیا۔اور ایک روایت میں ہے، آپ کے قریب ان دو صحابہ کو الگ الگ دفن کیا گیا۔ جو بھی صورت ہو، حاضری کے وقت سب کے نام لے کر سلام کیا جائے۔

حضرت عمرو ابن الجموح اور عبداللہ ابن عمرو ابن حرام کا قصہ:

- حضرت عمرو ابن الجموح اور حضرت عبداللہ ابن عمرو حضرت جابرؓ کے والد کو ایک لحد میں دفن کیا گیا تھا۔ان دونوں کی قبر سیلابی ندی کے کنارے پر تھی۔انہیں سیلاب کے پانی سے محفوظ رکھنے کیلئے جب قبر سے نکالا گیا، ایسا لگا جیسے کل فوت ہوئے ہیں۔اور حضرت عمرو ابن الجموح کو زخم لگا تھا، انہوں نے زخم پر ہاتھ رکھا ہوا تھا اور اسی طرح ان کو دفن کر دیا گیا تھا۔ان کا ہاتھ جب جسم سے ہٹایا گیا تو خون بہنا شروع ہو گیا۔ پھر ہاتھ اسی جگہ رکھا گیا تو خون بند ہو گیا۔ یہ واقعہ غزوۂ اُحد کے چالیس سال بعد ہوا تھا۔
- حضرت امیر معاویہ کی خلافت کے دور میں یعنی تدفین سے چالیس سال بعد بھی ایسا ہوا تھا۔ حضرت امیر معاویہ نے پانی کا نالا نکالنے کیلئے وہاں کھدائی کرنا چاہی۔ مدینہ منورہ میں اعلان ہوا۔ صحابہ کرام کو کہا گیا، اپنے میتوں کا خیال کرنا۔ چنانچہ کھدائی میں بعض صحابہ کرام کے اجسام نکلے تو وہ اسی طرح تازہ تھے جس طرح انہیں دفن کیا گیا تھا۔(خلاصہ وفاءالوفاء)
- آج سعودیہ میں مورخہ ۸ رمضان ۱۴۳۲ ہجری مطابق ۸/ اگست ۲۰۱۱ عیسوی بروز پیر مدینہ منورہ دلہ ہوٹل کمرہ نمبر ۳۲۰ میں یہ تحریر مکمل ہوئی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ

خاکِ پائے اہلِ مدینہ

محمد رفیق حسنی

مبارک مساجد کا ذکر

- ✓ مسجد قبا
- ✓ حضور ﷺ نے جہاں جہاں نماز پڑھی وہاں آپ ﷺ کے قدم مبارک کی جگہ مسجد بنادی گئی
- ✓ مسجد جمعہ
- ✓ مسجد قبلتین
- ✓ مسجد الاجابہ
- ✓ مسجد السقیا
- ✓ خندق کھودنے کا واقعہ
- ✓ مسجد منارتین
- ✓ حضرت ابو بکر کا سنخ میں گھر

مبارک مساجد کا ذکر

مسجد قبا:

• قبا کی آبادی پر ۱۲ ربیع الاول سن ۱ ہجری ۲۷/ ستمبر ۶۲۲ عیسوی میں انوار الٰہی کی ایسی بارش ہوئی کہ وادی سینا بھی اس زمین پر رشک کرنے لگی، جب سرور عالم ﷺ ہجرت فرما کر ابو بکر صدیق کے ساتھ حضرت کلثوم بن الہدم کے گھر تشریف لائے۔ تین دن کے بعد شیر خدا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی امانتیں مالکوں کو لوٹا کر یہاں آکر سرکار دوعالم ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت سلمان فارسی دوبار آپ کی خدمت میں اسی جگہ حاضر ہوئے اور نبوت کی علامتیں صحیح پاکر مسلمان ہوگئے۔ مسجد قبا عالم اسلام کی وہ پہلی مسجد ہے جسکی تعمیر کے لیئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پتھر اور گارا اٹھایا۔ اس مسجد کی حرمت اور عظمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں دو رکعت نماز نفل ادا کرنے سے عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔

قبا میں تاریخی مقامات:

• فقراء مہاجرین مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں الصفہ پر قیام فرمایا کرتے تھے مگر جب مہاجرین کی کثرت ہوگئی تو ان کیلیئے قبا کی مسجد میں عارضی رہائش گاہ کا انتظام کیا گیا، ان کی رہائش گاہ کے علاقہ کو ''العرفات'' کہا جاتا تھا اور حوش المہاجرین اور حی المہاجرین بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت سلیمان فارسی اور حضرت عمار بن یاسر یہاں آگئے تھے، اسی علاقہ میں مہاجرین کی نسبت سے مسجد العرفات ہوا کرتی تھی، جسے سعودی حکومت نے مسمار کر دیا ہے۔

• ۵۸۰ ہجری میں مورخ ابن جبیر نے مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ انہوں

نے لکھا کہ مسجد قبا کی قبلہ کی جانب حضرت ابوایوب انصاری کا دوسرا گھر ہے، اس گھر کے احاطے میں ایک کنواں ہے جس کے پاس ایک چوڑا پتھر پڑا ہے، جس پر لوگ وضو کرتے ہیں۔ پھر دار بنی النجار کے بعد دار عائشہ اور دار عمر اور دار فاطمہ اور دار ابو بکر ہے جس کے سامنے بیر اریس ہے جس کا پانی نمکین تھا مگر جونہی سرور دوعالم ﷺ نے اس میں لباب مبارک ڈالا وہ میٹھا ہوگیا اور اسی کنویں میں حضرت عثمان بن عفانؓ کے ہاتھ سے سرورِ دوعالم ﷺ کی انگوٹھی گر گئی تھی اور پھر نہیں ملی۔

• سعودی حکومت نے مسجد کی توسیع کی آڑ میں آثارِ نبوت اور متبرک مقامات مسمار کر دیۓ ہیں۔

• دار کلثوم بن ہدم اور دار سعد ابن الخیثمہ اور مسجد سیدہ فاطمۃ الزہرا اور بیر اریس، یہ تمام مقامات مسجد قبا کی قبلہ کی جانب تھے اور قبلہ کی جانب مسجد تو نہیں بڑھائی گئی مگر کار پارکنگ کے گراؤنڈ بنا کر انہیں ختم کر دیا گیا ہے۔ بیر اریس کو سڑک اور درختوں کے جھنڈ کے نیچے دفن کر دیا گیا ہے۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

• قبا اور العوالی اور القربان تینوں آبادیاں ایک ہو چکی ہیں۔ وہاں کچھ پرانے آثار ابھی باقی بھی ہیں۔ مسجد جمعہ شمس اور اور مسجد مصبح اور بیر غرس باقی ہیں اور حضرت سلیمان فارسی کا باغ باقی تھا۔ (مگر جستجوئے مدینہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں میری حاضری جب ۲۰۰۳ کے اواخر میں ہوئی تو پتہ چلا وہاں کھجور کے درختوں کی باقیات کا بھی صفایا کر دیا گیا ہے۔) اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کا باغ نہایت کسمپرسی کی حالت میں ہے۔ بیر العہن عام لوگوں کی نظر سے اوجھل ہے۔ مشربہ ام ابراہیم اور مسجد الفضیخ ۲۰۰۲ عیسوی میں گرادی گئی تھی اور باقی اکثر آثار گرادیۓ گئے ہیں۔ (ملخص جستجوئے مدینہ)

• مسجد قبا تین مساجد مسجد الحرام اور مسجد المدینہ اور مسجد الاقصیٰ کے بعد دنیا کی سب مساجد سے افضل مسجد ہے۔(ارشادالساری)

• حضرت سعد ابن ابی وقاص سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَاَنْ اُصَلِّیَ فِیْ مَسْجِدِ قُبَاءَ رَکْعَتَیْنِ اَحَبُّ اِلَیَّ اَنْ آتِیَ بَیْتَ الْمُقَدَّسِ۔"(ارشادالساری)

ترجمہ:"یہ کہ میں مسجد قبا میں دو رکعت ادا کروں مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ میں بیت المقدس جاؤں۔"

حضور ﷺ کی اونٹنی کا مسجدِ قباء کی پیمائش فرمانا:

• جناب سرور دوعالم ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں داخل ہونے سے پہلے جب قبا کی آبادی میں تشریف لائے اور قبا میں قیام فرمایا، آپ نے پہلے یہی مسجد قبا تعمیر فرمائی۔ مسجد کی حدود اور ایریا کی وسعت کیلئے آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ میری اونٹنی کی مہار (رسی) اسکی گردن پر ڈال کر اسے آزاد چھوڑ دو اور اونٹنی کے چلنے کے نشانات پر دیواریں کھڑی کر کے اس ایریا میں مسجد بنالو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ آپ ﷺ کی اونٹنی کے قدموں کے نشانات اور چکر لگانے کے احاطہ میں مسجد کی دیوار کھڑی کی گئی اور مسجد قبا میں بیت المقدس کی طرف جہت قبلہ کی تعیین سرور دوعالم ﷺ نے اس طرح فرمائی کہ بیت المقدس تک آپ ﷺ اور بیت المقدس کے درمیان حائل حجابات اٹھادیئے گئے جسطرح معراج کی صبح آپ کے درمیان اور بیت المقدس کے درمیان حجابات اٹھادیئے گئے تھے اور اسی طرح مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوۃ والسلام کی تعمیر کے وقت قبلہ کی جہت متعین کرتے وقت بھی بیت القدس آپ کے سامنے کردیا گیا تھا۔ گویا تین مرتبہ ایسا ہوا کہ بیت المقدس آپ کے سامنے لایا گیا۔ بعض روایات کے مطابق قرآن مجید میں "لَمَسْجِدٌ

اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ" سے مراد مسجد قبا ہے۔

• بخاری اور مسلم میں مروی ہے کہ سرور دوعالم ﷺ ہمیشہ ہفتہ کے دن پیدل یا سوار ہو کر اس مسجد میں تشریف لاتے تھے اور اس میں دو رکعتیں نفل ادا فرماتے تھے۔

مسجدِ قباء کی فضیلت:

• صحیح حدیث میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس مسجد میں نماز عمرہ کے برابر ہے۔ حضرت سہل سے مروی ہے جس شخص نے اپنے گھر میں وضو کیا پھر مسجد قبا حاضر ہو کر اس میں نماز پڑھی اس کیلئے عمرہ کرنے کی طرح اجر ہوگا۔

اور ایک اور روایت میں چار رکعت کا ذکر ہے شاید دو رکعت تحیۃ المسجد اور دو رکعت اس کے بعد پڑھنے کا حکم ہے۔(ارشادالساری)

• حضرت سہل سے روایت ہے جس شخص نے وضو کیا اور اچھا وضو کیا پھر مسجد قبا میں داخل ہوا اور اس میں چار رکعت ادا کیں اس کو غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔(ہدایۃ السالک)

• حضرت عمر کے متعلق مروی ہے کہ آپ پیر اور جمعرات کے دن مسجد قبا میں حاضر ہوتے تھے۔ ایک دن حاضر ہوئے تو اہل محلہ میں سے کوئی آدمی موجود نہیں تھا، آپ نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میں نے جناب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر کو اپنے اصحاب کے ساتھ دیکھا کہ وہ اس مسجد کی تعمیر کیلئے اپنے سینوں پر پتھر اٹھارہے ہیں اور اس کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے خود رکھی اور جبرئیل نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے امامت کرائی۔ حضرت عمر نے فرمایا، اگر یہ مسجد کہیں دور ہوتی تو ہم اونٹوں پر اسکی زیارت کیلئے جایا کرتے۔

• بخاری شریف میں حضرت عروہ ابن الزبیر سے مروی ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ دس دن اور کچھ قبیلہ بنی عمرو ابن عوف میں ٹھہرے اور اس مسجد کی بنیاد ڈالی جس کی تقویٰ پر بنیاد رکھی گئی ہے اور آپ اس میں نمازیں پڑھاتے رہے پھر آپ مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے، آپ کے ساتھ لوگ چل رہے تھے حتیٰ کہ اونٹنی مسجد الرسول ﷺ کی جگہ جاکر بیٹھ گئی۔ اور اس جگہ (موجودہ مسجد نبوی) پر پہلے سے مسلمانوں کے کچھ لوگ نماز پڑھا کرتے تھے اور یہ جگہ حضرت اسعد بن زرارہ کی گود میں پلنے والے دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی تھی۔ جس میں کھجوریں خشک کی جاتی تھی۔ سرور دو عالم ﷺ نے یہ زمین خرید کر اپنی مسجد تعمیر فرمائی۔

• مسجد قبا کے متعلق حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے "فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا" (اور اس مسجد میں کچھ آدمی پسند کرتے ہیں کہ پاکیزگی حاصل کریں۔) یہ آیت اہل قبا کی شان میں نازل ہوئی کیونکہ وہ ڈھیلوں کے استعمال کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے۔

لہٰذا مسجد قبا نہایت مبارک مسجد ہے، اس میں جاکر نفل ادا کرنا سنت ہے۔

• آجکل آثارِ اصحابہ اور آثار النبی ﷺ کو سعودی حکومت نے ختم کر دیا ہے اور نئی تعمیرات میں آثار سے کچھ باقی بھی نہیں رکھا۔ ۱۹۴۸ عیسوی میں جب ہم مسجد قبا میں نفل پڑھنے کیلئے گئے تھے، مسجد کے اندر متبرک مقامات کی نشاندہی کیلئے بورڈ لگے ہوئے تھے، بعد میں وہ بھی گرادیئے گئے۔ (رفیق حسنی)

مسجدِ قبا میں وہ جگہ جہاں حضور ﷺ نے نماز پڑھی:

• لباب المناسک کے مصنف امام سندھی فرماتے ہیں:

تحویل قبلہ سے پہلے مسجد قبا میں وہ جگہ جہاں سرور دو عالم ﷺ نے نماز پڑھی

تھی، وہ مسجد کے صحن میں بنائے گئے ستونوں کے ساتھ محراب والی جگہ ہے، جو مسجد کے محراب کے محاذی ہے اور تحویلِ قبلہ کے بعد قبلہ کی دیوار میں محراب وہ جگہ ہے جہاں آپ ﷺ نماز پڑھتے تھے۔

• اور وہ گہری جگہ جو مسجد کے صحن میں ہے یہاں سرور دو عالم ﷺ کی اونٹنی پہلی مرتبہ بیٹھی تھی۔ اور مسجد کے کونہ سے قبلہ کی جہت دار سعد تھی۔ جہاں سرور دو عالم ﷺ لیٹے تھے اور مسجد کے قبلہ کی جانب کلثوم بن ہدم کا وہ گھر تھا جس میں سرور دو عالم ﷺ اترتے تھے اور پھر آپ ﷺ کے اہل خانہ اور حضرت ابو بکر کے اہل خانہ ہجرت کے بعد یہاں اترے تھے۔ ان جگہوں سے برکت حاصل کی جاتی ہے۔ اس مسجد کے قریب بیر اریس وہ کنواں ہے جس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سید الکائنات ﷺ کی انگوٹھی گر گئی تھی۔ حضرت عثمان نے نہایت کوشش کی تھی کہ یہ انگوٹھی مل جائے مگر نہیں ملی تھی۔ اس کنویں کی دیوار پر ایک مرتبہ سرور دو عالم ﷺ ابو بکر اور عمر کے ساتھ بیٹھے تھے، اس کا پانی پیا جائے یہ آبِ زم زم کی طرح آبِ شفا ہے۔ (ارشاد الساری)

• لباب المناسک کے مصنف یہ صدیوں پرانی تعمیر شدہ مسجد کے متعلق بیان فرمارہے ہیں مگر موجودہ سعودی حکومت نے متبرک مقامات کے نشانات بھی ختم کر دیئے ہیں۔ (رفیق حسنی)

• مسجد قبا جس جگہ قائم ہے یہ جگہ لیہ نامی عورت کی تھی۔ حضرت سعد ابن الخیثمہ نے یہ زمین خرید کر مسجد کیلئے سرور دو عالم ﷺ کو پیش کر دی۔ اس کے احاطے میں ایک کنواں ہوتا تھا جس کا نام بیر قبا تھا۔

• طبرانی میں حضرت جابر ابن سمرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام کو ارشاد فرمایا کہ میری اونٹنی قصوی پر کوئی ایک شخص بیٹھ کر اس جگہ کا

چکر لگائے۔ اونٹنی کے قدموں کے نشانات پر مسجد کی دیواریں بنادی جائیں۔ سب سے پہلے حضرت ابو بکر الصدیق نے اونٹنی پر بیٹھنے کی کوشش کی مگر اونٹنی چھلانگ لگا کر کھڑی ہوگئی پھر حضرت عمر نے کوشش کی مگر اونٹنی نے حضرت عمر کو سوار نہیں ہونے دیا اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی اور اس اونٹنی پر سوار ہونے کی کوشش کرے۔ حضرت علی کھڑے ہوئے اور سوار ہوئے تو اونٹنی آرام سے بیٹھی رہی۔ حضرت علی اس پر سوار ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اس کی رسی ڈھیلی چھوڑ دو جہاں پر چکر لگائے وہاں نشانات لگادیئے جائیں اور انہیں نشانات کی حدود میں مسجد بنادی جائے کیونکہ یہ اونٹنی اللہ تعالی کی جانب سے مامور ہے اس طریقہ سے مسجد قبا کی حدود متعین کی گئیں۔ اس طرح اونٹنی چکر لگا رہی تھی جیسے کوئی انجینئر ڈیمارکیشن کر رہا ہو۔ (جستجوئے مدینہ)

● جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے پتھر اٹھائے اور تعمیر میں شریک رہے۔ مشہور صحابیہ حضرت سیدہ شموس بنت نعمان بیان کرتی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد تعمیر کرتے ہوئے دیکھا، آپ ﷺ پتھر اور اینٹیں اپنی کمر پر اٹھا کر لاتے، آپ کی کمر جھک جاتی، آپ کے کپڑوں اور چہرہ پر غبار پڑ جاتی۔ جب کوئی صحابی آپ کی کمر سے پتھر لے لینے کی کوشش کرتا تو آپ منع فرمادیتے اور اسے دوسرے پتھر اٹھا کر لانے کا حکم دیتے۔

مسجدِ قبا کی تعمیر:

● یہ مسجد نہایت سادہ تعمیر کی گئی، پتھروں کو گارے سے جوڑ کر دیوار بنائی گئی تھی اور چھت کھجور کے تنوں شہتیر (گاڈر) پر قائم تھی، کھجور کی شاخوں اور پتوں سے چھت ڈالی گئی۔ جب سرور دو عالم ﷺ قبا سے مدینہ تشریف لے گئے۔ مسجد میں حضرت معاذ ابن جبل امامت فرماتے رہے۔ اسکے بعد حضرت سالم

حضرت حذیفہ ابن یمان کے آزاد کردہ غلام نماز پڑھاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کے دور میں حضرت سعد ابن عابد اذان دیا کرتے تھے۔

● پھر مسجد قبا کی ہر دور میں تعمیر نو ہوتی رہی آخری تعمیرِ نو شاہ فہد ابن عبدالعزیز نے کرائی۔ پہلے اس کا رقبہ ایک ہزار تین سو باون مربع میٹر تھا، جواب بڑھ کر سات ہزار چار سو پینسٹھ مربع میٹر ہو گیا ہے۔ مسجد کے اندر ۴۵۰۰ مرد اور زنانہ حصہ میں ۱۰۰۰ عورتیں بیک وقت نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مسجد کا فرش سطح زمین سے تقریباً ایک منزل اونچا کر دیا گیا ہے۔

● مسجد قبا میں ۸۸۸ ہجری میں جو منبر سلطان اشرف قانیبائی نے مسجد رسول اللہ ﷺ کیلئے بھیجا تھا اور ایک سو سال مسجد نبوی میں زیر استعمال رہا، پھر سنگ مرمر کا خوبصورت منبر ترکی سلطان مراد خان ثانی نے مسجد نبوی کیلئے بھیجا تو مسجد نبوی کا پہلا منبر مسجد قبا میں رکھ دیا گیا جو آج بھی مسجد قبا میں محراب کے دائیں جانب رکھا ہوا ہے۔

حضور ﷺ نے جہاں جہاں نماز پڑھی وہاں آپ ﷺ کے قدم مبارک کی جگہ مسجد بنادی گئی:

● ایسے تمام مقامات جہاں سرور دو عالم ﷺ نے نمازیں پڑھی تھیں وہیں آپ کے صحابہ کرام نے مساجد تعمیر کرلی تھیں کیونکہ ان جگہوں پر ہر شخص سر بسجود ہونے کو باعثِ سعادت سمجھتا ہے۔ عشاق رسالت مآب ﷺ اس جستجو میں رہتے ہیں کہ کہاں کہاں سرور دو عالم کے قدم مبارک لگے، جہاں مسجد تعمیر کرکے برکت حاصل کی جائے۔ سرور دو عالم ﷺ جس جگہ نماز ادا فرماتے، صحابہ کرام اس جگہ پر نشانات لگا لیتے، کہیں کیل ٹھونک دیتے اور کہیں مینار بنادیتے۔

جب ولید ابن عبدالملک کا دور آیا اور مدینہ منورہ پر حضرت عمر ابن عبدالعزیز گورنر

مقرر ہوئے، ولید ابن عبدالملک نے حکم دیا جس جس مقام پر سرور دو عالم ﷺ نے نمازیں یا ایک نماز بھی پڑھی، وہاں مسجد بنادی جائے۔ چنانچہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے صحابہ کرام اور تابعین سے درخواست کی کہ ان جگھوں کی نشاندہی کریں جہاں سرور دو عالم ﷺ نے ایک مرتبہ بھی نماز ادا فرمائی۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے ان مقامات پر جہاں آپ ﷺ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں، وہاں خوبصورت پتھروں سے مساجد تعمیر فرمادیں اور جن مقامات پر آپ ﷺ کے نماز پڑھنے کا ثبوت نہ ملا اس جگہ سادہ پتھروں سے مسجد بنوادی۔ ایسی تمام مساجد جنہیں حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے بنوایا تھا، طویل عرصہ تک موجود رہیں مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان میں سے بہت مساجد کی خستہ حالی شروع ہوگئی۔ ابن نجار نے بیان کیا ہے کہ مدینہ منورہ میں بہت سی مساجد ایسی ہیں جن کا آدھا محراب یا ستون بچا ہوا ہے، ان کا ملبہ، پتھر اور لکڑیاں لوگ اٹھا کر لے گئے۔ آپ بیان کرتے ہیں، مسجد قبا جو مسجد ضرار کے قریب ہے، اس وقت اس کے بھی صرف چار ستون باقی ہیں اور مسجد الاجابۃ میں صرف ایک ستون اور آدھا محراب باقی ہے۔ مسجد بغلہ / مسجد بنی ظفر جس میں صرف ایک ستون بچا ہوا ہے، اس کے قریب ایک پتھر پڑا ہے، اس پر سرور دو عالم ﷺ کے خچر کے پیروں کے نشانات بھی موجود ہیں۔ (ابن نجار)

- موجودہ سعودی حکومت نے اگرچہ جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں مزارات کے گنبد گرادیئے بلکہ قبروں کے نشانات بھی ختم کردیئے ہیں لیکن مساجد کی تعمیر میں انتہائی دلچسپی لی مگر بعض مساجد پھر بھی کھنڈرات میں موجود ہیں یا زمین بوس ہوکر ان کے نشانات بھی نہیں رہے اور انکی جگہ کمرشل پلازے بن گئے ہیں۔ عشاق زائرین چاہتے ہیں کہ ان مساجد میں جاکر نماز پڑھیں اور برکت

حاصل کریں جہاں بھی سرور دو عالم ﷺ نے نمازیں ادا فرمائی ہیں مگر موجودہ حکومت کے نظریات میں متبرک اور اجر وثواب کیلئے سوائے مساجد ثلثہ، مسجد الحرام اور مسجد الرسول ﷺ اور مسجد الاقصیٰ، جانا جائز نہیں۔ اس لئے حکومت کی طرف سے آثار مدینہ اور دیگر مساجد کی نشاندہی کرنا ممنوع ہے۔ اگر کوئی شخص کسی مسجد میں پہنچ جائے تو وہاں موجود سرخ رومال میں مطوّع اور نیم ملا فورس سے مباحث اور بیہودہ سوال وجواب سے بے عزتی بلکہ گرفتاری کا ڈر رہتا ہے۔ مسجد قبا اور مسجد قبلتین کے علاوہ دیگر تاریخی اور قدیم مساجد تعمیرِ نَو کے باوجود مقفل رہتی ہیں اور زائرین وہاں نماز بھی نہیں پڑھ سکتے۔ جیسا کہ مدینہ طیبہ میں تاریخی کنوؤں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد سات ہے۔ اسی طرح تاریخی مساجد کی تعداد بھی سات بتائی جاتی ہے، جہاں خود آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے نماز ادا فرمائی مگر وہ تاریخی مساجد جن میں صحابہ کرام نے نمازیں ادا کیں، انکی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ بعض روایات میں انکی تعداد ۱۸ ہے لیکن اکثر کے نشانات بھی نہیں ملتے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

۲- مسجد جمعہ:

- ان مقفل مساجد میں سے ایک مسجد الجمعہ بھی ہے۔ یہ مشہور مسجد، مسجد قبا سے مسجد نبوی کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی ہے۔ وادی رانونا میں مقیم بنی سالم بن عوف بن عمرو الخزرجی لوگوں میں جمعہ کے دن وہاں رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ جاتے ہوئے رکے تو وہاں نماز جمعہ کا وقت ہوگیا۔ جمعہ کی پہلی جماعت جناب رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں مدینہ منورہ میں شروع ہوئی کیونکہ مکہ مکرمہ دارالحرب تھا اور دارالحرب میں نماز جمعہ واجب نہیں ہوتی۔ اس لئے مکہ مکرمہ میں نماز جمعہ نہیں ہوتی تھی۔ جس جگہ نماز جمعہ ادا کی گئی وہیں مسجد بنادی گئی، جو

مسجد الجمعہ کے نام سے مشہور ہے۔ سرور دو عالم ﷺ کی آمد سے پہلے مدینہ منورہ میں حضرت اسد ابن زرارہ جمعہ کی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے جس دن جمعہ کا افتتاح فرمایا، اس دن حضرت اسعد ابن زرارہ نے بکری ذبح فرمائی اور نمازیوں کو کھانا بھی کھلایا۔ (کتب تاریخ)

۳۔ مسجد قبلتین:

- یہ مسجد وادی العقیق کے قریب ہے۔ یہاں بنی سلمہ رہا کرتے تھے۔ ہجرت مبارکہ کے دوسرے سال ایک مرتبہ سرور دو عالم ﷺ صحابیہ سیّدہ ام بشر ابن البراء کے گھر ان کے بیٹے کی تعزیت کیلئے تشریف لے گئے۔ صحابہ کرام کی کثیر تعداد بھی آپ کے ساتھ تھی۔ اس سے پہلے سرور دو عالم ﷺ روزانہ جگہ جگہ دو نفل پڑھ کر تحویلِ قبلہ کیلئے دعا کر رہے تھے کیونکہ یہودیوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا تھا کہ مسلمان ہمارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں مگر نمازیں ہمارے قبلہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے ادا کرتے ہیں۔ اس طعنہ کے بعد سرور دو عالم ﷺ تحویل قبلہ کیلئے پہاڑوں اور غاروں میں جا جا کر بار بار تحویل قبلہ کی دعا کرنے لگے حتی کہ حالت اضطرار کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ جب آپ ﷺ سیّدہ ام بشر کے گھر تشریف لے گئے، اتفاق سے آپ ﷺ اور صحابہ کرام کیلئے سیدہ ام بشر نے اسی وقت کھانے کا بندوبست کر دیا وہاں کافی دیر ہو گئی، آپ ﷺ نے وہیں ظہر کی نماز ادا فرمائی اور آپ ﷺ کی حالت یہ تھی کہ نماز میں بھی جبرئیل علیہ السلام کے وحی لانے کی امید کی وجہ سے اپنا چہرہ مبارک بار بار آسمان کی طرف اٹھاتے تھے۔ ابھی دو رکعت ہی پڑھی تھیں، جبرئیل علیہ السلام تحویلِ قبلہ کی آیت لے آئے۔

ترجمہ ”بے شک ہم دیکھ رہے ہیں آپکے چہرے کا آسمان کی طرف منہ

بار بار اٹھانا پس ضرور ہم نے پھیر دیا تیرے لئے قبلہ جس کو تو پسند کرتا ہے پس اپنے چہرہ کو مسجد حرام کی طرف کر لو اور اے مسلمانوں تم جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے اسی طرف کر لو۔“ (سورۃ بقرۃ)

درمیانی قعدہ کے تیسری رکعت میں آپ نے کعبہ کی طرف منہ کر لیا۔ چونکہ آپ پہلے مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہے تھے جو کہ مدینہ منورہ سے ۱۸۰ ڈگری شمال میں ہے، آپ کو ۱۸۰ ڈگری جنوب کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا، اس ظہر کی نماز میں صحابہ کرام اور خواتین بھی شریک تھیں، سب کو صفیں تبدیل کرنا پڑیں۔ مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ چلی گئیں اور رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کے میزابِ رحمت کی طرف منہ کر لیا اور اسی حالت میں بقیہ دو رکعتیں مکمل فرمائیں۔ اس لئے اس مسجد کا نام ”مسجد قبلتین“ ہو گیا۔ وہ پہلی پوری نماز جو کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے رسول اللہ ﷺ نے ادا فرمائی، وہ اپنی مسجد میں واپس جا کر عصر کی نماز تھی۔ یہ تحویلِ قبلہ ظہر کی نماز پیر کے دن وسط رجب سن ۲ ہجری میں ہوا جبکہ سن عیسوی ۶۲۴ تھا۔ اکثر مورخین کا خیال ہے بنی سلمہ میں پہلے سے مسجد قائم تھی، جس میں ظہر کی نماز ادا کی گئی اور تحویلِ قبلہ کا حکم ہوا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ ام بشر خاتون کا ذاتی گھر تھا، ان سے درخواست کی گئی کہ یہ مکان مسجد کیلئے وقف کر دیں۔ اس کے بعد یہ مسجد قائم کی گئی۔ مختلف ادوار میں اس مسجد کی تعمیر اور مرمت ہوتی رہی، آخری مرتبہ شاہ فہد بن عبد العزیز کے حکم سے بن لادن کمپنی نے اسے تعمیر کیا۔ پرانی عمارت کو مکمل مسمار کر کے ملحقہ علاقہ ملا کر سارے علاقہ کی سطح تقریباً تین میٹر تک بلند کی گئی اور عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق تمام سہولتوں کے ساتھ مسجد تعمیر کی گئی۔ قدیم مسجد کا رقبہ ۴۲۵ میٹر تھا جبکہ جدید تعمیر کے بعد یوٹیلٹی علاقوں کو ملا کر کل رقبہ ۳۹۲۰ مربع میٹر سے

بھی زیادہ ہے۔اس کا طول ۹۵ میٹر ہے اور شرقی جانب عرض ۸۳ میٹر اور غربی جانب ۸۲ میٹر ہے اور اس غربی جانب مدینہ منورہ کا قدیم قبرستان بھی ہے، جس کے ارد گرد دیوار تعمیر کر دی گئی۔ ۱۱۹۰ مربع میٹر پر اس مسجد کا ہال تعمیر کیا گیا ہے اور اسکے اندر ۲۰۰۰ آدمی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ ۴۰۰ مربع میٹر پر خواتین گیلری تعمیر کی گئی ہے۔ پرانے قبلہ بیت المقدس کی سمت کو ظاہر کرنے کیلئے صدر دروازہ کے اندرونی طرف چھت کے قریب ایک جائے نماز کا نقشہ بنایا گیا ہے۔ جبکہ پہلے تحویلِ قبلہ کی آیت مبارکہ دیوار کے اوپر ہی اس جگہ لکھی گئی تھی مگر بعد میں اسے مٹا دیا گیا ہے۔

۴۔ مسجد الاجابہ:

• یہ مسجد آج کل جدید تعمیرات میں جنت البقیع کی شمالی مشرقی جانب شارع ستین اور شارع ملک عبدالعزیز کے چوک پر بائیں جانب واقع ہے۔ مدینہ منورہ کی قدیم مساجد میں سے ایک ہے۔ سرور دو عالم ﷺ کے دور میں یہاں انصار کا قبیلہ بنو معاویہ الادسی رہا کرتا تھا، اس نسبت سے یہ مسجد بنو معاویہ کے نام سے جانی جاتی تھی۔

• حضرت عمار ابن سعد اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ العالیہ محلہ سے تشریف لائے اور مسجد بنی معاویہ سے آپ کا گذر ہوا۔ آپ نے یہاں تھوڑی دیر قیام فرمایا اور مسجد میں دو رکعت نفل پڑھیں اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، میں نے اللہ تعالی سے تین دعائیں کی ہیں، اللہ تعالی نے دو قبول فرمالیں ہیں اور ایک سے منع فرمادیا ہے اور روک دیا ہے۔ میں نے دعا کی، میری امت قحط کی وجہ سے ہلاک نہ ہو۔ یہ دعا قبول فرمائی۔ میں نے سوال کیا، میری امت نوح علیہ السلام کی طرح

طوفان میں غرق نہ ہو۔ یہ دعا قبول فرمائی۔ اور میں نے عرض کیا میری امت باہم قتال اور جدال میں مبتلا نہ ہو تو اللہ تعالی نے یہ دعا قبول نہیں فرمائی۔ (مسلم باب الفتن) چونکہ اس مسجد میں آپ ﷺ کی دو دعائیں قبول ہوئی تھی اس لئے اس مسجد کا نام مسجد الاجابۃ مشہور ہو گیا یعنی دعا کے قبول ہونے کی مسجد۔

• امام سمہودی کے مطابق دسویں صدی کے اوائل میں اس مسجد کا طول ۲۵ ہاتھ اور عرض ۲۰ ہاتھ تھا ۱۸۵۲ عیسوی میں انگریز جاسوس رچرڈ برٹن (Richard Burton) نے لکھا، یہ ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ یہی بات فلپی نے ۱۹۳۱ عیسوی میں لکھی ہے۔ اس بات کا ذکر بے محل نہیں ہو گا۔ جب وہابیوں نے ۱۹۲۴ عیسوی میں مدینہ طیبہ پر یلغار کی اور انہوں نے مقابر اور مزارات کو مسمار کیا تو یہ مسجد بھی ان کی تباہ کاریوں سے نہ بچ سکی۔ خلافت کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق جس میں صدر پاکستان مولانا محمد علی جوہر بھی موجود تھے، اس مسجد پر واقع گنبد کو بھی توڑ دیا گیا مگر بعد میں گورنر مدینہ شہزادہ محمد ابن عبدالعزیز سعودی نے اس مسجد کی تعمیر کرائی اس کا کل رقبہ اس وقت ۵۵۶ مربع میٹر تھا، بعد میں شاہ فہد کے دور میں توسیع ہوئی۔ (جستجوئے مدینہ)

• روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر قبیلہ بنی معاویہ میں آئے، بنو معاویہ انصار کی بستیوں میں ایک بستی ہے۔ آپ نے پوچھا، کیا جانتے ہو کہ تمہاری اس مسجد میں رسول اللہ ﷺ نے کہاں نماز پڑھی ہے؟ ان میں سے ایک آدمی نے کہا، یہاں اور اس جگہ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر آپ نے پوچھا ان تین دعاؤں کا تمہیں علم ہے جو آپ ﷺ نے مانگی تھیں؟ انہوں نے کہا، ہاں۔ فرمایا، مجھے اس کی خبر دو۔ تو راوی نے کہا، وہ یہ ہیں کہ میری امت پر ان کا غیر غالب نہ آئے اور انہیں ختم نہ کرے اور ان کو قحط ہلاک نہ کرے۔ یہ دعائیں مجھے اللہ تعالی نے عطا

فرمائیں اور دعا فرمائی کہ میری امت باہم نہ لڑے تو اللہ تعالی نے منع کر دیا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر نے کہا، تم نے سچ کہا ہے مسلمانوں میں قیامت تک باہم قتال رہے گا۔

(مؤطاامام مالک کتاب القران)

۵۔مسجد الغمامہ/مسجد المصلی:

● ہجرت کے دوسرے سال رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو پہلی بار سرور دوعالم ﷺ نے عید الفطر کی نماز ادا فرمائی۔ پہلی عیدیں عید الفطر اور عیدالاضحیٰ کی نمازیں تو صحابہ کرام کے گھروں کے وسیع صحنوں میں پڑھی گئیں جو کہ مسجد نبوی شریف سے دور تھے۔ چنانچہ زید ابن ا لبکار نے بیان کیا، پہلی عید حارۃ الدوس میں ابن ابی جنوب کے گھر اور دوسری عید عبدالحاکم بن العدی اور تیسری حضرت عبداللہ ابن درۃ المزنی اور چوتھی عید حضرت عبداللہ ابن الصلت کے گھر ادا فرمائی اور پانچویں عید اس جگہ ادا فرمائی جس جگہ آج کل مسجد مصلی موجو دہے۔ شروع میں اس مسجد کو مسجد المصلی (نمازِ عید پڑھنے کی جگہ) کہا جاتا تھا مگر بعد میں ایک مرتبہ سرور دوعالم ﷺ نے اسی جگہ نماز استسقا ادا فرمائی۔ دوران نماز ایک بادل نے آکر آپ پہ سایہ کئے رکھا اور جونہی دعا ختم ہوئی، بارش ہونے لگی۔ اسی نسبت سے اس مسجد کا نام مسجد الغمامہ (بادل والی مسجد) مشہور ہو گیا۔ (جستجوئے مدینہ)

● یہ جگہ ایک میدان تھا اسے دارالصلت کہا جاتا تھا کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن ابن الصلت کے گھر کے قریب تھا۔ آپ جب بھی سفر سے واپس آتے، اسی جگہ دو رکعت نفل ادا کرتے پھر گھر تشریف لے جاتے۔ حضرت سعید ابن المسیب بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ نے نجاشی کی نماز جنازہ یہاں پڑھائی تھی۔ آپ بیان کرتے

ہیں، اسی جگہ سرور دوعالم ﷺ تشریف لائے اور صحابہ کرام نے آپ کے پیچھے صفیں بنائیں، پھر نجاشی جس کا حبشہ میں انتقال ہوا تھا، کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔ عیدین کی نمازیں آپ یہاں پڑھاتے، کھڑے ہو کر پہلے خطبہ ارشاد فرماتے، اس کے بعد عیدین کی نماز پڑھاتے۔ خلفا راشدین کے دور میں اسی طرح نماز ہوتی رہی۔ اموی دور میں یہاں امام کیلئے عارضی منبر نصب کر دیا جاتا تھا۔ مسجد الغمامہ کو سب سے پہلے حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے تعمیر کروایا پھر مختلف ادوار میں اس مسجد کی تعمیر ہوتی رہی۔ جب وہابیوں نے پہلی بار مدینہ منورہ پر چڑھائی کی، جہاں لوگوں کی قبریں مسمار کیں وہاں اس مسجد کو بھی گرادیا مگر چھ سال بعد جب ترکوں نے مدینہ منورہ کا دوبارہ قبضہ لیا تو اس مسجد کی تعمیر کرادی۔ (جستجوئے مدینہ)

● مسجد الغمامہ یا مسجد المصلی مسجد نبوی شریف سے ۵۰۰ میٹر کے فاصلے پر واقع ہے مگر سعودی دور میں یہ مسجد اکثر مقفل رہتی ہے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

● اسی علاقہ کی تین اور مسجدیں جو کہ تاریخی ہیں:

(۶۔ ۷۔ ۸) مسجد ابو بکر صدیق اور مسجد عمر فاروق اور مسجد علی رضی اللہ عنہم باہم قریب ہیں۔ ان مساجد کے ناموں کے حوالہ سے مورخین صرف یہ ذکر کرتے ہیں کہ ان مساجد کے قریب صحابہ کرام کبھی رہے ہونگے یا ان کی وجہ سے کوئی واقعہ پیش آیا ہوگا، اس لئے ان ناموں کے ساتھ مشہور ہو گئی ہیں مگر ان مساجد میں سرور دوعالم ﷺ نے بھی نماز پڑھی ہو گی ورنہ عمر ابن عبدالعزیز یہاں مسجدیں تعمیر نہ فرماتے۔ واللہ تعالی اعلم

۹۔ چوتھی مسجد سیدنا عثمان بن عفان ہے جو کہ سعودی حکومت نے تعمیر کرائی ہے تاکہ چاروں خلفاء کے نام پر مساجد منسوب ہوں۔ یہ مسجد قبا جانے والی سڑک پر پل سے پہلے بائیں ہاتھ پر واقع ہے۔ اسی علاقہ المناخہ میں ایک مسجد سیدہ

فاطمۃ الزہرا کے نام پر تھی جو کہ مسجد نبوی شریف کی توسیع میں لے لی گئی ہے۔(جستجوئے مدینہ)

۱۰۔مسجد السقیا:

• سقیا کا مفہوم سیراب کرنا ہے۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ ہم ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری میں مدینہ منورہ سے نکلے اور بیر سقیا پر پہنچے۔آپ ﷺ نے فرمایا، پانی لاؤ۔ آپ نے وضو فرمایا اور نماز پڑھی اور دعا فرمائی، اے اللہ! ہمارے خلیل ابراہیم علیہ السلام نے اہل مکہ کیلئے دعا کی تھی اور بے شک تمہارا نبی (ﷺ) اہل مدینہ کے لئے دعا کرتا ہے کہ ان کے صاع اور مد میں برکت عطافرما اوران کے پھلوں میں برکت فرما۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب آپ ﷺ غزوہ بدر کیلئے تشریف لے جارہے تھے۔ حضرت سعد ابن وقاص بیان کرتے ہیں ہم سرور دوعالم ﷺ کے ساتھ بدر کی طرف نکلے ہمارے پاس ستر اونٹ تھے۔ ایک اونٹ پر دودو تین تین چار چار آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔اصحاب النبی ﷺ میں سب سے زیادہ میں غنی تھا اور چلنے میں قوی تھا اور ان سے زیادہ تیر انداز تھا۔ میں جاتے اور واپسی آتے اونٹ پر سوار نہ ہوا۔ جب ﷺ سقیا کیلئے مدینہ سے جدا ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّھُمْ حُفَاۃٌ فَاَحْمِلْھُمْ وَ عُرَاۃٌ فَاکْسُھُمْ و جِیَاعٌ فَاَشْبِعْھُمْ وَ عَالَۃٌ فَاَغْنِھِمْ بِفَضْلِكَ۔"

ترجمہ: "اے اللہ بے شک وہ صحابہ پیدل ہیں پس ان کو سواری عطافرمااور وہ ننگے ہیں پس ان کو لباس عطافرمااور وہ بھوکے ہیں پس ان کو کھاناکھلااور وہ فقیر ہیں ان کو غنی فرمااپنے فضل کے ساتھ۔"

حضرت سعد بیان کرتے ہیں، جب ہم واپس آئے ہر شخص کو سواری میسر تھی، ہر

ایک آدمی کے پاس ایک یا دو اونٹ تھے اور جو صحابہ بے لباس تھے انہیں لباس عطا کیا گیا اور کھانے کا ہر ایک کو بہت زیادہ راشن دیا گیا اور قیدی کفار کے فدیہ کے حصہ سے ہر آدمی غنی ہو گیا۔آپکی دعا قبول ہوئی۔(وفاءالوفاء)

• حضرت سلمیٰ کہتی ہیں،انس بن مالک اور ہند اور اسماحارثہ کے بیٹے بیر سقیا سے مٹکے بھر کر آپ کی ازواج مطہرات کیلئے پانی لایا کرتے تھے۔ پھر آپ کا خادم رباح (سیاہ رنگ کا عبد) کبھی بیر غرس اور کبھی بیر سقیا سے پانی بھر کے لاتا تھا اور ازواج مطہرات پانی پیا کرتی تھیں۔(طبقات الکبریٰ)

• حضرت انس سے روایت ہے حضرت عمر ابن الخطاب قحط کے دنوں میں حضرت عباس کے وسیلہ سے اس طرح دعا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّنَا صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ وَ اِنَّا نَتَوَسَّلُ اِلَیْكَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَیُسْقَوْنَ۔" (بخاری)

ترجمہ: "اے اللہ بے شک ہم تیری طرف اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے دعا کیا کرتے تھے اور بے شک ہم تیری طرف وسیلہ پکڑتے ہیں اپنے نبی کے چچا کے ساتھ پس تو بارش عطا فرما پس بارش عطا کی جاتی تھی۔"

پھر حضرت عمر کے کہنے پر حضرت عباس اسطرح دعا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ لَا یَنْزِلُ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَ لَا یُکْشَفُ اِلَّا بِتَوْبَۃٍ وَ قَدْ تَوَجَّہَ بِیَ الْقَوْمُ اِلَیْكَ بِقَرَابَتِیْ مِنْ نَبِیِّكَ وَ ھٰذِہٖ اَیْدِیْنَا اِلَیْكَ بِذُنُوْبِنَا وَ نَوَاصِیْنَا اِلَیْكَ بِالتَّوْبَۃِ فَاسْقِنَا یَا مُغِیْثُ فَاَرْخَتِ السَّمَاءُ مِثْلَ الْجِبَالِ حَتّٰی خَصَبَتْ وَ عَاشَ النَّاسُ سُمِّیَ الْعَبَّاسُ سَاقِیَ الْحَرَمَیْنَ۔" (عمدۃ الاخبار)

ترجمہ: "اے اللہ! بلاء نازل نہیں ہوتی مگر گناہوں کی وجہ سے اور بلاء

نہیں جاتی مگر توبہ کے ساتھ اور بے شک قوم میرے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہے، تیرے نبی کے ساتھ میری رشتہ داری کی وجہ سے اور یہ ہمارے ہاتھ گناہوں کے ساتھ تیری طرف اٹھے ہوئے ہیں اور ہماری پریشانیاں توبہ کے ساتھ حاضر ہیں۔ پس تو ہمیں بارش عطا فرما اے فریاد سننے والے۔ پس آسمان بادلوں سے پہاڑوں کی طرح بھر گیا حتیٰ کہ سیرابی ہوگئی اور لوگ خوشحال ہوگئے۔ اس کے بعد حضرت عباس کو ساقی الحرمین کہا جاتا تھا۔“

- حضرت انس کی روایت کے مطابق اس مقام پر حضرت عمر نے حضرت عباس کے وسیلہ سے بارش کی دعا کی تھی اور کروائی تھی لٰہذا یا تو بیر السقیا کے قریب ہونے کی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد السقیا ہے یا پھر دعا کے بعد بارش ہونے کی وجہ سے اس مسجد کا نام مسجد السقیا رکھ دیا گیا ہے۔ یہ مسجد طویل عرصہ تک لوگوں کی نظروں سے غائب رہی، بوسیدہ ہو کر زمین میں دب گئی تھی۔ امام سمہودی نے نہایت محنت کے بعد اس کے آثار تلاش کئے اور مسجد تعمیر کروادی پھر ترکوں نے اس کی دیکھ بھال جاری رکھی اور کنویں کی صفائی کرائی، مسجد کی چھت پر گنبد بنوائے۔ سترہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں مدینہ ریلوے اسٹیشن کا انتظام ہوا تو یہ مسجد اور کنواں اسٹیشن کے احاطے کے اندر آگیا۔ بعض مورخین کہتے ہیں آخری ترکی وزراء اور حکمران مدینہ منورہ کے باغیوں کو اسی جگہ پھانسی لگاتے اور قتل کرتے تھے، اس لئے اس مسجد کو مسجد الرؤس بھی کہا جاتا ہے۔
- آج کل سعودی دور میں یہ مسجد بے اعتنائی کا شکار ہے۔ السقیا کا کنواں عنبریہ روڈ کے نیچے دفن کردیا گیا ہے مگر مسجد ابھی موجود ہے اور ریلوے اسٹیشن کے احاطے کے اندر ہے اور سعودی حکومت نے اس کی تعمیرِ نو کردی ہے۔

۱۱- مسجد الفتح یا مساجد الفتح:

- مساجد سبع سات مسجدوں کے نام سے مشہور ہیں اور جبل سلع کے دامن میں موجود سات مساجد میں سے ایک کا نام مسجد الفتح ہے۔
- غزوہ خندق کے موقع پر اسی پہاڑ کے قریب سرور دوعالم ﷺ اور صحابہ کرام مقیم تھے اور متعدد جگہوں پر نماز ادا فرماتے رہے تھے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی پالیسی تھی کہ جس جگہ سرور دوعالم ﷺ سے ایک مرتبہ نماز پڑھنا ثابت ہے، وہاں مسجد بنادی جائے۔ اس نظریہ کے پیش نظر یہاں چھ مسجدیں تعمیر کی گئی اور ایک مسجد بعد میں تعمیر ہوئی، جسکی وجہ سے ان مساجد کو ”مساجد سبع“ (سات مسجدیں) کہا جاتا ہے۔
- مسجد الفتح جبل سلع کے غربی ٹکڑے پر واقع ہے۔ غزوۂ خندق کے ایام میں مشرکین کے احزاب کے خلاف آپ دعا کرتے رہتے تھے، اسی جگہ آپ ﷺ کی دعا قبول ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے دو تین سو کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوا ان پر مسلط فرمائی جس سے انکی ہانڈیاں اوندھی گر گئیں اور خیمے اکھڑ گئے اور اونٹوں اور لوگوں کو ہوا نے دور دور پھینک دیا اور مشرکین رسوا ہو کر واپس چلے گئے، اس لئے اس مسجد کو مسجد الفتح کہا جاتا ہے۔ اسی طرح اس مسجد کو مسجد الاحزاب اور مسجد الاعلیٰ بھی کہا جاتا ہے۔
- حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے، سرور دوعالم ﷺ نے اس مسجد میں تین دن پیر، منگل اور بدھ کے دن بار بار دعا فرمائی۔ دو نمازوں ظہر اور عصر کے درمیان بدھ کے دن دعا قبول ہوئی۔ حدیث میں ہے: ”فَعُرِفَ الْبُشْرُ فِيْ وَجْهِهٖ“ (آپ کے چہرہ انور میں خوشی کے آثار پہنچانے جارہے تھے)۔ حضرت جابر فرماتے ہیں، جب بھی میرے اوپر کوئی مشکل نازل ہوئی میں نے مسجد الفتح

جاکر اسی ساعت یعنی بدھ کے دن ظہر اور عصر کے درمیان دعا کی تو اللہ نے قبول فرمائی۔(مجمع الزوائد)

- امام سمہودی وفاءالوفاء میں فرماتے ہیں،اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز اور دعا کیلئے اس ساعتِ معینہ اور اس جگہ کو تلاش کیا جائے جو کہ مسجد کے وسط صحن میں درمیانی ستون کے ساتھ ہے کیونکہ سرورِ دوعالم ﷺ کی اسی جگہ دعا قبول ہوئی تھی۔
- غزوہ خندق کے ایام میں مختلف دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے، حضرت عبداللہ ابن الاوفی کہتے ہیں آپ ﷺ نے کہا:

"اَللّٰھُمَّ مُنَزِّلَ الْکِتَابِ سَرِیْعَ الْحِسَابِ اَللّٰھُمَّ اَھْزِمِ الْاَحْزَابَ اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَزَلْزِلْھُمْ۔"

ترجمہ: "اے اللہ! کتاب(قرآن کے)نازل کرنے والے جلدی حساب کرنے والے اللہ! احزاب کو شکست دے اور ان کو شکست دے اور انہیں ہلا دے۔"

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے،آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

"لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ اَعَزَّ جُنْدَہٗ وَ نَصَرَ عَبْدَہٗ وَ غَلَبَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ فَلَا شَیْءَ بَعْدَہٗ۔" (المساجد الشریفۃ)

ترجمہ: "نہیں کوئی معبود مگر اللہ تعالی جو کہ ایک ہے اور اس نے اپنی جماعت کو غلبہ دیا اور اپنے عبد کی مدد فرمائی اور اکیلے سب احزاب پر غالب ہو گیا اور اس کے بعد کوئی چیز نہیں۔"

جس جگہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی،مسجد کے درمیان ستون کے قریب ہی وہ جگہ ہے۔(المساجد الاثریۃ) ۱۴۳۳ ہجری میں اس مسجد میں کوئی ستون نہیں

ہے۔(رفیق حسنی)

- جمال المطرفی کے بیان کے مطابق حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی تعمیر کردہ مسجد الفتح کے تین ستون تھے اور درمیان میں ستون کے قریب وہ جگہ تھی جس جگہ دعا قبول ہوئی تھی مگر اب مسجد میں کوئی ستون نہیں ہے۔ جیسے علی حافظ نے بیان کیا، وہ مقام صحن میں موجودہ محراب کے بالکل سامنے تھا۔ اس پہاڑی پر مختلف جگہوں پر مسجد سلیمان الفارسی اور مسجد علی ابن ابی طالب اور مسجد ابو بکر صدیق اور مسجد عمر ابن الخطاب اور مسجد سعد ابن معاذ موجود تھیں اور روایات کے مطابق سب مسجدوں میں سرورِ دوعالم ﷺ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ "جستجوئے مدینہ" کتاب کے مصنف تحریر فرماتے ہیں ۲۰۰۲ عیسوی کے وسط میں محکمہ اوقاف نے ان مساجد کی جگہ ایک بڑی مسجد تعمیر کرنے کی ابتدا کی۔آج ۲۰۱۲ عیسوی میں وہ مسجد بن چکی ہے۔ مسجد علی اور مسجد سیدہ فاطمہ اس بڑی مسجد کے اندر لے لی گئی ہیں۔اسی طرح مسجد ابو بکر صدیق اور عمر فاروق بھی اسی بڑی مسجد میں شامل کرلی گئی ہیں مگر مسجد الفتح اور دو چھوٹی چھوٹی مسجدیں آج ۲۰۱۲ عیسوی میں بھی باقی ہیں۔ محترم ڈاکٹر عزیز الرحمن بلدیہ ٹاؤن والے جو ابھی مئی ۲۰۱۰ میں عمرہ کرکے آئے ہیں،انہوں نے بیان کیا، مسجد فتح کے علاوہ دو چھوٹی مسجدیں باقی ہیں۔جب ہم ۲۰۱۱ عیسوی میں گئے،وہاں نہیں جاسکے۔

۱۲۔ مسجد بنی ظفر: بنی ظفر کی مسجد،اس کا نام اس لئے ہے کہ یہ مسجد قبیلہ بنی ظفر کے گھروں کے قریب تھی۔ اس مسجد کا دوسرا نام مسجد البغلہ بھی ہے کیونکہ سرورِ دوعالم ﷺ کا خچر وہاں پتھروں پر باندھ دیا گیا تھا اور اس کے پیروں کے نشانات پتھر میں آگئے تھے۔

- **جائے وقوع:** جنت البقیع کے مشرق میں الحرۃ الشرقیہ کے کنارے پر یہ مسجد

واقع ہے۔جب ملک عبدالعزیز روڈ پر مکتب الدعوۃ والارشاد کی جانب جانا ہو تو اسکی دائیں طرف یہ مسجد تھی۔

- عبدالقدوس الانصاری نے ۱۳۵۳ ہجری بمطابق ۱۹۲۳-۱۹۲۲ عیسوی میں تحریر کیا ہے کہ آج کل یہ مسجد کھنڈرات میں تبدیل ہو چکی ہے۔ الخیاری کے مطابق اس مسجد یا اس کے کچھ حصہ پر مرکز الدعوۃ والارشاد کا دفتر قائم ہو چکا ہے اور باقی علاقہ مقفل کر کے دیوار کھڑی کر دی گئی۔آہنی دروازے سے اندر جھانکنے پر مطوعین منع کرتے ہیں۔اندر ملبے کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔دفتر کے قریب مسجد بنی ظفر کے ملبہ کا بھی ڈھیر نظر آتا ہے۔اسی جگہ جنوب کی طرف تقریباً ایک فرلانگ اندر کی طرف ۲۰۰۲ عیسوی میں ایک مسجد مکمل ہو چکی تھی،اس مسجد کو لوگ مسجد بنی ظفر کہتے ہیں مگر یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ (جستجوئے مدینہ)
- جمال المطرفی لکھتے ہیں کہ اس مسجد کا نام مسجد البغلہ بھی ہے جس کی وجہ وہاں موجود پتھر پر حضور اکرم ﷺ کے خچر کے پیروں کے نشانات تھے۔

بے اولاد خواتین حضور ﷺ کی استراحت والے پتھر پر بیٹھ کر دعا مانگتیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اولاد عطا فرماتا:

- حضرت زید ابن بکار کی روایت کے مطابق اس مسجد میں ایک پتھر تھا جس پر رسول اللہ ﷺ نے استراحت فرمائی تھی۔ مطری کی روایت کے مطابق بے اولاد خواتین اس پتھر پر بیٹھ کر دعا کرتیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اولاد عطا فرماتا۔ اس طرح روایت بھی ہے کہ مسجد کے مغربی جانب ایک پتھر تھا جس پر سرور دوعالم ﷺ کی کہنی مبارک اور انگلی کے نشانات تھے۔
- ۱۳۰۳ ہجری میں علی بن موسیٰ نے لکھا ہے کہ اس مسجد پر دو گنبد تھے،ایک گنبد کے نیچے پتھر کے بڑے بڑے پانچ پیالے بھی تھے۔ایک روایت کے مطابق

مباہلہ کے وقت یہ پیالے آسمان سے اہل بیت اطہار کیلئے نازل ہوئے تھے۔ مورخین کی روایات کے مطابق ایسا لگتا ہے کہ یہ تبرکات ۱۹۷۲ عیسوی تک مسجد کے کھنڈرات کی صورت میں موجود تھے مگر اس کے بعد موجودہ حکومت نے کہیں غائب کر دیئے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے اکثر مورخین نے حتیٰ کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی ان آثار اور تبرکات کا ذکر کیا ہے۔اسی مسجد کے ساتھ ایک اور مسجد تھی جسے مسجد مائدہ کہا جاتا تھا۔ یہ مسجد اس جگہ تعمیر ہوئی تھی جس جگہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلہ کے لئے حضرت سلیمان فارسی نے سادہ سا خیمہ لگایا تھا مگر یہ سب کچھ صرف کتابوں میں تو موجود ہے زمین پر نظر نہیں آتا۔ سب کچھ سعودی حکومت نے ختم کر دیا۔انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔(جستجوئے مدینہ)

- محمد ابن فضالہ الظفری جو کہ سرور دو عالم ﷺ کے مصاحب تھے، بیان کرتے ہیں کہ ان کے گھروں کے پاس سرور دو عالم ﷺ تشریف لائے۔آپ مسجد بنی ظفر میں موجود پتھر پر بیٹھ گئے۔آپ کے ساتھ عبداللہ ابن مسعود اور معاذ ابن جبل اور دوسرے لوگ بھی موجود تھے۔ سرور دوعالم ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرمایا کہ سورۃ النساء کی تلاوت کرو۔ حضرت عبداللہ نے تلاوت شروع کی جب حضرت عبداللہ ''فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔'' پر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بس کر۔ حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ تلاوت کے سخت روئے کہ آپ کی ڈاڑھی مبارک آنسوؤں سے تر ہوئی۔(طبرانی کی روایت ہے کہ ''حَتّٰى اِضْطَرَبَ لِحْيَاهُ'' یعنی آپ کے چہرہ مبارک کے جبڑے ہلنے لگے۔) آپ نے فرمایا، ''اے میرے رب! ان لوگوں پر میں گواہی دوں گا جو میرے سامنے ہیں پس ان پر کس طرح جن کو میں نے نہیں دیکھا؟''

• بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود بیان کرتے ہیں، مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے قرآن سناؤ۔ میں نے عرض کیا: ''اَقْرَأُ عَلَيْكَ وَعَلَيْكَ اُنْزِلَ۔'' (میں آپ کو سناؤں حالانکہ قرآن آپ پر نازل ہوا ہے)۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ''بے شک میں پسند کرتا ہوں کہ دوسرے آدمی سے قرآن سنوں۔'' حضرت عبداللہ بیان کرتے ہیں، آپ کے سامنے سورۃ النسا کی تلاوت شروع کی حتی کہ میں ''فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا۔'' پر پہنچا تو آپ نے فرمایا: ''اَمْسِكْ'' (رک جاؤ)۔ ''فَاِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔'' (پس دیکھا، اچانک آپکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے)۔
(بخاری کتاب التعبیر بحوالہ المساجد الاثریہ)

• غالبا یہی وہ پتھر مبارک تھا جس پر بے اولاد عورتیں بیٹھتی تھی تو اللہ تعالی انہیں اولاد عطا فرماتا تھا مگر اب وہ پتھر نہیں ہے۔ (محمد رفیق حسنی)

۱۲۔ مسجد فسح:

• ابن شیبہ نے ذکر کیا ہے کہ جبل احد کے دامن میں شعب جرار کی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ہے۔ حضرت رافع ابن خدیج کی روایت کے مطابق سرور دو عالم ﷺ نے اس مسجد میں نمازیں پڑھی تھیں۔ مورخ جمال المطری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے یہاں ظہر اور عصر کی نماز پڑھی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ اس وقت زخمی تھے اس لئے آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی تھی۔
(جستجوئے مدینہ)

• اس کا دوسرا نام ''مسجد احد'' ہے کیونکہ یہ جبل احد کے ساتھ ملاصق ہے۔ اس مسجد کو مسجد فسح اس لئے کہا جاتا ہے کہ آیت ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ۔۔ الآیۃ'' نازل ہوئی تھی۔

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تمہیں کہا جائے مجلس میں وسعت پیدا کرو تو وسعت اور گنجائش پیدا کرو اور اللہ تعالی تمہارے لئے وسعت فرمائے گا۔'' (وفاء الوفاء)
مگر امام سمہودی فرماتے ہیں، اس بات کیلئے مجھے کوئی ماخذ اور مصدر نہیں ملا۔ تمام مورخین نے غزوہ احد کے دامن میں ایک چھوٹی سی مسجد، جس کی دیواریں منہدم ہیں، کا مسجد فسح کے نام سے ذکر کیا ہے۔ روایت ہے کہ آپ نے اس مسجد میں ظہر اور عصر کی نماز پڑھی تھی۔ جب آدمی اس غار کی طرف جائے جس میں آپ نے آرام فرمایا تھا، جبل احد کے ساتھ متصل کھنڈرات میں موجود یہ مسجد ابھی موجود ہے اور جانے والے آدمی کے دائیں جانب ہوتی ہے۔ قبلہ کی دیوار کا کچھ حصہ اور محراب خستہ حالت میں ہے۔ مسجد کے صحن میں پتھر اور ڈھیلے پڑے ہوئے ہیں۔ ملحقہ جگہ میں بکریوں کا باڑہ ہے۔ موجودہ حکومت نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ (جستجوئے مدینہ)

• ہم نے اس مسجد کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا۔ (رفیق حسنی)

اس مسجد کے قبلہ کی جانب ایک پتھر کی چٹان میں انسان کے سر کے مقدار کے برابر گڑھا ہے بعض لوگ کہتے ہیں، یہ گڑھا سرور دو عالم ﷺ پر سایہ کرتے وقت پہاڑ میں ہو گیا تھا۔ اس مسجد کے شمال میں پہاڑ میں غار ہے۔ المساجد الاثریہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ ۱۴ ربیع الاول ۱۴۱۸ ہجری کو ہم نے اس کی زیارت کی تھی۔ اس کو طول ۲۰/۶ اور عرض ۸ میٹر ہے۔ مسجد کے ارد گرد لوہے کی گرل لگی ہوئی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

۱۳۔ مسجد الفضیخ (فا پر فتحہ اور ضا پر کسرہ ہے):

• فضیخ کھجور کے شراب کو کہتے ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری اور دیگر چند صحابہ کرام خمر کی تحریم سے پہلے یہاں شراب کشید شدہ پی رہے تھے اور ان کو

شراب کی حرمت کی خبر پہنچی، انہوں نے مٹکے اور پیالے توڑ دیئے اور شراب زمین پر گرادی۔ یہاں مسجد تو پہلے اس لئے بن چکی تھی کہ سرورِ دوعالم ﷺ نے جب بنو نضیر یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکالا تھا آپ نے اسی مسجد کی جگہ میدان میں خیمہ نصب فرمایا تھا اور چھ دن تک اسی جگہ نماز پڑھتے رہے تھے۔ جب بنو نضیر چلے گئے، جس جگہ آپ ﷺ کا قیام رہا اور آپ نے نمازیں ادا فرمائیں، صحابہ کرام نے مسجد بنادی مگر تحریم خمر کے وقت جو بعد میں ہوا، صحابہ کرام نے یہاں شراب کے مٹکے انڈیل دیئے تھے، اسی لئے اس مسجد کا نام مسجد الفضیخ مشہور ہو گیا۔

• بعض روایات کے مطابق مسجد میں پانی کا کنواں تھا صحابہ کرام نے شراب کی قے اور الٹی کر کے شراب اس کنویں میں ڈال دی تھی۔ جستجوئے مدینہ کے مصنف لکھتے ہیں، یہ کنواں ابھی تک اس مسجد میں موجود ہے اور ہول کے ڈھکنے سے ڈھانپا گیا ہے۔ اس مسجد کی جگہ چونکہ آپ ﷺ نے نمازیں پڑھی تھی اس لئے یہ مسجد بھی بابرکت ہے۔

• اس مسجد کو مسجد الشمس بھی کہا جاتا ہے کہ سورج کی کرنیں سورج کے طلوع ہوتے ہی سب سے پہلے اس پر پڑتی ہیں، کیونکہ یہ مسجد اونچی جگہ پر ہے۔ یہ مسجد قبا سے تقریباً ایک کلو میٹر مشرق میں ہے۔ بعض روایات میں مسجد الشمس اور مسجد الفضیخ کو الگ الگ مساجد شمار کیا گیا ہے لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے دونوں نام ایک ہی مسجد کے ذکر کئے ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

• موجودہ حکومت نے ۲۰۰۱ میں اس مسجد کو بلڈوزروں سے زمین کی سطح کے برابر کر دیا ہے۔ جستجو مدینہ کے مصنف فرماتے ہیں، ہم نے ۲۰۰۲ عیسوی میں اس جگہ کی زیارت کی تو منہدم شدہ جگہ مسجد کا ملبہ پڑا تھا اور تاریخی کنواں مٹی اور کچرے سے بھر دیا گیا تھا۔ دوبارہ دسمبر ۲۰۰۲ عیسوی میں گئے تو وہ جگہ صاف

کر دی گئی تھی، وہاں گاڑیاں پارک ہوتی تھیں۔ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ)

۱۴- مسجد ابوذر غفاری:

• اس مسجد کا نام مسجد السجدہ بھی ہے کیونکہ اس جگہ آپ ﷺ نے طویل سجدہ فرمایا تھا اور اس کا نام مسجد شکر بھی کیونکہ آپ نے سجدہ شکرانہ ادا فرمایا تھا اور اس مسجد کو مسجد البحیری بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مسجد بحیرہ نامی باغ کے کنارے واقع تھی۔ اس مسجد کو مسجد الاسواف بھی کہا جاتا تھا کیونکہ اسواف کا محلہ اس کے قریب تھا۔ اس کو مسجد السافلہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ اس راستہ پر واقع ہے جو نشیبی علاقہ کے باغوں کی طرف جاتا ہے۔

• یہ مسجد مسجد نبوی شریف سے نو سو میٹر کے فاصلہ پر ایئرپورٹ اور ابوذر روڈ کے سنگم پر واقع ہے۔ یہ مسجد انصار ہوٹل کے قریب محلہ باب ثمار میں ہے۔ اس کے سامنے شیر ٹن ہوٹل موجود ہے۔

• موجودہ حکومت نے ۲۰۰۱ عیسوی میں اس کی تعمیر شروع کی اور ۲۰۰۲ عیسوی میں مکمل ہوئی۔ یہ نہایت عالی شان مسجد بن چکی ہے۔ اسے کافی بلند کیا گیا ہے۔ مگر یہ مسجد اکثر بند رہتی ہے۔

مسجد ابوذر کی فضیلت:

• اس مسجد کی فضیلت یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن ابن عوف بیان کرتے ہیں میں مسجد نبوی شریف کے صحن میں کھڑا تھا، میں نے دیکھا آپ ﷺ جنت البقیع کی جانب مسجد کے دروازہ سے نکلے۔ تھوڑی دیر میں ٹھہرا رہا پھر میں آپ کے پیچھے چلنے لگا۔ میں نے آپ کو دیکھا آپ محلہ اسواف کے باغ میں داخل ہو گئے۔ آپ نے وضو فرمایا پھر دو رکعت نماز پڑھی پھر سجدہ فرمایا اور بہت طویل سجدہ فرمایا، جب آپ فارغ ہوئے میں ظاہر ہوا اور عرض کیا: "بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ" (میرا باپ اور

ماں آپ پر قربان ہوں) جب آپ نے طویل سجدہ فرمایا میں ڈر گیا شاید آپ وفات فرما گئے ہیں۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے بشارت دی کہ اللہ تعالی فرماتا ہے، جس شخص نے آپ پر درود بھیجا میں اس پر رحمتیں نازل کرونگا اور جس نے آپ پر سلام بھیجا میں اس پر سلامتی نازل کرونگا۔ ”فَسَجَدْتُ لِلّٰهِ شُكْرًا“ (تو میں نے اللہ تعالی کیلئے شکر کا سجدہ کیا)۔(بیہقی)

● مسند امام احمد میں ہے، حضرت عبدالرحمن بیان کرتے ہیں کہ جب آپ ﷺ سجدے سے اٹھے آپ نے فرمایا: ”مَنْ هٰذَا؟“ (یہ کون ہیں) میں نے عرض کیا، عبدالرحمٰن۔ آپ نے فرمایا: ”مَاشَأْنُكَ؟“ (کیا بات ہے؟) میں نے عرض کیا،آپ نے طویل سجدہ کیا تو میں ڈر گیا شاید آپ وفات پا گئے ہیں۔آپ نے پھر سابقہ جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالی کو شکریہ ادا کیا۔ (المساجد الاثریہ)

۱۵-مسجد معرس:

● یہ مسجد مسجد ذوالحلیفہ کی توسیع میں آگئی ہے۔ یہ میقات ذوالحلیفہ کے قبلہ کی جانب ہوا کرتی تھی۔اسی جگہ سرور دوعالم ﷺ نے مکہ سے واپسی پر رات کے آخری حصہ میں آرام فرمایا تھا۔تعریس کے معنی رات کو آرام کرنے کے ہیں،اس لئے اس مسجد کو مسجد معرس بھی کہا جاتا ہے۔(واللہ تعالی اعلم)(کتب تاریخ مدینہ)

۱۶-مسجد ذوالحلیفہ:

● مسجد ذوالحلیفہ،اس مسجد کو مسجد الشجرہ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ مسجد اس جگہ تعمیر کی گئی ہے جس جگہ ایک درخت تھا جس کے نیچے سرور دوعالم ﷺ نزول فرماتے تھے۔(وفاء) اور اس مسجد کو ذی حُلیفہ (حا کے ضمہ کے ساتھ) اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ حلیفہ ایک پانی کا نام ہے، یہ بنی جشم ابن بکر اور بنی خفاجہ کے درمیان مشترک تھا، یہ دونوں قبیلے حلیف تھے۔ذوالحلیفہ کا نام آبارِ علی بھی ہے کیونکہ یہاں

حضرت علی نے کنویں کھدوائے تھے جو کہ اس مسجد سے دس منٹ کے فاصلے پر اب بھی موجود ہیں۔(جستجوئے مدینہ)

● یہ مسجد مدینہ منورہ کے راستہ سے حج اور عمرہ کیلئے جانے والوں کا میقات ہے اور مدینہ منورہ والے لوگ اس مسجد کو مسجد المیقات اور مسجد الاحرام بھی کہتے ہیں۔ یہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کے راستہ پر بارہ کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے۔اس جگہ بھی سرور دوعالم ﷺ نے نمازیں ادا فرمائی تھیں۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے طریق شجرہ سے مکہ مکرمہ کیلئے نکلتے تو مسجد الشجرہ میں نماز ادا فرماتے اور واپس تشریف لاتے تو وادی کے بطن ذی الحلیفہ میں نماز پڑھتے اور آرام فرماتے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی۔

● حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹنی کو بطحاء کی وادی میں ذی الحلیفہ کے ساتھ بٹھایا اور نماز ادا فرمائی۔حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر اسی طرح کرتے تھے۔

● ابن سعد نے ذکر کیا ہے کہ حجۃ الوداع کے لئے سرور دوعالم ﷺ مدینہ منورہ سے غسل کر کے خوشبو لگائے پیادہ احرام کی دو چادروں میں نکلے۔ایک ازار اور ایک رداء تھی۔آپ ﷺ ہفتہ کے دن ذی قعدہ کی پچیس تاریخ کو نکلے اور ظہر کی نماز ذی الحلیفہ میں دو رکعت ادا فرمائیں۔(طبقات کبریٰ لابن سعد)

● یہ مسجد وادی بطحاء میں پہاڑوں کے درمیان واقع ہے جہاں آجکل سفیدہ کے طویل ترین درختوں نے مسجد کو گھیرا ہوا ہے۔اسی مسجد سے سرور دوعالم ﷺ اور صحابہ کرام اور صحابیات نے احرام باندھا تھا اور صحابہ کرام اور معتمرین یہاں سے بغیر احرام آگے نہیں جا سکتے تھے۔ مختلف ادوار میں اس مسجد کی حسب زمانہ

تعمیر ہوتی رہی۔

مگر موجودہ سعودی حکومت نے ۱۹۷۵ عیسوی میں اس مسجد کی تعمیرِ نَو اور توسیع کی اور ۱۱ ربیع الاول ۱۴۰۸ ہجری میں سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ادا کی گئی۔ موجودہ مسجد چھ ہزار مربع میٹر کے رقبہ پر قائم ہے جس میں ایک ہزار مربع میٹر کا علاقہ نماز ادا کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔ پانچ ہزار آدمی بیک وقت نماز ادا کر سکتے ہیں۔ دفاتر اور یوٹیلٹی کی جگہ سمیت کل نو ہزار میٹر جگہ بن جاتی ہے۔ چونکہ مسجد وادی بطحاء کے اندر واقع تھی اس لئے زمین کی سطح کو بہت زیادہ بلند کر کے مسجد بنائی گئی ہے۔ ۹۲۶۰ مربع میٹر پھیلے احاطہ میں ۵۱۲ غسل خانے اور ۱۵۵۶ احرام بدلنے کے حمام بنائے گئے ہیں۔ خواتین اور مردوں کے غسل خانے اور حمام اور مردوں کے غسل خانے اور حمام اور وضو خانے الگ الگ بنائے گئے ہیں۔ پارکنگ ایریا میں بیک وقت ۵۰۰ کاریں ۸۰ بسیں پارک ہو سکتی ہیں۔ یہ مسجد چوبیس گھنٹے حجاج اور معتمرین کیلئے کھلی رہتی ہے۔ مسجد سے باہر دوکانوں پر حجاج اور معتمرین کے احرام وغیرہ اور ضرورت کی سب چیزیں خریدی جاسکتی ہیں۔

(جستجوئے مدینہ اور المساجد الاثریہ)

۱۷- مسجد الرایہ:

- اس مسجد کا نام مسجد ذباب بھی ہے۔ یہ چھوٹی سی تاریخی مسجد جبل ذباب کی چوٹی پر موجود ہے۔ یہ مسجد طریق العیون سے شرقی جانب جاتے ہوئے محطۃ الزغیبی کے پیچھے پہاڑوں پر واقع ہے۔ چونکہ جبل ذباب پر واقع ہے اس لئے اسے مسجد ذباب کہا جاتا ہے اور اس مسجد کو مسجد الرایہ بھی کہتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے موقع پر دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے آپ ﷺ نے جبل ذباب کی چوٹی پر اپنا خیمہ نصب فرمایا تھا۔ آج کل جبل ذباب کو جبل قرین بھی کہا جاتا ہے۔ یہ

جبل مسجد نبوی شریف سے شمال کی جانب اور جبل سلع سے شمال کی جانب آدھے کلو میٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور اس کے قریب وہ صخرہ سلمان فارسی موجود ہے جو آپ کو کھدائی کے دوران پیش آیا تھا۔ (المساجد الاثریہ)

- اسے مسجد الرایہ (جھنڈے والی مسجد) اس لئے کہا جاتا ہے کہ یزید ابن معاویہ کے دور میں حرۃ کے واقعہ کے دوران یزید ابن ہرمز نے جھنڈا گاڑا تھا۔
- ابو غسان نے بیان کیا بعض اموی سلاطین جبل ذباب پر لوگوں کو سولی پر چڑھاتے تھے۔ چنانچہ ہشام بن عروہ نے زیاد بن عبید اللہ الحارثی کو کہا، تمہارے اوپر تعجب ہے کہ تم لوگ سولی پر اس جگہ لوگوں کو قتل کرتے ہو جس جگہ رسول اللہ ﷺ نے خیمہ لگایا تھا۔ تو اس کے بعد زیاد اور اس کے لوگوں نے اس جبل ذباب پر لوگوں کو پھانسی لگانا ترک کر دیا تھا۔ (المساجد الاثریہ)
- طبرانی نے روایت کیا ہے کہ حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جبل ذباب پر نماز پڑھی تھی اس لئے اس جگہ حضرت عمر ابن عبد العزیز نے مسجد بنوادی جس کو مسجد الرایہ اور مسجد ذباب کہا جاتا ہے۔

خندق کھودنے کا واقعہ:

- غزوہ خندق میں خندق کی کھدائی کی ابتدا مسجد مستراح کے قریب سے شروع ہوئی جو کہ بنی حارثہ کا علاقہ تھا۔ جبل ذباب سے گزرتی ہوئی، جبل سلع کے مقابل مساجد سبعہ تک اسکی انتہا ہوئی تھی۔ کھدائی کے دوران جبل ذباب کی شمالی جانب ایک سخت پتھر رکاوٹ بن گیا، صحابہ کرام اس پتھر کو توڑنے سے قاصر ہو گئے۔ حضرت عمرو ابن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں اور سلمان (فارسی) اور حذیفہ ابن حسل اور نعمان ابن مقرن المزنی چھ آدمیوں نے مقرر کردہ چالیس ہاتھ جگہ کی کھدائی شروع کی حتی کہ جب ہم جبل ذباب کے نیچے پہنچے تو اللہ تعالی نے خندق کے

بطن میں ایک سفید سخت پتھر، جس سے آگ پیدا کی جاتی ہے، وہ ظاہر ہوا۔ جس نے ہمارے لوہے کے آلات توڑ دیئے۔ اس کا توڑنا ہمارے لئے مشکل ہو گیا۔ پس ہم نے کہا، اے سلمان آپ سرور دو عالم ﷺ کے پاس جائیں اور انہیں اس پتھر کی خبر دیں یا تو اس پتھر سے ہٹ کر قریب کھدائی کر لیتے ہیں یا وہ جو حکم فرمائیں اس لئے ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کی جانب سے نشان زدہ خطوط سے تجاوز کریں۔ حضرت سلمان جبل ذباب پر چڑھ گئے، آپ ﷺ ترکی خیمہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت سلمان نے آپ کو خبر دی۔ آپ ﷺ حضرت سلمان کے ساتھ خندق میں نیچے اترے۔ آپ ﷺ نے سلمان فارسی سے کدال لیا اور اس پتھر پر مارا، اس کو توڑ دیا اور اس سے اتنی روشنی نکلی کہ مدینہ منورہ کے دونوں کناروں کو روشن کر دیا اور آپ ﷺ نے اللہ اکبر فرمایا پھر دوبارہ اور سہ بارہ پتھر پر کدال سے مارا اور ہر مرتبہ پتھر سے روشنی نکلتی تھی حتی کہ پتھر ریت کی طرح ذرہ ذرہ ہو گیا۔ آپ ﷺ نے سلمان کا ہاتھ پکڑا اور تشریف لے گئے۔ سلمان نے عرض کیا ''بِاَبِیْ اَنْتَ وَ اُمِّیْ'' (میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یارسول اللہ) میں نے آج ایسی چیز دیکھی جو اس کی مثال پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ آپ ﷺ قوم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، تمہیں معلوم ہے سلمان کیا کہہ رہا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا، ہاں یارسول اللہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جب میں نے پہلی مرتبہ پتھر پر کدال مارا تو وہ روشنی نکلی، تم نے دیکھی، اس روشنی سے میرے لئے حیرۃ کے محلات اور کسری کے شہر ظاہر ہو گئے، گویا وہ کتوں کے دانت ہیں۔ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی میری امت ان شہروں پر غالب آجائے گی۔ پھر میں نے دوسری مرتبہ کدال مارا اور جو روشنی نکلی، جو تم نے دیکھی، میرے لئے اس روشنی سے رومیوں کے سرخ محلات ظاہر ہو گئے، گویا وہ کتوں کی دانت ہیں۔ مجھے

جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی، آپ کی امت ان پر غالب آجائے گی۔ پھر میں نے تیسری مرتبہ کدال مارا اور وہ روشنی نکلی، جو تم نے دیکھی، اس روشنی سے میرے لئے صنعا کے محلات اور مکانات ظاہر ہو گئے، گویا کتوں کے دانت ہیں۔ مجھے جبرئیل علیہ السلام نے خبر دی کہ میری امت ان شہروں پر غالب آجائے گی۔ پس خوش ہو جاؤ۔ اس پر مسلمان خوش ہو گئے اور صحابہ کرام نے کہا، ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَعَدَنَا وَعْدَ صِدْقٍ وَ وَعَدَنَا النَّصْرَ بَعْدَ الْحَصْرِ۔'' (سب تعریفیں اس اللہ تعالی کی ہیں جس نے سچا وعدہ فرمایا اور محاصرہ کے بعد نصرت کا وعدہ فرمایا۔) منافقوں نے صحابہ کرام سے کہا، تم تعجب نہیں کرتے کہ تمہارا نبی تمہارے ساتھ باطل وعدہ کرتا ہے اور تمھیں خبر دیتا ہے کہ مدینہ سے اس نے حیرۃ اور کسری کے محلات دیکھے ہیں اور وہ تمہارے مفتوح ہونگے اور حال یہ ہے کہ تم ڈر سے خندق کھود رہے ہو۔ تمھیں اتنی استطاعت نہیں کہ ظاہر ہو کر مقابلہ کرو۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

''اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا۔''

ترجمہ: ''جب منافق کہتے تھے اور وہ لوگ جن کے دل میں مرض ہے ہمارے ساتھ اللہ تعالی اور اس کے رسول نے نہیں وعدہ کیا مگر دھوکہ دیتے رہے۔''

اور اسی قصہ میں ''قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ'' بھی نازل ہوئی۔

- حضرت جابر بن عبداللہ کی جانب سے کھانے کی دعوت کا قصہ بھی اس کھدائی کے دوران میں پیش آیا۔ معلوم ہوا کہ صخرہ سلمان فارسی بھی اس مسجد ذباب کے قریب ہے۔ اسی غزوہ میں ہر دس صحابہ کرام کو چالیس چالیس ہاتھ، تقریبا بیس

میٹر، کھدائی کی ذمہ داری سونپی گئی تھی اور اسی غزوہ خندق کے موقع پر سرورِ دوعالم ﷺ نے فرمایا تھا ''سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ''۔(المساجد الاثریہ)

۱۸- مسجد بنی قریظہ:

• آپ ﷺ نے جب بنو قریظہ (یہودیوں) کا غزوہ خندق کے بعد محاصرہ فرمایا تو آپ کا خیمہ یہاں قائم تھا۔ یہاں ایک مسجد بنی ہوئی ہے۔ یہاں آپ نمازیں ادا فرماتے رہے۔ پھر اس جگہ مسجد بنادی گئی اس لئے اس مسجد کا نام یہودیوں کے نام کے ساتھ مسجد بنی قریظہ مشہور ہوگیا۔

• **محل وقوع:** مسجد فضیخ کی شرقی جانب اور مشربہ ام ابراہیم کی جنوبی جانب تھوڑے فاصلے پر حجازیہ باغ کے قریب یہ مسجد واقع ہے۔ الزہراء ہسپتال سے مشربہ ام ابراہیم سے گذرتے ہوئے آدھا کلومیٹر معذورن کے ہسپتال سے آگے نکل جائیں تو اس تاریخی مسجد کے آثار نظر آتے ہیں۔ سڑک کے کنارے کھنڈرات پر ٹین کی چھتیں ڈال کر یہاں ورکشاپ بنادی گئی ہے۔ یہی جگہ ہے، یہاں آپ ﷺ کا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ (جستجوئے مدینہ)

• اسی جگہ حضرت سعد ابن معاذ کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی مسجد نبوی سے بلوایا تھا، جبکہ وہ زخمی تھے۔ حضرت سعدؓ گدھے پر سوار ہو کر پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا، ''قُوْمُوْا اِلٰى سَيِّدِكُمْ'' (اپنے سردار کیلئے کھڑے ہوجاؤ) پھر حضرت سعد ابن معاذ نے فیصلہ فرمایا تھا، جس کی تفصیل کتب حدیث میں موجود ہے۔

• سرورِ دوعالم ﷺ نے سولہ دن محاصرہ کے جاری رہنے تک وہاں قیام فرمایا۔ اس لئے وہاں مسجد بنادی گئی تھی۔

• حضرت علی ابن ابی رافع سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی

نمازیں ایک خاتون کے گھر ادا فرماتے تھے، بعد میں وہ گھر مسجد میں شامل کرلیا گیا۔ اس مسجد کو بھی حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے تعمیر کروایا تھا مگر اب موجود نہیں ہے۔

۱۹- مسجد بنی حرام:

• محل وقوع: مسجد نبوی شریف سے مساجد سبعہ کی طرف جاتے ہوئے مسجد السیح کے علاقہ میں، سڑک کے داہنی جانب آبادی کے اندر واقع ہے۔ یہ آبادی جبل سلع کے دامن میں ہے۔ یہ ایک مینار والی خوبصورت مسجد ہے۔ اس کی چھت پر گنبد بنا ہوا ہے۔ یہ گنبد ۱۴۰۹ ہجری میں تعمیر کیا گیا تھا۔ قبیلہ خزرج کی ایک شاخ قبیلہ بنی حرام جبل سلع (مسجد الفتح کا جبل) کے دامن میں رہتا تھا۔ حضرت جابر ابن عبداللہ ابن حرام اسی قبیلہ سے تھے۔ شاید غزوہ احزاب میں حضرت جابر نے اسی محلہ میں موجود اپنے گھر صحابہ کرام کی دعوت کی تھی اور ایک چھوٹے بکرے کو اور ایک صاع آٹے کو ہزار سے زائد لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا تھا۔ آپ ﷺ کا مشہور معجزہ اسی جگہ وجود میں آیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس وقت یہاں نماز ادا فرمائی تھی اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے یہاں مسجد بنوادی تھی۔ سعودیہ حکومت نے اس مسجد کو دوبارہ خوبصورت بنایا ہے۔ یہاں محلہ کی گلیاں اور سڑکیں پرانے طرز کی ہیں، زائرین اس مسجد میں بہت کم پہنچ پاتے ہیں۔

کہف بنی حرام:

• جب آدمی مسجد الفتح کی طرف طریق السیح سے جائے تو جبل سلع کی غربی جانب مسجد بنی حرام کے قریب بلندی پر یہ غار ہے۔ اس غار پر مکان کی چھت کی طرح ایک بڑا پتھر موجود ہے اور اسکی مغرب کی جانب ایک روشن دان ہے، جس سے مساجد کی طرف جانے والا آدمی نظر آتا ہے۔ اس غار کو کہف بنی حرام کہا جاتا ہے

کیونکہ یہ جبل سلع پر بنی حرام کی گھاٹی میں واقع ہے۔ حضرت جابر ابن عتیک سے روایت ہے کہ سرور دوعالم ﷺ نے (خندق کے ایام میں) عینیہ چشمہ سے، جو غار کے قریب ہے، وضو فرمایا تھا اور میں نے مشائخ سے سنا ہے کہ آپ اس غار میں داخل ہوئے تھے۔ طلحہ ابن خراش کی روایت ہے کہ صحابہ کرام سرور دوعالم ﷺ کو خطرہ کے پیش نظر غار میں رات گذارنے کیلئے لے جاتے تھے۔ آپ صبح اترتے تھے اور آپ ﷺ کے لئے اللہ تعالی نے وہاں غار کے نزدیک پانی کا چشمہ نکالا جو کہ آج تک جاری ہے۔ (المساجد الاثریہ)

- حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ ابن جبل سرور دوعالم ﷺ کو تلاش کرنے کیلئے نکلے تو انہوں نے آپ کو نہ پایا، پھر نصب شدہ خیموں میں تلاش کیا مگر آپ نہ ملے، پھر گلی گلی گھوم کر تلاش کرتے رہے حتی کہ آپ کو بتایا گیا کہ آپ جبل سلع پر ہونگے۔ پس حضرت معاذ ابن جبل جبل سلع پر پہنچے۔ دائیں اور بائیں دیکھا، پس آپ کو اس غار میں دیکھا جس غار میں لوگوں نے مسجد الفتح کی طرف جانے والے لوگوں کیلئے راستہ بنایا ہوا تھا۔ حضرت معاذ ابن جبل بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ سجدہ میں تھے، آپ نے سر نہ اٹھایا حتی کہ مجھے برا گمان ہوا کہ آپ ﷺ کی روح قبض کرلی گئی ہے۔ سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا، اس جگہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے، جبرئیل نے کہا بے شک اللہ تبارک وتعالی آپ کو سلام کہتا ہے اور آپ کیلئے کہتا ہے ''مَا تُحِبُّ اَنْ اَصْنَعَ بِاُمَّتِكَ'' (آپ کیا پسند کرتے ہیں کہ آپ کی امت کے ساتھ کروں۔) ''قُلْتُ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ'' (میں نے عرض کیا، اللہ جانتا ہے۔) پھر جبرئیل چلا گیا، پھر میرے پاس واپس آیا اور عرض کرنے لگا کہ ''اِنَّهٗ يَقُوْلُ لَكَ'' (اللہ تعالی آپ لئے فرمارہا ہے۔) ''لَا نَسُوْءُكَ فِيْ اُمَّتِكَ۔'' (آپ کو امت کے حق میں پریشان

نہیں ہونے دونگا۔) ''فَسَجَدْتُ فَاَفْضَلُ مَا تَقَرَّبَ بِهٖ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ السُّجُوْدُ'' (پس میں نے سجدہ کیا پس افضل ان عبادتوں کا جن سے اللہ تعالی کا تقرب حاصل ہوتا ہے وہ سجدہ میں ہے۔) (المساجد الاثریہ بحوالہ البیہقی)

- ان روایات سے معلوم ہوتا ہے غار بنی حرام میں آپ نے طویل سجدہ فرمایا تھا، لہٰذا یہ غار نہایت متبرک ہے، اگر وہاں دو نفل کی سعادت حاصل ہو جائے تو بڑی سعادت ہے۔ (رفیق حسنی)

۲۰۔ مسجد شیخین:

- سیدنا امیر حمزہ کے مزار کی طرف جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر یہ مسجد آتی ہے۔ اس کے اوپر دو گنبد بنے ہوئے ہیں۔ روڈ سے تقریبا ۵۰ میٹر اندر گلی میں ہے۔ ۲۰۰۲ عیسوی میں سامنے کی عمارت گرادی گئی ہے۔ اس لئے سامنے نظر آتی ہے۔ سرور دوعالم ﷺ جب غزوہ احد کیلئے نکلے تھے، پہلا پڑاؤ یہاں فرمایا تھا۔ چونکہ یہاں دو بوڑھے، ایک یہودیہ اور ایک یہودی رہتا تھا، اس لئے یہ محلہ اور مسجد شیخین کے نام سے مشہور ہوگئی۔ آپ ﷺ نے یہاں نمازیں ادا فرمائی تھیں، اس لئے یہاں مسجد بنادی گئی۔ آجکل اس مسجد کو اوقافِ مدینہ کی جانب سے مسجد الخیر کہا جاتا ہے۔ مسجد الودائع اور مسجد العدوہ بھی اس کا نام ہے۔
- حضرت سعد بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ نے اس مسجد میں نماز پڑھی جو محلہ شیخین میں ودائع کے پاس ہے اور آپ نے اس میں رات گذاری حتی کہ صبح فرمائی۔

حضرت عبداللہ ابن جحش کی دعا اور شہادت:

- حضرت مطلب ابن عبداللہ ابن حنطب بیان کرتے ہیں، جناب رسول اللہ ﷺ جب احد کیلئے روانہ ہوئے تو شیخین کے نزدیک نزول فرمایا، پس وہاں آپ ﷺ نے صبح کی۔ آپ کے پاس حضرت ام سلمہ بکری کی اگلی ران بھون کرلے

آئیں۔آپ نے تناول فرمائی۔ پھر سیدہ ام سلمہ نے نبیذ مشروب پیش کیا،آپ نے پی لیا۔ پھر وہ نبیذ دوسرے آدمی نے لیا اور اس نے پیا پھر عبداللہ ابن جحش نے لیا اور بغیر سانس نکالے خوب پیا۔ کسی دوسرے آدمی نے کہا،آپ نے اتنا پانی کیوں پیا، تجھے معلوم ہے کل صبح کہاں گرے گا؟ حضرت عبداللہ نے کہا،ہاں میں اللہ تعالی سے ملاقات اس حال میں کروں کہ ”ریان“ (خوب پانی پینے والا) ہوں، مجھے بہت پسند ہے اس سے کہ پیاسا ملاقات کروں۔ پھر آپ نے دعا فرمائی:

”اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْئَلُكَ اَنْ اُسْتَشْهَدَ وَ اَنْ یُّمَثَّلَ بِیْ فَتَقُوْلُ فِیْمَا صُنِعَ بِكَ هٰذَا؟ فَاَقُوْلُ فِیْكَ وَفِیْ رَسُوْلِكَ۔“

ترجمہ: ”اے اللہ بے شک میں سوال کرتا ہوں تجھ سے کہ میں شہید کیا جاؤں اور میرا مثلہ کیا جائے (ناک کان کاٹے جائیں) پس تو پوچھے یہ مثلہ تیرے ساتھ کیوں کیا گیا ہے؟ تو پس عرض کروں،آپ کے لئے اور آپ کے رسول کے لئے۔“

چنانچہ احد میں حضرت عبداللہ ابن جحش کو شہید کیا گیا اور آپ کو حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب کے ساتھ ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ (طبقات الکبری لابن سعد)

عبداللہ بن ابیّ کی واپسی: اسی جگہ مسجد شیخین سے عبداللہ ابن ابیّ رئیس المنافقین تین سو منافقوں کے ساتھ یہ کہتے ہوئے واپس چلا گیا کہ ”عَصَانِیْ وَ اَطَاعَ الْوِلْدَانَ وَمَنْ لَا رَأْیَ لَهٗ“ (یہ کہ آپ ﷺ نے میری بات نہیں مانی اور بچوں اور ان لوگوں کی مان لی جن کی کوئی رائے نہیں،اس لئے ہم واپس جا رہے ہیں۔)

نابالغ بچوں کی واپسی: اسی جگہ سے رسول اللہ نے نابالغ بچوں کو قتال میں شرکت سے واپس فرمایا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر بیان کرتے ہیں،احد کی جنگ کے وقت میں چودہ سال کا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے واپس لوٹا دیا اور غزوہ خندق کے

وقت میں پندرہ سال کا تھا تو آپ نے شریک ہونے کی اجازت دے دی۔ حضرت ابوسعید خدری اور اسامۃ ابن زید بن ثابت اور براء بن عازب اور اسید ابن ظہیر اور عرابہ ابن اوس کو واپس بھیج دیا۔ (المساجد الاثریہ)

رافع بن خدیج اور سمرۃ بن جندب کا عجیب بہانہ:

• اسی مقام پر حضرت رافع ابن خدیج اپنے پیروں کی انگلیوں پر کھڑے ہو گئے تاکہ میں بڑا نظر آؤں حالانکہ ابھی بالغ نہیں تھے۔ سرور دوعالم ﷺ نے ان کے شوق کو دیکھ کر اجازت دے دی۔ اس پر حضرت سمرۃ ابن جندب جو کہ حضرت رافع سے جسیم تھے، عرض کیا، مجھے اجازت دے دی جائے کیونکہ میں رافع سے قوی ہوں اور کہنے لگا،آپ کشتی کرا لیں۔ آپ ﷺ نے دونوں کی کشتی کرائی تو حضرت سمرۃ غالب آ گئے۔ پھر آپ نے حضرت سمرۃ کو بھی شرکت کی اجازت دے دی۔

۲۱-مسجد مستراح:

• مسجد شیخین کے تھوڑے فاصلہ پر احد کی طرف جاتے ہوئے عین سڑک پر ایک نہایت خوبصورت مسجد ہے۔ ابتدائے اسلام میں مسجد بنی حارثہ کے نام سے مشہور تھی کیونکہ وہاں انصار الاوس کا قبیلہ بنی حارثہ آباد تھا۔ ایک روایت میں ہے آپ ﷺ نے وہاں نماز پڑھی تھی اور احد سے واپسی پر آپ نے وہاں آرام فرمایا تھا، اس لئے اس مسجد کا نام مسجد مستراح مشہور ہو گیا۔ وہاں ترکوں کا قلعہ بھی ہوا کرتا تھا جو کہ موجودہ حکومت نے ختم کرا دیا اور لوگوں نے وہاں مکانات تعمیر کر لئے۔

• تحویلِ قبلہ کی خبر عصر کی نماز میں شریک جماعت کو اسی مسجد میں پہنچی۔ ایک انصاری جس نے ظہر کی نماز سرور دوعالم ﷺ کے پیچھے پڑھی تھی، جب عصر

کے وقت مسجد بنی حارثہ سے گذرا تو دوران جماعت اس نے بلند آواز سے کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے سرورِ دوعالم ﷺ کی اقتدا میں نماز پڑھی اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ نے کعبہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھی ہے۔ چنانچہ اس مسجد میں نماز عصر کے دوران لوگوں نے کعبہ کی جانب منہ کرلیا۔ حضرت تویلہ بنت اسلم کہتی ہیں، آواز دینے والا شخص عباد ابن بشر قیظی تھا۔ سب لوگ کعبہ کی طرف گھوم گئے، مرد عورتوں کی جگہ اور عورتیں مردوں کی جگہ چلی گئیں۔ باقی دو رکعتیں کعبہ کی طرف منہ کرکے پڑھی گئیں۔

- یہی مسجد خندق کی ابتدا کا نقطہ تھا اور یہ مسجد حرم مدینہ میں داخل ہے۔
- وفاء الوفاء میں مذکور ہے، جب یزید ابن معاویہ نے مسلم ابن عقبہ کی قیادت میں مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لئے لشکر بھیجا تھا تو اہل مدینہ نے دوبارہ خندق کھود لی تھی۔ یزیدی لشکر کیلئے مدینہ منورہ میں داخل ہونے کو کوئی راستہ نہ رہا مگر مروان ابن حکم کے کہنے سے بنی حارثہ نے راستہ دے دیا پھر وہ سب کچھ ہوا جو واقعہ حرۃ میں واقع ہوا۔

۲۲-مسجد بنی انیف:

- یہ مسجد صرف چاردیواری پر مشتمل ہے اس مسجد کا نام مسجد مصبح بھی ہے۔ قبا کے سامنے والے علاقہ میں بلند سطح پر واقع ہے۔ یہاں سرورِ دوعالم ﷺ نے ہجرت کے موقع پر صبح کی نماز ادا فرمائی تھی، اس لئے اسے مسجد مصبح کہا جاتا ہے اور بنی انیف جو دعوی کرتے تھے کہ ہم عمالقہ کی اولاد سے ہیں، یہاں مقیم تھے، اس لئے اسے مسجد بنی انیف کہا جاتا ہے۔ اسی جگہ مدینہ منورہ کے لوگ اونچی جگہ کھڑے ہوکر سرورِ دوعالم ﷺ کا انتظار کرتے تھے۔ یہ مسجد موجودہ حکومت کی عدم توجہ کا شکار ہے۔

- مروی ہے اسی جگہ حضرت طلحہ بن البراء کی عیادت کیلئے آپ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا، میں نہیں دیکھتا مگر یہ کہ طلحہ فوت ہوجائیں گے، مجھے اطلاع دینا اور جلدی کرنا کیونکہ مناسب نہیں کہ میت ان کو ان کے اہل کے سامنے دیر تک رکھا جائے۔ بنی انیف کے لوگ بیان کرتے تھے، آپ ﷺ نے اسی جگہ نماز ادا فرمائی تھی، پھر عمر ابن عبدالعزیز نے مسجد بنادی تھی۔

۲۳-مسجد بنی زریق:

- یہاں وہ گھوڑے جو سدھائے ہوئے ہوتے، انہیں حافیہ سے ثنیۃ الوداع تک دوڑایا جاتا تھا اور جو گھوڑے سدھائے ہوئے نہ ہوتے، انہیں ثنیات الوداع سے مسجد بنی زریق تک دوڑایا جاتا تھا۔ یہ مسجد سرکار دوعالم ﷺ کی آمد سے پہلے بنی زریق کے لوگوں نے بنالی تھی۔ بعض روایات کے مطابق آپ ﷺ نے اس میں نماز ادا فرمائی تھی۔
- یہ مسجد مسجد نبوی شریف کے جنوب میں شریعہ کورٹ اور مسجد الغمامہ کے درمیان ہوا کرتی تھی، اب اس تاریخی مسجد کا نام ونشان باقی نہیں ہے۔

مسجد السبق:

- یہ مسجد ۹ صدی ہجری میں بنائی گئی تھی۔ مسجد سبق سعودی پبلک ٹرانسپورٹ کمپنی کے بسوں کے اڈوں کے قریب تھی۔ شاہ فیصل مرحوم کے دور میں اس کی تعمیرِ نو اور توسیع ہوئی مگر یہ مسجد ۲۰۰۴ عیسوی میں منہدم کردی گئی۔ (جستجوئے مدینہ)

۲۴-مسجد بنی دینار:

- انصار کے قبیلہ خزرج کی شاخ قبیلہ بنی دینار میں حضرت ابو بکر صدیق نے ایک خاتون کے ساتھ شادی کی ہوئی تھی۔ ان لوگوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ طعام دی، آپ تشریف لے گئے اور آپ نے وہاں نماز ادا فرمائی۔ حضرت

عمرابن عبدالعزیز نے وہاں مسجد بنادی۔ جس کا نام مسجد بنی دینار مشہور ہوگیا۔آج کل یہ علاقہ مسجد عنبریہ کے جنوب میں،پل کے پار واقع ہے۔اس میں ایک پتھر کی لوح پر لکھا ہوا ہے ''هٰذَا مَسْجِدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ'' بعد میں یہ علاقہ دھوبیوں (غسالین)کا مشہور ہوگیا اور مسجد کا نام بھی مسجد الغسالین میں بدل گیا۔اس مسجد کے قریب ایک بڑی مسجد بن گئی جس کی وجہ سے اس چھوٹی مسجد کی طرف لوگوں کی توجہ کم ہوگئی ہے۔ یہ مسجد محلہ المالحہ مدرسہ عسکریہ کے عقب میں واقع ہے۔ اس آبادی میں تقریباً آدھا کلو میٹر اندر جانا پڑتا ہے۔یہ نہایت گنجان علاقہ ہے۔اکثر لوگ اس مسجد کی تاریخی حیثیت سے ناواقف ہیں۔(جستجوئے مدینہ)

۲۵-مسجد کتیبہ یا کاتبیہ:

● حضرت ابو رافع ابن المالک الزرقی جنہوں نے عقبہ اولی میں بیعت کی تھی، آپ غزوہ احد میں شہید ہوگئے تھے اور آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہیں مدینہ منورہ لانے اور اپنے گھروں میں تدفین کی اجازت دی گئی تھی۔ چنانچہ آپکی قوم نے انکی قبر ان کے گھر کے صحن میں بنادی تھی اور قبر کے ارد گرد مسجد بنادی تھی۔ یہاں آپ ﷺ کا نماز پڑھنا ثابت نہیں ہے مگر صحابہ کرام نے نمازیں پڑھی ہونگی۔

● انہی سے مشہور صوفی سلسلہ سنوسی کا اجرا ہوا، جو آج بھی افریقہ میں موجود ہے۔ چونکہ عثمانیوں نے یہاں فوجی بارکیں بنادی تھی اور فوجی یونٹوں کو عربی میں کتیبہ کہا جاتا ہے،اس لئے اس مسجد کا نام مسجد کتیبہ ہوگیا۔اس مسجد میں حضرت ابو رافع کی قبر کو تو سعودیوں نے اڑا دیا ہے مگر مسجد قائم ہے۔ پنج وقتہ نمازیں ہوتی ہیں۔اس مسجد کا ایک ہی مینار ہے۔(جستجوئے مدینہ)

۲۶-مسجد منارتین:

● جستجوئے مدینہ کے مصنف لکھتے ہیں، پہلے یہ مسجد کھنڈرات کی صورت میں تھی،آج کل اگر آدمی شاہراہ عنبریہ قدیم شاہراہ مکہ سے ہو کر دارالعتیق کی طرف جائے تو ریلوے اسٹیشن سے تقریباً آدھا کلو میٹر کے فاصلہ پر پیٹرول پمپ سے ذرا آگے دائیں ہاتھ کھلے میدان میں کچھ کھنڈرات نظر آتے تھے۔ یہ دو میناروں والی مسجد کے کھنڈرات تھے آخر کار سعودی حکومت نے وہاں بڑی مسجد بنادی ہے۔ جس کو مسجد منارتین کہا جاتا ہے مگر وہ جگہ جہاں سرور دوعالم ﷺ نے حضرت حرام بن سعد کی التجا پر تشریف لا کر نماز پڑھی تھی، وہ موجودہ مسجد کے صدر دروازہ پر پڑتی ہے،جہاں لوگ جوتے رکھتے ہیں۔(جستجوئے مدینہ)

۲۷-مسجد مشربہ ام ابراہیم:

● مشربہ اس زمین کو کہا جاتا ہے جو نرم ہو اور قابل کاشت ہو (قاموس) اور غرفہ اور العلیہ اور الصفہ اور المشرقہ کو بھی مشربہ کہا جاتا ہے۔

● امام سمہودی فرماتے ہیں، مشربہ ایک بلند جگہ ہوتی ہے جو جگہ پہاڑ سے کم بلند ہوتی ہے اور سخت زمین ہوتی ہے مگر پتھروں جیسی سخت نہیں ہوتی۔

● حضرت ماریہ قبطیہ کا مکان بھی یہاں باغ کے اندر اونچی جگہ پر تھا گویا غرفہ تھا۔

● حضرت ماریہ قبطیہ ام ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بہن سیرین اسکندریہ کے عیسائی سلطان مقوقس القبطی جریح ابن سینا نے بطور ہدیہ سرور دوعالم ﷺ کو پیش کی تھیں۔ سیرین رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان کو ہبہ کردی تھی اور حضرت ماریہ قبطیہ کو اپنی زوجیت میں قبول فرمالیا تھا۔آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ کو عوالی کے مکان پر رکھا تھا۔آپ نہایت حسینہ اور صالحہ خاتون تھی۔ دونوں بہنوں نے اسلام قبول کرلیا تھا۔

• آپ ﷺ عوالی آکر ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کے پاس ٹھہرا کرتے تھے اور ملک یمین کی وجہ سے مباشرۃ فرماتے تھے۔اسی جگہ آپ کے بطنِ اطہر سے آپ ﷺ کا بیٹا سیدنا ابراہیم پیدا ہوا تھا۔

حضرت ماریہؓ کا قصہ:

• حضرت ماریہ قبطیہ کو یہاں محلہ عوالی میں رہائش دینے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر بیان کرتے ہیں، میری بیٹی حفصہ میرے گھر آئی ہوئی تھی، ان کے حجرہ میں رسول اکرم ﷺ نے حضرت ماریہ قبطیہ کو زوجیت کے عمل کا شرف بخشا۔ ابھی دروازہ بند تھا، سیدہ حفصہ واپس آگئیں اور اپنے کمرہ کا دروازہ بند پایا، آپ نے باہر انتظار کیا، جب سرورِ دوعالم ﷺ فارغ ہوئے اور دروازہ کھولا تو ام المومنین حضرت حفصہ نے عرض کیا، یارسول اللہ میرے حجرہ اور میرے بستر پر آپ نے سیدہ ماریہ قبطیہ کو شرف کیوں بخشا، جبکہ کسی دوسری بیوی کے حجرہ میں ایسا نہیں کیا، میری کم حیثیت کی وجہ سے آپ نے ایسا کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، آج سے ماریہ میرے لئے حرام ہے مگر یہ بات حضرت عائشہ کو نہ بتانا۔ حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ کو بتادیا۔ اس وقت سورہ تحریم کی پہلی آیت نازل ہوئی۔ اس واقعہ کے بعد حضرت ماریہ قبطیہ کو سرورِ دوعالم ﷺ نے عوالی کے مکان میں رہائش عطا فرمائی۔

مخیریق یہودی کا قصہ: یہ جگہ العوالی سرورِ دوعالم ﷺ کی ملکیت تھی۔ وہ اسطرح کہ مخیریق النضری الاسرائیلی یہودی نے غزوہ احد کے دن یہودیوں سے کہا، ہم لوگوں پر معاہدہ کی وجہ سے محمد ﷺ کی مدد کرنا لازم ہے مگر یہودیوں نے کہا، آج ہفتہ کا دن ہے۔ مخیریق نے کہا، تمہارے لئے ہفتہ نہ ہو تلوار اور سامان حرب اٹھایا اور کہا، اگر میں قتل ہو جاؤں میرا مال محمد ﷺ کے لئے ہوگا، جس

طرح چاہیں اسمیں تصرف فرمائیں۔ پھر دوسرے دن احد کی جنگ میں مخیریق شریک ہو گیا اور قتل کر دیا گیا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مُخَيْرِيْقُ خَيْرُ يَهُوْدٍ" (مخیریق یہود میں اچھا آدمی تھا)۔

• اس مخیریق کے عوالی میں سات باغ تھے، سب رسول اللہ ﷺ کی ملکیت ہو گئے۔ ان باغوں میں سے ایک باغ میں ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ کو آپ نے رہائش دی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ باغ وقف فرمادیئے تھے۔ (المساجد الاثریہ)

• بخاری شریف اور نسائی شریف میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ایلاء کے وقت اپنے مشربہ میں انتیس دن ازواجِ مطہرات سے اعتزال فرمایا اور دور رہے تھے۔ امام قرطبیؒ نے ۱۸/۱۸۷ میں فرمایا، اس مشربہ سے مراد ام ابراہیم حضرت ماریہ کا مشربہ تھا اور وہ غلام جس نے حضرت عمر کیلئے اذن لیا تھا وہ رباح الاسود تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (المساجد الاثریہ)

• معلوم ہوا حضرت ماریہ قبطیہ کا مکان اتنی بلندی پر تھا کہ وہاں سیڑھیوں کے ذریعہ پہنچا جاتا تھا۔ بعض تفاسیر میں حضرت عمر کے یہ الفاظ منقول ہیں:

"فَإِذَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِيْ مَشْرَبَةٍ لَهُ يُرْقٰى عَلَيْهَا بِعَجَلَةٍ وَ غُلَامٌ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَسْوَدُ عَلٰى رَأْسِ الدَّرَجَةِ۔"

ترجمہ: "پس رسول اللہ ﷺ اپنے مشربہ میں تھے اس پر عجلہ کے ذریعے چڑھا جاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا غلام اسود سیڑھی کے اوپر والے درجہ پر بیٹھا تھا۔" (بخاری، کتاب التفسیر، باب تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ)

• یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ ﷺ کے ساتھ اعتزال کے وقت سیدہ ماریہ قبطیہ تھیں یا نہ۔ ظاہر یہ ہے کہ وہ آپ کے پاس ہونگی اور کھانے اور دیگر ضروریات کا انتظام کرتی ہونگی۔ آپ ﷺ نماز کیلئے عوالی سے مسجد جایا کرتے

ہونگے اور نماز پڑھ کر فوراً یا شام کو مسجد کے قریب ازواجِ مطہرات کے حجروں میں جانے کے بجائے اپنے مشربہ میں واپس آجاتے ہونگے۔ مذکورہ روایات اور مسجد مبارک اور حجرات کی روایات پر ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ مسجد کے ساتھ کوئی بالا خانہ اور مشربہ بنا ہوا تھا لہٰذا اعتزال اور ایلاء کے وقت شاید اسی مشربہ میں آپ کا قیام رہا تھا اور مشربہ اتنی بلند ٹیلے پر تھا جس پر چڑھنے کیلئے لکڑی یا پتھر کے درجے بنے ہوئے تھے اور ایک درجہ پر حضرت رباح بیٹھے ہوئے تھے۔(کتبِ سیرۃ)

ولادت حضرت ابراہیم علیہ السلام:

● طبقات الکبریٰ ابن سعد میں مذکور ہے کہ سرور دوعالم ﷺ نے حضرت ماریہ کو شاید حضرت حفصہ کے واقعہ کے بعد یہاں عالیہ میں آباد کیا تھا۔آپ ﷺ مختلف اوقات میں یہاں تشریف لاتے تھے اور ام المومنین حضرت ماریہ یہاں حجاب میں رہتی تھیں۔ ملک یمین کی وجہ سے آپ کی وہ زوجہ تھیں اور یہاں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور آپ ﷺ کی کنیز سلمیٰ نے ولادت کی خدمات انجاد دیں۔ سلمیٰ کے شوہر ابو رافع قبطی، جن کا نام ابراہیم یا اسلم یا ثابت یا ہرمز تھا جو کہ آپ کے عبد اور غلام تھے، نے جاکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تولد کی بشارت دی تھی۔آپ ﷺ نے ابو رافع کو بشارت دینے پر ایک عبد ہبہ کیا تھا۔آپ ﷺ نے اپنے بیٹے کا نام ابراہیم رکھا۔ ساتویں دن بکری ذبح کرکے عقیقہ فرمایا اور سر کے بال مونڈ کر ان کے وزن کے برابر چاندی مساکین پر صدقہ فرمائی اور بالوں کو زمین میں دفن کرنے کا حکم فرمایا۔ ولادت کا واقعہ ذی الحج ۸ ہجری میں واقع ہوا جبکہ ۱۰ ہجری میں ابراہیم علیہ السلام فوت ہوگئے، وفات کے وقت آپ ﷺ نے ابراہیم علیہ السلام کو گود میں لے لیا۔آپکی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔آپ نے فرمایا:

"یَا اِبْرَاهِيْمُ اِنَّا بِكَ لَمَحْزُوْنُوْنَ تَبْكِي الْعَيْنُ وَ يَحْزَنُ الْقَلْبُ وَ لَا نَقُوْلُ مَا يَسْخَطُ الرَّبَّ۔"(المساجد الاثریہ)

ترجمہ: "اے ابراہیم بے شک تیری وجہ سے ہم حزن اور غم میں ہیں، آنکھیں روتی ہیں اور دل غمزدہ ہے اور ہم نہیں کہتے جو ربّ کو ناراض کردے۔"

مسجد مشربہ ام سیدنا ابراہیم علیہ السلام:

● چونکہ روایات سے ثابت ہے کہ اس جگہ آپ ﷺ نے نمازیں ادا کی تھیں، اس لئے بعد میں اس جگہ مسجد مشربہ ام ابراہیم بنا دی گئی۔

● **محلِ وقوع:** محلہ عوالی میں مسجد بنی قریظہ کے شمال میں الزہراء ہسپتال اور الوطنی ہسپتال کے درمیان واقع ہے۔ شاہراہ علی ابن ابی طالب سے جو راستہ نکلتا ہے، اسکی بائیں جانب تقریباً پانچ سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔آجکل قبرستان کے وسط میں وہ مسجد نظر آتی ہے۔اہل محلہ نے وہاں مسجد کے ارد گرد قبریں بنادی ہیں۔

حضرت ابو بکر کا سنح میں گھر: حضرت ابو بکر الصدیق کا ایک مکان مسجد نبوی شریف سے مشرق اور ایک مغرب میں تھا اور ایک مکان عوالی میں سنح کے مقام پر تھا جو کہ مشربہ ام ابراہیم کے قریب تھا۔ یہاں آپ کی بیوی حبیبہ بنت خارجہ انصاریہ رہتی تھی۔ سرور دوعالم ﷺ کے وصال کے دن ابو بکر الصدیق اس بیوی کے پاس آئے ہوئے تھے، انہیں اطلاع دی گئی تو فوراً مسجد نبوی شریف پہنچے۔شاید ابو بکر الصدیق نے یہ گھر سرور دوعالم ﷺ کے گھر کے قریب عوالی میں بھی لے لیا تاکہ جوار کی برکت حاصل ہو۔(المساجد الاثریہ)

۲۸۔ مسجد الغزالہ:

یہ مسجد وادی روحاء کے آخر میں ہے۔ اس مسجد میں آپ ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ اس مسجد کو غزالہ (ہرنی والی) کیوں کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں آپ ﷺ نے ہرنی کی فریاد سنی تھی۔ حضرت ام سلمہ روایت فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ ایک صحراء میں تھے کہ غیب سے آواز آئی، یارسول اللہ، یارسول اللہ، یارسول اللہ۔ تین مرتبہ۔ اچانک آپ نے توجہ فرمائی تو ایک ہرنی رسیوں میں جکڑی ہوئی بندھی تھی اور ساتھ ہی ایک اعرابی چادر تان کر دھوپ میں سویا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ہرنی سے فرمایا، تمہاری کیا حاجت ہے؟ ہرنی نے عرض کیا، اس اعرابی نے مجھے شکار کر لیا ہے، میرے دو چھوٹے بچے اس پہاڑ میں موجود ہیں، مجھے آپ آزاد کر دیں تاکہ میں دونوں بچوں کو ایک مرتبہ دودھ پلالوں پھر واپس آجاؤں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، آپ ایسا کریں گی؟ ہرنی نے عرض کیا، اللہ تعالیٰ مجھے عشار (عشر کی وصولی میں ظلم کرنے والے) کا عذاب دے اگر میں واپس نہ آؤں۔ آپ ﷺ نے اس ہرنی کی رسیاں کھول کر اسے آزاد کر دیا۔ ہرنی بچوں کو دودھ پلا کر واپس آگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو باندھ دیا۔ اتنے میں اعرابی بیدار ہو گیا۔ اس نے عرض کیا، یارسول اللہ! کیا آپ کو کوئی حاجت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا، میری حاجت یہ ہے کہ اس ہرنی کو آزاد کر دو۔ اعرابی نے اس کو آزاد کر دیا۔ تو ہرنی صحراء میں ناچتی ہوئی دوڑ رہی تھی، کہتی جارہی تھی ''اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَنَّكَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ''۔ اس لیے اس مسجد کا نام مسجد الغزالہ ہو گیا۔ (ارشاد الساری)

مسجد ضرار کا ذکر: یہ منافقین کی جانب سے شرارت کی مسجد تھی۔ سرور دوعالم ﷺ نے منہدم فرما کر آگ لگادی تھی۔ مدینہ منورہ میں دشمنانِ

اسلام میں سے ایک شخص ابو عامر الراہب بھی تھا۔ اسکا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا۔ اسکی رہائش قبا بستی میں تھی۔ مسیحی دین قبول کر کے پادری بن چکا تھا۔ منافقوں سے مل کر ہر وقت سازشوں میں مصروف رہتا تھا۔ غزوہ بدر اور غزوہ بنو نضیر کی جلاوطنی کے بعد اسلام سے بہت زیادہ نفرت کرنے لگا۔ اس نے غزوہ احد میں راستہ پر ایک گڑھا کھود کر اس کو گھاس سے بند کر دیا تھا، جب سرور دوعالم ﷺ اس راستہ سے گزرے تو آپ اس گڑھے میں گر کر زخمی ہو گئے تھے۔ یہ شخص جب اپنی حرکتوں میں کامیاب نہ ہوا تو رومی عیسائیوں کے پاس شام چلا گیا تاکہ مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی حمایت حاصل کرے۔ اسکی موت بھی شام میں ہوئی۔ (جستجو مدینہ)

- ایک دفعہ یہ بدبخت دورانِ گفتگو سرور دوعالم ﷺ سے کہنے لگا ''اے میرے اللہ! ہم میں سے جو بھی جھوٹا ہو وہ غریب الدیار ہو اور جلاء الوطن ہو کر مرے۔'' جس پر سرور دوعالم ﷺ نے فرمایا، ''آمین'' چنانچہ اس کے ساتھ ایسا ہی ہوا مدینہ منورہ سے مکہ چلا گیا۔ جب فتح مکہ ہو گیا تو وہاں سے طائف بھاگ گیا۔ جب طائف فتح ہوا تو شام کی طرف نکل گیا اور غریب الدیار ہو کر مر گیا۔
(جستجوئے مدینہ)

- **مسجد ضرار کا محل وقوع:** مسجد قبا کی جگہ لیّہ نامی ایک عورت کی تھی۔ جہاں وہ جانور گدھے وغیرہ باندھا کرتی تھی، وہاں مسجد بنادی گئی۔ منافقوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا کہ مسلمان نجس جگہ پر نماز پڑھتے ہیں، جہاں گدھے باندھے جاتے تھے۔ چنانچہ منافقوں نے مشورہ کیا ہم اپنی مسجد بنالیں۔ چونکہ عامر راہب نے جناب رسول اللہ ﷺ کو کہا تھا ''لَا اَجِدُ قَوْمًا یُقَاتِلُوْنَكَ اِلَّا قَاتَلْتُكَ مَعَھُمْ۔'' (میں کسی قوم کو آپ کے ساتھ قتال کرتے نہیں پاؤنگا مگر میں ان کے

ساتھ مل کے آپ کے ساتھ قتال کرونگا۔) اس لئے ابو عامر حنین اور غزوہ طائف تک ہر دشمن کے ساتھ ملکر لڑتا رہا۔ مدینہ منورہ سے مکہ اور مکہ مکرمہ سے طائف اور طائف سے شام چلا گیا تا کہ روم کے بادشاہ سے مدد طلب کرے۔ جب شام پہنچا تو اس نے مدینہ منورہ کے منافقوں کو خط لکھا:

"اِسْتَعِدُّوْا مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ سَلَاحٍ وَابْنُوْا مَسْجِدًا فَاِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی قَیْصَرَ فَآتٍ بِجُنْدٍ مِنَ الرُّوْمِ لِاُخْرِجَ مُحَمَّدًا مِنَ الْمَدِیْنَةِ۔" (قرطبی)

ترجمہ: "تم اسلحہ اور قوت سے استعداد حاصل کرو جتنی طاقت رکھتے ہو اور ایک مسجد بناؤ میں قیصر کی طرف جارہا ہوں، میں روم سے ایک بڑے لشکر کے ساتھ آؤنگا اور محمد ﷺ کو مدینہ سے نکال دونگا۔"

اس خط کے بعد منافقوں نے مسجد بنادی۔ ابو عامر راہب جو کہ حنظلہ غسیل الملائکہ کا والد تھا مگر بد بخت کافر مفسد تھا، وہ شام کے ایک گاؤں تنسرین میں اکیلا غریب الدیار ہو کر مر گیا۔

- بنی غنم ابن عوف منافقوں نے مسجد بنادی اور اس میں مجمع ابن جاریہ کو امام رکھ کر اس کے پیچھے نمازیں شروع کر دیں۔ حضرت عمر الفاروق کے زمانہ میں مسجد قبا کے لوگوں نے حضرت عمر سے مسجد قبا کیلئے اسی مجمع ابن جاریہ کو امامت کیلئے نامزد کرنے کی درخواست دی تو حضرت عمر نے فرمایا "لَا وَلَا وَ نَعِمَتْ عَیْنٌ اَ لَیْسَ بِاِمَامِ مَسْجِدِ الضِّرَارِ۔" (نہیں اور نہیں، آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں کیا یہ مسجد ضرار کا امام نہیں تھا۔) اس پر حضرت مجمع ابن جاریہ نے عرض کیا "یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَعْجَلْ عَلَیَّ" (اے امیر المومنین! میرے خلاف جلدی نہ فرمائیں۔) "اللہ تعالیٰ کی قسم میں قرآن کا قاری نوجوان لڑکا تھا اور میرے پیچھے

نماز پڑھنے والے بوڑھے لوگوں کو قرآن یاد نہیں تھا۔ مجھے ان کے ارادوں کا علم نہیں تھا کہ مسجد انہوں نے کس لئے بنائی اس لئے میں نے ان کی امامت شروع کر دی تھی۔" جب حضرت مجمع نے حلفیہ اپنا عذر بیان کیا تو حضرت عمر نے اس کا عذر قبول کر لیا اور اس کو مسجد قبا کی امامت کیلئے اجازت عطا فرمادی۔ (قرطبی)

- مسجد ضرار بنانے والے لوگ سرور دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں پیش ہوئے اور کہنے لگے، یا رسول اللہ ہم نے حاجت مند لوگوں اور بیماروں اور بارش کی راتوں کیلئے مسجد بنالی ہے۔ ہم پسند کرتے ہیں کہ آپ تشریف لا کر ہماری مسجد میں نماز پڑھیں اور برکت کی دعا کریں۔ ان کے جواب میں سرور دو عالم ﷺ نے فرمایا، غزوہ تبوک کے سفر کی وجہ سے مصروف ہوں، جب ہم واپس آئیں گے ہم تمہارے پاس آئیں گے اور تمہارے لئے اس مسجد میں نماز پڑھیں گے۔ جب آپ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آگئے تو مسجد ضرار کے لوگ آپ کے پاس آئے، وہ اپنے طور پر جمعہ اور ہفتہ اور اتوار کے دن کی نمازیں پڑھ چکے تھے۔ آپ ﷺ نے لباس منگوایا تا کہ پہن کر ان لوگوں کے پاس جائیں تو جبرئیل علیہ السلام درج ذیل آیات لے کر حاضر ہو گئے:

"وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ كُفْرًا وَّ تَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَ لَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى وَ اللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔"

ترجمہ: "وہ لوگ جنہوں نے مسجد بنائی ضرار کیلئے شر اور نفاق پھیلانے اور مومنوں کے درمیان تفریق پیدا کرنے اور اس شخص کے انتظار کے لئے جس نے محاربہ کی اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ اس سے پہلے اور یقیناً یہ لوگ قسمیں اٹھاتے ہیں کہ ہم نے نہیں ارادہ کیا

مگر نیکی کا اور اللہ شہادۃ دیتا ہے یقیناً یہ لوگ جھوٹے ہیں۔"

جوں ہی یہ آیت نازل ہوئی، آپ ﷺ نے حضرت مالک ابن دخشم اور حضرت معن ابن عدی اور حضرت عامر ابن السکن اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہم کو فرمایا: "اِنْطَلِقُوْا اِلٰى هٰذَا الْمَسْجِدِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا فَاهْدِمُوْهُ وَ اَحْرِقُوْهُ۔" (جاؤ اس مسجد کی طرف جس کے بنانے والے ظالم ہیں، پس اس مسجد کو گرادو اور جلادو۔) چنانچہ یہ لوگ فوراً پہنچے اور مسجد کو گرادیا اور اس کے ملبے کو آگ لگادی۔

جن لوگوں نے مسجد ضرار بنائی تھی، وہ بارہ لوگ تھے۔ پھر وہاں لوگوں نے کوڑا کرکٹ پھینکنا شروع کردیا۔

- یہ مسجد ضرار کہاں بنائی گئی تھی اس میں مورخین کا اختلاف ہے۔ مشہور مورخ طبری نے ذکر کیا کہ خلف بن یمین بیان کرتے ہیں، میں نے وہ مسجد ضرار دیکھی تھی۔ عباسی خلیفہ جعفر المنصور کے دور تک وہاں زمین سے دھواں نکلتا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں، یہ مسجد زمین پر جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔
- ابن نجار کے مطابق یہ مسجد قبا کے قریب بنائی گئی تھی۔ چھٹی صدی ہجری میں اس کے ارد گرد بغیر چھت کے دیوار بنی ہوئی تھی۔
- العیاشی بیان کرتے ہیں گیارہویں صدی میں جب انہوں نے مدینہ منورہ میں حاضری دی تھی، مسجد قبا کے قریب میں ایک احاطہ ہوا کرتا تھا، لوگ کہتے تھے یہ جگہ مسجد ضرار کی ہے۔
- علی ابن موسی آفندی، ترکوں سے آخری مورخ، بیان کرتے ہیں، مسجد ضرار کا احاطہ مسجد قبا سے شمال میں تھا، مگر وہ اسکی تعیین نہیں کرتے تھے وہ کونسی جگہ تھی۔
- بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسجد ضرار اسی جگہ تھی جس جگہ آجکل مسجد قبا کے باتھ روم بنائے گئے ہیں۔ مگر یہ کسی مورخ نے نہیں لکھا، صرف زبانی روایت

ہے۔

- حق تو ہے کہ وہ مسجد ہی نہیں تھی بلکہ قرآن مجید میں ہے:

"أَمَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔"

ترجمہ: "کیا وہ آدمی بہتر ہے جس نے مسجد کی بنیاد اللہ سے اور رضوان پر رکھی یا وہ شخص جس نے مسجد کی بنیاد گرنے والے وادی کے کنارے پر رکھی پھر جو اس کنارے کے ساتھ نار جہنم میں گرگیا اور اللہ تعالی ظالموں کی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔" (سورۃ بقرۃ ۱۰۹)

- قرآن و احادیث سے معلوم ہوا اگر مسجد اس ارادہ سے بنائی جائے کہ مسلمان تقسیم ہوجائیں، وہ مسجد شرعی مسجد نہیں ہے۔ لہٰذا بدعقیدہ لوگوں کی مساجد کا بھی یہی حکم ہے۔

خاک پائے اہل ایمان
محمد رفیق الحسنی عفی اللہ القوی الغنی

حصہ دوم

عرضِ ناشر

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

- کتاب ''رفیق المدینہ المنورہ'' کی تسوید کے وقت ارادہ تھا کہ حجاز مقدس کی موجودہ حکومتِ سعودیہ اور اس سے قبل عثمانیہ ترکیہ کی حکومت کے متعلق بھی اجمالی معلومات تحریر کر دی جائیں تاکہ قارئین استفادہ کر سکیں مگر مجھے اس موضوع پر کوئی واضح لکھی گئی کتاب نہ ملی۔ آخر حضرت زینی دحلان کے عربی رسائل مل گئے۔ ان میں وہابیت اور نجدیہ کے خلاف کافی معلومات تھیں مگر ابن سعود کے ملوک اور شہزادوں کے حوالہ سے شجرہ نسب کی کوئی وضاحت نہیں تھی بلکہ ہر دور کے سعودی حکمران کیلئے ابن سعود کا لفظ استعمال ہونے سے نہایت کنفیوژن تھی۔ چنانچہ ہمارے مدرسہ کے فاضل مدرس مولانا سیف اللہ صاحب نے اپنے پیر بھائی جناب زبیر شفیع صاحب باروی، جو کہ ادب اردو اور تاریخ دانی میں شہرت رکھتے ہیں، کا فون نمبر دیا۔ میں نے جناب زبیر صاحب کو فون کیا۔ انہوں نے کرم فرماتے ہوئے امیر عبداللہ خان تلہ گنگوہی کی کتاب بنام ''ابن مسعود'' روانہ فرما دی۔ اگرچہ امیر عبداللہ خان نے سعودی شیوخ اور انکی وہابی تحریک کی بار بار تعریف کرنے کی کوشش کی اور ان کے غلط اور ظالمانہ رویوں اور اعمال کی تاویلیں کیں کیونکہ اوّلاً یہ کتاب وہابی تحریک اور وہابی علماء کی تعریف میں لکھی گئی مگر ہمیں اس کتاب سے سعودی شاہی خاندان کے شجرہ نسب کے متعلق کچھ معلومات حاصل ہو گئیں جو کہ حضرت زینی دحلان اور کسی دوسری میسر کتاب سے حاصل نہ ہو سکی تھیں۔

امیر عبداللہ کا تعارف؟

نوٹ: امیر عبداللہ کی کتاب کا نام ''ابن سعود'' ہے اور اس نے سعودیہ کے آخری بادشاہ شاہ عبدالعزیز ابن عبدالرحمٰن کو ہر جگہ ابن سعود لکھا ہے۔

- امیر عبداللہ لکھتا ہے کہ میرا گاؤں تلہ گنگ سے سولہ میل مغرب میں ہے۔ میرے لئے وہابی تحریک کو کسی دوسرے نام سے موسوم کرنے سے مطلب برآری دشوار تھی اس لئے میں نے اس تحریک کو یہ نام دیا۔
- امیر عبداللہ خان ۱۹۶۶ عیسوی میں پاک فضائیہ کی طرف سے تین سال کیلئے سعودیہ عربیہ میں رہے۔ وہاں انگریزوں کی لکھی گئی کتابوں کا مطالعہ کیا۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں ''عربی میں نہیں سمجھتا تھا اور اردو میں سعودیہ عربیہ کے متعلق کوئی کتاب میسر نہیں تھی۔'' ایک انگریز نے لکھا: ''ابن سعود نے زندگی میں ایک غلطی بھی نہیں کی، اگر وہ غلطی کرجاتا تو اتنی وسیع اور عریض سلطنت کبھی نہ قائم کرسکتا۔''(دیباچہ)
- امیر عبداللہ ۱۹۷۱ عیسوی میں سعودیہ عربیہ سے پاکستان کے شہر کراچی کورنگی پہنچا۔ پھر ۱۹۷۴ عیسوی میں اس کی پوسٹنگ کورنگی کریک میں ہوئی۔ اسی دوران اس نے کتاب لکھی۔ کتاب کے پیش لفظ پر دستخطوں کے تاریخ ۱۹۷۹ لکھی ہوئی ہے۔

خاک پائے اہل ایمان

محمد رفیق الحسنی عفی اللہ القوی الغنی

مقدمہ

- جزیرۃ العرب کے مشرق میں خلیج عرب ہے مغرب میں بحیرہ احمر جنوب میں بحیرہ عرب اور شمال میں اردن شام اور عراق کے ممالک واقع ہیں۔ جزیرۃ العرب کے وسط میں لاکھوں مربع میل ریگستانی علاقہ میں قبائلی نظام صدیوں سے جاری تھا اور اس وسطی ریگستانی علاقہ کے رہنے والے لوگ بدو (خانہ بدوش) تھے۔ مختلف علاقہ جات کے سردار ایک دوسرے کے ساتھ ہمیشہ قتال اور جدال اور لوٹ مار کے ذریعے وقت گزارتے تھے۔ یہ ان کی تہذیب تھی۔
- حجاز مقدس اور ساحلی شہروں کے تجارتی لوگوں کے علاوہ صحرائی لوگ جزیرۃ العرب کے وسطی صحراؤں میں بھیڑوں اور بکریوں اور اونٹوں کے ریوڑ پال کر گزارا کرتے تھے۔
- جب سرور دوعالم ﷺ کی بعثت ہوئی اور قریہ قریہ اسلام پھیلا تو ان بدو مسلمانوں کے تعاون سے اسلامی خلفاء اور امراء نے مشرق میں ایران اور افغانستان سے گذر کر ہندوستان کو نورِ ایمان سے منور کیا۔ مصر سے ہوتے ہوئے افریقہ کے صحراؤں کو مسخر کیا۔ شمال میں سلطنتِ روم کو پامال کرکے پورے یورپ کو جھنجوڑا اور شمال مشرق میں ایشیائے کوچک سے گذر کر چین کو لرزہ براندام کردیا۔(عبداللہ)
- عہد قدیم ۲۱۰۰ قبل مسیح بابل کی حکومت کا مرکز دریائے فرات کے کنارے بابل شہر تھا۔ اسی زمانہ میں شمال میں آشوری حکومت کے تحت شمال اور مشرق وسطی تھا جس کی سرحدیں اٹلی اور یونان سے ملی ہوئی تھی۔ ایرانیوں نے ۶۱۲ قبل مسیح ان دونوں بابلی اور آشوری سلطنتوں کا خاتمہ کرکے ایک عظیم سلطنت قائم

کرلی۔ جب ایرانیوں کی سلطنت قائم ہوگئی، دریائے دجلہ کے کنارے دو شہر نینوا اور آشور اور فرات کے کنارے بابل کا شہر برباد کردیئے گئے۔ ایرانی سلطنت کا مرکز عراق کی بجائے ایران منتقل ہوگیا۔ ۳۲۰ قبل مسیح سکندر اعظم یونان سے اٹھا، عظیم ایرانی سلطنت کو تباہ اور برباد کرتے ہوئے ہندوستان تک جا پہنچا مگر ان کی وفات کے بعد ۳۳۰ قبل مسیح آریا نسل کے لوگوں نے ایران میں حکومت قائم کرلی۔ آریاؤں نے آٹھ سو سال تک حکومت کی۔ ان آریاؤں کے حکمرانوں میں نوشیرواں عادل بادشاہ گذرا ہے۔ اس کے زمانہ میں سرور دوعالم ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور خلیفہ دوم امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق نے ایرانی بادشاہ نزدگرد کو شکست دے کر ایران پر قبضہ کرلیا۔ پہلے ایران میں آتش پرست لوگ رہتے تھے جو زرتشت حاکم کے پیروکار تھے اور روم میں نصاریٰ کی عظیم سلطنت تھی۔ (امیر عبداللہ)

- بنی اسرائیل یعنی یہود سن ۸ عیسوی قبل مسیح تک صرف یہود کہلاتے تھے مگر عیسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کے بعد ان کے دو گروپ ہوگئے۔ جنھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا وہ یہودی کہلائے اور جنھوں نے انکی تصدیق کی وہ نصاریٰ کہلائے۔ (ابن سعود)
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے یونان اور روم میں بازنطینی حکومت قائم تھی۔ ۳۲۴عیسوی میں بازنطینی حکمران جس کا نام قسطنطین تھا، نے عیسائیت قبول کی اور اپنے دارالحکومت کا نام قسطنطنیہ رکھا اور عیسائیت کو سرکاری مذہب قرار دیا اور اس نے مصر اور شام اور روس کے علاقے فتح کرکے اپنی سلطنت قائم کی۔ (ابن سعود)
- جب ملک عرب میں سید المرسلین ﷺ مبعوث ہوئے، اسلام کا ٹکراؤ

خصوصاً شرک کے بعد پارسیت، عیسائیت اور یہودیت سے ہوا۔ پہلی صدی ہجری میں اسلام نے بے شمار سلطنتوں کو نیست و نابود کردیا۔ ۶۳۲ عیسوی میں ملک شام کی فتح سے فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا اور ۷۳۲ میں فرانس کے ٹورس کے میدان میں جاکر ختم ہوا۔

- پانچویں صدی ہجری کے آخر تک اسلام کا غلبہ قائم رہا مگر ۴۸۸ ہجری بمطابق ۱۰۹۵ عیسوی میں عیسائیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد صلیبی جنگیں شروع ہوگئیں اور ۱۱۹۲ عیسوی میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ بیت المقدس فتح فرمایا۔ اس سے پہلے نورالدین زنگی کے والد ارلپ ارسلان سلجوقی ایشیائے کوچک کے بادشاہ نے بازنطینی حاکم ارمانوس کی دو لاکھ فوج کو صرف پندرہ ہزار مجاہدین کے ساتھ شکست دی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے نورالدین زنگی نے دوسری صلیبی جنگ ۱۱۵۱ عیسوی میں دمشق کے محاصرے میں نصرانیوں کو شکست دی اور عیسائی فوج کے کمانڈر ریجی نالڈ گستاخ رسول ﷺ کو نورالدین زنگی نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا۔ اسی دوران نور الدین زنگی نے اسد الدین شیر کوہ اپنے کمانڈر کو مصری عیسائیوں کی سرکوبی کیلئے مصر بھیجا۔ شیر کوہ نے عیسائیوں کو شکست دے کر سکندریہ پر قبضہ کرلیا۔ ۱۱۵۳عیسوی میں شیر کوہ کے انتقال پر ان کا بھتیجا سلطان صلاح الدین ایوبی مصر کا حاکم مقرر ہوا۔ انہوں نے بیت المقدس کو ۱۱۹۲ عیسوی بمطابق ۵۸۸ ہجری میں تقریباً ایک سو سال بعد عیسائیوں کے قبضہ سے آزاد کرایا۔
- پندرہویں صدی عیسوی کے آخر میں ترک قبیلے کا ایک سردار عثمان خان ایشیائے کوچک سے اٹھا۔ انہوں نے عظیم سلطنت عثمانیہ کی بنیاد ڈالی جو تقریباً چھ سو سال تک قائم رہ کر ۱۹۱۸ عیسوی میں ختم ہوئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

• سلطنت عثمانیہ کے حکمران اور رعایا اہلسنت وجماعت کے عقیدہ کے حامل تھے۔ جن کی رگ رگ میں عشق رسول ﷺ بھرا ہوا تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ کے حکمرانوں نے دین اور اسلام کی جو خدمت کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ حرمین طیبین اور شعائر اللہ، مساجد اور اولیاء کرام اور مشائخ کے مقابر کی تعظیم اور دیکھ بھال احسن طریقہ پر کی گئیں۔ مدینہ منورہ ودیگر مقامات جہاں جہاں سرورِ دوعالم ﷺ کے قدم مبارک لگے، وہاں شاندار مساجد بنادیں اور ہر جگہ بورڈ لگوا کر متعیّنہ جگہ کی پوری روایت درج کرادی۔ آفاقِ عالم سے زائرین جب ان مقامات اور شعائر اللہ اور اپنے اسلاف کے کارناموں کے آثار دیکھتے تھے، انکی آنکھیں ٹھنڈی ہوجاتی تھیں۔ ہر قوم اپنے اسلاف کی تاریخ اور آثار کو محفوظ رکھتی ہے تاکہ اسلاف کو یاد رکھا جائے اور ان کے کارہائے نمایاں سے درس لیا جائے مگر افسوس کہ موجودہ سعودیہ عربیہ جو کہ اسلام کی خدمت کا دعوی کرتی ہے اور وہابی تحریک کو ہی اسلام سمجھتی ہے، اس نے آثار النبی ﷺ اور آثار صحابہ اور اسلاف کے آثار اور مقابر ختم کردیئے اور امت کو اپنے اسلاف سے کاٹ دیا ہے۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

(محمد رفیق حسنی)

• ۱۹۰۱ عیسوی کے آغاز میں حجاز مقدس اور الحسا کا علاقہ ترکوں کے ماتحت تھا۔ عدن، عمان، قطر، شارجہ، دوہا، ابو ظہبی، دبئی، مسقط، بحرین اور کویت وغیرہا ریاستوں کو مختلف چالوں کے ذریعے ترکوں نے جکڑ رکھا تھا۔ (ابن سعود)

سلطنت عثمانیہ کا اجمالی خاکہ

• پہلی صدی ہجری میں ایک سو سال تک مسلمانوں کی فتوحات جاری رہیں حتی کہ اسلامی ریاست کی سرحدیں چین اور فرانس میں نورس کے میدان سے ٹکرانے لگیں مگر اس کے بعد مسلمانوں کے باہم اختلافات سے متعدد مسلم ریاستیں وجود میں آگئیں۔ تیسری صدی ہجری کے اختتام پر سلجوقی حکمران ایشیائے کوچک پر قابض ہوگئے اور عظیم اسلامی سلطنت قائم کرلی۔ انہی کے زمانہ میں یورپ کے عیسائی حکمرانوں نے جنگوں کا آغاز کرکے اسلام کو ختم کرنے کی کوشش شروع کردی مگر سلجوقی حکمرانوں نے ان کی کمال پامردی سے ان کا مقابلہ کیا اور ایک انچ زمین پر بھی انہیں قبضہ نہ کرنے دیا۔ سلجوقی حکمرانوں کے خاتمہ پر صلیبی جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا اور اللہ تعالی نے مسلمانوں کو سرخرو فرمایا۔

• صلیبی جنگوں کے خاتمہ کے کچھ عرصہ کے بعد ۱۲۸۸ عیسوی میں ایک ترک قبیلہ کے دوسرے سردار عثمان خان نے ترک حکومت کی ایسی بنیاد ڈالی جو تقریباً پانچ سو تیس (۵۳۰) سال سے زیادہ قائم رہی۔ جس کے عروج کے زمانہ میں بڑی بڑی سلطنتیں خوف سے کانپتی تھیں۔ عثمان خان نے اپنے والد کے بعد ۱۲۹۹ عیسوی میں ایشیائے کوچک کے شمالی علاقہ میں ایک چھوٹی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اس کے جانشین اوّر خان نے مشرقی یورپ کے کچھ علاقے فتح کرکے اس ریاست کو مزید وسعت دی۔ پھر عثمانی حکمران مراد اوّل نے فتوحات کو آگے بڑھایا۔ گیلی پولی اور تھریس کے علاقوں پر قبضہ کیا۔ پھر مراد خان کے جانشین یزید یلدرم نے بہت بڑی جنگ میں یورپ کی مشترکہ افواج کو نکوپولیس کے میدان میں شکست فاش دی۔ ۱۴۵۳ عیسوی میں سلطان محمد فاتح ترکی نے عیسائیوں سے قسطنطنیہ چھین لیا

اور اپنا دارالحکومت بنالیا۔ ۱۴۵۸ عیسوی میں اس نے سربیہ، بوسنیا، البانیہ اور کریمیا وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد سلطان مراد دوم فاتح کے پوتے سلطان سلیم نے اپنی فتوحات کارخ مشرق کی طرف پھیرا۔ ۱۵۱۷ عیسوی میں اس نے شام اور فلسطین اور مصر فتح کرکے اپنی سلطنت کارقبہ دوگنا کردیا۔ اس کے خلیفہ سلیمان نے اپنی فتوحات کا سلسلہ یورپ سے شروع کیا۔ ہنگری اور ویانہ فتح کرتے ہوئے جرمنی تک جا پہنچا اور اس کے وسطی شہر ریس پون کو تہ وبالا کردیا۔ ۱۵۳۴ عیسوی میں اس نے سلطنت فارس پر حملہ کرکے بغداد اور عراق پر قبضہ کرلیا اور ترکی سے لے کر لبنان، فلسطین، مصر، لیبیا، الجزائر اور تیونس وغیرہ تک کے ساحلوں کو مشہور قزاق خیر الدین باربروسا نے سلطنت عثمانیہ میں شامل کرلیا۔ اس طرح پورا شمالی افریقہ ترکوں کے زیرِ قبضہ ہوگیا پھر جوان مرد نہر سویز سے گذر کر بحر قلزم کے ارد گرد کے علاقوں کو مطیع کرتے ہوئے بحر عرب تک جا پہنچا۔ حجاز مقدس اور یمن اور عرب کے جنوبی ساحلی علاقوں کو اس نے سلطنت عثمانیہ میں شامل کردیا۔ اس وقت سے صوبہ حجاز مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ ترکوں کے ماتحت چلا آرہا تھا۔

- چند خلفاء کے بعد سلیمان پر شکوہ کا پوتا مراد سوئم جب ۱۵۷۴ عیسوی تا ۱۵۹۵ عیسوی تخت نشین ہوا تو ترکی زوال پذیر ہونا شروع ہوا۔ اس نے یورپی مفتوحہ علاقوں سے عیسائی نوجوان بھرتی کئے اور اپنے ذاتی محافظ بنائے اور ان عیسائی محافظوں نے مراد سوئم سے غلطیاں کرائیں۔ ۱۸۲۶ عیسوی میں ایک مدت گذر جانے کے بعد سلطان مراد دوئم نے اس عیسائی فوج کو ختم کردیا اور قتل کرادیا مگر اس کے بعد سو سال تک سلطنت عثمانیہ کمزور ہوتی گئی۔ ترکی میں سلطان عبدالحمید نے ۱۸۹۶ تا ۱۹۰۸ عیسوی تک حکومت کی تھی۔ ۱۹۰۸ میں انقلاب کے نتیجے میں سلطان عبدالحمید کو اپنے چھوٹے بھائی کے حق میں دستبردار ہونا پڑا۔ ۱۹۱۳ عیسوی

میں کمال اتاترک سینئر آفیسر نے ترکی کی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ ترکوں کی افراتفری اور انقلابات کو دیکھتے ہوئے برطانیہ اور فرانس اور روس نے ترکوں کو جرمنی کا اتحادی سمجھتے ہوئے ترک حکومت کے خلاف بھی اعلانِ جنگ کردیا۔ اسطرح ترکی بھی جنگ عظیم اول کی لپیٹ میں آگیا۔ آخر ۳۱/ اکتوبر ۱۹۱۸ عیسوی میں پہلی جنگ عظیم نے سلطنت عثمانیہ کو ختم کردیا۔

- اسی جنگ عظیم میں ترکوں کے گورنر شریف حسین مکہ نے ترکوں سے بغاوت کرکے علیحدگی کا اعلان کردیا اور ریاض کے حاکم عبدالعزیز ابن عبدالرحمن (ابنِ سعود) نے اس جنگِ عظیم میں برطانیہ کے ساتھ اتحاد کرکے ترکوں کی شکست میں اہم کردار ادا کیا۔ (رفیق حسنی)
- ۱۹۲۵ عیسوی میں عبدالعزیز ابن عبدالرحمن المعروف ابن سعود نے انگریزوں کے ساتھ شرائط کے ساتھ حجاز مقدس کے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور جدہ پر قبضہ کرلیا جو کہ آج ۲۰۱۲ عیسوی تک جاری ہے۔ ترکوں کی حکومت کے درمیان ۱۸۰۲ میں بھی موجودہ سعودیہ حکمرانوں کے جداعلی سعود ابن العزیز نے بدوؤں کے ساتھ مل کر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کرلیا تھا اور وہابی تحریک کے عنوان سے تحریک چلا کر مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں تمام مزارات گرادیئے تھے مگر ترکوں نے تقریباً سات آٹھ سال کے بعد حجاز مقدس پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ (زینی دحلان)
- جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ عیسوی کو شروع ہوئی اور ۱۹۱۸ عیسوی میں ختم ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۲۵ عیسوی تک انگریزوں نے پہلے سے طے شدہ پلاننگ اور نقشوں کے مطابق مشرق وسطی کی تقسیم شروع کردی۔ جرمنی اور ترکی شکست کھاچکے تھے۔ ترکی کے زیرِ قبضہ تمام صوبے آزاد ہوگئے تھے۔ انگریزوں نے شریف

حسین حجاز مقدس کے سلطان کو پورے مشرق اوسط کی وسیع حکومت دینے کا لالچ دے رکھا تھا اور ترکوں کے خلاف جنگ میں شریک کر لیا تھا۔ اتفاق سے برصغیر (ہندوستان اور پاکستان) پر مغلیہ خاندان کی حکومت کے بعد برطانیہ کی حکومت قائم تھی، اس لئے یورپی اتحادی ممالک کے علاوہ انگریزوں کی طرف سے برصغیر کے مسلمان اور ریاض کا وہابی سلطان عبد العزیز اور حجاز کا سلطان شریف حسین ترکوں کے خلاف جنگِ عظیم اول میں انگریزوں کے ساتھ شریک تھے۔ لہٰذا انگریز نے فتح کے بعد شریف حسین (جس نے حجاز مقدس میں موجود دس ہزار ترکی فوجوں کے مقابلہ میں پچاس ہزار عرب فوجی کھڑے کر دیئے تھے اور عرب فوج کو انگریز کمانڈروں کے تحت دے دیا تھا) کے ایک بیٹے کو اردن کی حکومت دے دی اور دوسرے کو عراق کی حکومت دے دی اور حجاز مقدس اپنے قدیم اتحادی ریاض کے حکمران شاہ عبد العزیز ابن عبد الرحمن کو دے دیا۔ (رفیق حسنی)

سعودی حکمرانوں کا اجمالی خاکہ:

- سعودیہ عرب کے سابق حکمران سعود ابن العزیز اور فیصل ابن عبد العزیز اور خالد بن عبد العزیز اور فہد ابن عبد العزیز اور موجودہ حکمران عبد اللہ ابن عبد العزیز کے والد عبد العزیز کا نسب اس طرح ہے: عبد العزیز ابن عبد الرحمن ابن فیصل ابن ترکی ابن عبد اللہ ابن سعود ابن عبد العزیز ابن محمد ابن سعود۔
- **پہلی توضیح:** سعودیہ عربیہ حکومت کے مذکورہ افراد میں سعود کا لفظ تین آدمیوں کا نام ہے۔ موجودہ حکمرانوں کے بڑے بھائی کا نام سعود تھا، جو اپنے والد عبد العزیز کی وفات کے بعد پہلا حکمران مقرر ہوا اور ان افراد کے جد اعلیٰ عبد اللہ کے والد کا نام بھی سعود تھا اور ان کے جد اعلیٰ محمد کے والد کا نام بھی سعود تھا اور مذکورہ افراد میں عبد العزیز کا نام دو مرتبہ آتا ہے۔ ایک مذکورہ بھائیوں (سعود اور

فیصل اور فہد وغیرہم) کے والد کا نام عبد العزیز ہے، یہ عبد العزیز ابن عبد الرحمن ہے۔ زیادہ تر یہی عبد العزیز ابن سعود کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ایک عبد العزیز ان کا جد اعلیٰ ہے، یعنی عبد العزیز بن محمد کے نام سے مذکور ہے۔

- ایک عام قاری کو سمجھ نہیں آتی کہ ابن سعود کون ہے اور عبد العزیز کون ہے۔ تاریخ کی کتابوں میں ابن سعود کا لفظ ہر سعودی حاکم کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر ہر حاکم کی ولادت اور وفات اور واقعات بھی مختلف لکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح عبد العزیز کی ولادت اور وفات اور واقعات بھی مختلف لکھے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے صحیح صورت حال واضح نہیں ہوتی۔ میں نے یہ تفصیل اپنے مطالعہ کے مطابق امیر عبد اللہ خان کی کتاب بنام ابن سعود کے ص۴۳ سے نقل کی ہے۔

دوسری توضیح: مذکورہ حکمرانوں کے مختصر احوال سے پہلے قارئین کو معلوم ہونا چاہئے کہ ۱۸۴۰ عیسوی میں ریاض کی حکومت کے خلاف ریاض سے تین سو میل شمال میں جبل الشمر کے علاقہ میں ترکوں کے زیر اثر رشیدی ریاست قائم ہو گئی تھی، جن کا دار الخلافہ حائل کا شہر تھا۔ ریاض کے شیوخ سعودی کہلاتے تھے اور حائل کے شیوخ رشیدی کہلاتے تھے اور یہ سعودی اور رشیدی شیوخ ایک برادری کے ہی لوگ تھے۔ ترکوں کی ہمدردیاں رشیدی شیوخ کے ساتھ تھیں کیونکہ رشیدی حکمران اہل سنت وجماعت کے عقائد کے حامل تھے اور سعودی وہابی عقائد کے حامل تھے۔ ان دونوں (سعودی اور رشیدی) حکومتوں میں جدال اور قتال جاری رہتا تھا اور انگریزوں کی ہمدردیاں ریاض کے وہابی شیوخ کے ساتھ تھیں۔ قارئین پر واضح ہے پانچویں صدی ہجری کے بعد ترکوں نے انگریزوں کو جگہ جگہ شکست دی تھی۔ اس لئے یہ امر واضح اور فطری ہے جو لوگ ترکوں کی مخالفت کرتے وہ ترکوں کے دشمن انگریز کی گود میں جا کر پناہ لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ ریاض

کے شیوخ نے انگریزوں کے ساتھ ہمیشہ اتحاد قائم رکھا اور آج تک وہ اتحاد قائم ہے، جس کا ثبوت آنے والے واقعات سے بخوبی ہو جائے گا۔

سعودی شیوخ کے احوال:

● جزیرۃ العرب کے لاکھوں میل ریگستانی اور صحرائی علاقہ میں قبائلی نظام قائم رہا۔ اکثر لوگ خانہ بدوش ہوتے تھے۔ ان کا ذریعۂ معاش لوٹ مار اور چوری اور ڈاکہ زنی ہوتی تھی۔ ہر آبادی کا وڈیرہ اور سردار اس آبادی کا حاکم اور بادشاہ سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ ریاض کے قریب ایک گاؤں درعیہ کے نام سے مشہور تھا، اس کا وڈیرہ اور سردار کا نام سعود تھا۔ سعود کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد جانشین مقرر ہوا۔ اور درعیہ اور اس کے ارد گرد آبادیوں کا امیر اور حاکم ہو گیا۔ اسی دوران محمد ابن عبدالوہاب کی اس کے ساتھ ملاقات ہوئی۔

محمد ابن عبدالوہاب نجدی کا تعارف: امیر عبداللہ خان لکھتے ہیں، ۱۷۰۳ عیسوی یعنی ۱۱۱۱ ہجری میں نجد کے علاقہ اعینہ کے اندر محمد ابن عبدالوہاب ابن سلیمان ابن محمد نجدی پیدا ہوا۔ اس کے گاؤں کا نام اعینہ تھا اور یہ شخص قبیلہ بنی تمیم سے تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم اپنے آباء اور اجداد سے حاصل کی اور اسکی تکمیل مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ہوئی۔ (ابن سعود صفحہ ۳۰)

● بظاہر فروعات میں وہ امام احمد ابن حنبل کی تقلید کرتا تھا مگر اس کے نظریات حنبلی علماء سے مختلف تھے اور اس کے نزدیک اس کے نظریات کے مخالفین مشرک مباح الدم اور مباح المال تھے۔ سید احمد بن زینی دحلان لکھتے ہیں:

"اَلْحَاصِلُ اَنَّ هٰؤُلَاءِ الْمَانِعِيْنَ لِلزِّيَارَةِ وَالتَّوَسُّلِ قَدْ تَجَاوَزُوْا الْحَدَّ فَكَفَّرُوْا اَكْثَرَ الْاُمَّةِ وَاسْتَحَلُّوْا دِمَاءَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ جَعَلُوْهُمْ مِثْلَ الْمُشْرِكِيْنَ الَّذِيْنَ كَانُوْا فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ۔"

(رسائل زینی دحلان الامام المسجد الحرام مکہ مکرمہ ص ۲۵)

ترجمہ: "حاصل کلام یہ ہے کہ یہ زیارتوں اور توسل سے منع کرنے والے (وہابی) انہوں نے حد سے تجاوز کیا اور امت مسلمہ کے اکثر لوگوں کو کافر قرار دیا اور ان کے خون اور اموال کو حلال قرار دیا اور انہیں سرور دو عالم ﷺ کے زمانہ کے مشرکین جیسا مشرک قرار دیا۔"

● اس نے اس وقت کے مدنی اور مکی علماء اور عام مسلمانوں کے عقائد اور نظریات کو شرک قرار دیا اور پختہ قبریں اور مزارات پر گنبد اس کے نزدیک مشرکانہ عمل تھا۔ جبکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مقابر اور دنیا بھر کے مقابر میں قبروں کو پختہ بنانا اور صلحاء اور علماء کی مزارات پر گنبد بنانے کا رواج تھا۔ پختہ قبریں اس لئے بنائی جاتی تھیں تاکہ قبروں کے نشانات تادیر قائم رہیں اور ورثاء اپنے مرحوم عزیزوں کی قبروں پر حاضر ہو کر ایصالِ ثواب اور عبرت حاصل کرتے رہیں اور ان کی مغفرت کی دعا کرتے رہیں اور ان کیلئے ایصالِ ثواب کراتے رہیں۔ ورنہ کچی قبریں کئی دنوں کے بعد بے نشان ہو جاتی ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ائمہ فقہ اور علماء کے نزدیک اس ارادے سے پختہ قبریں بنانا جائز ہے۔ اور لوگ مزارات پر گنبد اس لئے بناتے تھے تاکہ زائرین وہاں گرمی یا سردی سے محفوظ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کریں اور ایصال ثواب کریں اور صالحین کے قرب میں اللہ تعالٰی کی عبادت کریں۔ چونکہ گنبد نما کمرے میں سردی یا گرمی کی شدت میں کمی ہوتی ہے، اس لئے گنبد بنائے جاتے تھے۔ نیز گنبد بنانے والے لوگوں کی یہ نیت بھی ہوتی تھی کہ صاحب مزار کو عوام تعظیم اور ادب کی نگاہ سے دیکھیں اور ائمہ فقہ نے اس ارادے سے گنبد بنانے کے جواز کا بھی فتویٰ دیا ہے اور اس وقت کے علماء کا اس کے جواز پر اجماع تھا مگر محمد ابن عبدالوہاب نے اس عمل کو شرک

اور مزارات پر حاضری کو حرام قرار دیا۔ اور انتہا یہ تھی اس کے نزدیک جو شخص اس کے نظریات اور عقائد کے خلاف عقیدہ رکھتا تھا، وہ مشرک واجب القتل اور مباح المال اور مباح الدم ہوتا تھا۔ انہی نظریات کے ساتھ اس نے وہابی تحریک شروع کر دی۔ (محمد رفیق حسنی)

- مگر اس نظریہ کی تائید میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ناکام رہا پھر عراق کے شہروں میں اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے چلا گیا مگر وہاں بھی ناکام رہا مصر اور شام کے علماء نے بھی اس کے نظریات کو مسترد کر دیا۔ آخر ۱۷۵۰ عیسوی میں وہ دوبارہ اپنے وطن نجد میں داخل ہوا۔ اس وقت ریاض کا شیخ محمد ابن سعود تھا۔ اس نے محمد ابن عبدالوہاب کے نظریات کو قبول کر لیا اور اپنی حکومت کی جانب سے تعاون کی یقین دہانی کرائی۔ اب وہابیہ ریاض یا درعیہ کی ریاست کا سرکاری مذہب بن چکا تھا۔ پھر دونوں نے مل کر اس وقت کے ان مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جو لوگ ان کے نظریات کے مخالف تھے اور ان کے اموال سلب کرنے کو جائز قرار دیا۔ صحرائی لوگ جان اور مال کے خوف اور جہالت کی وجہ سے محمد ابن عبدالوہاب کے نظریات کو قبول کرتے گئے۔ اس طرح اسکی حکومت مستحکم ہوتی گئی مگر جب ترک حکمرانوں کو اس کا علم ہوا، انہوں نے اس کے نظریات سے اختلاف کرتے ہوئے ریاض کے حاکم شیخ محمد ابن سعود کی مخالفت شروع کر دی۔

(خلاصہ تاریخ نجد و حجاز اور رسائل زینی دحلان)

- امیر عبداللہ خان اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ محمد ابن سعود اور محمد ابن عبدالوہاب کی کوششوں سے توحیدی تحریک نے تھوڑے عرصہ میں کافی زور پکڑا۔ ۱۷۶۵ عیسوی میں محمد ابن سعود کی وفات پر اس کا بیٹا عبدالعزیز بن سعود بن محمد ۱۷۶۵ تا ۱۸۰۳ عیسوی ریاض کا شیخ بنا۔ عبدالعزیز نے تو یہاں تک کیا کہ

مشرکین اور بدعتیوں کے خلاف جہاد تک کو درست قرار دیا اور بقدر ضرورت جہاد فی سبیل اللہ سے بھی کام لیا۔ (ابن سعود ص ۳۳) یاد رہے یہاں مشرکین اور بدعتی اس وقت کے عاشقان رسول ﷺ مسلمانوں کو کہا جا رہا ہے۔ (رفیق حسنی)

- ۱۷۹۱ عیسوی میں محمد ابن عبدالوہاب فوت ہو گیا اس کے بعد عبدالعزیز بن محمد بن سعود کلی طور پر وہابی تحریک کا سرپرست بن گیا۔ اس طرح نصف سے زیادہ جزیرۃ العرب کا علاقہ وہابی تحریک کے تحت سعودی خاندان کے تحت آ گیا اور سعودی خاندان کو پورے نجد کا مذہبی پیشوا تسلیم کر لیا گیا۔ ۱۷۹۳ عیسوی میں وہابیوں نے خلیج عرب کا ساحلی علاقہ الحساء ترکوں سے آزاد کرالیا۔ عبدالعزیز کی وفات پر اس کا بیٹا سعود ۱۸۰۳ عیسوی تا ۱۸۱۴ ریاض کا شیخ بنا۔ اس نے حجاز مقدس اور یمن پر لگاتار حملے کئے حجاز کے ترک گورنر غالب پاشا (جو خانہ کعبہ کا متولی بھی تھا) کو وہابیوں نے شکست دی۔ ۱۸۰۳ عیسوی میں وہابی سعود ابن عبدالعزیز کی سرپرستی میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر قابض ہو گئے۔ انہوں نے شرک اور بدعت کی چھوٹی سی چھوٹی علامت بھی مٹا دی (ابن سعود ص ۳۴)
- یہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں سعود (موجودہ حکمرانوں کا جداعلیٰ) نے جو لوٹ مار کی اور لوگوں کو قتل کیا اور جنت البقیع اور جنت المعلی میں صحابہ کرام اور آل رسول ﷺ کی مزارات پر موجود گنبدوں کو گرا دیا اور توہین کی اور پختہ قبروں کو زمین بوس کر دیا اور بربریت سے جو کام لیا، اسکی تفصیل زینی دحلان کی رسالوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے یا پھر مفتی عبدالقیوم ہزاروی کی کتاب ''تاریخ نجد و حجاز'' سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ (رفیق حسنی)
- ۱۸۰۶ عیسوی تک پورا ملک عرب نجد اور الشمر اور الجوف اور القصیم یمن اور الحسا اور الکویت اور مکہ اور مدینہ وہابی نظریات کا حامل ہو گیا۔ وہابیوں نے ۱۸۰۱

عیسوی میں اپنی فوج عراق پر حملہ کرنے کے لئے بھی بھیجی جو بغداد کے قریب پہنچی۔ راستے میں اونچی اور پختہ قبروں اور مقبروں اور گنبدوں کو مٹاتی چلی گئیں۔ یعنی امام عالی مقام امام حسین اور کربلا اور نجف میں موجود دیگر قبروں اور گنبدوں کو گراتے ہوئے وہابی بغداد کے قریب پہنچے۔ مگر عراق کے ترک گورنر نے وہابیوں کو واپس لوٹنے پر مجبور کردیا۔ پھر وہابیوں نے ۱۸۰۸ عیسوی میں دوبارہ بغداد پر حملہ کیا مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ (ابن سعود)

- اسی دوران ترکی کے صدر سلطان مراد دوم نے وہابیوں سے مقبوضہ علاقے واپس لینے کیلئے مصر کے گورنر علی پاشا کے بڑے بیٹے کو ۱۸۱۱ عیسوی میں ایک عظیم فوج دے کر ریاض اور حجاز کی طرف روانہ کیا۔ اس نے دو سال تک وہابیوں کے خلاف نہایت دلیری سے جنگ لڑی مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔ آخر ستمبر ۱۸۱۳ عیسوی میں محمد علی پاشا خود بڑی فوج لے کر وہابیوں کی حکومت کا خاتمہ کرنے اور حجاز اور ریاض کا قبضہ لینے کیلئے حملہ آور ہوا۔ ریاض کا حاکم سعود ابن عبد العزیز اس جنگ میں مارا گیا۔ اس کا بیٹا عبد اللہ ابن سعود ۱۸۱۴ تا ۱۸۱۸ عیسوی ریاض کا حاکم بنا تھا۔ اس نے پانچ سال تک جنگ جاری رکھی۔ آخر ۱۸۱۸ عیسوی میں عبد اللہ گرفتار ہوگیا۔ اسے پہلے مصر اور پھر ترکی استنبول لے جایا گیا اور ترکی کے حاکم نے اس کا سر قلم کردیا۔
- ۱۸۱۸ء میں مصری فوج نے محمد علی پاشا کے بیٹے ابراہیم کی سرپرستی میں وہابی دار الخلافہ الدرعیہ کو تباہ اور برباد کردیا اور نجد و حجاز سے وہابیوں کی حکومت کا خاتمہ کردیا مگر عبد اللہ کے قتل کے بعد اس کا بیٹا ترکی ۱۸۲۰ء تا ۱۸۳۴ء ریاض کا رسمی حاکم مقرر ہوا مگر ۱۸۳۴ء میں مصریوں نے ریاض پر دوبارہ قبضہ کرلیا اور ترکی کو قتل کردیا اور پھر ترکی کا بیٹا فیصل بن ترکی ۱۸۳۴ تا ۱۸۳۸ اور پھر دوبارہ ۱۸۴۳ تا

۱۸۶۵ ریاض کا حکمران رہا۔ اسے مصریوں نے شکست دے کر اس سے ریاض چھین لیا۔

- ۱۸۳۶ عیسوی تا ۱۸۳۸ عیسوی میں فیصل لڑتا ہوا گرفتار ہوا تھا اور اسے قیدی بنا کر مصر بھیج دیا گیا۔ اب پورے صحرائے عرب پر مصریوں کا تسلط قائم ہوگیا مگر بین الاقوامی امور کی وجہ سے مصری فوجیں صحرائے عرب سے واپس بلالی گئیں۔ اسی دوران فیصل مصریوں کی قید سے فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا اور شام کے مختلف مدرسوں میں پڑھتا رہا۔ آخر ۱۸۴۳ عیسوی میں پھر وہ اپنے آبائی علاقہ نجد میں داخل ہوا۔ مصر کی فوج ۱۸۴۰ عیسوی میں واپس جاچکی تھی، اس لئے لوگوں نے اسے ریاض کا حاکم تسلیم کرلیا مگر اس وقت ریاض سے تین سو میل شمال میں رشیدی سلطنت مضبوط ہوچکی تھی، جس کا دار الخلافہ حائل تھا۔ رشیدی حاکم نے ۱۸۶۶ عیسوی میں ریاض پر قبضہ کرلیا۔ ترکوں نے ۱۸۷۱ عیسوی میں الحساء پر بھی قبضہ کرلیا۔ فیصل اسی دوران فوت ہوگیا اور اس کا بیٹا عبد الرحمٰن اپنے بیٹے عبد العزیز (موجودہ حکمرانوں کے والد) اور اہل وعیال کے ساتھ کویت فرار ہوگیا۔ کویت کے شیخ محمد ابن صباح نے انہیں پناہ دی مگر صحراؤں میں گھومتے گھومتے عبد الرحمن بن فیصل اپنے بیٹے عبد العزیز اور اہل وعیال کے ساتھ ۱۸۹۰ عیسوی میں کویت پہنچا تھا، اس وقت عبد العزیز ابن عبد الرحمن کی عمر دس سال تھی۔ (خلاصہ ابن سعود ص ۳۰ تا ۳۸)
- ۱۶۳۸ عیسوی سے بصرہ اور کویت ترکوں کی حکومت کا حصہ تھا مگر انگریزوں کی سازش سے کویت کے گورنر محمد ابن صباح کو اس کے بھائی مبارک ابن صباح نے مئی ۱۸۹۶ عیسوی میں قتل کردیا بلکہ تخت شاہی کے ممکنہ سب وارثوں کو قتل کردیا اور کویت کا گورنر مقرر ہوگیا اور ۲۳ جنوری ۱۸۹۹ عیسوی میں انگریزوں کے

ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کے بعد ترکوں کی حکومت سے آزادی کا اعلان کر دیا۔ ترکوں نے کویت پر قبضہ کیلئے شیخ عبدالعزیز ابن محمد رشیدی کو کویت پر حملہ کرنے کا حکم دیا مگر انگریزوں کے تعاون سے کویت کے گورنر نے عرب کے قبائل اور سعودیوں کے دس ہزار افراد کے تعاون کے ساتھ مقابلہ شروع کر دیا۔ کویت کے گورنر مبارک ابن صباح کو شکست ہوگئی اور رشیدی گورنر مقرر کر دیا گیا۔ اس جنگ میں جلاوطن عبدالعزیز ابن عبدالرحمٰن نے ترکوں کی رشیدی فوج کے خلاف بھی حصہ لیا تھا مگر اس کا خواب پورا نہ ہوا اور کویت میں جلاوطنی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوگیا۔ (ابن سعود)

موجودہ سعودی حکومت کے بانی کا ذکر:

● اب ہم ملک عبدالعزیز (موجودہ حکمران کے والد) ابن عبدالرحمٰن یعنی ابن سعود کے متعلق کٹر وہابی امیر عبداللہ خان تلہ گنگوہی کی کتاب "ابن سعود" سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں تاکہ قارئین کو معلوم ہو سکے کہ انگریزوں کے ایجنٹ اہلسنت وجماعت (بریلوی) مکتبہ فکر کے لوگ تھے یا وہابی مکتبۂ فکر کے لوگ تھے۔ کیونکہ دونوں فریق ایک دوسرے پر الزام لگاتے ہیں کہ ہر دوسرا فرقہ انگریزوں کا ایجنٹ تھا مگر یہ بات ہم خود امیر عبداللہ کی کتاب ابن سعود سے ثابت کر رہے ہیں جو کہ خود کٹر وہابی ہے اور اس نے وہابیوں کے ہر فعل کو جائز بلکہ واجب اور ضروری ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ قارئین میں اہل علم اور اہلِ انصاف خود فیصلہ فرمائیں کہ مسلمانوں کو کس فرقہ نے انگریزوں کے ہاتھوں ذلیل اور خوار کیا۔ (محمد رفیق حسنی)

● اکتوبر ۱۹۰۱ عیسوی میں صرف چالیس افراد کے ایک گروپ کے ساتھ عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن اونٹوں پر مسلح ہو کر ریاض کی طرف روانہ ہوگیا۔ عبدالعزیز

نے چلتے وقت صرف والد کو بتایا تھا کہ ہم ریاض کو فتح کرنے جا رہے ہیں مگر ساتھیوں کو بتایا کہ ہم رسم ورواج کے مطابق صحراؤں میں لوٹ مار کرنے جا رہے ہیں۔ چنانچہ صحراؤں میں لوٹ مار اور قتال کرتے ہوئے یہ لوگ ریاض پر قبضہ کرنے کیلئے رواں دواں رہے۔ ان کے پاس رائفلیں اور تلواریں اور کھانے کیلئے ستو اور کھجوریں اور پانی موجود تھا۔ امیر عبداللہ لکھتا ہے کہ ربع الخالی کے ریگستان، جو سیکڑوں میل پر پھیلے ہوئے ہیں، اس میں سخت جان بدو بھی سفر نہیں کر سکتے، وہاں نہ کوئی چرند نہ پرند زندہ رہ سکتا ہے نہ اونٹوں کیلئے چارہ نہ پانی۔ جنوب کی سمت یلغار کے وقت ایک موقعہ پر لوٹ مار کی خاطر عبدالعزیز کے ساتھ مزید تین چار سو آدمی مل گئے لیکن ربع الخالی کے علاقہ پہنچنے پر عبدالعزیز نے سب کو کہہ دیا کہ یہاں لوٹ مار کے لئے کچھ نہیں، جو جانا چاہے چلا جائے۔ سب لوگ چلے گئے مگر چالیس افراد اس کے اپنے آدمی باقی رہ گئے۔ (ابن سعود، ص ۴۸)

● قارئین خود فیصلہ فرمائیں کہ لوٹ مار کا کیا جواز تھا۔

● اس وقت ریاض شہر کی آبادی پانچ ہزار نفوس پر مشتمل تھی اور ریاض کا گورنر ترکوں کی مدد سے رشیدی مقرر ہوا تھا، جس کا نام عجلان تھا۔ عبدالعزیز ابن عبدالرحمٰن ایک سال تک صحراؤں اور ربع الخالی کے دشوار ترین ریگستانوں میں چھپا رہا۔ آخر ۱۵ جنوری ۱۹۰۲ عیسوی میں شب خون مار کر ریاض میں داخل ہوا اور رشیدی گورنر عجلان اور اس کے معاونین کو رات کے اندھیرے میں قتل کر دیا۔ اور طریقۂ واردات وہی ڈاکوؤں جیسا تھا اور صبح عبدالعزیز نے اعلان کر دیا کہ ریاض پر ہمارا قبضہ ہوگیا ہے۔

● ۱۵ جنوری ۱۹۰۲ سے ریاض پر سعودیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اسوقت مشرقی ساحلی علاقے الحساء اور مغرب میں حجاز مقدس مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور جدہ اور شمال

میں سارے علاقوں پر ترکوں کی حکومت تھی۔ ۱۹۰۲ کے بعد مسلسل ریاض کے شیخ عبد العزیز ابن عبد الرحمٰن ترکوں اور رشیدیوں کے زیر اثر علاقے چھیننے کے لئے جنگیں لڑتے رہے اور اس دوران عبدالعزیز کی انگریزوں کے نمائندوں سے ملاقاتیں بھی جاری رہیں۔

• امیر عبداللہ خان لکھتے ہیں ’’ابن سعود یعنی عبدالعزیز نے انگریز پولیٹیکل ایجنٹ کو عرب میں ترکی کے اقدامات کے بارے میں مطلع کرنا ضروری سمجھا تھا۔ ایران میں برطانیہ کا پولیٹیکل ایجنٹ شہر کے مشرقی کنارے بوشائر کے شہر میں مقیم تھا، جس کے دو دیگر سیاسی ایجنٹ ماتحت کام کرتے تھے۔ ایک کویت کے شیخ کے دربار میں اور ایک بحرین میں۔ اول الذکر کا نام کاکس تھا، صرف یہ تین آدمی خلیج کے علاقے میں فرنگی مفاد کے محافظ تھے اور اپنی حکومت کو اس علاقے کی رپوٹیں بھیجتے تھے۔ بوشائر میں مقیم ایجنٹ کاکس کے ساتھ اگلے کئی سالوں تک ابن سعود کا انہی کے ذریعے برطانیہ کے ساتھ رابطہ رہا۔ کاکس کو عربی زبان آتی تھی، کاکس کو عربوں سے بہت محبت تھی۔

• امیر عبداللہ پھر لکھتے ہیں، ابن سعود نے برطانیہ کے جہاز کویت میں لنگر انداز دیکھے تھے مگر ابن سعود کی ملاقات کا علم نہیں ہو سکا۔ ابن سعود کے دوست شیخ مبارک نے ۱۸۹۹ء میں انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا۔ ابن سعود نے اندازہ لگایا کہ انگریز ہر شخص کی مدد کرنے کیلئے تیار ہے جو ترکوں کے مخالف ہو۔ پھر امیر عبداللہ لکھتا ہے ۱۹۰۶ میں انگریز لارڈ کرزن جنگی جہازوں کے ایک بیڑے کے ساتھ خلیج میں بنفس نفیس آیا اور اپنے ساتھ سونے اور چاندی کا بنا ہوا تخت لایا اور کویت کے شیخ مبارک کو تحفہ میں دیا اور ایک تلوار بھی تحفہ میں دی اور ناکس کو کویت میں پکا ایجنٹ مقرر کر دیا (تا) ابن سعود کو ترکوں اور انگریزوں کے درمیان

چپقلش کا علم تھا، اس لئے ابن سعود بھی کویت کی طرز کا انگریزوں کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہتا تھا۔ (ابن سعود ص ۱۰۵)

• ایک جگہ جنگ کا منظر پیش کرتے ہوئے امیر عبداللہ لکھتے ہیں ’’ابن سعود ترکوں کی فوج کو ایک بوری میں بند خرگوش سے زیادہ کچھ نہیں سمجھ رہا تھا۔ ترکوں کی زندگی ابن سعود کے رحم و کرم پر تھی۔ ایسا رحم جو سیاسی ضرورت سے ایک دن اوپر نہیں کیا جا سکتا۔ یہ فوج وہابی شیر کے جبڑوں کے درمیان ٹھوسنے کے بعد ابن سعود اور ابن رشید کو آپس میں زور آزمائی کی کھلی چھٹی مل گئی۔ (ابن سعود ص ۱۲۰)

مصنف ’’ابن سعود‘‘ امیر عبداللہ کی علمی خیانتیں اور اس کا ردّ:

• امیر عبداللہ خان اپنی کتاب ’’ابن سعود‘‘ میں ابن سعود (عبد العزیز ابن عبد الرحمٰن) کے ہر عمل کو مستحسن اور جائز ثابت کرنے کیلئے ہر جگہ زور لگاتا ہے مگر اس امر میں کوئی تردد نہیں ہے کہ ابن سعود کی پشت پر انگریزوں کا ہاتھ تھا اور ابن سعود نے اور کویت کے شیخ مبارک نے انگریزوں کے ساتھ معاہدے بھی کئے تھے اور پھر یہ ایک فطری عمل تھا، کیونکہ ترکوں نے اپنے عروج کے دور میں انگریزوں کو پے در پے شکستوں سے نہایت پریشان کیا تھا۔ اس لئے انگریز اور ترکوں کی دشمنی صدیوں پرانی تھی۔ جب وہابی شیر عبدالعزیز انگریزوں کی گود میں جا بیٹھا اور انگریزوں سے دوستی کے معاہدے کر لئے، واضح ہے ترک وہابیوں کے بھی دشمن ہو گئے۔ وقفہ وقفہ ترکوں اور نجدیوں کے درمیاں جنگیں ہوتی رہیں حتی کہ ۱۹۱۴ء میں جرمنی اور برطانیہ کے درمیان جنگ شروع ہو گئی جو جنگ عظیم ثابت ہوئی۔ اور یہ واضح ہے ترک جو مدت سے برطانیہ کے ساتھ جنگیں لڑتے آ رہے تھے انہوں نے اس اول جنگ عظیم میں جرمنی کا ساتھ دینا تھا مگر برطانیہ کے چالاک انگریزوں نے اس جنگ عظیم میں اپنے اتحادی ابن سعود اور ترکوں کی

جانب سے حجاز مقدس کے گورنر شریف حسین کو فتح کے بعد وسیع سلطنت دینے کا وعدہ کر کے ترکوں کے خلاف بغاوت کرا دی۔ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ اور دیگر عرب علاقوں میں انگریز کے ایجنٹ لارنس آف عربیہ نے عرب اور غیر عرب کا تعصب پیدا کر دیا، جس کی وجہ سے عربوں کی پچاس ہزار کے قریب فوج جو ترکوں کے ماتحت تھی، اس فوج نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی اور ہندوستان (برصغیر پاک وہند) پر پہلے ہی برطانیہ کی حکومت تھی۔ اب یورپی اتحادی ممالک کی فوجوں کے علاوہ مسلمانوں کی فوج کے تین بڑے بڑے گروپ یعنی ہندوستان کی کافر اور مسلمان فوج اور ریاض حکومت کی وہابی فوج اور حجاز مقدس کی باغی فوج برطانیہ کے ساتھ مل کر ترکوں کے خلاف لڑ رہی تھی اور مسلمان مسلمانوں کو قتل کر رہے تھے۔

- امیر عبد اللہ خان وہابی ایک جگہ لکھتے ہیں: محمد ابن عبد الوہاب پر ایک کتاب "بدنام مصلح" مولانا مسعود عالم ندوی لکھ چکے تھے (تا) نجد کے لوگ ابن سعود (عبد العزیز) سے ڈیڑھ سو برس قبل محمد بن عبد الوہاب کی دین کے معاملے میں تصحیح کو صحیح اور درست تسلیم کر چکے تھے۔ ابن سعود یعنی عبد العزیز نے اس مسلک کو نجد سے نکال کر پورے جزیرۃ العرب میں پھیلا دیا تھا (تا) وہابیوں نے شام اور عراق پر بھی حملے کئے تھے اور یہ تحریک ہندوستان تک بھی جا پہنچی تھی۔ ہندوستان میں ایک دینی درسگاہ (دیوبند) صحیح اسلامی خطوط پر قائم کی گئی تھی اور پاکستان بننے سے پہلے بڑے بڑے علماء و فضلاء اسی مدرسہ سے فارغ التحصیل تھے (تا) اس صحیح اسلامی تحریک کے متوازی بریلوی تحریک بھی اسی بناء پر چلائی گئی۔ (ابن سعود ص ۱۳۳)
- امیر عبد اللہ خان کی خیانتوں سے ایک خیانت یہ بھی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ بریلوی سنی صحیح العقیدہ مسلمانوں کی جماعت انگریزوں کی ایجنٹ تھی۔ چنانچہ

لکھتا ہے، انگریزوں نے وہابی تحریک اور مدرسہ دیوبند کے خلاف دوسرے فرقوں اور غیر مسلموں کو ملا کر غیر معیاری اور مذموم ذرائع استعمال کئے۔ حالانکہ خود اپنی کتاب میں بار بار اعتراف کرتا ہے کہ وہابیوں کی تحریک کے پیچھے انگریزوں کا ہاتھ تھا اور اہل علم پر بھی واضح ہے جب انگریز صحیح العقیدہ ترکی کے مسلمانوں کا مخالف ہو گیا تھا، اگرچہ اس کی یہ مخالفت بطور سیاست تھی اور پھر ان شکستوں کا بدلہ لینا چاہتا تھا اور ترکوں نے ماضی میں جس طرح انگریزوں کو بار بار شکست دے کر ذلیل اور خوار کیا تھا، اسی طرح ترکوں نے وہابیوں کے خلاف بھی ایک سو سال پہلے سعود ابن عبد العزیز ابن محمد اور سعود کے بیٹے عبد اللہ کو حجاز مقدس مکہ اور مدینہ سے ذلیل کر کے نکال دیا تھا اور مصری گورنر محمد علی پاشا کو بھیج کر الدرعیہ بھی وہابیوں سے چھین لیا تھا اور عبد اللہ ابن سعود کو ترکوں نے اپنے دار الخلافہ استنبول لے جا کر قتل کر دیا تھا۔ چنانچہ امیر عبد اللہ خان ص ۱۳۴ پر لکھتا ہے "قبل ازیں تحریر کیا جا چکا ہے کہ ۱۸۰۲ عیسوی میں وہابیوں نے السعود کی قیادت میں حجاز مقدس فتح کیا تھا جو ترکوں کے ماتحت تھا۔ ۱۸۱۸ عیسوی میں سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ نے مصر کے حاکم محمد علی پاشا کو وہابیوں کے خلاف عرب میں بھیجا تھا، جس نے ۱۸۲۰ عیسوی میں سعودیوں کے پہلے دار الخلافہ الدرعیہ کو تباہ اور برباد کر دیا تھا، جو موجودہ شہر ریاض کے قریب تھا۔ فیصل بن ترکی نے ۱۸۴۳ء میں مصریوں کو عرب سے باہر نکال دیا تھا۔ (ص ۱۳۴، ابن سعود) اس حقیقت کے اعتراف کے بعد پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کہا جائے انگریز وہابیوں کے خلاف تھا، خود امیر عبد اللہ یہ تحریر کرنے پر مجبور ہے کہ انگریزوں کے ایجنٹ ناکس اور کاکس اور لارنس آف عربیہ کویت اور ریاض اور الحساء میں سعودی حکمرانوں سے ملاقاتیں اور میٹنگیں کرتے رہے تھے۔

ابن سعود کے متعلق ابن عبداللہ کا انگریز دوست ہونے کا انکشاف:

• امیر عبداللہ ص ۱۶۳ پر لکھتا ہے ''ترک رشیدیوں کے طرفدار تھے اور ارد گرد کی ریاستیں بھی اسی کی طرح پس ماندہ اور ناتجربہ کار تھیں۔ اس لئے صرف انگریز رہ گئے تھے جو مشاورت کے قابل سمجھے جاتے تھے (تا) ہنری شیکسپیئر ۱۹۱۰ء میں پولیٹیکل ایجنٹ بن کر ناکس کی جگہ کویت آیا تھا۔ شیکسپیئر نے ابن سعود کو کھانے کی دعوت دی تھی، جس میں وہ اپنے بھائی سعد عبداللہ اور بیٹے ترکی کو بھی ساتھ لے گیا تھا۔ اور ایک جگہ امیر عبداللہ لکھتا ہے، ابن سعود ادھیڑ عمر میں نہ صرف امریکیوں اور انگریزوں کو برداشت کرتا بلکہ انہیں دوست بنالیتا تھا۔ کچھ انگریز اس سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ہمیشہ کیلئے منسلک ہوگئے، پوری عمر اس کے ساتھ گذار دی۔ ابن سعود چاہتا تھا کہ انگریز اس کا چھ سالہ پرانا مطالبہ مان لیں، اس معاملہ میں اس نے سوائے اپنے والد کے اور کسی کو بتائے بغیر ایک سفیر ناکس کے پاس بوشائر بھیجا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ ترکوں کو الحساء سے نکال دے اور انگریز اسے ترکوں کے جوابی حملہ سے تحفظ فراہم کریں۔ وہ چاہتا تھا کہ الحساء پر قبضہ جمانے کے بعد شیخ مبارک کی طرح انگریزوں سے ایک معاہدہ کرلے جس سے اسے ترکوں سے تحفظ حاصل ہوجائے۔

• ۱۹۱۱ء میں دنیا بھر میں ریلوے کا دور تھا۔ اس وقت برطانیہ ترکوں کے خلاف عرب کے معاملات میں دلچسپی رکھتا تھا۔ ابن سعود ترکوں کے خوف سے انگریزوں کی دوستی کا بھرم رکھتا تھا، اگست ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم ابتدا میں جرمنی اور برطانیہ کے درمیان شروع ہوئی۔ مشرق وسطی کے عرب ترکوں کے ماتحت تھے، اس لئے وہ ترکوں کے مظالم سمجھتے تھے۔ جنگ کے فریقین عربوں کو آزادی کا لالچ دے کر قوم اور ہتھیار دے کر گانٹھنا چاہتے تھے۔ دراصل عرب

ممالک شام، عراق، لبنان اور فلسطین وغیرہ ترکوں کے خلاف درپردہ انگریزوں کی مدد کررہے تھے۔ کیونکہ مشرق وسطی میں ترکوں سے آزادی حاصل کرنے کیلئے تحریکیں چلائی جارہی تھی۔ (ابن سعود، ص۱۷۹) بہرحال ابن سعود نے شیکسپیئر کو صاف صاف جواب دیا کہ تحریری معاہدہ کئے بغیر وہ انگیزوں کی کوئی مدد نہیں کرسکتا، اس معاہدے کے تحت برطانیہ نے ابن سعود کو پورے وسطی صحراء کا شیخ تسلیم کرنا اور اس کی سلطنت کا تحفظ کرنا تھا۔ جس کے جواب میں انگریزوں کے علاوہ کسی دوسرے سے معاہدہ نہیں کرنا تھا۔ اس موقعہ پر ابن سعود نے ہتھیاروں اور نقد رقم کا مسئلہ بھی اٹھایا۔ جس کی رو سے دشمن پر حملہ کی صورت میں حکومت برطانیہ نے ابن سعود کو ہتھیار اور نقد رقم مہیا کرنا تھی۔ اس معاہدہ کا مسودہ کاکس کے ذریعہ دہلی اور پھر انگلستان بھیجا گیا۔ ابن سعود کے ساتھ وہ معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ (ابن سعود، ص ۱۸۲)

• لارنس آف عربیہ ایک انگریز گزرا ہے، جس کا نام ٹی، ای، لانس تھا، جو کہ مکہ شریف میں رہتا تھا اور شریف حسین جو حجاز مقدس کا ترک گورنر اور خانہ کعبہ کا متولی تھا، اس کے ہاتھ میں کھلونا بنا ہوا تھا۔ اسکے اکسانے پر ۱۹۱۶ میں شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کرکے انگریزوں کا ساتھ دیا مگر حجاز سے نہ صرف ترکوں کو نکالا بلکہ انگریزوں کے ساتھ مل کر ان کو اردن، فلسطین اور شام تک دھکیلتا چلا گیا اور ترکوں کو شکست فاش دی۔ (ابن سعود، ص ۱۸۴)

• ابن سعود اور شیکپیئر کے درمیان کیا گیا معاہدہ بمبئی اور کلکتہ وغیرہ کی طویل مسافت طے کرتا ہوا لندن پہنچا اور چھ سات ماہ میں اس کی منظوری کے بعد واپس ہوا۔ ابن سعود نے اس پر دستخط کردیئے اور اس طرح اس نے اپنے آپ کو انگریزوں کے ساتھ منسلک کردیا۔ ایک سال بعد ۱۹۱۵ میں کاکس نے الحساء میں

ابن سعود کے ساتھ ملاقات کی اور معاہدہ پر مہر ثبت کر دی۔ابن سعود، ص۱۸۵)
پہلی جنگ عظیم میں جرمنی اور ترکی کو اکتوبر ۱۹۱۸ء میں شکست ہو گئی۔ شام اور عراق اور فلسطین پر فرانس اور برطانیہ کا قبضہ ہو گیا۔ شام اور لبنان اور فلسطین فرانس کے ماتحت اور شام سے کچھ علاقہ الگ کرکے اردن کا ایک ملک بنادیا گیا اور عراق اور اردن برطانیہ کے ماتحت کر دیئے گئے۔ (ابن سعود، ص۱۸۶)

• مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا، ملک عبدالعزیز موجودہ حکومت کا بانی انگریزوں کا اتحادی تھا اور انگریز اس کی تحریک کے پشت پر تھے۔(محمد رفیق حسنی)

ابن سعود کا حجاز مقدس پر قبضہ:

• ابن سعود (عبدالعزیز ابن عبد الرحمٰن) ۱۹۱۱عیسوی تا ۱۹۱۵ عیسوی تک ترکوں اور باغیوں کے ساتھ نبرآزمارہا۔(ابن سعود، ص۱۹۲) اب سے تقریبا ایک سو بیس سال قبل وہابیوں نے حجاز مقدس فتح کیا تھا۔اس وقت سے حجاز کے لوگ وہابیوں سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔کسی زمانہ میں وہابی مشرق سے اچانک اہل مدینہ اور مکہ پر آپڑے تھے۔(ابن سعود، ص۱۹۸) انگریزوں نے، جنہوں نے ابن سعود کو دیکھا تھا، یہ کہنے پر مجبور تھے کہ عرب میں اگر کوئی حکمرانی کے قابل ہے تو وہ ابن سعود ہے۔(ابن سعود، ص۱۹۸)

• جب ابن سعود نے امیر حسین (گورنر حجاز) کی طرف سونے اور ہتھیاروں سے لدے ہوئے اونٹوں کی قطاروں کے بارے میں سنا تو اسے یہ پانچ ہزار پونڈ بری طرح کھٹکتے تھے۔۱۹۱۶ء کا سال ابن سعود کیلئے بہت صبر آزما ثابت ہوا کیونکہ اس نے ایک کافر ملک سے معاہدہ کرکے اپنے آپ کو ایک طاقت کے ساتھ وابستہ کر لیا جس پر اس کو اختیار نہ تھا۔ (ابن سعود، ص۲۰۰)

• جنگ عظیم کے دوران انگریزوں نے اابن سعود کو اپنا طرفدار رکھنے کیلئے

اکتوبر ۱۹۱۷ء میں ایک مستقل وفد ریاض بھیجا۔لیڈر کا نام جان فلبی تھا۔ابن سعود سے متاثر ہو کر جان فلبی بقایا ساری عمر ابن سعود کے دربار کے ساتھ منسلک رہا۔ اس نے ابن سعود پر ایک درجن سے زائد کتابیں لکھیں۔(ابن سعود، ص۲۰۹)

• لیکن وہابی نقطہ نظر سے حجاز پر حملہ کرنا صرف سیاسی لحاظ سے ابن سعود کیلئے ضروری نہیں تھا بلکہ مذہبی لحاظ سے بھی ضروری تھا کیونکہ شریف مکہ کی نالائقی کی وجہ سے مکہ شریف اور مدینہ میں بہت برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ وہابیوں کی نظر میں ان کو دور کرنا ضروری تھا مگر ابن سعود اس کے علاوہ جو چیز ضروری سمجھتا تھا وہ تھا پیسہ۔(ابن سعود، ص۲۱۱)

• وہ انگریزوں سے چھ ہزار پونڈ لے رہا تھا مگر یہ تھوڑے تھے۔آخر کار انگریزوں نے پیسے اور ہتھیار کی فیاضانہ پیشکش قبول کر لی۔ فلبی اور ابن سعود کے درمیان معاہدہ طے پایا جسکی وجہ سے اونٹ خریدنے کے لئے فوراً بیس ہزار پونڈ اور پچاس ہزار پونڈ ماہوار کے حساب سے دیئے جائیں۔ابن سعود کو چار توپیں اور چار آدمی بھی دینے کا وعدہ کیا گیا مگر اچانک شریف حسین کو اخوان وہابیوں نے شکست دے کر خوشی کا اظہار کیا۔ یہ خرما شہر کی فتح تھی۔ قاہرہ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ فلبی کی مدد کیلئے رونالڈ اسٹورز کو پھر ریاض بھیجا جائے۔(ابن سعود، ص۲۱۳)

• ابن سعود دعوتوں میں جاتا تھا اور دعوتوں میں ثابت بھیڑیں ابال کر چاولوں کے ڈھیر پر رکھ دی جاتیں۔ بڑی دعوتوں میں ثابت اونٹ بمع سر اور ٹانگیں بہت بڑے برتن میں ابالے جاتے، اور اونٹوں کے پیٹ میں بھیڑیں ڈال دی جاتیں، بھیڑوں کے پیٹ میں مرغے اور مرغوں کے پیٹ میں انڈے بھر دیئے جاتے تھے۔(ابن سعود، ص۲۵۱)

• ابن سعود کی شادیوں کی تعداد کسی کو معلوم نہیں ۱۹۴۷ء میں امریکی انگریز

کواس نے بتیس بتائی تھی مگر اس کے چچازاد نے اتفاق نہ کیا اور پینتالیس(۴۵) پر اتفاق ہو گیا۔ مگر انگریز اس کی بیویوں کی تعداد تین سو بتاتے ہیں، اسے خود یاد نہیں تھی۔(ابن سعود، ص ۲۵۳)

- جنگ اول کے اختتام کے بعد شریف حسین کے بیٹے عبداللہ کو انگریزوں نے اردن کا بادشاہ بنا دیا اور ۱۹۲۱ء میں برطانیہ کے وزیر اعظم سر ونسٹن چرچل نے شریف مکہ کے دوسرے بیٹے فیصل کو عراق کا بادشاہ بنا دیا۔ ۱۹۵۱ء میں عبداللہ کو قتل کر دیا گیا، اس کی جگہ شاہ حسین بن طلال بادشاہ بنا دیا گیا اور عراق کے بادشاہ فیصل دوم کو فوجی جنرل عبدالکریم نے بمع اہل وعیال قتل کر کے ختم کر دیا۔

(ابن سعود، ص ۲۶۰)

حجاز کی فتح کیلئے ابن سعود کے مشورے:

- ابن سعود اور کاکس کے درمیان ملاقات ۱۹۲۲ء میں الحساء کے ساحل پر اقائر نامی گاؤں میں ہوئی۔ کاکس کو ہر وہ چیز مہیا کی گئی جو ایک انگریز کیلئے ضروری ہوتی ہے۔ چارپائیاں، میز، کرسیاں، چھری، کانٹے بسترے، سفری غسل خانہ، ہر قسم کے کھانے، ان کے ساتھ مختلف فروٹ، سگریٹ، شراب۔ کاکس نے جب نقشہ پر خط کھینچ کر عراق اور اردن کے علاقوں کی حد بندی کی ابن سعود نے کئی جگہوں پر خط تبدیل کرنے کے لئے کہا۔ (ابن سعود، ص ۲۶۴) اقائر میں ایک انگریز فرینک ہومز سے ابن سعود کی ملاقات ہوئی۔ کیمرے سے لی گئی تصویر میں وہ ابن سعود اور کاکس کے پیچھے کھڑا نظر آتا ہے۔ کاکس اور ابن سعود کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ ہومز، یہ نیوزی لینڈ کا رہنے والا تھا، ایسٹرن اینڈ جنرل کمپنی میں ملازم تھا۔ اسے الحساء میں پیٹرول کے پائے جانے کا علم تھا۔ اینگلو ایرانی کمپنی ۱۹۰۹ء سے ایرانی شہر آبادان سے تیل نکال رہی تھی۔ ابن سعود کو پیسے کی سخت ضرورت تھی

وہ تیل ٹھیکہ دینے کے معاملہ میں تذبذب کا شکار تھا کیونکہ ابن سعود کے پیچھے وہابی علماء کھڑے تھے، جو کسی کافر کو ٹھیکہ دینے کیلئے تیار نہیں تھے۔ آخر مجبور ہو کر ابن سعود نے ہومز کی دو ہزار پونڈ سالانہ کی پیشکش قبول کر لی۔ حالانکہ یہ پیشکش مضحکہ خیز تھی کیونکہ یہاں اربوں کھربوں پونڈ کا تیل موجود تھا مگر بعد میں یہ ٹھیکہ منسوخ ہو گیا تھا۔(ابن سعود، ص ۲۶۶)

- ۱۹۲۳ء میں انگریز نے ابن سعود اور شریف حسین کے وظیفے بند کر دیئے تھے کیونکہ وظیفے جنگ عظیم اول میں عربوں کا تعاون حاصل کرنے کے لئے دیئے گئے تھے۔(ابن سعود، ص ۲۶۶)

- اب ابن سعود کو پیسوں کی سخت ضرورت تھی اور آمدنی کا ذریعہ مکہ اور مدینہ منورہ کے حجاج اور زائرین تھے۔ ابن سعود نے لاچار مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ حجاز ایک دروازہ تھا جو باہر کی طرف کھلتا تھا مگر اس کام میں تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ عبدالعزیز کی بائیں آنکھ ایک جنگ میں بارود پڑنے سے ضائع ہو گئی۔ مصر سے ایک انگریز ڈاکٹر منگوایا گیا مگر اس کے پہنچنے سے پہلے آنکھ ہمیشہ کے لئے تاریکی میں ڈوب گئی۔ اس نے حجاز کے بارے میں مشائخ سے مشورے کئے اور حکومتوں سے مشورے طلب کئے کہ حجاز مقدس سے تمام وہابی حضرات مل کر شریف حسین کو حجاز سے نکال باہر کریں۔

- سب سے پہلے ابن سعود نے اخوان جنگجوؤں کا مختصر لشکر طائف پر قبضہ کرنے کیلئے بھیجا۔ طائف مکہ شریف سے مشرق میں چالیس میل کے فاصلے پر ہے۔ ان جنگجوؤں نے ۲۳ ستمبر ۱۹۲۴ء کو طائف شہر کا محاصرہ کر لیا۔ شریف حسین کے بیٹے امیر علی کی فوج بھاگ گئی اور خود امیر علی فوج کے آگے آگے تھا۔ طائف کے لوگوں نے بغیر مزاحمت دروازے کھول دیئے مگر غلطی سے کسی ایک شہری کی گولی چل

گئی پھر کیا تھا کہ ابن سعود کے وہابی لشکر نے ہر طرف تباہی مچادی جو سامنے آیا اس کو قتل کردیا۔ مکہ مکرمہ میں اخوان کے ظلم کی داستان پہنچ چکی تھی۔ ہزاروں لوگ مکہ مکرمہ چھوڑ کر جدہ بھاگ گئے مگر شریف حسین مکہ میں رہا اور ابن سعود کی وہابی فوج کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے گاڑیوں میں سوار ہو کر بحری جہاز کے ذریعہ قبرص چلا گیا اور چھ سال کے بعد فوت ہو گیا۔ (ابن سعود)

● چونکہ ۱۸۰۲ میں وہابیوں کے ہاتھوں حجاز (مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) کے لوگ مزہ چکھ چکے تھے، اسلئے وہ طائف کے مظالم پر یقین کر گئے کیونکہ پہلے کی طرح اب بھی وہابیوں کے غیض اور غضب کا پہلا نشانہ اہل طائف تھے۔

● جب ابن سعود کی فوج اخوان مکہ پہنچی تو انہوں نے اعلان کیا کہ جو شخص اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے بعد عبدالعزیز کی فرمانبرداری قبول کرے گا اسے امان دی جائے گی اور اگر عبدالعزیز کی فرمانبرداری قبول نہیں کرے گا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ دوسرے دن ایک ہزار اخوان ایک ایک رائفل لے کر شہر میں داخل ہوئے۔ گلیاں سنسان اور بازار ویران پڑے تھے۔ لوگ گھروں میں چھپے ہوئے تھے۔ وہابی علماء نے شہر میں داخل ہوتے ہی مکروہات اور خرافات، بدعات اور شرک کے نشانات مٹانے شروع کر دیئے۔ انہوں نے تمام خانقاہوں کی عمارات گرادیں، قبروں کے گنبد گرادیئے۔ ایک بالشت سے اونچی قبریں اور پختہ قبریں اکھاڑ دیں۔ اور ۱۳/اکتوبر ۱۹۲۶ء کو ابن سعود خود مکہ مکرمہ پہنچ گیا۔

(خلاصہ فتح حجاز مقدس از کتاب ابن سعود ص ۲۵۹ تا ۲۷۸)

جدہ پر قبضہ: ابن سعود اپنی اخوان فوجوں کے ساتھ جدہ پر قبضہ کرنے کے لئے نکلا۔ جدہ میں موجود امیر علی جو کہ شریف حسین کا بیٹا تھا، اس نے انگریز فلبی کے ذریعہ ابن سعود کو پیغام بھیجا، ہم مسلمانوں کا خون نہیں بہانا چاہتے، مجھے اہل وعیال

کے ساتھ جدہ سے اپنے فیصل بھائی کے پاس عراق جانے دو اور آپکی فوجیں جدہ میں داخل نہ ہوں۔ اس طرح گیارہ ستمبر ۱۹۲۵ء میں جدہ شہر ابن سعود کے حوالے کر دیا گیا۔ اس کے بعد ابن سعود مدینہ منورہ پر قبضہ کرنے کے ارادے سے نکلا۔ چونکہ ترک مدینہ میں قتال نہیں چاہتے تھے، وہ مدینہ منورہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ابن سعود بغیر مزاحمت کے مدینہ منورہ داخل ہو گیا۔ اس طرح اس نے ۱۹۲۶ء میں حجاز مقدس مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اور جدہ پر اپنی سلطنت کا اعلان کر دیا۔ پھر اس نے حجاز مکہ اور مدینہ منورہ میں علماء اور قاضی مقرر کر دیئے اور اپنے وہابی نظریات کے مطابق نظام نافذ کر دیا ہے۔

● ابن سعود نے تیل کے ٹھیکے امریکن کمپنی آرامکو کو دیئے اور جنگ عظیم دوم میں ابن سعود برطانیہ اور امریکہ کا اتحادی رہا۔ الغرض ابن سعود ۹ نومبر ۱۹۵۳ عیسوی میں فوت ہو گیا۔ اسکے بعد اس کا بیٹا سعود سعودیہ عربیہ کا بادشاہ بن گیا۔ سعود کے بعد شاہ فیصل اور شاہ فیصل کے بعد شاہ خالد اور شاہ خالد کے بعد فہد اور شاہ فہد کے بعد شاہ عبداللہ ابن عبدالعزیز اس وقت ۲۰۱۲ عیسوی میں سعودیہ کا بادشاہ ہے اور اس کے بعد سلطان ابن عبدالعزیز کی باری تھی مگر وہ فوت ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں اب کون ولیٔ عہد ہو گا۔ ابن سعود کی بیک وقت تین سو بیویاں تھیں، ان سے چوالیس بیٹے اور کہیں زیادہ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔

ابن سعود کی گھریلو زندگی: ابن سعود کی شادیوں کے متعلق مورخ تین سو کی تعداد بتاتے ہیں۔ وہ شاید کنیزوں اور شادیوں کو شمار کرتے ہیں۔ ان سے ابن سعود کے چوالیس لڑکے جوان ہوئے اور بہت سے لڑکے بچپن میں فوت ہو گئے۔ اس کی لڑکیوں کی تعداد کا علم نہیں۔ اس نے ہر بیوی کے لئے الگ الگ مکان بنوایا اور بچوں کیلئے الگ الگ کمرے بنوائے۔ (ابن سعود ص ۱۲۷)

• چونکہ ابن سعود کے نظریات اور عقائد کے مطابق اس وقت کے اکثر مسلمان وہابی عقائد نہیں رکھتے تھے، اس لئے ابن سعود اور اسکے وہابی علماء نے حجاز اور غیر حجاز کے مسلمانوں کے ساتھ قتال کو جہاد قرار دیا تھا۔ واضح رہے ان کے نزدیک جہاد میں جو مسلمان عورتیں گرفتار ہوتی رہیں انہیں کنیز بنایا جاسکتا تھا۔ اس لئے شاید ابن سعود کی منکوحہ بیویاں تو چار ہونگی مگر باقی سب لونڈیاں ہونگی۔

• قارئین خود فیصلہ کریں کہ وہابی نظریات کس قدر باطل ہیں۔ آخر حضرت علی اور حضرت عائشہ سے لے کر ترک اور دیگر مسلمان حکمرانوں کے درمیان اور آج تک مسلمانوں کے درمیان باہم جنگیں ہوتی رہیں اور اکثر جنگیں اقتدار کی جنگیں تھی مگر کسی حکمران نے اپنے مد مقابل مسلمان کو کافر قرار دے کر ان کے ساتھ جہاد کو جائز قرار نہیں دیا اور ان کے اموال کو مال غنیمت قرار نہیں دیا اور ان کی بیویوں اور بیٹیوں کو کنیز قرار نہیں دیا اور ان کے مردوں کو واجب القتل قرار نہیں دیا حتی کہ خارجیوں کے ساتھ حضرت علی کی جنگ ہوئی۔ لوگوں نے حضرت علی سے عرض کیا، کیا یہ خارجی کافر ہیں؟ حضرت علی نے جواب دیا، نہیں۔ "اِخْوَانُنَا بَغَوْا عَلَیْنَا۔" (یہ ہمارے مسلمان بھائی ہیں مگر انہوں نے بغاوت کی ہے۔) اس لئے ہم ان کی بغاوت کو قتال کے ذریعے ختم کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت علی نے خارجیوں کی بیویوں اور بیٹیوں کو کنیز نہیں بنایا۔ وہابی تو یزید پلید بھی برے ہیں، جس نے کربلا کی اسیر خواتین کو کنیز نہیں قرار دیا تھا، مگر ان لوگوں نے صحیح مسلمانوں کو مشرک قرار دے کر ان کی خواتین کی عزتیں لوٹیں اور اموال کو مال غنیمت قرار دے کر باہم تقسیم کرلیا اور جوان مردوں کو قتل کردیا۔ لَاحَوْلَ وَ لَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

• قارئین! خود انصاف کریں کہ ابن سعود نے لاکھوں مسلمانوں کو قتل کیا اور

مکہ اور مدینہ جیسے مقدس شہروں کے مسلمانوں کو بھی نہیں بخشا۔ اس کی بخشش کس طرح ہوگی۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

• پاکستانی اور ہندوستانی بعض فرقوں کے لوگ جو کہ ابن وہاب کے نظریات کے حامل ہیں اور ان کی تعریف میں ہر وقت رطب اللسان رہتے ہیں، انہیں اس سلسلہ میں غور و فکر کرنا چاہیئے۔ کیا انہیں آخرت یاد نہیں ہے! اختلاف اور مذہبی تعصب کی بھی ایک حد ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالی سب کو ہدایت دے۔

• آج جنوری ۲۰۱۲ عیسوی بمطابق ربیع الاول ۱۴۳۳ ہجری ہے۔ پھر انگریز عراق اور افغانستان پر مکمل قبضہ کے بعد دیگر مسلم ریاستوں میں اپنے پٹھو سرداروں کی پشت پناہی کر کے اور انہیں اقتدار دلا کر مسلمان ریاستوں پر قبضہ کر رہا ہے۔ چنانچہ انگریز نے تیونس اور مصر اور لیبیا میں اپنی پسند کے ایجنٹ مقرر کر دیئے ہیں۔ شام اور یمن اور اردن میں ہنگامے کراتے جارہے ہیں اور ایک منصوبہ کے تحت عربوں کی تیل کی دولت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے تمام تیل کے خزانے رکھنے والی مسلم ریاستوں میں انگریز اپنے ایجنٹ مقرر کر رہے ہیں۔ اکثر ملکوں میں تحریکیں چل رہی ہیں۔ لیبیا میں کرنل قذافی کا تختہ الٹنے کے بعد برطانیہ کا وزیر اعظم کیمرون اور فرانس کا وزیر اعظم سرکوزی اپنے مسلمان ایجنٹ کو اقتدار دلا کر اس کے دائیں بائیں ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر خوشیاں منا رہے ہیں اور دنیا بھر کے اخبارات اور ٹی وی چینل اسکو نشر کر رہے ہیں۔ غیر مسلم تو خوش ہیں ہی مگر مسلمان حکمران بھی خوش ہیں۔ اور مسلمان یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سب کچھ مسلمانوں کو لوٹنے کیلئے کیا جارہا ہے۔ افواہ یہ بھی ہے کہ انگریز سعودیہ عربیہ میں بھی انقلاب چاہتا ہے۔ اگرچہ سعودیہ پہلے بھی انگریزوں کا اتحادی ہے اور حسب معاہدہ انگریزوں کی تمام شرائط پر عمل کر رہا ہے مگر انگریز مزید مال لوٹنا چاہتا ہے۔

اگر سعودی حکمرانوں نے مزید مال دینے میں اطاعت قبول کرلی تو پھر یہی حکومت رہے گی ورنہ انگریز سعودیہ میں بھی عوامی انقلاب کے بعد اپنا ایجنٹ مقرر کردے گا۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کی تقریباً ساٹھ کے قریب ریاستوں کے حکمرانوں میں اتحاد اور اتفاق نہیں ہے اور حکمران شباب و رباب میں مدہوش ہیں۔ لیبیا اور تیونس اور مصر کے انقلاب پر سعودیہ بھی خوش ہے اور دیگر مسلم ریاستوں کے حکمران بھی مگر انہیں یہ نہیں معلوم کہ ان کی باری بھی آنے والی ہے۔اللہ تعالی مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے شر سے امان عطا فرمائے۔

محمد رفیق حسنی

25-9-2011

حادثات

- ✓ پہلا حادثہ۔آگ کا خارج ہونا
- ✓ مدینہ منورہ میں زلزلوں کا آنا اور گورنرِ مدینہ کا سرکارِ دوعالم ﷺ کی پناہ لینا
- ✓ آگ کا دوسرا حادثہ
- ✓ مسجدِ نبوی میں آگ لگنے کی حکمت
- ✓ حضور ﷺ کا اپنے امتیوں کو آگ سے بچانا

حادثات

۱۔ ولید ابن عبدالملک کی امارت کے زمانہ میں ۸۷تا۹۳ ہجری تک حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے گورنر رہے۔ انہی دنوں میں حجرہ مبارکہ کی مشرقی دیوار اندر کی طرف گر گئی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دوبارہ دیوار بنانے سے پہلے حضرت زین العابدین سے فرمایا، حجرہ مبارکہ کے اندر جاکر قبور مطہرہ سے صفائی کرلو۔ حضرت قاسم بن محمد ابن ابی بکر اور حضرت سالم بن عبداللہ ابن عمر بھی کہنے لگے، ہم بھی صفائی کیلئے اندر جائیں گے۔ باہم تنازع کا اندیشہ ہوگیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان تینوں کو اندر جانے سے روک دیا اور اپنے غلام مزاحم کو حکم دیا کہ صرف تم جاکر صفائی کرو۔ انہوں نے جاکر صفائی فرمائی۔ صفائی ہوگئی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دیوار بنانے والے مستری ابن وردان کو حکم دیا کہ دیوار بنادو۔ اور اسی دوران قبروں کے آگے کپڑے کا پردہ لگادیا گیا تھا۔ جب ابن وردان نے بنیاد رکھنے کیلئے کھدائی کرائی تو اچانک ایک آدمی کے گھٹنے تک قدم ظاہر ہوگئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز گھبرا گئے۔ معلوم کیا کہ یہ قدم کس کے ہیں۔ وہاں حضرت عمرؓ کے پڑپوتے عبداللہ ابن عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر موجود تھے، انہوں نے دیکھا تو عرض کیا یہ حضرت عمرؓ کے قدم ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابن وردان کو فرمایا، ظاہر ہونے والے قدموں پر مٹی ڈال کر چھپادو۔ چنانچہ چھپانے کے بعد حضرت عمر کے قدموں سے تھوڑے فاصلے پر دیوار کے لئے کھدائی کرکے دیوار مکمل فرمادی۔

۲۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو جب شام سے ولید ابن عبدالملک کا حکم پہنچا کہ ازواجِ مطہرات کے وارثوں سے حجروں کو خرید کر گرادیں اور مسجد کو وسعت

دے دیں۔ علما مدینہ نے اسکی مخالفت کی اور عمرابن عبدالعزیز سے کہا، ان آثار النبی ﷺ کو نہ گرایا جائے تاکہ آپ ﷺ کی آنے والی امت ان حجرات کو دیکھ کر عبرت اور نصیحت حاصل کرے۔ مگر ولید کے حتمی حکم کی وجہ سے علماء مدینہ کی بات کو اہمیت نہ دی گئی۔ جس دن حجرات مبارکہ کو گرایا گیا اس دن اہل مدینہ اتنا روئے اور ایسا روئے جس طرح سرورِ دوعالم ﷺ کے وصال مبارک پر روئے تھے۔ (وفاء الوفاء)

۳۔ ۵۴۸ ہجری میں زائرین اور اہل مدینہ نے حجرہ مبارکہ کے اندر سے دھماکے جیسی آواز سنی۔ اس وقت مدینہ منورہ کا امیر قاسم ابن مھنی حسینی تھا، اسے بتایا گیا۔ اس نے کہا، ایسا صالح شخص تلاش کیا جائے جس کو ہم حجرہ میں اتاریں کہ وہ دیکھے اندر کیا ہوا ہے۔ چنانچہ موصل کے شیخ الشیوخ حضرت عمر نسائی، جو اس وقت مدینہ منورہ میں مقیم تھے، ان کو عرض کیا گیا۔ اس نے کہا، مجھے بار بار واش روم جانا پڑتا ہے، مجھے جلاب اور موشن کی تکلیف ہے مگر جب لوگوں نے انہیں مجبور کیا تو اس نے کچھ دن کیلئے مہلت مانگی اور کہا، میں کوشش کرتا ہوں کہ یہ مرض کم ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے کھانا اور پینا ترک کردیا اور جناب سرور دوعالم ﷺ سے سوال کیا، یارسول اللہ میرا مرض اتنے وقت کیلئے مؤخر ہو جائے جتنے وقت کے لئے حجرہ مبارکہ میں جاکر واپس باہر نہ آجاؤں۔ چنانچہ مرض رک گیا۔ آپ کو مسجد کی چھت کے روشن دان سے حجرہ مبارکہ کی چھت پر رسیوں سے اتارا گیا۔ پھر وہ خود حجرہ مبارکہ کی چھت کے روشن دان سے حجرہ مبارکہ کے اندر اترے۔ جاکر دیکھا تو قبور مبارکہ پر چھت کے بعض حصوں سے مٹی وغیرہ گری ہوئی تھی۔ آپ کے ساتھ روشنی کیلئے چراغ موجود تھا۔ آپ نے قبور مطہرہ سے مٹی کو دور کیا اور آپ نے اپنی ڈاڑھی سے بھی مٹی صاف کی تاکہ برکت حاصل ہو۔ آپکی ڈاڑھی

سفید اور سیاہ بالوں سے ملی جلی تھی۔ صفائی کے بعد واپس باہر آئے اور وہ مرض دوبارہ شروع ہو گیا۔(در ثمین ابن نجار)

۴- اسی قسم کا ایک واقعہ ۵۵۴ ہجری میں بھی پیش آیا۔ قاسم ابن مہنی حسینی کی امارت کے زمانے میں حجرہ مبارکہ سے بدبو پھوٹ پڑی۔ لوگوں نے امیر کو ذکر کیا تو اس نے حجرہ مبارکہ میں داخل ہو کر معلومات حاصل کرنے کی اجازت دی، بیان الاسد خصی خادم اور صفی الموصلی متولی مسجد اور ہارون شاذلی صوفی حجرہ مبارکہ اور عمر ابن عبدالعزیز کی بنائی گئی مخمس عمارت کی دیوار کے درمیان گیلری میں اترے تو گیلری میں ایک مردہ بدبودار بلی پڑی ملی۔ وہ عمر ابن عبدالعزیز کی بنائی گئی عمارت کے اندر گیلری میں گری تھی کیونکہ اس عمارت کی چھت نہیں تھی انہوں نے وہ بدبودار بلی نکالی اور بدبو ختم ہو گئی۔ (وفاء الوفاء)

۵- اسی قسم کا ایک واقعہ ۵۷۰ ہجری کے قریب بھی رونما ہوا۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ حجرہ مبارکہ سے ٹوٹ پھوٹ اور مواد گرنے کی آوازیں آتی تھیں۔ اہل مدینہ نے اس وقت کے خلیفہ کو خط لکھا۔ خلیفہ نے فقہاء سے فتویٰ طلب کیا۔ فقہاء نے فتویٰ دیا کہ نہایت صالح آدمی اندر اتارا جائے تاکہ معلوم ہو سکے اندر کیا ہوا ہے؟ چنانچہ قائم اللیل والنہار صوفی بدر الضعیف جو عباسی نسب کا ایک بزرگ تھا، اس کو حجرہ مبارکہ میں اتارا گیا۔ اس نے دیکھا کہ حجرہ مبارکہ کی مشرقی دیوار کا کچھ حصہ گر چکا تھا، جس کو پہلے حضرت عمر ابن عبدالعزیز بنوا چکے تھے مگر پھر کچھ پتھر گر گئے تھے۔ انہوں نے دوبارہ دیوار کا ساقط شدہ حصہ تعمیر کیا حضرت بدر موصلی کو وہاں سے ایک لکڑی کا پیالہ ملا جو دیوار کے پتھر گرنے سے ٹوٹ گیا تھا۔ حجرہ مبارکہ سے کچھ مٹی اور پیالہ بغداد لایا گیا۔ وہ دن اہل بغداد کے لئے عید جیسا دن تھا۔ لوگ حضرت بدر موصلی کے استقبال کیلئے جمع ہو گئے اور پیالہ کی زیارت پر

اژدھام ہو گیا اس دن دوکانیں اور کاروبار بند ہو گئے۔

- وفاء الوفاء میں ان تینوں واقعات کا ذکر ہے اور مصنف امام سمہودی نے ان تینوں واقعات میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور مصنف کا موقف یہ ہے کہ حجرہ مبارکہ کے دروازے بالکل بند کر دیئے گئے تھے اس لئے حجرہ مبارکہ میں اترنے والے لوگ چھت کے روشن دان سے اترے ہونگے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کی صفات قہریہ کا ظہور

پہلا حادثہ۔ آگ کا خارج ہونا:

جناب سرور دو عالم ﷺ نے خبر دی تھی:

”یُوْشِكُ نَارٌ تَخْرُجُ مِنْ حُبْسِ سَيْلٍ تَسِيْرُ سَيْرَ بَطِيْئَةِ الْاِبِلِ تَسِيْرُ النَّهَارَ وَ تُقِيْمُ اللَّيْلَ۔“(وفاالوفاص ۱۴۱ج ا مکتبہ احیاالتراث بیروت)

ترجمہ: ”حبس سیل کے مقام سے عنقریب آگ خارج ہو گی بالکل آہستہ چلنے والے اونٹ کی چال چلے گی، دن کو چلے گی اور رات ٹھہر جائے گی۔“

حدیث:

”لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَسِيْلَ وَادٍ مِنْ اَوْدِيَةِ الْحِجَازِ بِالنَّارِ يُضِيْءُ لَهُ اَعْنَاقُ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى“(وفاء الوفاء)

ترجمہ: ”قیامت قائم نہیں ہو گی حتیٰ کہ حجاز کی وادیوں سے ایک وادی سے آگ بہنے لگے گی جس سے بصریٰ میں موجود اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی۔“

حدیث:

"لَیۡتَ شَعۡرِیۡ مَتٰی تَخۡرُجُ نَارٌ بِاَرۡضِ الۡیَمَنِ مِنۡ جَبَلِ الۡوَرَاقِ تُضِیۡءُ مِنۡهَا اَعۡنَاقُ الۡاِبِلِ بِبُصۡرٰی بُرُوۡکَاً کَالضَّوۡءِ النَّهَارِ۔" (وفاء الوفاء)

ترجمہ: "ہائے! میرا علم جب یمن کی زمین کے جبل وراق سے آگ خارج ہوگی اس سے بصری شہر میں موجود اونٹوں کی گردنیں روشن ہو جائیں گی اسطرح روشنی ہوگی جس طرح دن کی روشنی۔"

- بصریٰ دمشق سے ۱۴۵ کلو میٹر کے فاصلے پر شہر حوران کے میدانی علاقوں میں ہوا کرتا تھا۔ یہاں راہب بحیرہ کا کلیسا تھا اور وہ درخت ابھی موجود ہے جس کے نیچے آپ ﷺ کی ذات اور صفات دیکھ کر راہب نے کہا تھا یہی آخری نبی ہیں۔
- احادیث میں خروج نار کی جگہوں کے مختلف نام ذکر کئے گئے ہیں مثلاً حبس سیل اور جبل اوراق اور جبل احلیین وغیرہا۔ یہ مقامات مدینہ منورہ کے مشرق میں ہیں۔

مدینہ منورہ میں زلزلوں کا آنا اور گورنرِ مدینہ کا سرکارِ دوعالم ﷺ کی پناہ لینا:

- ۶۵۴ ہجری جمادی الاول میں ہلکی قوت کے زلزلوں سے آگ کا یہ سلسلہ شروع ہوا اور کئی دن تک جاری رہا پھر جمادی الآخر کی چار تاریخ بروز بدھ عشاء کی نماز کے بعد مدینہ منورہ میں پہلا زلزلہ آیا، جس سے لوگ بدحواس ہو کر بھاگنے لگے۔ اس کے بعد ساری رات زلزلے کے جھٹکے مسلسل ہوتے رہے حتی کہ جمعۃ المبارک آگیا۔ جمادی الآخر کے اختتام تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ لوگوں میں خوف پھیل گیا۔ مرد اور عورتیں اور بچے مسجد شریف میں جمع ہوگئے حتی کہ امیر مدینہ منورہ (گورنر) اور افسران بالا مسجد نبوی شریف میں آگئے۔ دن رات توبہ کرتے

اور روتے تھے اور سرورِ دوعالم ﷺ کے جوار میں آکر امان اور حفظ کی دعا کرتے تھے اور سرورِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں فریاد کرتے تھے۔ مسلسل ہلکے زلزلوں کی وجہ سے زمین میں شگاف پڑ گئے اور مسجد کے فانوس ہر وقت ہلتے رہتے تھے۔ آخر کار جمعہ کے دن مدینہ منورہ سے مشرق میں بنی سلیم کے علاقہ سے آگ کا لاوا پھوٹ پڑا۔ زیر زمین جب آتش فشاں پھٹا تو زلزلے بند ہو گئے کیونکہ لاوے کا آتش گیر مادہ جب زمین کی عمیق تہوں میں ادھر ادھر دوڑتا پھر رہا تھا، زلزلوں کے جھٹکے پیدا ہو رہے تھے، جب بنی سلیم کے پہاڑوں سے آتش گیر مادہ ابل پڑا تو زلزلے رک گئے۔

- امام قرطبی لکھتے ہیں، آگ ایک بہت بڑا شہر محسوس ہوتا تھا۔ اس آگ کے اوپر منارے اور برج اور پہاڑ نظر آتے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ اسے لوگ کھینچ کر آگے لے جارہے ہیں۔ آگ جس پہاڑ سے گزرتی تھی اسے پگھلا دیتی تھی۔ آگ سے سرخ اور بلور نگ کے مادہ کی نہریں ظاہر ہوئیں، جن میں آگ بہ رہی تھی اور آگ کی آواز ایسی تھی جیسے بادلوں کی گرج اور چمک ہوتی ہے۔
- قطب قسطلانی بیان کرتے ہیں چھ جمادی الآخر بروز جمعہ آگ کی ابتدا ہوئی اور رجب کی ستائیس تاریخ تک قائم رہی۔ باون (۵۲) دن آگ جلتی رہی، لاوہ کا مادہ پانی کی طرح وادیوں میں بہتا اور چلتا رہا۔ بعض لوگوں نے تین ماہ ذکر کئے ہیں۔ لاوے کا مادہ اور آگ مدینہ منورہ کے حرم کی حدود جبل احد کے مشرق میں جبل عیر کی وادی شظاۃ تک پہنچے مگر مدینہ منورہ کے حرم کی حدود میں داخل نہ ہوئے اور یہ شان الٰہی ہے کہ اس دوران مدینہ منورہ میں ٹھنڈی باد نسیم چلتی رہی۔ آگ اور لاوے کے آتش گیر مادہ کا طول تقریباً بارہ میل اور عرضاً چار میل تھا اور آگ کی اونچائی کم از کم گیارہ فٹ تھی اور آتش گیر مادہ کا تقریباً آدھا میٹر سیل رواں

بہتارہااور آگ کی زیادہ سے زیادہ اونچائی کی حد معلوم نہیں۔ مگر اس آگ کی روشنی سے بصریٰ میں موجود اونٹ نظر آتے تھے۔ سورج اور چاند کی روشنی آگ کی روشنی کے آگے مدہم پڑ گئی۔ ایسا لگتا تھا سورج اور چاند کو گرہن لگا ہوا ہے۔ لاوے کے مادہ کی رفتار آہستہ چلنے والے اونٹ کی رفتار جیسی تھی اور لاوا شمال کی جانب آگ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ یہ آگ اہل مکہ اور اہل ینبوع کو بھی نظر آتی تھی۔ اسکی کڑک آواز بادلوں کی کڑک اور گرج اور چمک جیسی تھی۔ جہاں سے گذرتی اسے پگھلا دیتی تھی۔ اہل مدینہ ڈر گئے اور سب جناب رسول اللہ ﷺ کے حجرہ مبارکہ کے ارد گرد جمع ہو گئے حتیٰ کہ مدینہ منورہ کے امیر (گورنر) عزالدین منیف ابن شیحہ کے پاس قاضی سنان پہنچا اور اسے کہا، اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ہمارا احاطہ کر لیا ہے، آپ اور ہم گھروں سے نکلیں اور سرورِ دو عالم ﷺ کی پناہ اور جوار حاصل کریں اور سابقہ مظالم سے توبہ کریں۔ چنانچہ مدینہ منورہ کا گورنر اور قاضی مسجد میں حجرہ مبارکہ کے ارد گرد عوام عورتوں اور بچوں کے ساتھ ننگے سر زار و قطار روتے تھے اور گناہوں سے توبہ کرتے تھے اور سرورِ دو عالم ﷺ سے استعانت کرتے تھے۔ گورنر نے سارے غلام آزاد کر دیئے اور مظالم واپس کر دیئے۔

● جبل عیر تک جو کہ مدینہ منورہ کے حرم کی آخری حد ہے، پہنچ کر یہ سیلاب رک گیا اور لاوے نے منجمد ہونا شروع کر دیا۔ میلوں تک پھیلا یہ آتش گیر مادہ سیاہ اور گہرے نیلے رنگ کے پتھروں میں تبدیل ہو گیا۔ آٹھ صدیوں کے گذر جانے کے باوجود آج بھی مدینہ منورہ شریف کی شمال مشرقی جانب آتش گیر مادہ نظر آتا ہے، جہاں آج کل مدینہ طیبہ کے واٹر سپلائی کا پلانٹ نصب ہے۔ مدینہ منورہ سے ائیر پورٹ جائیں تو حدود حرم سے نکلتے ہی دونوں لاوے کے منجمد پتھر نظر آئیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سرورِ دو عالم ﷺ کے وسیلہ سے آگ کا رخ شمال کی جانب

پھیر دیا اور جناب سرورِ دو عالم ﷺ کی پیش گوئی صادق ہوئی۔ (وفاء الوفاء)

نوٹ: اس قسم کے واقعات لوگوں کے ڈرانے اور توبہ کی طرف توجہ دلانے کے لئے واقع ہوتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

"وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا۔" (آیت نمبر ۹۵ سورۃ الاسرا)

ترجمہ: "اور ہم نہیں بھیجتے نشانیاں اور آیات مگر ڈرانے کیلئے۔"

فرمایا:

"ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ۔" (۱۶ سورۃ زمر)

ترجمہ: "یہ (واقعہ) اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ڈراتا ہے اپنے بندوں کو اے میرے بندے پس مجھ سے ڈرو۔" (وفاء الوفاء)

آگ کا دوسرا حادثہ:

● اسی سال ۶۵۴ ہجری کے آخر میں مسجد نبوی اور حجرہ مبارکہ کو آگ نے جلا دیا۔ ہوا یہ کہ رمضان المبارک کے پہلے جمعہ کی رات کے پہلے حصہ میں خادم مسجد ابو بکر بن احمد مسجد کے مغربی شمالی زاویہ (کونہ) میں جلتے ہوئے چراغ کے ساتھ اسٹور میں داخل ہوا۔ غفلت میں چراغ کی آگ اسٹور میں رکھے ہوئے تیل اور سامان میں بھڑک اٹھی۔ اسٹور میں رکھی تمام چیزوں کو آگ نے جلا دیا پھر آگ ساری مسجد میں پھیل گئی کیونکہ مسجد اور حجرہ مبارکہ کی چھت اور ہالوں میں لکڑی کا کام کیا گیا تھا۔ آناً فاناً لکڑیوں نے آگ پکڑ لی اور مسجد اور حجرہ مبارکہ سخت متاثر ہوئے۔

● مکہ مکرمہ میں اس وقت کے قطب الاولیاء قطب عسقلانی نے اپنی تصنیف "عروۃ التوثیق فی النار الحریق" میں دونوں دفعہ آگ لگنے کا ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ میں مکہ مکرمہ میں مقیم تھا، مجھے نہایت صادق لوگوں نے جو مدینہ منورہ میں موجود تھے، خبر دی کہ آگ لگنے کا سبب یہ تھا کہ مسجد کا ایک خادم غربی شمالی